ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب بہت ہی جاذب اور متاثر کُن شخصیّت کے مالک تھے۔ جس کسی کا بھی اُن کی زندگی سے گذر ہوا وہ ایک مثبت اثر لیے بغیر نہیں رہا۔ آپ اپنی گُوناں گُوں مصروفیات کے باوجود باقاعدگی سے ڈائری لکھتے، خط و کتابت کرتے اور رشتہ داروں اور دوست احباب کو وقت دیتے تھے۔ آپ گرد و پیش پر گہری نظر رکھتے تھے اور اپنی زندگی کے حالات اور واقعات کے علاوہ اپنے خیالات اور تجربات کو بھی تحریر میں لاتے رہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی صاحب زادی صفیہ سعید صاحبہ نے بہت محنت سے اُن کی ڈائری، خطوط، متفرق مطبوعات اور تعلق دار لوگوں سے استفادہ کرتے ہوئے اُن کی زندگی کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ آپ کی سوانح حیات ایک بہت ہی دلچسپ اور روح پرور رُوئیداد ہے۔ آپ کی زندگی واقعی "حیاتِ سعید" تھی اور پڑھنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔




بسم الله الرحمن الرحيم

حیاتِ سعید

حیاتِ سعید

سوانح و مجاہدات خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب (ستارہِ خدمت)

امیرِ سوئم جماعتِ احمدیہ لاہور

جلد دوئم

صفیہ سعید

نام کتاب: حیاتِ سعید۔ جلد دوئم

مؤلف: صفیہ سعید

اِدارت: محمد سعید

خط نگاری: عتیق الرحمٰن

ترتیب و آراستگی: فصیحہ جمیل

سرورق: آمنہ سعید، عبیداللہ سعید

نقش کشی: https://www.vecteezy.com

ناشر: بنتِ زینب، کیلگری، البرٹا، کینیڈا

بار اوّل: ڈیجیٹل پرنٹ فروری ۲۰۲۱ء

ترتیب جلد دوئم

چھٹا حصہ۔ بیرونِ ملک دورہ جات

ساتواں حصہ

آٹھواں حصہ



چھٹا حصہ

بیرونِ ملک دورہ جات۔ ۱۹۷۵ء تا ۱۹۸۴ء



چودھواں باب

بیرون ملک پہلا سفر۔ اگست ۱۹۷۵ء

اَوَ مَنۡ کَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰہُ وَ جَعَلۡنَا لَہٗ نُوۡرًا یَّمۡشِیۡ بِہٖ فِی النَّاسِ

(اور کیا جو مردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کر دیا اور اُسے روشنی دی جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلے۔

(الانعام ۶:۱۲۲)

جماعتِ احمدیہ لاہور کے اہم مقاصد میں تبلیغ بلادِ غیر ہمیشہ سرفہرست رہی ہے۔ گذشتہ ادوار میں اکابرین و مبلغین بیرون ملک تشریف لے جاتے رہے ہیں اور اس فریضہ کو بطورِ احسن انجام دیتے رہے ہیں۔ حضرت خواجہ کمال الدینؒ کا بطور مبلغ انگلستان جانا اور اُن کی تبلیغی مساعی، جس کے نتیجے میں لارڈ ہیڈلے جیسی نامور شخصیات مشرف بہ اسلام ہوئیں اور پھر ووکنگ میں مسلم مشن کا قیام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ خواجہ صاحب کے بعد متعدد بزرگوں کی مساعی ترقی میں کارفرما رہیں۔ جرمنی کے شہر برلن میں ایک عالیشان مسجد کی تعمیر حضرت امیر دوم مولٰنا صدرالدینؒ کی گراں قدر خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اِس کے علاوہ متعدد مبلغ باہر تشریف لے گئے۔ ہالینڈ، انڈونیشیاء، جزائرِ فجی، جزائرِ غرب الہند، امریکہ اور افریقہ کے ممالک میں جماعتیں قائم ہوئیں۔ حضرت مجددِ وقت کی اِس الہامی پیشن گوئی کہ "تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا"، کو عملی جامہ پہنانے کے لیے احمدیہ انجمن لاہور بہ دل وجان کوشاں رہی ہے۔

۱۹۷۴ء کے شدید دھچکے کے بعد اب مرکز کی نگاہیں تبلیغ بلادِ غیر پر مرکوز تھیں، اور اس شدید صدمے سے جان بر ہونے کے لیے بیرون ملک جماعتوں کی از سرِ نو تنظیم اور اُنہیں متحد اور

فعال بنانے کی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ اس سلسلے کا پہلا قدم یہ تھا کہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو تبلیغ بلادِ غیر کمیٹی کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ اور آئندہ سالوں میں آپ ہی کو اُن مندوبین کی سربراہی کا اعزاز حاصل ہوا جو بیرون ملک اجلاس میں بغرض شمولیت روانہ کیے گئے۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے بیرونِ ملک جماعت بندی میں جو کردار ادا کیا، اُس سے ثابت ہو گیا کہ اِس کام کے لیے آپ سے بڑھ کر موزوں شخص اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

آیت مندرجہ عنوان کا حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی زندگی کے اِس آخری دور، بالخصوص بیرونِ ملک دورہ جات سے ایک خاص مناسبت ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۲۲ کے یہ ابتدائی الفاظ آپ کو بطورِ الہام اُس وقت عطا ہوئے تھے، جب آپ کے علاج کے لیے سرجری کا عمل مکمل ہو چکا تھا، اور ابھی آپ پر غنودگی سی طاری تھی۔ اس وقت موت و زیست کی ایک کشمکش کا سا عالم تھا۔ کون جانتا تھا کہ آپ اس مہلک مرض، تپِ دق سے جان بر ہو بھی پائیں گے یا نہیں۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں تھا کہ اِس نوید کا ابتدائی حصہ جلد ظاہر ہونے لگا۔ اور آپ کے مردہ جسم نے توانائی پائی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اِس مرض سے شفا پا لی۔ اُس وقت آپ اپنی زندگی کے سینتیس (۳۷) برس پورے کر چکے تھے اور اڑتیسویں (۳۸) برس میں تھے۔ الہام کے دوسرے حصے کی تعبیر کے ظاہر ہونے کے لیے اُتنے ہی مزید برس درکار تھے۔ آپ کی روحانی تربیت اور ایک نورانی شخصیت کی تکمیل کے لیے آپ کو کئی پُرخار راہوں پر چلنا تھا۔ کئی ابتلاؤں اور آزمائشوں سے گذرنا تھا۔ اور کئی امتحانوں میں ثابت قدمی سے آگے قدم بڑھانا تھا، تا کہ آپ کو وہ نور عطا ہو سکے جس کی بشارت دی گئی تھی۔ وہ نور جو صرف آپ کی اپنی ذات کے لیے محدود نہ ہو گا بلکہ آپ دوسرے لوگوں میں اِس نور کو لے کر چلیں گے اور دوسروں کو اُس سے منوّر فرمائیں گے۔ اُس خاص اہلیت کے پیدا ہونے کے جو اصلاحِ خلق اور تبلیغِ دین کے لیے اہم ہے آپ کو اس مدت کی ضرورت تھی جس سے نورِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ سکینت اور اطمینانِ قلب میں وہ وسعت پیدا ہو جائے کہ ڈاکٹر سعید احمد جرأت اور حوصلے کے ساتھ ہر مخالفت اور ہر قسم کی منصوبہ بازی

کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں۔ اور اُس نور کو تھامے نگری نگری پھر کر اسلام کے نور کو پھیلائیں۔ آپ کے بیرونِ ملک دورہ جات تاریخِ احمدیت میں ایک اہم سنگِ میل ہیں۔

انگلستان کا دورہ

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے بیرونِ ملک دوروں کا آغاز انگلستان سے ہوا۔ آپ مرکز کی نمائندگی کے لیے، لندن میں منعقد ہونے والی 'کنونیشن' میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے علاوہ کچھ اور احباب بھی انجمن کے مندوبین کے طور پر تشریف لے گئے تھے اور آپ اِس وفد کے سربراہ تھے۔

۲۳ اگست ۱۹۷۵ء کو آپ لندن پہنچے اور لندن کے علاقہ ٹوٹنگ میں واقع 'احمدیہ' ہاؤس میں قیام فرما ہوئے۔ چند دیگر احباب بھی وہاں تشریف فرما تھے۔

احمدیہ ہاؤس لندن

ووکنگ کی شاہجہان مسجد میں خواجہ کمال الدینؒ کا قائم کردہ مشن مسلمانوں کے لیے ایک مرکز کی حیثیت رکھتا تھا، اور بہت افادیت کا حامِل تھا۔ مگر زمانے کی ستم ظریفی سے یہ مرکز جماعت کے ہاتھوںسے جاتا رہا تھا۔ اب شدت سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ لندن میں مرکز کے لیے مناسب جگہ کا انتظام کیا جا سکے۔ دسمبر ۱۹۷۳ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر اس مقصد کے لیے رقم فراہم کرنے کی اپیل کا کام ڈاکٹر سعید احمد خان

صاحب کے سپرد کیا گیا تھا۔ جس پر حاضرینِ جلسہ نے دِل کھول کر چندہ دیا اور نوے ہزار روپے کی رقم جمع ہو گئی تھی۔ بعد میں کچھ اضافے کے ساتھ ایک لاکھ روپیہ اِس مقصد کے لیے لندن بھیجا گیا جو 'احمدیہ ہائوس' کی خریداری میں صرف کیا گیا تھا۔

اس جلسہ سالانہ کے موقع پر شیخ طفیل صاحب مبلغ انگلستان کی زیرِ قیادت ایک وفد، جس میں جزائر غرب الہند کے مرد و زن شامل تھے۔ لاہور تشریف لایا تھا۔ اپیل اور چندے کے مناظر اُن کے چشم دید تھے۔ اور وہ بہت متاثر ہو کر واپس گئے تھے۔

لندن میں پہلا دن اور غیر متوقع صورتِ حال

۲۴ اگست ۱۹۷۵ء، بعد از نمازِ فجر، قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے زیر تلاوت آئی۔

لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

اُن کے بہت سے خفیہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں سوائے اِس کے کہ کوئی خیرات یا بھلے کا کام یا لوگوں میں اصلاح کے لیے حکم دے اور جو شخص اللہ کی

رضا حاصِل کرنے کے لیے ایسا کرے گا اُسے ہم بہت بڑا اجر دیں گے۔
(النساء ۴: ۱۱۴)

ناشتے کے وقت شیخ طفیل صاحب احمدیہ ہاؤس میں تشریف لائے اور ڈاکٹر سعید احمد صاحب سے ملاقات فرمائی اور آپ کو ایک ایسی خبر سے مطلع فرمایا جو غیر متوقع ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے لیے باعثِ تشویش بھی تھی۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

> ناشتے کے وقت شیخ محمد طفیل صاحب آئے اور ایک ایسی بات بتائی جو میرے لیے بھاری تشویش کا موجب ہوئی۔ کہ کل مغربی کرہ کے لوگوں کی میٹنگ ہوئی ہے۔ جس میں فیصلہ ہوا ہے کہ آج ووکنگ جب جائیں گے تو وہاں تیس آدمیوں کی میٹنگ بلائی جائے گی۔ چار چار نمائندے ٹرینیڈاڈ، گیانا، سرینام، فجی، پاکستان، ہالینڈ وغیرہ کے اور ہر ملک کے مبلغ اُس میں شامل ہوں گے۔ اور یہ تجاویز پاس کرائی جائیں گی کہ ہر ملک بشمول پاکستان اور ایسا ہی لندن کی جماعت خود مختار (autonomous) ہو اور ہر ملک کے دو نمائندوں کی ایک سپریم کونسل بنائی جائے جو تمام دُنیا کے مشنوں کی نگران اور با اختیار ادارہ ہو اور امیرِ جماعت وغیرہ کا طریق بھی بدل دیا جائے اور اس طرح کام کو ترقی دی جائے۔

ووکنگ میں مشاورتی کونسل کا اجلاس

آپ دس بجے بذریعہ کوچ ووکنگ تشریف لے گئے۔ گرجا گھر کے ہال میں جلسہ ہونا تھا۔ وہاں آپ کی ملاقات مختلف احباب سے ہوئی اور آپ کو اِس تیس اشخاص کے جلسہ میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ چند دیگر احباب نے آپ سے طفیل صاحب کی بیان کردہ تجویز سے متعلق بھی ذکر کیا۔

دورانِ گفتگو آپ سے پاکستان میں جماعت کی زبوں حالی کا تذکرہ بھی کیا گیا۔ آپ نے سورۃ النساء کی آیت ۱۱۴ سنا کر اُس کا ترجمہ اور مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہی آیت ہمارے آج کے دِن کا اور آئندہ دِن کا slogan اور مشعلِ راہ ہوگی۔ آپ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ ایسی مجلس جس میں اصلاح اور بھلائی کی اور معروف باتیں ہوں اور نیت مرضات اللہ ہو، اچھی بات ہے۔ لیکن کوئی فیصلہ کرنے کے شاید ہم مجاز نہ ہوں گے۔ ہم خاص ہدایات کے ساتھ آئے ہیں۔ بہرحال مناسب طور پر بات ختم ہوگئی۔

گرجا ہال میں جلسہ ختم ہوا تو شام پانچ بجے شیخ خالد اقبال صاحب کے مکان پر مجوزہ مشاورتی اجلاس کا انعقاد ہوا۔ ٹرینیڈاڈ کے ڈاکٹر عزیز صاحب نے بطور صدر افتتاحی تقریر فرمائی اور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو پاکستان اور انجمن کے حالات پر روشنی ڈالنے کی دعوت دی۔

اپنی تقریر کی ابتداء میں آپ نے اِس امر کی وضاحت فرما دی کہ چونکہ یہ مجلس بغیر پیشگی نوٹس یا ایجنڈا کے بلائی جا رہی ہے، اس لیے پاکستان سے آنے والا وفد اس پر کوئی فیصلہ لینے کا مجاز نہیں۔ اور اس وقت وفد کے تمام ممبران موجود بھی نہیں اور آپس میں کوئی صلاح مشورہ کرنے کا بھی کوئی موقعہ نہیں ملا۔ اس لیے اِس مجلس میں جو اظہارِ خیال ہوگا وہ اُس ممبر کی ذاتی رائے ہوگی۔

آپ نے فرمایا کہ ۱۹۷۴ء کے سانحات سے مرکز کو عظیم صدمہ پہنچا ہے۔ ۷ ستمبر کے قومی اسمبلی کے فیصلے نے مرکز کی کمزوریوں کو بڑھا دیا ہے اور اُسے طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا ہے۔ تاہم یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مرکز اور انجمن علم وفیض کا وہی سرچشمہ ہے جس سے حاضرینِ مجلس میں سے کئی احباب فیض یاب ہوئے ہیں۔ اِس وقت مرکز کو انہی لوگوں کے تعاون اور قوتوں کی ضرورت ہے اور اُنہی پر مرکز کی نگاہیں مرکوز ہیں۔ مگر حیرت ہے کہ آج اسی مرکز کی موجودہ حالت کی وجہ سے اُسے حقیر اور ضعیف جان کر اُس سے منہ موڑ جانے کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ آپ نے اس تڑپ اور جذبے کا بھی ذکر کیا جس کا اظہار ۱۹۷۳ء میں لندن مرکز کے لیے چندوں کی

صورت میں ہوا تھا۔ حاضرینِ مجلس میں سے اکثر کا یہ چشم دید ہے۔ آپ کی تقریر نہایت دِل پذیر تھی۔ اختتام پر جہاں کئی آنکھیں پرنم دیکھی گئیں وہاں چند مایوس چہرے بھی نظر آئے۔

ڈاکٹر سعید احمد کے تاثرات آپ کے اپنے الفاظ میں:

میں نے جو دُعا کوئٹہ سے چلتے وقت کی تھی ان لمحات میں ثابت ہو گیا کہ ضائع نہ گئی تھی۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر ہی کہہ رہا ہوں کہ مجھ نالائق سے زبان انگریزی میں کچھ تقریر کرائی جو طاقت اور ہر ممکن ظاہری استعداد سے بلند تھی۔ اللہ نے اِس میں عجیب تاثیر بخشی۔

تقریر کے معاً بعد ایک خاتون ریٹا رحمان کھڑی ہوئیں اور پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔ اس تقریر نے ایک طوفان کا دھارا اور رُخ ہی موڑ دیا۔

یا اللہ میں تیرا کیسے شکر کروں تو نے مجھے وہ انگریزی تقریر دی جس میں ایک غلطی بھی کسی نے نوٹ نہیں کی اور اُس کی تاثیر کہاں سے بھیجی تھی۔ یا اللہ میں نالائق ہوں، نالائق ہوں۔

آئندہ ایام میں چند مشاورتی مجالس منعقد کی گئیں، جن میں 'سپریم کونسل' کے قیام یعنی کہ مرکز سے عملی طور پر علیحدگی کی تجاویز پر زور دیا جاتا رہا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے واشگاف الفاظ اور فیصلہ کُن انداز میں اپنے مؤقف کی وضاحت فرماتے ہوئے کہا کہ وہ لوگ اِس سلسلہ میں اپنی تجاویز مرکزی انجمن میں ارسال کریں، کیونکہ صرف مرکزی انجمن ہی اِس پر غور و فکر کر کے کوئی فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔ مگر آپ سے توقع نہ رکھی جائے کہ آپ انجمن کے توڑنے میں اُن کی معاونت فرمائیں گے۔ آپ کی صاف گوئی اور استقامت نے کئی دِلوں کو گداز کیا۔ گیانا، سرینام اور ہالینڈ کے احباب نے بالخصوص آپ سے عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہوئے جماعت احمدیہ لاہور اور مرکز

سے وابستگی کو ضروری قرار دیا۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تقاریر کا اثر

۲۷ اور ۲۸ اگست کے اجلاس میں ڈاکٹر سعید آحمد خان صاحب نے "Sunrise from the West" (مغرب سے طلوعِ آفتاب) اور Message and Role of the Ahmadiyya Movement (تحریکِ احمدیت کا پیغام اور کردار) کے موضوعات پر تقاریر فرمائیں۔ آپ کی تقاریر کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ چلا تو آپ کو سامعین کے بہت سے شبہات کا ازالہ کرنے کا موقعہ ملا، جس کے اچھے نتائج سامنے آئے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر سے اقتباس:

> تقریر کا پیرا گراف بہ پیرا گراف اردو میں ترجمہ یا مفہوم بھی اُن لوگوں کی خواہش پر جو انگریزی نہیں جانتے سُنایا گیا۔ آج خدا کی قدرتوں اور طاقتوں کا مظاہرہ ہو گیا۔ یا اللہ یہ عاجز بندہ سعید احمد اور یہ روانی اور اُس کا یہ اثر کہ سناٹے کا عالم اور سامعین ہمہ تن متوجہ، ایسا اثر تو میں نے عمر بھر شاید ہی دیکھا ہو۔ شاید اس نابکار بندہ کی وہ عاجزانہ دُعا کوئٹہ والی (روح القدس والی) آج کے لیے خصوصیت سے قبول ہوئی۔ تقریر کے بعد عبد الرحیم جگوّ صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے اور پُرزور اپیل کی کہ اِس تقریر کا ترجمہ اردو، ڈچ اور عربی میں بھی کیا جائے۔ دو شخصوں نے ذمہ لیا۔ اردو کے ترجمہ کا وعدہ میں نے کیا۔ اِس کے بعد سوالات و جوابات کا سلسلہ تھا۔ سوالات جب ہوئے تو جوابات کے لیے جو قوتِ بیان عطا ہوئی وہ میری ہر طاقت سے مافوق تھی۔ یہ سلسلہ جب ختم ہوا تو میں نے آخری سوال کے جواب کے بعد ایک دردمندانہ اپیل کی کہ اصلاح اور اتحاد کی ضرورت ہے اور اپنی جماعت کی حیثیت ظاہر کی اور اُسے کم کر کے جو

دکھایا جاتا ہے اُس کی پُر زور تردید کی۔

'احمدیہ ہاؤس' کے لیے عارضی ٹرسٹ کا قیام

'احمدیہ ہاؤس' کی خرید کے وقت براہِ راست انجمن کے نام رجسٹر کروانے میں کچھ دشواریاں حائل تھیں۔اس لیے یہ مکان شیخ طفیل صاحب کے نام رجسٹر ہوا تھا۔اب انجمن کے نام اِس کے انتقال کے لیے ایک ٹرسٹ قائم کرنا ضروری تھا۔ٹرسٹ کے ممبران کے لیے موزوں افراد کا انتخاب ایک خاص پیچیدہ مسئلہ تھا۔اور کئی نشستوں میں بحث وتمحیص کے بعد ایک عارضی ٹرسٹ کا قیام عمل میں آیا،جس کے لیے تین مقامی ممبران اور ٹرینیڈاڈ کے مسٹر عزیز احمد صاحب صدر نامزد کیے گئے۔اور فیصلہ ہوا کہ بینک کے معاملات اور دیگر کاروائی کی انجام دہی کے لیے صدر کی تحریری اجازت کے بعد دو ممبران کے دستخط ضروری ہوں گے اور آئندہ کسی وقت مستقل ٹرسٹ بنا دیا جائے گا۔

قیام انگلستان میں دشواریاں

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی لندن تشریف آوری کے بعد جلد ہی یہ بات مقامی اراکین و منتظمین پر واضح ہو گئی تھی کہ آپ کسی صورت میں بھی اُن عناصر کا ساتھ نہ دیں گے جو جماعت میں تفریق پیدا کرنے اور ایک الگ نظام قائم کرنے کے حامی ہیں۔اِسی بنا پر مقامی لوگ آپ سے بے رُخی اور بے اعتنائی کا رویہ اپنائے ہوئے تھے،اور آپ کے اُس مقام اور حیثیت کو مسلسل نظر انداز کیا جا رہا تھا جو بطور سینئر نائب صدر جماعت احمدیہ لاہور اور مرکزی انجمن کے نمائندہ اور وفد کے سربراہ کے طور پر آپ کا حق تھا۔چند مواقع پر تو یہ بے اعتنائی کھل کر سامنے آ گئی۔

لندن شہر کے وسط میں واقع ایک سویڈش چرچ میں، ایک 'بین المذاہب کانفرنس' (Interfaith Conference) منعقد ہو رہی تھی،جس میں شیخ طفیل صاحب بطورِ مقرر شرکت فرما

رہے تھے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ چرچ میں تقریب کے لیے سات بجے کا وقت مقرر تھا۔ مگر چھ بجے کے قریب آپ کو اندازہ ہوا کہ آپ کے وہاں پہنچنے یا پہنچانے کے لیے کوئی رہنما یا سواری کا کوئی بندوبست نہیں۔ عزیز احمد صاحب اور اُن کے فرزند، زاہد عزیز کی ہمت سے ایک نقشہ کی مدد سے ساڑھے سات بجے وہاں پہنچے۔ تقریب کے اختتام پر جب واپس 'احمد یہ ہاؤس' پہنچے تو کھانے پینے کا انتظام ندارد۔ اپنے پاس موجود چند بسکٹ کھا کر لیٹ گئے۔ صبح کے قریب معدے میں سخت درد تھا۔ دوا پاس موجود تھی۔ خود ہی اپنا علاج فرما لیا۔

'احمد یہ ہاؤس' میں نمازوں کی امامت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب فرماتے تھے۔ نماز جمعہ پڑھانے یا خطبہ کا ذکر آپ سے نہیں کیا گیا تھا۔ اکثریت آپ کے ارشادات سے مستفید ہونے کی منتظر تھی۔ مگر اغلباً پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مصطفیٰ کمال صاحب خطبہ کے لیے کھڑے ہو گئے، اور عمدہ خطبہ دیا۔ آپ کے لیے باعث مسرت یہ بات ہوئی کہ نصیر احمد فاروقی صاحب کی محنت ضائع نہیں ہوئی جو آپ نے مصطفیٰ کمال کی تعلیم پر کی تھی۔ تاہم مجلس میں چند حساس طبع نفوس آپ سے برتی جانے والی اس بے اعتنائی کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے اور آپ سے ذکر بھی کیا۔ یہ آپ کا حق تھا کہ کم از کم آپ کو قبل از وقت پروگرام بتا دیا جاتا تو آپ کو کوئی اعتراض کیوں ہوتا۔ آئندہ جمعہ کو بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ آپ کو اِس طرح سے نظر انداز کرنا اور اہمیت نہ دینا، اُن لوگوں کے اندرونی جذبات کی غمازی کر رہا تھا اور بے مقصد نہ تھا۔

اس قسم کے دیگر کئی واقعات کا مشاہدہ ہوتا رہا اور قدم قدم پر دشواریاں راہ میں حائل رہیں مگر آپ نے صبر وتحمل کا دامن تھامے رکھا۔ آپ کے سامنے جماعت بندی کے اعلیٰ مقاصد تھے اور ایسی معمولی دشواریاں آپ کا حوصلہ پست نہ کر سکتی تھیں، اس لیے ہر سلوک کو کشادہ دلی سے برداشت کرتے چلے گئے۔

لندن میں جماعت کا قیام

لندن میں کئی احمدی خاندان آباد تھے مگر اکثر غلط فہمیوں کی بنا پر یا دیگر ذاتی مصلحتوں کی بنا پر جماعت سے بدظن تھے اور غیر منظم تھے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب جماعتی تنظیم کو بہت اہم قرار دیتے تھے۔ کیونکہ اِس کے بغیر کوئی بھی جماعت ترقی نہیں کر سکتی تھی۔ لندن میں آپ کے چند روزہ قیام میں آپ کی حق گوئی، بلند حوصلہ اور اعلیٰ کردار نے اکثریت کی سوچ کو بدل دیا تھا اور مرکز پر اعتماد اور تعاون کی فضا قائم ہوتی دکھائی دینے لگی تھی۔ آپ کے مدِ نظر یہ امر تھا کہ لندن میں مقیم احمدی مل کر ایسی تنظیم قائم کر لیں جو جماعتی سرگرمیوں اور تبلیغی کاموں کو تقویت بخشے اور آگے قدم بڑھانے میں معاون و مددگار ہو۔ ذاتی کوششوں کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ سے بھی دُعا اور التجا فرماتے رہے کہ وہ آپ کو اِس مقصد میں کامیاب فرمائے۔ آپ کی ڈائری میں یہ دُعا اِن الفاظ میں تحریر ہے:

> یا اللہ مجھ سے یہ کام کروا کہ ایک مضبوط اور فعال جماعت کا قیام یہاں سے لے کر کے جاؤں اور وہ پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہے اور ترقی کرتی جائے۔

لندن میں مقیم احمدیوں کو منظم کرنے اور جماعت کے قیام کی طرف راغب کرنے کے لیے آپ بذاتِ خود کئی گھروں میں تشریف لے گئے۔ جس کی ابتداء عزیز احمد صاحب کے گھر سے ہوئی۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

> صبح حسبِ وعدہ میں نے عزیز احمد صاحب ابن ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کو فون کیا اور گیارہ بجے وہ اور زاہد عزیز لینے آئے۔ مولوی شیر محمد صاحب کو بھی ساتھ لے گیا۔ اُن کا گھر ڈیڑھ گھنٹے کے فاصلہ پر Slough (سلو) کے علاقہ میں واقعہ، نہایت پُر فضا ماحول اور پاکیزہ مکان ہے۔ اُن کی بیگم اختر دُختر مولٰنا عبدالحق صاحب اور اُن کی بچی ثمینہ ۱۴ سالہ گھر پر تھیں۔ کھانا کھانے کے بعد

U.K (یو کے) کی جماعت کی تنظیم کی ابتداء اللہ کا نام لے کر شروع کی۔ اختر
بی بی نے بڑی خوش دلی سے اور سب نے ہی تجویز کو کامیاب بنانے کا وعدہ کیا
اور دس ممبران کے نام فوراً سامنے آگئے۔

قریب ہی عزیز احمد صاحب کے فرزند شاہد عزیز کا گھر ہے۔ پھر آپ وہاں تشریف لے گئے۔ اُن کی اہلیہ کے علاوہ چند دیگر عزیز اور مہمان بھی وہاں موجود تھے۔ اس طرح تنظیم کا آغاز دس افراد سے ہوا جنہوں نے جماعت کے ساتھ تعاون کا وعدہ کیا۔

سلطان علی شاہ صاحب اور حافظ صاحب کی معیت میں آپ 'قاضی خاندان' کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں مختصراً اپنی تشریف آوری اور جماعت سازی سے متعلق بیان فرمایا۔ سوالوں اور اعتراضات کے جوابات میں حافظ صاحب نے معاونت فرمائی تو خدشات وشبہات کا ازالہ ہوتے ہی حاضرین نے اپنے نام اور چندے لکھوائے اور تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔

اُسی روز شام کو ملک عبدالسلام، ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور آپ کے ساتھیوں کو اپنے بھائی کے گھر لے گئے، جہاں تین مزید ممبران کا اضافہ ہوا۔

گھر گھر جا کر ملاقات کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ بعض مقامات پر آپ سے بے رُخی اور بیزاری کا اظہار بھی ہوا۔ ایک گھر میں تو توہین آمیز سلوک کی انتہاء ہوگئی، جب صاحبِ خانہ نے ایک غیر معیاری استہزائیہ شعر سے آپ سے گستاخی کی، اور حاضرین مجلس میں سے چند ایک نے بلند قہقہے سے اُس کی داد بھی دی۔ مگر عمومی طور پر آپ کا استقبال محبت واحترام سے کیا گیا۔ انہی ایام میں جمیلہ خان صاحبہ، مسز ناصرہ طفیل صاحبہ اور بانو خالد صاحبہ نے بیعت کر کے جماعت میں شمولیت اختیار کی۔ محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ اور اُن کے اہلِ خانہ کا تعاون تو آپ کو ابتداء ہی سے حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعاؤں اور سعی کو قبولیت بخشی اور ایک چھوٹی سی فعال جماعت بنانے میں آپ کو کامیابی حاصل ہوئی۔

اگرچہ ’احمدیہ ہاؤس‘ میں حالات زیادہ سازگار اور آپ کی طبیعت کے موافق نہ تھے، مگر آپ نے ۳ ستمبر تک وہیں قیام فرمایا اور ۴ ستمبر کو محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے، جہاں رضیہ فاروقی صاحبہ، اُن کے فرزند راس محمود، بہو رعنا اور بھانجے حامد رحمان ہر وقت آپ کی خدمت کے لیے کمربستہ رہتے تھے، اور نہایت سعادت مندی سے جماعتی کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹاتے اور سہولیات مہیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے لندن کے قیام کے باقی ایام اسی خوش کن اور آرام دِہ ماحول میں بسر کیے۔

دورہ جزائر غربُ الہند۔ ۱۹۷۵ء

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے جب سرزمین جزائر غرب الہند پر قدم رکھا تو اس علم کے باوجود کہ یہاں پر، بالخصوص ٹرینیڈاڈ میں، اُن کی آمد کو خوش آئند قرار نہ دیا جائے گا، آپ کا دِل اِس اطمینان سے لبریز تھا کہ آپ کو اپنے نیک مقاصد میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصِل رہے گی۔

لندن کنونشن میں اپنے مشاہدات سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ ٹرینیڈاڈ کے انتظامی امور، باہمی چپقلش اور مزید برآں علیحدگی پسند عناصر کی موجودگی میں پھیلتی ہوئی تفرقہ بازی، فوری اقدامات کی متقاضی ہے۔ جماعت کے منتشر ہو جانے کے خطرات سیاہ بادل کی طرح منڈلا رہے تھے۔ مگر اِس کے پس پردہ ایک روپہلی کرن آپ کا حوصلہ بڑھا رہی تھی کہ حقائق کی روشنی جب سامنے آئے گی تو تاریکی کے بادل ضرور چھٹ جائیں گے۔ اگرچہ جزائر غرب الہند کا دورہ آپ کے اِس سال کے پروگرام میں شامل نہ تھا، مگر اِس اُمید پر کہ آپ کی کوشش رائیگاں نہ جائے گی، آپ نے مرکز سے رابطہ کیا، استخارہ کیا، اور اخراجات کا جائزہ لیا تو تسلی ہو گئی کہ آپ کے پاس موجود آپ کے ذاتی چار سو پونڈ اِس سفر کے اخراجات کے لیے کافی ہوں گے، آپ نے سفر کا عزم پختہ کر لیا۔ ٹرینیڈاڈ کے ایک صاحب آدم حسین نامی لندن میں مقیم تھے۔ ایک ملاقات میں اُنہوں نے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے اپنے ٹرینیڈاڈ جانے کے پروگرام کا ذکر کیا تھا اور آپ کو ہم سفری کی

دعوت دی تھی۔ آپ نے یہ دعوت قبول کی اور اُن کی ہمراہی میں ٹرینیڈاڈ پہنچے۔

ٹرینیڈاڈ

آدم حسین صاحب نے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو ایک ہوٹل میں ٹھہرایا۔ جماعت سے رابطہ قائم ہوا۔ صدر، سیکرٹری اور کارکنان جماعت کا رویہ سخت سرد مہری اور شکوک وشبہات کا اظہار غیر متوقع نہ تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے بلند حوصلے اور تحمل نے آخر اس فضا کو بہتر بنا ہی دیا۔ عندالملاقات آپ نے اول تو اس غلط فہمی کو دور فرمایا کہ وہ کسی خاص گروہ یا فریق کے ایما پر وہاں آئے ہیں اور یہ بھی کہ آپ کے مدِّنظر جماعت کا اتحاد و مفاد ہے کوئی فتنہ فساد نہیں۔

ٹرینیڈاڈ کے محترم عزیز احمد صاحب جو ایک نیک نفس، فیاض اور مخیّر شخص تھے، آپ کو اپنے ہمراہ اپنی رہائش گاہ پر لے گئے اور نہایت محبت سے آپ کی میزبانی فرمائی۔ آپ کا قیام پانچ روز کا تھا، جس میں متعدد افراد سے آپ کی ملاقات ہوئی اور گفت وشنید کے درمیان کئی حقائق سامنے آئے، اور اُن عناصِر کی نشاندہی بھی ہوگئی جو مرکز سے علیحدگی کی تحریک کے پس پردہ کارفرما تھے۔

ٹرینیڈاڈ کی مساجد میں اجتماعی افطار کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ایک امام صاحب نے آپ کو بھی افطاری پر مدعو کیا اور دعوتِ خطاب دی۔ آپ نے ایک مختصر اور جامع تقریر میں حضرت مسیح موعود کو ماننے، جماعت سے وابستگی اور وفا کی ضرورت کے تمام پہلو بخوبی بیان فرما دیئے۔ حاضرین آپ کی تقریر سے بے حد متاثر ہوئے۔

۱۲ ستمبر بروزِ جمعہ کو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا اور امامت فرمائی۔ نماز کے بعد سامعین نے آپ سے متعدد سوال کیے۔ جوابات سے مرکز کی اہمیت اور اُس سے وابستگی کی ضرورت کی بخوبی وضاحت ہوگئی تو اکثریت نے آپ کی جدوجہد میں آپ سے تعاون

اور مرکز سے وابستگی کا عہد کیا۔

ٹرینیڈاڈ کے قیام کے دوران آپ جماعت احمدیہ کے مبلغ مولوی امیر علی مرحوم کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لے گئے اور کئی افراد کی رہائش گاہوں پر ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ جس کا اچھا اثر ہوا۔

گیانا کا دورہ

گیانا کی جماعت کو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تشریف آوری کی اطلاع ہو چکی تھی۔ وہ آپ کے لیے چشم براہ تھے۔ آپ کی آمد سے قبل یہ خبر وہاں کے مقامی اخبارات میں شائع کر دی گئی تھی۔ ۱۴ستمبر ۱۹۷۵ء کو آپ کی آمد پر آپ کا شایانِ شان استقبال ہوا۔ آپ نے گیانا کی جماعت کو متحد اور فعال اور احمدیت سے سچی لگن سے سرشار پایا۔ وہ غلط فہمیاں اور بدگمانیاں جو غلط پروپیگنڈا سے یہاں پیدا ہو گئی تھیں آپ کی آمد سے اور ذاتی طور پر افراد سے ملاقات سے دور ہو گئیں۔

لندن کنونشن کے دوران گیانا کے جو احباب آپ سے مل چکے تھے وہ آپ سے بالخصوص آپ کی صاف گوئی اور استقامت سے بے حد متاثر تھے۔ بعض احباب نے خود اس بات کا اظہار بھی کیا کہ لندن میں آپ کی صاف گوئی، قوتِ فیصلہ، اپنے اصولوں پر محکم یقین اور استقامت نے اُن کو بے حد متاثر کیا تھا اور اِس لیے اُن کی یہ خواہش تھی کہ آپ گیانا ضرور تشریف لائیں۔

آپ کے چار روزہ قیام میں آپ کی تقاریر کا سلسلہ چلتا رہا۔ سوال و جواب سے جماعت کے افراد کے ایمان و اعتقاد کو مزید تقویت ملی۔ دو تقاریر اور ایک انٹرویو ریڈیو سے نشر کیا گیا۔

گیانا کے دورے سے متعلق ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے تاثرات:

پروگراموں کا سلسلہ تو آتے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اپنی کمزوری جسمانی، علمی اور

بیانی قوتوں کے احساس سے جو گھبراہٹ ہو سکتی ہے اُسے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے تصرف سے پُراعتماد قوتوں میں بدل دیا، اور اُس کے بعد گیانا کی سرزمین پر جو پیش آیا وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قدرتوں اور عاجز بندوں کی تصرفوں کا ایک ایسا مظہر ثابت ہوا کہ مرادِل اِس قادر و قیوم پیارے مہربان محسن آقا کے آستانہ پر گرے رہنا چاہتا ہے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سرینام میں

۱۸ ستمبر کی صبح ساڑھے دس بجے محترم محمد رضا صاحب مع محترم علی بخش صاحب اور دیگر کئی نوجوان رفقاء کے ہمراہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے استقبال کے لیے پیرا ماریبو کے ہوائی اڈے پر موجود تھے۔ وفد کے ممبران نے آپ کا استقبال بہت تپاک اور محبت سے کیا۔ سب نوجوانوں کے ہاتھون میں پھولوں کے ہار تھے۔

الٰہی بخش صاحب کے مکان پر ایک مجلس کا انعقاد ہوا۔ جس کی تمام تر کاروائی ریکارڈ کی گئی۔ سرینام کے احباب آپ سے مختصر قیام کے شاکی تھے، مگر اُنہوں نے اپنے جوش اور عزم کی بنا پر ایک ایک لمحے سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ مجالس میں تقاریر کے علاوہ اخبارات کے لیے انٹرویو ریکارڈ کیے اور اس مقصد کے لیے تصاویر بھی کھینچی گئیں۔

سرینام کے جو احباب لندن میں آپ سے ملاقات کر چکے تھے، اُن میں سے ایک صاحب نے آپ سے ذکر کیا کہ بہت سے ایسے معاملات ہیں جن میں اُلجھاؤ پیدا کر کے اُنہیں غلط فہمی میں مبتلا کیا گیا تھا۔ وہ سب آپ کی اُردو میں تقریر اور معاملات کو وضاحت سے بیان کرنے سے کُھل کر سامنے آ گئی تھیں۔ وہ قطعاً مرکز سے علیحدگی سے متعلق نہیں سوچ سکتے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے علم میں یہ بات بھی لائی گئی کہ سرینام کے مسلمانوں میں

سے اکثریت کے اعتقادات، جماعت احمدیہ لاہور کے اعتقادات ہی ہیں۔ مگر مساجد کو حکومت کی طرف سے امداد 'انجمن اسلامیہ' کے نام سے ملتی ہے، اس لیے چند ممبران امداد بند ہو جانے کے خوف سے علی الاعلان احمدی کہلانے سے گھبراتے ہیں۔ مگر اکثریت جماعتِ احمدیہ کے حق میں ہے۔

ایک مرکزی مسجد میں جلسہ منعقد کیا گیا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی اردو تقریر تقریباً سوا گھنٹے تک جاری رہی، جس میں آپ نے بالخصوص حضرت مسیح موعود کا مقام، جماعت کے الگ نام اور شناخت کی اہمیت اور احمدیت کی خصوصیات کو موضوع بنایا۔ اس کے علاوہ جماعت کے حوالے سے پاکستان کے حالات پر بھی روشنی ڈالی۔

اس تقریر کے حوالے سے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر سے اقتباس:

> اِس کا اثر سامعین کے چہروں سے عیاں تھا۔ یا اللہ تیرا شکر کیسے ادا کروں۔ تو میرا زندہ خدا ہے اور مُردوں کو زندگی بخشنے والا ہے۔ وَلَکَ الْحَمْدُ۔
>
> تقریر کے بعد کہا: 'سوالات کریں'۔ کسی نے کہا: 'اب کس سوال کی گنجائش باقی ہے'، بالآخر ایک شخص کھڑا ہوا کہ ڈاکٹر صاحب سے سوال نہیں، اب سامعین سے سوال ہے۔ احمدیہ جماعت بنانی ہے یا نہ؟ نوجوان مردوں اور عورتوں نے زور سے کہا: 'ضرور بنانی ہے۔' کچھ لوگ ناخوش بھی رہے۔

ٹرینیڈاڈ میں دو روز

۱۹ ستمبر کو سرینام کے پرجوش احباب نے پُرنم آنکھوں سے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو الوداع کہا۔ قدرتی طور پر ان کی جدائی کو آپ بھی محسوس فرما رہے تھے اور آنکھیں نم تھیں۔

ٹرینیڈاڈ کے اِس دو روزہ قیام میں آپ کو اکثر احباب کے رویے میں لچک اور نرمی کا احساس ہوا۔ یہ خوش کن تبدیلی آپ کے مقاصد کی کامیابی کی دلیل تھی۔ آپ کو لوگوں نے اور آپ

نے جزائر اغرب الہند کی جماعت کے احباب کو بچشم خود دیکھ لیا اور وہاں کے تمام حالات سے بخوبی آگاہی ہوگئی کہ اُن کی مرکز سے اور مرکز کی اُن سے کیا توقعات ہیں، جو حالات کو استوار کرنے اور جماعتی یکجہتی کے لیے بے حد اہم تھا۔

واپسی کا سفر

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ۲۰ ستمبر کو ٹرینیڈاڈ سے لندن پہنچے جہاں پر چند روزہ قیام میں اہم جماعتی امور سرانجام دیئے۔ آپ ووکنگ تشریف لے گئے، اور خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا اور نماز کی امامت فرمائی۔ ۳۰ ستمبر کو پاکستان کے لیے عازمِ سفر ہوئے اور کراچی اور کوئٹہ سے ہوتے ہوئے ۱۴ اکتوبر کو لاہور مرکز میں تشریف آوری ہوئی، جہاں احبابِ سلسلہ آپ کے لیے چشم براہ تھے اور آپ کا شایانِ شان استقبال کیا گیا۔

پیغام صلح کا ایک تراشہ۔ (۱۸ اکتوبر ۱۹۷۵ء)

اَھلاً وَ سَھلاً وَ مَرْحَباً

اے آمدنت باعث آبادیٔ ما

احمدیہ کنونشن لندن کے اختتام پر مختلف ممالک کی جماعتوں کے کامیاب دورہ کے بعد محترم الحاج ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب کی واپس تشریف آوری۔ آپ ۱۴ اکتوبر کو بذریعہ ہوائی جہاز لاہور پہنچ گئے۔

محترم ومکرم ڈاکٹر صاحب موصوف جماعت کے پاکستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے احمدیہ کنونشن میں شمولیت کے لیے لندن تشریف لے گئے تھے۔ کنونشن کے اختتام پر گیانا، سرینام اور ٹرینیڈاڈ کے وفود کی شدید خواہش پر آپ نے وہاں

کی جماعتوں کا بھی دَورہ فرمایا اور بڑا اچھا تاثر لے کر واپس وطن تشریف لائے ہیں۔

آپ کا جہاز بارہ بجکر دس منٹ پر ایئرپورٹ پر اُترا۔ احباب سلسلہ کی ایک کثیر تعداد (بمع مستورات) نے آپ کا انتہائی عقیدت اور گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا۔

آپ کی تشریف آوری سے دارالسلام پر ایک بہار سی آ گئی ہے۔ بچہ بچہ کے چہرہ پر مسکراہٹ ہے۔ گویا ایک خاندان کا سربراہ اپنے مُبارک سفر سے گھر واپس آیا ہے۔ (مفصل آئندہ) نامہ نگار۔





پندرھواں باب

دورہ۔ ۱۹۷۶ء

یکم ستمبر ۱۹۷۶ء کو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب لندن کے لیے عازمِ سفر ہوئے۔ آپ کے پروگرام میں انگلستان کے علاوہ دیگر یورپی ممالک، جزائر غرب الہند اور امریکہ کا دورہ بھی شامل تھا۔ آپ ۲۱ اگست کو کوئٹہ سے کراچی اور یکم ستمبر کو کراچی سے لندن کے لیے روانہ ہوئے۔ سفر کے ابتدائی مراحل ہی میں آپ کو چند دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ہوائی جہاز میں کچھ خرابی واقعہ ہوگئ اور پرواز میں تاخیر ہوتی چلی گئی، اور نو گھنٹے کا سفر اُنیس گھنٹے میں طے پایا۔ آپ کی ڈائری سے ایک اقتباس:

> لندن بخیریت پہنچ گئے۔ اب سفر شروع ہوئے یعنی میاں فاروق صاحب کے گھر سے نکلنے کے بعد بیس گھنٹے گذر چکے تھے۔ لندن کے اڈہ کا مسئلہ جسے سفر کا چھٹا مسئلہ کہنا چاہئے کافی صبر آزما تھا۔ Que (قطار) باوجود میری حتی المقدور پھرتی کی کوشش کے کافی لمبی ہو چکی تھی اپنی کمزور صحت و حالت کا تصور، بھیڑ میں دھسی پھسی کیفیت اور پاسپورٹ دیکھنے والوں کے سلوک کا خیال گھبراہٹ کا موجب ہو سکتے تھے لیکن اِس تکلیف دہ کیو (Que) میں ایک طرف اپنی حالت تھی تو دوسری طرف یہ خیال کہ یہ امتحان اللہ کی طرف سے ہے۔ اُس کی قدرت اور طاقت کا احساس واحد ذریعہ دلی قوت کا موجب تھا۔ اَللّٰھمَّ لَا سَہْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَہ سَہْلًا وَّ اَنْتَ تَجْعَلُ الْحُزْنَ سَھلًا اِذَا شِئْتَ۔ (اے اللہ کوئی بات آسان نہیں سوائے اُس کے جو تُو آسان کردے

اور تُو تو غم اور حُزن کو بھی آسان کر دیتا ہے جب تُو چاہتا ہے)۔ نہ معلوم کتنی دفعہ پڑھا ہو گا کہ میرا نمبر آخر آ ہی گیا۔ ویزا اسلام آباد سے U.K کا نہ بنا تھا کہ لندن میں اڈہ پر خود بخود بنا دیں گے۔ لیکن کچھ شکوک بھی دِل میں تھے۔ اُس افسر نے ایک دو سوال کیے جن کا سیدھا اور سچا سچا جواب دیا تو اُس نے چھ ماہ کی اجازت کا ٹھپہ خاموشی سے لگا دیا۔ کیو میں کھڑے، سامنے گھڑی دیکھی جو لندن کے وقت کے مطابق پونے بارہ بجے کا وقت تھا۔ کسٹم اور سامان کی تلاش میں کچھ دقت پیش نہیں آئی۔ باہر آیا تو ایک بجے کا وقت تھا۔ گویا ۲ ستمبر کی صبح شروع ہو چکی تھی۔ جنگلے سے باہر سب سے آگے رضیہ فاروقی تھیں۔ اُن کا بیٹا راس محمود، منیرہ، حامد، ارسلان، پاشا، صبیحہ، مجاہد سب ہی بے چارے یکم ستمبر کے دن کے چار بجے کے آئے ہوئے تھے۔ یعنی آٹھ نو گھنٹے سے میرے منتظر تھے۔

آپ اپنے فرزند عبدالکریم سعید کے ہمراہ اُن کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے اور وہیں قیام فرمایا۔

نمازِ عید احمدیہ ہاؤس میں

۵ ستمبر کو 'احمدیہ ہاؤس' میں ممبرانِ جماعت انگلستان کی ایک میٹنگ کا انعقاد ہوا، جس میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے شرکت فرمائی۔ میٹنگ میں نمازِ عید الفطر کا پروگرام طے پایا۔

چند ممبران کی طرف سے منفی سوچ اور مایوسی کا اظہار ہوا، اور کہا گیا کہ عید کی نماز میں قلیل تعداد میں لوگ شریک ہوں گے۔ یہ سُن کر آپ نہایت افسردہ خاطِر ہوئے۔ تاہم آپ نے اپنا عزم و حوصلہ بلند رکھتے ہوئے یہ ارادہ کر لیا کہ وہ پوری کوشش سے اِس بات کو ممکن بنائیں گے کہ نماز کے

شرکا کی تعداد متوقع اندازے سے زیادہ ہو۔آپ کئی احمدی گھرانوں میں خود تشریف لے گئے اور کوشش فرمائی کہ باہمی اختلافات اور رنجشوں کو مٹا کر ممبران کو نمازِ عید میں شرکت کے لیے آمادہ فرمائیں۔دو چار گھروں میں اہلِ خانہ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی مدعو تھے، جو آپ سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔آپ کو یہ موقع بھی میسر آیا کہ جماعت سے وابستگی کی اہمیت اور ضرورت کے متعلق بات چیت کریں۔کسی مجلس میں یہ سوال بھی اُٹھایا گیا کہ مرکز بیرونی جماعتوں کو نظر انداز کرتا ہے۔

آپ نے یہ یقین دہانی کرائی کہ پاکستان کے موجودہ سیاسی حالات میں تو نہ صرف بیرونِ ملک جماعتیں مرکز کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہیں، بلکہ مرکز تو انہی سے اپنا مستقبل وابستہ کر چکا ہے اور اُنہیں مضبوط بنیادوں پر استوار کرنا ہی جماعت کے اولین مقاصد میں سے ہے۔اس موقعہ پر آپ نے ڈاکٹر عبدالحئ سعید کی تحریر "The New Horizon" (نئے اُفق) کے متعلقہ جملے بھی ممبران کو دکھائے، جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔

۲۶ ستمبر کو یومِ عید تھا۔احمدیہ ہاؤس میں سو کے قریب مرد و زن نمازِ عید میں شامل ہوئے۔ آپ کا خطبۂ عید نہایت مدلل اور مؤثر تھا۔ایسا بارونق اجتماع اِس سے قبل لندن میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔نہایت خوش کن ماحول میں ظہرانے کے بعد یہ مبارک محفل اختتام پذیر ہوئی۔

ٹرسٹیز (Trusties) کی میٹنگ

۱۳ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو ٹرسٹیز کی میٹنگ تھی۔اس سے قبل آپ کو احمدیہ انجمن لاہور کی منتظمہ، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام یو کے کا ٹرسٹی مقرر کر چکی تھی۔اس میٹنگ میں شرکت آپ کے دورے کا مقصد تھا۔مگر آپ کو میٹنگ کا ایجنڈا انہیں بھیجا گیا تھا۔حالانکہ منتظمین کے علم میں یہ بات تھی کہ آپ لندن میں تشریف فرما ہیں۔اس طرح منتظمین کی طرف سے اُن کی مخصوص بے رُخی اور بے التفاتی کا مظاہرہ کیا گیا۔ یا با الفاظِ دیگر ایجنڈا مخفی رکھا گیا۔ تا کہ آپ مجلس میں بغیر ضروری تیاری کے

تشریف لائیں اور ممبران ٹرسٹ مرکز کی ہدایات اور منشاء کو نظر انداز کرتے ہوئے من چاہے فیصلے کر سکیں۔ آپ کے استفسار پر جواب یہ ملا کہ ایجنڈا لاہور مرکز میں بھیج دیا گیا تھا۔ آپ کو الگ یہاں پر فراہم کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا تھا۔ مجلس میں موجود ممبران میں سے کوئی ایک فرد بھی آپ کا ہم خیال نہ تھا۔ قدرتی طور پر آپ اپنے آپ کو تنہا محسوس کر رہے تھے۔ مگر آپ کا دِل یقین سے بھرا ہوا تھا کہ وہ ذات جو سب اختیارات کی مالک ہے وہ موجود ہے۔ آپ پُر اعتماد تھے کہ اُس ذاتِ بالا و برتر کی اعانت سے آپ کبھی بھی کسی غلط فیصلہ پر مہر تصدیق ثبت نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ کوئی ایک فیصلہ بھی مرکز کی مقرر کردہ حدود یا مفادات کے خلاف نہ ہو پایا۔

ٹرسٹیز کی میٹنگ سے قبل مقامی منتظمہ کی ایک میٹنگ ہو چکی تھی۔ جس میں آپ کی کوشش سے ایک ایسی مقامی منتظمہ کی از سرِ نو تشکیل ممکن ہو گئی جس میں شامل ممبران مرکز کے وفادار فعال اور مستعد تھے۔ آپ نے ممبران کو پرزور تاکید فرمائی کہ جماعتِ احمدیہ ایک مذہبی جماعت ہے۔ اس کے ممبران کے افکار اور افعال میں کسی قسم کی سیاسی دخل اندازی نہیں ہونی چاہئے۔ ممبران کو چاہئے کہ وہ مغربی جماعتوں اور مرکز کے درمیان تعاون کی فضا کو قائم رکھیں۔

ٹرسٹیز کی اس میٹنگ اور آئندہ منعقد ہونے والی دوسری بڑی میٹنگ کے درمیان خاصے دِنوں کا وقفہ تھا۔ اِس لیے آپ نے مناسب جانا کہ اس وقت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہالینڈ اور جرمنی کی جماعتوں کا دورہ کر لیا جائے۔

جرمنی اور ہالینڈ کا دورہ۔ ۶ تا ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۶ء

جرمنی اور ہالینڈ کے دورے کا ہفتہ بھر کا مجوزہ پروگرام خاصا صبر آزما تھا۔ وہاں کے جماعتی حالات کا فکر، مسلسل سفر، لمبی تقریبات اور خطابات آپ کے لیے پریشانی کا باعث تھے۔ سفر پر روانگی سے قبل کی ایک تحریر سے اقتباس:

> یا اللہ صرف تیری معیت اور روح القدس کی تائید اور تیری نصرت و حفاظت کے بغیر میں اتنی مہم کیسے اُٹھا سکتا ہوں۔ یا اللہ تو جانتا ہے میری نفسانی خواہش اس میں کچھ بھی نہیں۔ محض تیری جماعت اور تیرے دین کی خاطر، محض تیرے بھروسے پر اس بوجھ کو اُٹھانے کی جرأت کر لی ہے۔ یا اللہ تو اِس حقیر اور فقیر عاجز بندہ کو ضائع نہ فرمانا۔ میری نابکار سعی کو قبول فرما کر اِس پر بھاری نتائج مرتب فرما۔ یا اللہ تیرے سوا میرا کوئی بھی سہارا نہیں۔

برلن (جرمنی)

۱۶ اکتوبر کو برلن پہنچنے پر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی ۱۹۲۴ء کی تعمیر کردہ مشہور برلن مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپ نے مسجد کو شاندار اور قابلِ دید پایا۔ مرمت کا کام ہو رہا تھا، اسی لیے اندر نماز ادا نہ کی جا سکتی تھی۔ مسجد کی عمارت کی عمومی حالت اتنی اچھی نہ تھی۔ اور نہ ہی وہاں موجود لٹریچر اور دیگر اشیاء میں کوئی ترتیب نظر آتی تھی۔ تہہ خانہ میں رسائل اور پمفلٹس کے بغیر کھولے بیسیوں بنڈل بے ترتیب پڑے تھے اور گودام میں ریلیجن آف اسلام (Religion of Islam)، قرآن کریم جرمن اور انگریزی تراجم کے نسخوں کا معقول سٹاک موجود تھا۔ مگر وہ بھی بے پرواہی کی وجہ سے اتنی اچھی حالت میں نہ تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے امام برلن محترم یحییٰ بٹ صاحب کے ساتھ مصروف وقت گذارا اور مختلف کاموں اور حسابات کا مکمل جائزہ لیا۔

اگلے روز جمعہ تھا۔ امام صاحب کے علاوہ آپ کو شامل کر کے تین مقتدی تھے۔ اس روز وہاں کے مقامی ٹیلی وژن چینل کے کچھ لوگ مولوی یحییٰ بٹ صاحب سے مسجد کے متعلق گفتگو کے لیے آئے تھے۔ اُنہوں نے مسجد کے متعلق معلومات حاصل کیں، اور تمام کاروائی کی فلم بندی کی گئی۔

جرمن مشن کے حالات کو آپ نے کافی حد تک ناسازگار پایا، جسے آپ نے حتی الوسع بطریق احسن سلجھانے کی کوشش کی۔ امام صاحب کا خیال تھا کہ جب تک پاکستان سے لوگ آ کر جرمنی میں آباد نہ ہوں گے، یہاں جماعت بن ہی نہیں سکتی۔ امام یحییٰ بٹ صاحب کئی معاملات میں مرکز سے شاکی تھے۔ جس کا اظہار اُنہوں نے فرمایا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے معقول جوابات سے اُن کی تشفی فرمانے کی سعی فرمائی۔

ہالینڈ

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ۹ اکتوبر کو ایمسٹرڈیم پہنچے، بکثرت حضرات وخواتین استقبال کو موجود تھے۔ آپ کو پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ وہاں سے آپ ہیگ تشریف لے گئے۔ جماعت کے باہمی اندرونی اختلافات کے باوجود آپ نے اکثر اراکینِ جماعت کو مخلص اور فعال پایا۔ مختلف مجالس میں تبادلہِ خیالات کے بعد اراکین نے مرکز سے مکمل تعاون کا وعدہ کیا۔ آپ نے بھی مرکز کی طرف سے ہر قسم کا رابطہ رکھنے کا وعدہ فرمایا۔

۱۰ اکتوبر کو ایک جلسہ تھا۔ جلسہ گاہ میں قریباً ڈیڑھ سو لوگ جمع تھے۔ آپ کی تقریر بے حد مؤثر تھی۔ ہیگ کی جماعت کے اراکین جذبۂ احمدیت سے سرشار تھے۔ مگر اس وقت تک جماعت احمدیہ کے نام پر اتفاق نہ ہو سکا تھا اور اندر ہی اندر کچھ نا اتفاقی چل رہی تھی۔ آپ کی کوشش تھی کہ آپ کی موجودگی میں جماعتوں میں اتفاق اور اتحاد پیدا ہو جائے۔ آپ نے اپنی تقریر میں مؤثر طریق پر احمدیت سے اعلانیہ طور پر منسلک ہونے پر زور دیا اور متحد ہو کر کام کرنے کی اپیل کی۔ مرکزی انجمن سے وابستگی کی ضرورت، چندہ ماہوار اور زندگی کے اصلاح طلب پہلوؤں میں اصلاح کی ضرورت پر زور دیا۔ جماعت سے وابستگی کے لیے بیعت کی ضرورت اور اہمیت کی وضاحت کی۔ مرکز کی طرف سے لٹریچر کی فراہمی اور دیگر ذرائع سے تعلیم و تربیت کا وعدہ بھی فرمایا۔ تمام ممبران نے اختلافات مٹانے کا وعدہ کیا۔ اِس جلسہ میں کئی لوگ اُوترخت سے بھی شامل ہوئے تھے۔ اُن میں

سے بارہ افراد نے فوراً بیعت کر لی اور وہاں جماعتِ احمدیہ کے قیام کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ بھی طے پایا کہ آئندہ بیعت فارم بھروا کر مرکز میں بھیجے جایا کریں گے۔

اس تقریب کے اختتام پر حاضرین کے عزم اور ولولہ کا اظہار ایک عجیب کیفیت پیدا کر رہا تھا، جس پر رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہو کر شکر کرنے کا موقع آپ کو میسر آیا۔ اس کا ذکر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے الفاظ میں:

> شبہات دور ہو گئے تو اتحاد و یگانگت کے جذبات سے لبریز ایک خوش کن ماحول فوراً نظر آنے لگا۔ مولوی جُمن صاحب اُٹھ کر میرے پاس آئے اور کہا سب سے پہلے میری بیعت لیں۔ پھر سب جوش سے آگے بڑھنے لگے۔ میں نے سب کی بیعت لی پھر اُس کے بعد تقریر حسبِ توفیق کی۔ عجیب کیفیت پیدا ہوئی اور ایک نئے عزم اور ولولہ کا اظہار ہر طرف سے ہوا۔ میں نے کہا: 'آج میرے دِل میں عجیب خیال گذر رہا ہے کہ مسیح موعود کی غرض کئی رنگوں میں پوری ہوئی۔ صلیب ٹوٹ چکی۔ آج موسوی مسیح کے ماننے والوں کے گرجے بند ہو رہے ہیں اور غیر آباد پڑے ہیں اور یہاں ایک گرجے کی عمارت میں مسیح موعودؑ کے غلام اپنی مجالس قائم کر رہے ہیں اور مسیح موعود کے نام پر بیعت لی جا رہی ہے۔ یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے'۔ ہم سب پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور دُعا کے ساتھ ساڑھے گیارہ بجے رات یہ مبارک مجلس ختم ہوئی۔

ڈچ ترجمۃ القرآن کے ترجمہ کے متعلق یہ تاثر دیا گیا تھا کہ چونکہ ڈچ زبان میں تبدیلی آ چکی ہے اس لیے موجودہ ڈچ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ آپ کی موجودگی میں یہ ترجمہ ایک عالمِ زبان کو دکھایا گیا۔ جس نے اپنی یہ رائے دی کہ زبان میں تبدیلی نہیں ہوئی صرف ہجے (spelling) آسان

کر دیئے گئے ہیں۔ درست کر دیئے جائیں، تو یہی ترجمہ صحیح ہوگا اور چھپوایا جا سکتا ہے۔

لندن۔مقامی منتظمہ کی میٹنگ

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت، ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ۱۳ اکتوبر کو مقامی منتظمہ کی میٹنگ کے لیے ہالینڈ سے واپس تشریف لے آئے۔ میٹنگ میں مختلف آراء اور مجوزہ پروگراموں اور انتظامی امور پر گفت وشنید ہوئی۔ احباب نے اس بات کا اظہار بھی کیا کہ کچھ حلقوں کی طرف سے تا وقت انجمن اور آپ کی ذات کو تنقید اور غلط پروپیگنڈا کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اور یہ تک کہا گیا ہے کہ فساد کی اصل جڑ سعید احمد ہے اور آپ کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ اِس مجلس میں جو باتیں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے فرمائیں، اُس کا خلاصہ آپ نے خود ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

> میرے اور اُن کے درمیان جو کچھ بات ہے، وہ خوب جانتے ہیں اور میں بھی جانتا ہوں اور ہم سب سے زیادہ جاننے والا بھی جانتا ہے۔ مجھے ذاتی بدنامی کا خاص دُکھ نہیں لیکن انجمن کی بدنامی جو عرصہ سے، خصوصاً گذشتہ سال سے وہ کر رہے ہیں، اُس کا مجھے دُکھ ہے۔ جھوٹ اور باطل کو اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے اور حق آخر کار ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے۔ اِس کا علاج آپ لوگ ہی کر سکتے ہیں کہ بجائے جھگڑوں کے بڑھانے کے جماعت میں استحکام پیدا کریں۔ جو کام اس جماعت کا ہے، اسلام کا لٹریچر پھیلانا، احمدیت کی طرف دعوت دینا اور نیکی اور دین داری کے طریقوں کو فروغ دینا۔ یہ کام آپ لوگ مِل کر کریں تو اچھے لوگ خود آپ کا ساتھ دیں گے۔ اور برے لوگ خود دب جائیں گے۔ مغربی لوگوں کا تعاون حاصل کریں۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب دو روز میں جزائر غرب الہند اور پھر شکاگو جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس میٹنگ کے بعد راس محمود نے ایک سونے کا قلم آپ کو دیا جس پر Islam is Gold کندہ

کرایا گیا تھا۔ کہ یہ شکاگو میں والس محمد صاحب کو لندن جماعت کی طرف سے تحفۃً پیش کریں۔

جزائر غرب الہند کا دورہ

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو پاکستان سے روانگی سے قبل اور پھر انگلستان کے قیام کے دوران جزائر غرب الہند کی تمام جماعتوں کی طرف سے دعوت دی گئی تھی کہ آپ جزائر غرب الہند ضرور تشریف لائیں۔ بعض احباب نے ذاتی طور پر بھی با اصرار آپ کو مدعو فرمایا۔ وقت کی کمی کی وجہ سے آپ پاکستان سے اِن ممالک کا ویزا حاصل نہ کر سکے تھے۔ چنانچہ انگلستان آنے کے بعد آپ نے جلد ہی ویزا کے لیے ضروری کاغذات سفارت خانہ میں جمع کروا دیئے اور یہاں کے دوستوں بالخصوص پر جوش نوجوانوں راس محمود، حامد رحمان اور احمد طارق کی ہر طرح کی تگ و دو سے تمام مشکلات آسان ہو گئیں۔ اور آپ کی ویزا اور جہاز میں نشست حاصل کرنے کا کام آسانی سے ہو گیا۔

ٹرینیڈاڈ

۱۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو آپ عازمِ سفر ہوئے تو آپ کی پہلی منزل ٹرینیڈاڈ تھا۔ ہوائی اڈے پر متعدد مرد و زن استقبال کے لیے موجود تھے۔ گذشتہ سال کی بے مہری اور بے اعتنائی اب محبت، جوش اور عقیدت میں بدل چکی تھی۔ آپ عزیز احمد صاحب کے یہاں قیام پذیر ہوئے۔

۱۷ اکتوبر کو ایک بڑے جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ آپ جلسہ میں شرکت کے لیے ظہر کے وقت تشریف لے گئے۔ مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ نماز کے بعد قریب ہی ایک کھلے ہال میں جلسہ منعقد ہوا۔ حاضرین کی تعداد تین سو کے قریب تھی۔ آپ کی مؤثر تقریر کے بعد چند افراد نے بیعت کی۔

گیانا

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ۱۹ اکتوبر کو گیانا پہنچے۔ یہاں کا پانچ روزہ پروگرام بھرپور مصروفیات کا تھا۔ آپ نے اپنی جسمانی کمزوری کی وجہ سے کچھ تخفیف کی خواہش بھی کی مگر ممکن نہ ہو سکا۔ اگلی صبح نمازِ فجر سے فوراً بعد پروگراموں کے سلسلہ کا آغاز ریڈیو کے لیے تقاریر کی ریکارڈنگ سے ہوا۔ تو پھر ہر روز ایک نیا پروگرام، نیا مقام اور ایک نئی مسافت، متعدد تقاریر خطبات اور ملاقاتیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا تو تمام کام بخوبی سرانجام پاگئے۔

سرینام

گیانا کا پروگرام اختتام کو پہنچا تو آپ چوبیس اکتوبر کو سرینام تشریف لے گئے۔ ہوائی اڈے پر آپ کے استقبال کے لیے ڈیڑھ سو کے قریب مرد و زن پھولوں کے ہار ہاتھوں میں تھامے صف بستہ کھڑے تھے۔ اُن کی محبت، جوش اور ولولہ ایک عجیب نظارہ پیش کر رہا تھا، جو یقیناً ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے لیے راحت و اطمینان کا موجب ہوا۔

سرینام ایمیزن بیسن (Amazon Basin) کا حصہ ہے اور اِس کی آبادیوں کے بیچ دریاؤں کے وسیع ٹکڑے حائل ہیں۔ اِن آبادیوں تک پہنچنے کے لیے کبھی چھوٹے بحری جہاز (ferry)، کبھی کشتیوں اور کبھی اندرونِ ملک سفر کے لیے مخصوص چھوٹے ہوائی جہاز آپ کے ذرائع آمد و رفت تھے۔ مسلسل سفر ہی سفر، اور پھر متعدد تقاریر کا بوجھ۔ آپ کی طبیعت خاصی مضمحل سی ہوگئی۔ ایک جلسہ میں تو بخار کی حالت میں شمولیت فرمائی۔ جہاں بیٹھنے کے لیے ایک چھوٹی سی لکڑی کی کرسی میسر آئی۔ جو کسی طرح آرام دہ نہ تھی۔ اِس پر آپ کو کئی گھنٹے بیٹھنا پڑا۔ اور پھر شام پڑے پندرہ سولہ میل سفر کر کے دوسری منزل تک پہنچے۔

یہ تمام صعوبتیں اور دشواریاں ایک طرف اور احباب کی خوشی، جوش اور محبت دوسری طرف

تھی جو ہر دُکھ کو راحت میں بدل دیتی تھی۔سرینام سے واپسی کے سفر میں آپ کا دِل احمدیت کے شاندار مستقبل سے مطمئن تھا۔

ٹرینیڈاڈ

یکم نومبر کو آپ ٹرینیڈاڈ واپس تشریف لے آئے تھے، جہاں اگلے چند روز جماعتی مجالس اور ضروری انتظامی امور کی انجام دہی میں گذارا۔آپ نے جماعت کے اراکین کو نصیحت فرمائی کہ مرکز سے متعلق جو بات بھی اُن تک پہنچے تو اِس سے فوراً غلط تاثر لے کر بدگمانی کا شکار ہونے کی بجائے تمام معاملے کی تحقیق کر کے حقائق معلوم کر لینے چاہئیں تاکہ جماعت یکجہتی اور تفہیم وافہام کی بنیادوں پر ترقی کرے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ۶ نومبر کو جزائر غرب الہند کے دوستوں کو ایک خوشگوار ماحول میں الوداع کہتے ہوئے اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ۔شکاگو

جزائر غرب الہند سے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ۶ نومبر کو اپنی اگلی منزل شکاگو کے لیے روانہ ہو گئے۔وہاں جانے کا خاص مقصد بلالی مسلمان رہنما محترم والس ڈی محمد صاحب سے ملاقات اور بلالی مسلمانوں کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب تھا۔جس کے لیے خود محترم والس محمد صاحب نے آپ کو مولوی عبداللہ صاحب کی وساطت سے مدعو فرمایا تھا۔

ٹرینیڈاڈ سے شکاگو تک کے سفر میں گیانا کے ایک احمدی دوست محترم اسماعیل علی صاحب آپ کے ہم سفر تھے۔ نیویارک کے ایئرپورٹ پر، آپ اپنے سامان کے علاوہ محترم اسماعیل صاحب کا سامان بھی اُٹھا کر ٹرالی پر رکھ کر اُسے خود دھکیل کر، امیگریشن کے تمام مراحل طے کرتے ہوئے، بالآخر شکاگو کی پرواز تک پہنچے۔ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب دورانِ پرواز لمحہ بہ لمحہ اپنے

پروردگار کی اعانت واستعانت طلب کرتے ہوئے شکاگو کے ایئرپورٹ پر جب اُترے تو آپ کے استقبال کے لیے مولوی عبداللہ صاحب بمع ایک اور دوست کے موجود تھے۔ والس محمد صاحب کی شاندار گاڑی میں سوار، آپ ایک محل نما آراستہ و پیراستہ عمارت میں پہنچے، جہاں آپ کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ عمارت 'نیشن آف اسلام' یعنی بلالی مسلمانوں کا 'نیشنل ہاؤس' ہے۔

شکاگو میں جلسہ سے خطاب

۷ نومبر کو بلالی مسلمانوں نے اپنے رہنما محترم والس محمد صاحب کے ایک لمبے دورے کے بعد شکاگو واپس تشریف آوری پر، اُن کے اعزاز میں ایک بہت بڑے جلسہ کا اہتمام کر رکھا تھا۔ اور اسی جلسہ سے خطاب کرنے کی دعوت آپ کو دی گئی تھی۔

ابتدائی کاروائی کے بعد محترم والس محمد صاحب نے تقریباً دو گھنٹے تک خطاب فرمایا۔ اس کے بعد ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا تعارف بطور نائب صدر جماعت احمدیہ لاہور کروایا گیا۔ اور آپ کو خطاب فرمانے کی دعوت دی۔ اس جلسہ کی اور آپ کی اپنی کیفیت کا حال ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے الفاظ میں:

> یہ میرے سفر کا سب سے بڑا امتحان تھا۔ اور دِل پر بڑا بوجھ تھا۔ تقریر اسلام پر، جو مجھے محترم فاروقی صاحب نے دی تھی وہ اس موقعہ کے لیے مجھے کچھ موزوں نہیں لگ رہی تھی۔ ایک اور تقریر کی طرف جو ایک دفعہ ٹرینیڈاڈ میں کر چکا تھا "لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ ..." (اگر قرآن ایسا ہوتا جس سے پہاڑ دور کر دیئے جائیں...) (الرعد ۱۳:۳۱) کے موضوع پر تھی۔ اُس کی طرف خیال جا رہا تھا۔ دماغ بالکل خالی خالی لگتا تھا۔ دو رکعت پڑھ کر دُعا کی۔ لیکن دُعا میں بھی توجہ پیدا نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ پھر یہ تقریر

بھی کچھ پسند نہ آنے لگی۔اور پہلی لمبی تقریر کو دوبارہ دیکھا۔وقت ۱۲:۳۰ بجے کا دیا تھااور اب صرف آدھ گھنٹہ کے قریب باقی تھا تو اور بھی اضطراب سا ہوا۔ لیکن دِل کے اندر کچھ خیال بار بار یہی گذر رہا تھا کہ اِس سفر کی شاید یہ آخری تقریب ہے۔اب تک جس قادر ہستی نے ساتھ دیا ہے اُس پر بھروسا ترک نہ کرو۔بس ”لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا ۔۔“ والے موضوع پر بولنے کا فیصلہ کر کے جیب میں ضروری کاغذات ڈال کر چل پڑے۔ پہلے ہمیں سیکرٹری کے دفتر میں بٹھایا۔اُس وقت کارروائی شروع ہوئی۔دفتر میں ٹی وی پر سب کچھ دیکھا سُنا جاتا تھا۔ یا اللہ کیا شعلہ بیان یہ حبشی نوجوان ہیں۔ہر فقرہ کے بعد ایک گونج سی سامعین ناظرین کی اُٹھتی ہے۔تالیاں بجائی جا رہی ہیں۔نعرے لگ رہے ہیں۔ یہ عجیب کیفیت ہے۔ یہ امریکہ ہے۔ یہ کالے کالے حبشی کیا دماغ اور زبان اور قوت رکھتے ہیں۔کوئی گھنٹہ پون گھنٹہ کے بعد اِس دفتر میں والس محمد داخل ہوئے۔اُن سے پہلے کس قدر تیاریاں ہو رہی تھیں اور اُن کی قوم سے بڑے چند لوگ کبھی آتے کبھی جاتے تھے۔جب وہ آئے تو اندر جاتے ہوئے ہمیں بھی ساتھ لیا۔مسجد کا ہال جس میں فرش پر اور اطراف میں اور گیلریوں پر اور سٹیج کی اطراف پر کرسیوں پر مخلوق بیٹھی تھی۔تین کرسیاں ہمارے لیے سٹیج پر سامنے رکھی ہوئی تھیں۔ باقی لوگ اُن کے اطراف میں قالین پر فرش پر بیٹھے تھے۔ مجھے کرسی پر بیٹھنا معیوب معلوم ہوا تو میں قالین پر بیٹھ گیا۔ مجھے دیکھ کر اسماعیل جو پہلے ہی آ کر کرسی پر بیٹھ گیا تھا وہ بھی اُتر آیا اور مولوی عبداللہ صاحب کرسی پر بیٹھے رہے۔والس محمد صاحب کی تقریر دو بجے شروع ہوئی اور دو گھنٹے جاری رہی۔ ہر فقرے پر "Yes Sir! Yes Sir" کا نعرہ لگتا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ مجمع کے اندر بجلی کی رو جاری ہوگئی ہے۔تقریر بڑے نعروں اور

گونجدار تالیوں پر ختم ہوئی تھی، چار بج چکے تھے۔

اپنی تقریر سے متعلق ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر:

پہلے میرا تعارف کرایا اور تقریر کے لیے بلایا۔ موزون و مناسب الفاظ اظہار خوشی اور شکریہ وغیرہ کے لیے مِل گئے۔ اپنی جماعت اور اس جماعت کا باہمی تعلق، والس محمد صاحب کے وزٹ کے متعلق بتایا، اور ایک تمہید تقریباً دس بارہ منٹ تک کرنے کے بعد تلاوت آیت لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا ۔۔ کی اور تقریر لکھی ہوئی کی مدد سے کی۔ کثرت سے تالیاں وغیرہ بجتی رہیں۔ بعض مقامات پر کافی جوش بھی ظاہر کیا۔ اللہ اکبر وغیرہ۔

تقریر ختم ہونے پر میں نے قرآن کی قوت پر زبانی کچھ بات کی اور کہا کہ اس کی برکت سے آپ لوگوں تک قرآن کی روشنی پہنچی ہے۔ اسی کو مضبوطی سے پکڑ کر آگے چلنا ضروری ہے۔ اور یہاں تک پہنچانا ہی ہماری جماعت کا کام ہے۔ مولانا محمد علی صاحب کے ترجمۃ القرآن کے امتیازی مقام کا مختصر ذکر کیا۔ اور تقریر ختم ہو چکی تو ترجمۃ القرآن کی سو ڈیڑھ سو جلد کا تحفہ پیش کیا کہ ڈاکٹر سلام (پبلشر) چیف منسٹر کو سٹاک سے پیش کریں گے۔ اُس کے بعد U.K جماعت کا تحفہ قلم کی پیشکش سے پہلے سب سے پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ تلاوت کر کے قلم کی قوت، خصوصاً اِس زمانہ میں، اور اسی مناسبت سے جماعت UK کا انتخاب اور Islam is Gold کے کندہ حروف کی وجہ بتا کر قلم جیب سے نکال کر پیش کیا۔ والس محمد پیچھے دفتر میں چلے گئے تھے اور وہاں ٹی وی پر دیکھ سُن

رہے تھے۔ جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو سب لوگ اُٹھ کر کھڑے ہوئے اور دیر تک
تالیاں بجاتے رہے۔

دیگر مصروفیات

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو ایک سکول کے معائنہ کے لیے لے جایا گیا۔ یہ اسکول مسجد سے ملحق ہے۔ آپ اُس سکول کے نظام کار، اساتذہ کی فرض شناسی، اور وہاں پر موجود تعلیمی سہولیات سے بے حد متاثر ہوئے۔ ایک چھوٹی جماعت کے کمرے میں آپ تشریف لے گئے تو ایک پانچ سالہ بچے نے اذان اور اُس کے بعد سورۃ الفاتحہ نہایت خوش الحانی سے سُنائیں۔

آپ کو چھاپہ خانہ بھی دکھایا گیا اور چند دیگر مقامات پر بھی آپ تشریف لے گئے۔ آپ جہاں بھی گئے اور جس سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی، آپ کی نواسی فریدہ جو اُن ایام میں امریکہ میں زیرِ تعلیم تھیں اور آپ کی ملاقات کے لیے آئی تھیں، آپ کے ہمراہ رہیں۔ والس محمد صاحب نیشنل ہاؤس تشریف لائے تو فریدہ کی بھی اُن سے ملاقات ہوگئی۔

محترم والس ڈی محمد صاحب سے خصوصی ملاقات

۹ نومبر کی شام ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو اطلاع دی گئی کہ اگلی صبح یعنی دس نومبر کو بلالی رہنما اپنے دفتر میں آپ سے خصوصی ملاقات فرمائیں گے اور آپ سے ساڑھے دس بجے وہاں پہنچنے کے لیے کہا گیا۔ آپ بروقت وہاں پہنچ گئے، مگر والس محمد صاحب کی طرح طرح کی مصروفیات کی بنا پر آپ کو طویل انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی جسے آپ نے خوش دلی سے برداشت کیا۔

بلالین نیوز (Balalian News) کے لیے انٹرویو

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب والس محمد صاحب کے انتظار ہی میں تھے کہ تین بج گئے۔ اُسی

دن کا یہ وقت ’بلالین نیوز‘ کے لیے آپ کے انٹرویو کے لیے مقرر تھا۔ چنانچہ اخباری نمائندے وہیں پر آ گئے اور آپ کا انٹرویو لیا اور تصاویر کھینچی گئیں۔ انٹرویو میں آپ نے جماعت احمدیہ کے مقام، حضرت مسیح موعود کی خدماتِ اسلام اور آپ کے منصب بطور مجددِ وقت و مسیح موعود کی مکمل طور پر وضاحت فرمائی۔ دورانِ گفتگو شکاگو کے باسی، مسٹر ڈوئی کے ساتھ حضرت مسیح موعود کے مباہلہ اور اُس کے انجام کا ذکر بھی آیا، اخباری نمائندے جس سے قطعی لاعلم تھے اور وہ یہ سُن کر حیران و ششدر رہ گئے۔ انٹرویو سے فارغ ہوئے تو نمازِ مغرب کا وقت نکلا جا رہا تھا۔ آپ مغرب اور عشاء کی نماز میں مصروف ہو گئے تو والس محمد صاحب کا بلاوا آیا۔ آپ نے نماز مکمل کی اور پھر دفتر کے اندر تشریف لے گئے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور بلالی رہنما کے درمیان جو گفتگو ہوئی آپ کی تحریر سے اُس کا اقتباس:

> انٹرویو کے بعد میں پھر اوپر آ گیا۔ والس محمد صاحب اپنے اکابرین کے ساتھ اہم میٹنگ کر رہے تھے۔ غالباً کچھ اہم الجھن درپیش ہے۔ اندھیرا ہوا تو میں نے نماز شروع کی۔ اب پونے پانچ کا وقت ہوگا۔ عشاء کی فرض (قصر) دوسری رکعت میں تھا کہ آدمی (نفیس) آیا کہ اب چیف منسٹر فارغ ہیں ملنا چاہتے ہیں۔ فارغ ہو کر گیا۔ دِل میں جو خیال تھے بیان کر دیئے۔ شکریہ ادا کیا۔ اُن کے کاموں اور ارادوں کی جائز تعریف کی۔ اپنے آنے کو غنیمت بتایا۔ موقعہ ملا۔ اُن کے غیر متوقع دورہ پاکستان کو ایک خوشگوار مختصر خواب سے تعبیر کیا۔ اپنی توقعات کا اظہار کیا، کچھ لینے سے زیادہ دینے کے لیے۔ اپنی احتیاط کا ذکر کیا کہ جب گئے تو تار میں، No Publicity کے الفاظ تھے۔ اپنے اخبارات میں بھی ذکر نہ کیا۔ آپ کے مسائل اور مشکلات اور ضروریات کو ہم سمجھتے ہیں

اور ذہن میں رکھتے ہیں لیکن یہ بھی مانتے ہیں کہ دِل سے آپ ہمارے ساتھ ہیں۔ کہنے لگے یہ سب ٹھیک ہے ہم بھائی ہیں آگے چل کر دونوں جماعتیں تعاون سے کام کریں گی۔ (گویا یہ وقتی احتیاط ہے)۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ سب قوت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسے ضرور مدنظر رکھنا لازمی ہوتا ہے۔ اور حق ہمارے ساتھ ہے۔ اُس نے دلوں کے قریب ہونے اور ہمارے کام کی قدر وغیرہ پر عمدہ خیالات کا اظہار کیا۔ ترجمۃ القرآن کا موضوع میں نے شروع کیا تو فوراً کہنے لگا، وہی تو ترجمہ ہے جس سے ہمیں ہدایت ملی ہے۔ ہم نے اُسے ہرگز ترک نہیں کیا۔ اپنے اماموں کو مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں۔ میں نے کہا یہ کافی نہیں ہے۔ ہر موقعہ پر یوسف علی کا حوالہ دیتے ہیں عوام تو اُسی کو لیتے ہیں۔ یوسف علی کے ترجمہ کی حضرت محمد علی کے ترجمے سے کیا نسبت ہے۔ مؤخر الذکر خدا کے دیئے ہوئے قلم سے نکلا ہے۔ اور حضرت صاحب کے خواب اور قرآن کے ترجمہ کے متعلق پیشگوئی کا ذکر کیا۔ بڑے تعجب اور فکر سے یہ بات سُنی۔ پھر میں نے حضرت صاحب کے لٹریچر اور مولوی صاحب کے لٹریچر کا ذکر کیا کہ ہر شخص کو نصیب نہیں ہوسکتا۔ پھر کسی جیل میں جو اُس کی تقریر تھی جو ہمیں دکھائی تھی۔ اُس تقریر میں لفظ اولیاء (لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ) اور زرقاء (Blue eyed) پر اس کی نکتہ چینی کا ذکر کیا۔ میں مولوی صاحب کے ترجمہ سے تفسیر کے نوٹوں کے حوالے لکھ کر لایا تھا۔ وہ کاغذ دیا۔ بہت شرمندہ سا ہوا۔ کہا وہ غلطی ہے۔ ٹیپ میں غلطی ہوئی، میں نے شاکر کو کہا بھی تھا۔ پھر دیکھیں گے اور کچھ عذرِ لَنگ پیش کیے۔ لیکن محسوس کیا کہ غلط ہوا ہے۔ بہرحال میں نے کہا کہ مجھے خوشی ہوئی کہ میرے دِل پر جو بوجھ تھا وہ دور ہوا۔ اُس کی غلط بیانی unchallenged نہ رہی۔ خدا کرے اُس کی اصلاح

ہو جائے۔ میں نے والس صاحب سے یہ بھی کہا کہ ہمارے ترجمۃ القرآن کو
آپ کے نہ لینے سے آپ کی قوم ہی کو نقصان ہو رہا ہے۔

اگلے روز والس محمد صاحب بڑے تپاک سے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے ملے اور آپ سے معذرت کی کہ کسی ضروری میٹنگ کی وجہ سے وہ ایئر پورٹ آپ کے ہمراہ نہ جاسکیں گے۔ اور اُن کا بھتیجا سلطان جائے گا۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی لندن واپسی

شکاگو سے لندن واپسی کے سفر کے متعلق آپ کی تحریر:

جہاز میں دیکھا تو جو سیٹ مجھے ملی تھی اُس کے ساتھ والی تین سیٹیں آخر تک خالی رہیں۔ میرے بالکل آگے والے مسافر کی بھی یہی صورت تھی۔ باقی سب جہاز بھرا ہوا تھا۔ جب جہاز فضا میں چڑھ چکا تو ضروری تیاری اور غذا تھوڑی کھانے کے بعد جو سویا تو صبح سوا آٹھ بجے آنکھ کھلی، جب ناشتہ دیا جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے ہر احسان کا کہاں تک ذکر کروں اور کیسے شکر ادا کروں لندن اڈہ پر کوئی تردد پیش نہیں آیا۔ پاشا، صبیحہ، مجاہد اور نیا پوتا (اویس) صبیحہ کی گود میں، سفر کی کوفت اور بھی کم ہوگئی۔

لندن مقامی جماعت کی میٹنگ میں شرکت

۱۵ نومبر کو 'احمد یہ ہاؤس' میں مقامی جماعت کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی، جس میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے شرکت فرمائی اور اہم جماعتی امور اور مقامی مسائل پر گفت وشنید اور فیصلہ جات ہوئے۔ اراکینِ جماعت کی استدعا پر آپ نے اپنے دورہ جزائر غرب الہند اور امریکہ کے حالات بیان فرماتے ہوئے والس ڈی محمد صاحب کا وہ خط مقامی صدر محترمہ جمیلہ خان کو دیا، جو 'بلالی چیف

منسٹر‘ نے جماعت انگلستان کے تحفۂ قلم کے شکریہ کے طور پر ارسال کیا تھا۔آپ نے شکاگو کے جلسہ میں اپنی تقریر کا آخری حصہ (ریکارڈ شدہ) بھی حاضرین کو سنوایا،جس میں قرآن کریم اور قلم کے تحفے کا ذکر تھا۔

لندن کی میٹنگ سے متعلق ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر سے اقتباس:

میری باتیں ختم ہوئیں تو جمیلہ نے ایک برجستہ تقریر میں میرا شکریہ ادا کیا اور جماعت کی طرف سے اعتماد کا اظہار کیا اور کہا کہ ایسی باتیں (میٹنگ میں) ہوئی ہیں جن سے مجھے آزردگی ہوئی ہوگی لیکن وہ یقین دلاتی ہیں کہ جماعت میری خدمات کی قدر کرتی ہے اور مجھ پر پورا اعتماد رکھتی ہے۔حفیظ عزیز نے کہا وہ انفرادی باتیں ہوں گی، جماعت کو اعتماد ہے۔ بہرحال اُنہوں نے ضرورت محسوس کی ہوگی تب ہی ایسا تذکرہ مناسب سمجھا۔

اس کے بعد آپ نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ایک مختصر خطاب فرمایا،جس کا خلاصہ آپ نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے:

ہم مذہبی جماعت ہیں محض سوشل یا سیاسی تو بالکل نہیں۔میری ذاتی اغرض کچھ بھی نہیں۔ووکنگ چلے جانے کے بعد انجمن کی بڑی خواہش تھی کہ اس کا نعم البدل پیدا ہو جائے۔اس مرکز سے ہماری بھاری توقعات وابستہ ہیں۔یہاں جماعت اب بن گئی ہے۔میں نے انتہائی کوشش یہاں آ کر،اور وہاں سے اور اب دوبارہ آ کر بھی کی ہے کہ آپ لوگوں میں اتحاد اور یک جہتی پیدا ہو جائے۔ اور آپ مل کر خدا کے دین کا کام کریں۔میری اس کوشش کے گواہوں کے علاوہ میرے سامنے جو بیگ پڑا ہے اس میں تحریری ثبوت بھی موجود ہیں اس لئیے بدگمانیاں ترک کر کے،خدا کا کام آپ لوگوں کو کرنا چاہئے۔جو غلط فہمیاں

آپ کے درمیان کوئی پھیلائے اُس کی تحقیق پہلے کر کے پھر بات کو قبول یا رد کیا جائے۔ کئی باتیں ہوئیں اور بالآخر غلط ثابت ہو گئیں۔ مجھے کسی سے ذاتی عناد نہیں۔ صرف غلط بات کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ مرکزی انجمن کی عزت مجھے جان سے عزیز ہے۔ اِس لیے کہ ہمیں اس کے طفیل روشنی ملی ہے اور اُسی کی مساعی سے دُنیا کو روشنی پہنچی ہے۔ اور ابھی وہ زندہ ہے۔ بھاری مشکلات اُسے درپیش ہیں۔ بڑی مشکل تو یہ ہے کہ مصائب اور رائے عامہ یا دیگر دنیوی مفاد کی وجہ سے بہت لوگ علیحدہ ہو گئے ہیں۔ کچھ ایثار پیشہ لوگ ثابت قدمی سے اپنے عہد پر قائم ہیں اور ہر قسم کی مالی جانی قربانیاں دے رہے ہیں۔ بعض غربا بھی مضبوطی سے قائم ہیں۔ خود میرے کچھ عزیز، ہر ابتلاء کے باوجود قربانیاں دے رہے ہیں۔ اگر خدانخواستہ وہاں اس سے بڑی کوئی مصیبت آ جائے تو احمدیت کا پودا باہر کے ممالک میں تو پرورش پاتا رہے۔ میرے مدنظر اتنا لمبا چوڑا سفر ایسی اغراض کے لیے ہی تھا، کہ بیرونی ممالک کی جماعتوں کو شاید اس سے کچھ تقویت حاصل ہو جائے۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ خصوصاً سرینام میں۔ وہاں بہت اچھا میدان ہے۔ اور میرے نو دِن کے اس کے طول و عرض میں دورہ سے لوگوں نے بھاری تقویت محسوس کی ہے۔ وہاں ہزاروں کی تعداد میں احمدی لوگ ہیں۔ اُنہیں تعلیم اور رہنمائی کی بھاری ضرورت ہے۔

دیگر مصروفیات

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے محسوس کیا کہ اس تقریر کا سامعین پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اور چند لوگ جو ابتداء میں کچھ کشیدہ کشیدہ نظر آتے تھے، بہت خلوص اور تپاک سے آپ سے ملے اور

گفتگو کی۔

لندن میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا قیام ۲۰ نومبر تک تھا۔ مقامی جماعت کی میٹنگ میں اکثر احباب سے ملاقات کا موقع میسر آ گیا تھا۔ تاہم آپ کئی احباب سے انفرادی طور پر بھی ملاقات کے لیے خود تشریف لے گئے، جس کے لیے بعض اوقات کافی مشکل سفر بھی اختیار کرنا پڑے۔

ایک مخلص احمدی سید محمود حسین شاہ صاحب کے ذاتی اصرار پر آپ اُن کے یہاں ایک دور دراز علاقہ میں تشریف لے گئے۔ سید محمود حسین شاہ صاحب، سید عبدالجبار شاہ صاحب، المعروف 'بادشاہ صاحب' سابقہ والئِ سوات کے فرزند تھے۔ بادشاہ صاحب کا شمار جماعتِ احمدیہ لاہور کے جید علماء اور اکابرین کی صفِ اول میں ہوتا ہے۔ حضرت محمد علیؒ صاحب کی وفات کے بعد جن پانچ بزرگانِ جماعت کو بیعت لینے کا اختیار تفویض کیا گیا تھا، بادشاہ صاحب اُن میں شامل تھے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور محترم بادشاہ صاحب کے خاندانوں میں دیرینہ دوستانہ تعلقات اور مراسم تھے۔ جنہیں محمود حسین صاحب بھی نبھاتے چلے آئے تھے۔ اور احمدیت پر ثابت قدم تھے۔ ننھیال کی طرف سے محمود حسین شاہ صاحب کا تعلق بخارا کے شاہی خاندان سے تھا۔ شہزادہ بخارا، جو برطانوی دور میں ایبٹ آباد میں جلاوطنی کی زندگی گذار رہے تھے، محمود حسین شاہ صاحب کے ماموں تھے۔

سید محمود حسین شاہ صاحب کی اہلیہ بمع اپنی دُختر عصمت کے خود آپ کو اپنے ہمراہ لے جانے کے لیے ڈارٹ فورڈ پاشا کے گھر آئی تھیں۔ آپ نے اُن کے یہاں ایک رات بسر کی۔ اگلی صبح واپسی کا سفر تنہا تھا، جو کسی طرح بھی آسان نہ تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر سے اقتباس:

واپسی سفر تنہا کیا۔ اللہ ساتھ تھا۔ گھر سے بس پر سٹیشن، Port Talbot، تیز

ریل میں وہاں سے Paddington (لندن) وہاں سے زیرِ زمین گاڑی میں ٹریفالگر سکویئر (Trafalgar Square)، وہاں سے سڑک پیدل پار کر کے چیئرنگ کراس مین لائن سٹیشن (Charing Cross Main Line), وہاں سے بذریعہ ریل ڈارٹ فورڈ (Dartford) کے گھر سینکچوری کلوز (33 Sanctuary Close) پہنچا۔

الحمدللہ۔ طبیعت بہت اچھی تو نہیں، جب پونے پانچ بجے یہ الفاظ لکھ رہا ہوں۔

مانچسٹر کے سفر کا پروگرام

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا ارادہ مانچسٹر جانے کا تھا۔ اس کے لیے راس محمود صاحب نے آپ کے ہمراہ جانے کا وعدہ کیا اور ۲۰ نومبر کی صبح کو بذریعہ ٹرین جانے کا پروگرام بن گیا۔ مگر آپ کی طبعیت زیادہ اچھی نہ تھی۔ جس کی وجہ سے یہ پروگرام ترک کرنا پڑا۔

آپ کی تحریر سے اقتباس:

رضیہ خالہ ہفتہ ۲۰ نومبر کو پاکستان جا رہی ہیں۔ پروگرام بنایا کہ اُس روز راس مجھے مانچسٹر ٹرین پر لے جائیں گے۔ ۱۷ نومبر کی صبح نماز کے وقت میں نے مانچسٹر کے سفر کی مشکلات کا سوچا اور اپنی کسی قدر ناساز طبیعت اور یہاں کے ادھورے کاموں اور جلدی واپسی سفر وغیرہ کا خیال کیا تو دِل پر بوجھ اُٹھا کر، کسی قدر افسوس کے ساتھ یہ پروگرام ترک کر دینے کا فیصلہ کیا کہ، کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد۔ وہاں بعض لوگوں سے ٹیلی فون پر بات کر لوں گا۔ رضیہ خالہ کو اس منسوخیٔ پروگرام کی اطلاع دی تو اُنہوں نے پسند کیا۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی وطن واپسی

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اپنے طویل سفر کے بعد وطن واپس تشریف لے آئے تو جماعت میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ احساس ہونے لگا کہ ان عاجز بندوں کی دُعائیں قبول ہوئیں اور آپ کامیاب و کامران لوٹے۔ ہر ایک آپ سے ملاقات کرنے اور حالات جاننے کو بے تاب تھا۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مقامی جماعت نے آپ کے اعزاز میں یکے بعد دیگرے جمعہ ۱۰ دسمبر کو جامعہ دارالسلام میں اور جمعہ ۱۷ دسمبر کو جامعہ احمدیہ بلڈنگس میں تقاریب کا اہتمام کیا، جن میں حاضرین کی جانب سے آپ کے ساتھ دلی خلوص اور روحانی تعلق کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی بصحت وسلامتی لوٹنے پر خوشی کا اظہار کیا گیا، اور آپ نے اپنے بیرون ملک دورے کے حالات سامعین کے گوش گذار فرمائے۔ اور یہ خوشخبری سنائی کہ انگلستان اور نیدرلینڈ میں ’احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور‘ کے نام سے فعال جماعتوں کا قیام ہو چکا ہے۔





سولھواں باب

بیرون ملک تیسرا سفر۔ اگست ۱۹۷۷ء

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے خودنوشت سفر نامہ کا آغاز مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ وَالصَّلٰوٰةُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

ہفتہ ۲۰ اگست ۱۹۷۷ء۔ آج میرے تیسرے سفر بارادۂ دورہ انگلستان و جرمنی و ہالینڈ کا پہلا دن گذر چکا ہے اور انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل راولپنڈی کے کمرہ نمبر ۴۲۲ میں سفر کی ڈائری نویسی کی ابتداء کر رہا ہوں۔

اِس سال میرا کوئی لمبا سفر اختیار کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ نہ اس کے لیے انشراحِ صدر تھا۔ لیکن حالاتِ انجمن ایسی صورت اختیار کرتے گئے کہ انجمن نے ایک بار پھر فیصلہ کیا کہ میں انگلستان، کم از کم ضرور جاؤں۔ میرے لیے انکار کرنا مشکل ہو گیا۔ علاوہ ازیں مسز جمیلہ خان صدر یو کے جماعت کا ایک ایسا خط موصول ہوا جس میں میرے جانے کی اشد ضرورت پر زور تھا۔ اس خط کے کچھ فقرات ایسے تھے کہ میرا اُن سے متاثر ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ شاہد عزیز سیکرٹری یو کے جماعت تو کئی بار لکھ چکا تھا۔ پھر جماعت کی ایگزیکٹو کونسل (Executive Council) کا ایک ریزولیوشن آیا جس میں جماعت کی

طرف سے میرے لیے با قاعدہ دعوت تھی۔ اے اے آئی آئی ایل ٹرسٹ (AAIIL Trust) کی میٹنگ ۲۸ اگست کے لیے رکھی گئی اور انجمن نے مجھے ازسرِ نو ٹرسٹی مقرر کیا۔ یہ میٹنگ کئی لحاظ سے بڑی اہم ہے۔ طفیل صاحب کے تبادلہ کے احکام نے یو کے میں جماعت میں انتشار کی حالت پیدا کر دی ہے۔ اور امام صاحب موصوف اور اُن کے حامی وہاں پر جو ذرائع استعمال کر رہے ہیں وہ انجمن کے مستقبل کے لیے خطرات سے خالی نہیں۔ میں اپنی مشکلات کو دیکھ رہا ہوں اور میں اپنی کسی تدبیر اور قوت کے ذریعہ اُن کے حل کو اپنے لیے ممکن نہیں سمجھتا، لیکن میرا تمام تر بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ کیونکہ وہ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

دارالسلام لاہور سے روانگی

دارالسلام سے روانگی سے متعلق آپ نے تحریر فرمایا:

آج ہفتہ کی صبح نمازِ فجر میں قریباً تیس افراد مرد تھے اور خواتین بھی کافی تعداد میں شامل ہوئیں۔ نماز کے بعد راجہ محمد افضل صاحب نے نہایت مؤثر الفاظ میں میرے پیش آمدہ سفر کی غرض بیان کی۔ میرے لاہور آنے کے پس منظر کا ذکر کیا اور اسے تقدیر خداوندی سے تعبیر کیا اور دُعا کی تحریک کی۔ دُعا کے بعد میں نے چند کلمات عرض کیے۔ پھر فرداً فرداً سب حاضرین سے معانقہ کیا۔ قریباً سب پر رقت طاری تھی اور بعض لوگ پھوٹ پھوٹ کر روئے، خصوصاً سردیمان انڈونیشی طالب علم تو بچوں کی طرح میرے ساتھ لپٹ گیا اور بہت زیادہ رویا جیسے بچہ ماں سے جدائی کی وجہ سے روتا ہے۔ راجہ صاحب کا بیٹا

شاہد اور چوہدری محمد حیات اتنا روئے کہ گھگھی بندھ گئی۔ مجھ پر بھی بہت اثر ہوا۔ اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرے لیے دارالسلام کے لوگوں کے دِلوں میں اس قدر الفت ڈال دی ہے۔ اِس سے میری بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔

احمد یہ ہاؤس لندن میں ٹرسٹ کی میٹنگ

انگلستان میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا قیام ڈارٹ فورڈ میں تھا۔ مگر آپ اراکین انجمن سے مسلسل رابطہ میں تھے۔ ٹرسٹ کی ۲۸ اگست کی مجوزہ میٹنگ سے قبل مقامی جماعت اور مرکز کے نمائندگان چوہدری فتح محمد عزیز صاحب اور میاں فضل احمد صاحب کے ساتھ مشاورت اور تبادلۂ خیالات کے لیے ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں۔

۲۸ اگست کو ٹرسٹ کے چیئرمین محترم عزیز احمد کے زیر صدارت ٹرسٹ کی میٹنگ ہوئی۔ عزیز احمد صاحب اسی میٹنگ کے لیے بطورِ خاص ٹرینیڈاڈ سے تشریف لائے تھے۔ میٹنگ میں احمد یہ ہاؤس اور متعلقہ امور اور دیگر معاملات زیرِ بحث آئے۔ مرکز کی طرف سے شیخ طفیل صاحب کے تبادلہ کے حکم کی وجوہ جو بھی رہی ہوں۔ مگر اسے ایک غلط رنگ دے دیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے میٹنگ کے آغاز سے ہی ماحول ناخوشگوار سا ہو گیا تھا۔ چند مخصوص ممبران کی طرف سے گذشتہ برسوں کی طرح، اب بھی یہی مؤقف اختیار کیا جا رہا تھا کہ ٹرسٹ مرکز سے الگ ایک عظیم خود مختار ادارہ ہے اور دیگر تمام بیرونی مراکز بشمول انگلستان اپنے فیصلوں میں خود مختار ہو جانے چاہئیں اور مرکز کی حیثیت صرف ثانوی یا برائے نام ہو۔ صرف روحانی امور میں رہنما ادارے کی ہو۔ مرکز اس قسم کے مطالبات ماننے سے پہلے بھی انکار کر چکا تھا اور اب بھی یہ مطالبات کسی صورت قابل قبول نہ تھے۔ اس صورتِ حال میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے مرکزی مجلس معتمدین کے فیصلوں کی صحیح نوعیت اور تفاصیل شرکائے مجلس کے گوش گذار فرمائیں، جس سے حقائق کھل کر سامنے آ گئے۔ آپ نے واضح طور پر فرمایا کہ جماعت احمد یہ کا اصل مقصد اشاعت اسلام وقرآن ہے۔ جماعت انگلستان اور دیگر

تمام جماعتیں متحدہ طور پر یہ کام کرنے کی خواہش مند ہیں۔ اور مرکز علیحدہ جماعت بندی کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔ اس لیے اس پر بحث اور جھگڑا بے بنیاد ہے۔

آپ کی صاف گوئی اور درست دلائل کو اکثریت نے قبول کیا مگر مخالفت کرنے والے کسی صورت اسے قبول کرنے پر رضامند نہ تھے۔ اس لیے یہ میٹنگ شورش کی نذر ہو گئی۔ دو روز مزید اسی قسم کے حالات در پیش رہے۔ میرِ مجلس عزیز احمد صاحب اِس قسم کے ناخوشگوار تجربات سے ناآشنا تھے۔ اس طرح کی ہنگامہ آرائی اُن کو ناگوار گذری، جس سے وہ بے حد برہم ہو گئے اور حاضرین سے درد بھرے الفاظ میں جو فرمایا وہ ڈاکٹر سعید احمد کی تحریر سے:

اُنہوں نے درد بھرے الفاظ میں فرمایا کہ تم لوگ انجمن کو تباہ کرنے کے درپے ہو۔ میں نے تو دس ہزار پونڈ اور اِس سے زیادہ انجمن لاہور کو اس دن کے لیے نہیں دیئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ ووکنگ ایک اچھا ادارہ تھا، وہ چلا گیا ہے تو اُس کا نعم البدل کھڑا کر دیں اور دینِ اسلام کی خدمت ہو۔ میں نے ہزاروں ڈالر خرچ کر کے یہ سفر اختیار کیا ہے۔ میں اپنی بیوی کو موت و حیات کی کشمکش میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ میری بیٹی دوسرے جزیرہ (گرے لینڈ) سے آئی ہے کہ میری غیر موجودگی میں ماں کی خبر گیری کرے۔ رات کی خدمت کے لیے دو نرسیں چھوڑ کر آیا ہوں۔ ہر وقت دِل میں بیوی کے مر جانے کا غم لگا ہے۔ یہاں ہوٹل میں بھی مجھے لوگ نہیں چھوڑتے اور آپ لوگوں کے جھگڑوں کے سلسلہ میں تنگ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مجھے خدشہ ہوا کہ اُنہیں (عزیز احمد صاحب) کچھ ہو نہ جائے۔ میں نے مداخلت کی اور عرض کی کہ چند منٹ مشورہ کے لیے دیئے جائیں۔ عزیز احمد

صاحب سے اپیل کی اور پھر سب سے کہا، اب خدا کے واسطے بند کریں۔ کسی
نے غالباً فتح محمد عزیز صاحب نے تائید کی۔ عزیز احمد صاحب نے دس منٹ کا
وقت دیا۔

مشورہ کے بعد عزیز احمد صاحب نے فرمایا: ”میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اجلاس کا اِن حالات میں کوئی نیک نتیجہ تو نہیں نکل سکتا۔ میں اسے غیر معینہ عرصہ کے لیے ملتوی کرتا ہوں۔“

مستقبل کا لائحہ عمل

۳ ستمبر کو مقامی جماعت کی ایک میٹنگ میں مستقبل کے لیے لائحہ عمل طے کیا گیا کہ ہر ممکن کوشش سے جماعت کو مضبوط کیا جائے اور تمام جماعت کے افراد کو یکجا کرنے اور اُن کا تعاون حاصل کرنے کی سعی کی جائے اور اس سلسلہ میں مرکز کے نامزد امام اور نائب امام کا بلا تاخیر لندن پہنچنے کو اہم قرار دیا گیا۔ تمام معاملات خوش اسلوبی اور اتفاقِ رائے سے طے پا گئے۔

مانچسٹر کا دورہ

گذشتہ برس ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی مانچسٹر جانے کی خواہش پوری نہ ہو سکی تھی۔ آپ کے علم میں یہ بات لائی گئی تھی کہ مانچسٹر میں کئی احمدی خاندان آباد ہیں۔ آپ اُن سے ملاقات کر کے اُن کو جماعت انگلستان سے منسلک ہونے کی طرف راغب کرنا چاہتے تھے۔ ۱۰ ستمبر کو آپ محترم فتح محمد عزیز صاحب اور محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ کی معیت میں مانچسٹر پہنچے۔ زاہد عزیز صاحب کو آپ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ مانچسٹر میں آباد احمدی خاندانوں کا آپس میں بھی رابطہ نہ تھا۔ نتیجتاً کبھی عید بقر عید پر بھی اجتماع نہ ہوتا تھا۔ اپنی اپنی سہولت سے کوئی غیر احمدیوں کے ساتھ اور کوئی جماعتِ ربوہ کے ساتھ نمازِ عید پڑھ لیتا تھا۔

اپنے دو روزہ قیام کے دوران آپ نے متعدد احباب سے ملاقات فرمائی۔ اکثر افراد کا

پتہ آپ اپنی کوششوں سے حاصل کر کے یہاں تشریف لائے تھے۔ ملاقات ہونے پر آپ نے محسوس کیا کہ دُنیاوی طور پر اکثریت آسودہ حال ہے مگر باہمی رابطہ کے فقدان اور دینی تعلیم کی کمی کی وجہ سے جماعتی تعلق، بالخصوص نوجوان طبقہ کا، برائے نام سا ہے۔ اگرچہ دلوں میں احمدیت سے محبت موجود ہے، اگر کوئی مستعد، باعلم اور باعمل مبلغ میسر آجائے تو یہاں آکر پورے خلوص سے سعی کرلے تو ایک اچھی مضبوط جماعت قائم ہوسکتی ہے۔ اُس وقت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے ذہن میں یہ بات تھی کہ مرکز کے نامزد نائب امام مسعود اختر صاحب جو عنقریب لندن پہنچ جائیں گے۔ یہ کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

عید الفطر، احمدیہ ہاؤس لندن میں

۱۵ ستمبر کو یوم عید الفطر تھا۔ بائیکاٹ اور عدم تعاون کی دھمکیوں کے باوجود ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب پُرامید تھے کہ عید کے دِن کی برکات اور مسرتوں سے جماعت محروم نہ رہے گی۔ حاضرین کی تعداد نوے تک پہنچ گئی تھی۔ امامتِ نماز اور خطبہ عید الفطر فرمانے کے بعد آپ نے چند مزید کلمات حاضرین کے گوش گذار کر دینا ضرور سمجھا۔

آپ کے اس خطاب کا خلاصہ آپ کی تحریر سے:

> آخر میں ایک ذاتی عرض داشت (personal note) کے طور پر معذرت کے ساتھ اپنے دورے کی غرض کا کچھ ذکر کیا کہ میں امن اور اتحاد کا پیغام لے کر بحیثیت نمائندہ مرکزی انجمن اب تیسری دفعہ آیا ہوں اور مرکزی انجمن کی حیثیت کے متعلق کچھ کہنے کے بعد دلوں کی کدورتوں سے پاک کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور دعویٰ سے کہا کہ میرے دل میں کسی شخص کی ذات کے لیے کوئی کدورت میل اور رنجش نہیں۔ اختلافاتِ رائے منع نہیں۔ لیکن دُنیا میں

جنتی زندگی کی تڑپ ہو تو دل کو نفرت اور بخل سے پاک رکھنے کے بغیر یہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ میں ابھی یہاں کچھ دن ہوں۔ کسی کو کوئی شکوک دور کرنے ہوں تو حاضر ہوں اور یقین رکھتا ہوں، میں شکوک رفع کر سکوں گا۔

جماعت انگلستان کے مسائل، مقدمات اور بائیکاٹ کی دھمکیاں، انجمن کی تحریرات میں قانونی موشگافیاں اور کئی اور فسادات آپ کی طبع پر ناگوار گذرتے تھے۔ آپ اس کی فریاد بارگاہِ ایزدی سے کرتے کہ وہی اس مشکل وقت میں احمدیت اور جماعت کی ترقی کے راستے نکالے اور اشاعت دین کے کام کے لیے یکسوئی نصیب ہو۔

آپ کی تحریر سے اقتباس:

یہ کن باتوں میں قیمتی وقت صرف ہو رہا ہے۔ یا اللہ! ہماری زندگی کا ایک بڑا حصہ شر کے دفیعہ پر ہی صرف ہو رہا ہے۔ آپ اس شر کا ہر طرف خاتمہ فرمائیں اور ہمیں فرصت اور موقعہ اسلام اور احمدیت کے لیے کسی تعمیری خدمت کا عطا فرمائیں۔ یا اللہ! آپ ہم پر رحم فرمائیں۔ آپ ارحم الراحمین ہیں۔ ہم عاجز کمزور بندے ہیں۔ ربنا ولا تحملنا۔

بین المذاہب (Interfaith) کانفرنس میں شرکت

اس سال کے قیامِ انگلستان میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو ایک بین المذاہب کانفرنس میں بطورِ سامع شرکت کا موقعہ میسر آیا، جس میں شیخ محمد طفیل صاحب نے مذہبِ اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک عمدہ تقریر فرمائی۔

کانفرنس کے اختتام پر آپ کو اسی عمارت میں موجود لائبریری دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا۔ جس میں ہر مذہب پر سینکڑوں کتابیں موجود پائیں۔ مگر اسلام پر صرف دو چار کتابیں ہی موجود تھیں۔ یہ حقیقت تمام علمائے اسلام اور بالخصوص اس جماعت کے لیے جو اسلام کی تعلیمات کو دُنیا کے

کناروں تک پہنچانے کی علم بردار ہے یقیناً ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

امریکہ کا سفر

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو مولوی عبداللہ صاحب، اُن کے فرزند ظفر عبداللہ صاحب اور جعفر حسین صاحب نے بطورِ خاص کیلیفورنیا میں جماعتِ احمدیہ لاہور کے نئے مرکز کے افتتاح کے لیے مدعو کیا تھا۔ آپ نے لندن میں امریکہ کے ویزا کے لیے درخواست دی تو سفارت خانے نے بہت فیاضی سے پانچ سال کا ویزا دے دیا۔ جس میں متعدد بار امریکہ میں آمد و رفت کی سہولت بھی دی گئی تھی۔ آپ ۱۸ اکتوبر کی شام کو سان فرانسسکو پہنچے اور ہیورڈ میں ظفر عبداللہ صاحب کے گھر پر قیام فرمایا۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، یو ایس اے کے مرکز کا افتتاح

سان فرانسسکو (کیلیفورنیا) میں احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کے تبلیغی مشن کا قیام مولٰنا محمد علیؒ امیر اول کے دورِ امارت میں ۱۹۴۷ء میں ہوا تھا اور اس مقصد کے لیے ایک عمارت خریدی گئی تھی جو محترم بشیر احمد منٹو صاحب کی رہائش گاہ اور مرکز دونوں کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ منٹو صاحب نے ایک عرصہ تک گراں قدر تبلیغی خدمات انجام دیں۔ جماعت امریکہ کے اِس وقت کے سیکرٹری جعفر حسین صاحب بھی انہی کے زیرِ اثر دینی خدمات کی طرف مائل ہوئے تھے۔ اور اب ایک فعال اور مخلص کارکن تھے۔ یہ عمارت چونکہ منٹو صاحب کے نام سے رجسٹر ہوئی تھی، وہ اُنہیں اپنے ذاتی خانگی معاملات کی وجہ سے بیچنی پڑی اور منٹو صاحب پاکستان واپس تشریف لے آئے اور مشن کا کام زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ اگر یہ سلسلہ اس وقت صحیح طور پر چل رہا ہوتا تو اب تک بہت کام ہو چکا ہوتا۔

ایک عرصہ کے بعد اب مولوی عبداللہ صاحب، ظفر عبداللہ صاحب اور جعفر حسین صاحب

کی لگن اور سعی سے اِس مشن کو دوبارہ زندگی ملی ہے۔ اسی سال چند ماہ قبل محترم محمد احمد فرزند مولانا محمد علیؓ صاحب کیلیفورنیا تشریف لائے تھے۔ اُن کی موجودگی میں اور اُنہی کی معاونت سے انجمن کا آئین مرتب کیا گیا اور انجمن با قاعدہ رجسٹر کروالی گئی تھی۔ اور مرکز کے لیے عمارت خرید لی گئی، جو ہیورڈ سے کچھ فاصہ پر اوک لینڈ نامی مقام پر ہے۔

مسجد احمدیہ میں پہلی اذان

۹ اکتوبر کی شام ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، انجمن کی نئی عمارت دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر سے اقتباس:

> شام کی نماز کے بعد ظفر سے کہا، مرکز نے جو مکان لیا ہے وہ دیکھ لیں۔ ان کے مکان سے دس میل فاصلہ ہے۔ اکثر راستہ وسیع سڑک سے پہنچنے میں دیر زیادہ نہیں لگی۔ مکان دیکھ کر دِل خوش ہو گیا۔ سولہ، چھ چھ انچ کی اونچی سیڑھیاں چڑھ کر سڑک سے قریباً دس فٹ بلند سطح پر پہاڑی جگہ پر واقع ہے۔ یہ لائبریری کی عمارت تھی۔ پیچھے غسل خانہ، ایک بڑا کمرہ، کچن وغیرہ کے طور پر اور گودام وغیرہ ہے۔ اور عقب میں زمین بھی ہے۔ کمرہ ۲۴ x ۴۰ فٹ ہے۔ قطب نما میرے پاس تھی۔ جب دیکھا تو لمبائی کی طرف سے عین قبلہ رو یعنی جنوب مشرقاً، شمال مغرباً واقع ہے۔ یوں لگتا تھا کہ اِس کمرہ کا مسجد بننا شروع سے ہی مقدر تھا۔ لکڑی کا خوبصورت فرش جو ان لوگوں نے تازہ پالش وغیرہ کیا ہے چمک رہا تھا۔ ٹیوب لائٹیں لگی ہوئی ہیں۔ زکیہ (مسز ظفر عبداللہ) اور اُن کا ایک سالہ بچہ ریاض بھی ہمراہ گئے۔ بچہ حسبِ آزادی چلتا دوڑتا، اور کھیلنے لگا، اتنی کھلی صاف جگہ اُسے ملی۔ میں نے اِس جگہ اس کی زندگی کی پہلی اذان دی اور ہم تینوں نے عشاء کی نماز با جماعت پڑھی تو یوں محسوس ہوا کہ یہاں تک پہنچنے

> کی بہت کچھ قیمت، جیسے ابھی ہی پیشگی مل گئی۔ اللہ کرے میرا یہ سفر جماعت کے لیے اور احمدیت کے لیے، اسلام کے لیے اور خود میرے لیے باعثِ برکت و رحمت ثابت ہو۔

مرکز کا افتتاح

مرکز کے افتتاح کے لیے ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء کا دن مقرر تھا۔ ہیورڈ میں ظفر عبداللہ صاحب کی قیام گاہ پر نماز باجماعت اور درسِ قرآن کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا۔ باقاعدہ افتتاح سے ایک روز قبل پہلا جمعہ بھی اس نئی مسجد میں پڑھا گیا۔ اس طرح اذان، نماز باجماعت اور نماز جمعہ کی ادائیگی سے اصل افتتاح تو ہو ہی چکا تھا۔ مگر مہمانوں کی موجودگی میں باقاعدہ افتتاح ۱۵ اکتوبر کو ہوا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان کی تحریر سے اقتباس:

> پونے سات بجے کے قریب دروازہ پر گئے۔ مجھے چابی دی۔ ماسٹر عبداللہ صاحب نے انگریزی میں تقریب کے متعلق اور میرے متعلق مختصر تقریر کی۔ میں نے جواباً مختصر گفتگو میں سورۃ فاتحہ کا کچھ بیان کیا کہ ہر چیز کی ابتدا، جس سے قرآن کی ابتداء ہوتی ہے، اس سے کی جاتی ہے۔ فاتحہ کے معنی ہی کھولنے والی کے ہیں۔ پھر فاتحہ پڑھی۔ آمین۔ دروازہ کھلا، چابی بطور یادگار مجھے دے دی گئی ہے اور لوگ داخل ہوئے۔ درجن سے زیادہ کیمرے چاروں طرف سے کلک کلک (click, click) کرنے لگے۔ ایک دو movie cameras بھی تھے، اور ٹیپ ریکارڈنگ بھی ہوئی۔

نماز مغرب کے بعد تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا۔ مولوی عبداللہ صاحب اور ظفر عبداللہ صاحب کی تقاریر کے بعد ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے تقریر کی اور چندہ کے لیے اپیل کی۔ اِس

اپیل کی تحریک ظفر عبداللہ صاحب نے کی تھی۔ چندہ کی ابتداء آپ نے خود ۲۵ ڈالر سے کی۔ مجموعاً غالباً پانچ چھ ہزار ڈالر چندہ ہوا تھا۔



احمدیہ انجمن اشاعت اسلام یو ایس اے کے مرکز و مسجد کا افتتاح

(پیغام صلح کا ایک تراشہ)

جیسا کہ احباب کو معلوم ہے کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نائب صدر اور کمیٹی تبلیغ بلاد غیر کے چیئرمین حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب دامت برکاتہٗ متواتر تین سال سے بلا دِغیر کا تبلیغی و تنظیمی دورہ فرما رہے ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں اُنہوں نے انگلستان کے علاوہ جزائر غرب الہند کا دورہ کیا اور ٹرینیڈاڈ، سرینام، گیانا کی مختلف جماعتوں میں تشریف لے گئے۔ ۱۹۷۶ء میں انگلستان، جرمنی، ہالینڈ کے علاوہ امریکہ بھی تشریف لے گئے تھے اور گذشتہ سال بھی انگلستان کے مختلف مقامات کے علاوہ ہالینڈ اور امریکہ کی ریاست کیلیفورنیا کا دَورہ کر کے آخر نومبر میں تشریف لائے تھے۔

امریکہ کی ریاست کیلیفورنیا کے چند شہروں میں ہماری جماعت کے احباب موجود ہیں۔ خصوصاً ہیورڈ اور اوک لینڈ میں بہت سے دوست مقیم ہیں جو زیادہ تر فیجی سے آ کر یہاں آباد ہوئے ہیں۔

اوک لینڈ کے شہر میں جماعت کے مرکز اور مسجد کے لیے ایک مکان خریدا گیا جس کے باقاعدہ افتتاح کے لیے وہاں کے احباب نے حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف کو بالخصوص مدعو کیا۔ آپ اس غرض کے لیے انگلستان سے امریکہ تشریف لے گئے اور ۱۵ اکتوبر کو آپ نے اس نئے مرکز و مسجد کا افتتاح فرمایا۔ شرکاء تقریب میں احباب و خواتین جماعت کے علاوہ بلالی مسلمان اور غیر از جماعت دوست بھی شریک ہوئے۔ اس موقعہ پر قبلہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو بتایا گیا کہ خرید مکان کی وجہ سے مقامی جماعت پر بیس ہزار ڈالر کا قرضہ ہے تو آپ نے افتتاحی تقریب میں جو چندہ کے لیے اپیل فرمائی اور چھ ہزار ڈالر کی رقم جمع ہو گئی، جو جماعت کے لیے بڑی خوشی کا موجب ہوئی۔ اپنے مختصر سے قیام میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے احباب جماعت سے تعارف و ملاقات کے علاوہ ایک خصوصی اجلاس میں بھی شرکت کی جس میں مختلف جماعتی امور پر غوروخوض کیا گیا اور جماعتی ترقی و استحکام اور مفاد احباب کے لیے مختلف امور پر تبادلہ خیال ہوا۔ امریکہ کے اس خوبصورت مقام پر، مکرم ماسٹر محمد عبداللہ صاحب اور ان کے صاحبزادگان تبلیغ و اشاعت اسلام کے مجاہدانہ کام میں مصروف ہیں۔ جناب ظفر عبداللہ جماعت کے صدر اور جناب جعفر حسین جنرل سیکرٹری ہیں۔

اس جماعت کے مرکز و مسجد کی افتتاحی تقریب کی کاروائی میں

مسجد کی رونمائی، دُعائے خیر، ادائیگی نماز مغرب، جناب ماسٹر محمد عبداللہ اور ظفر عبداللہ صاحب کی تقاریر اورحضرت ڈاکٹر صاحب قبلہ کا خطاب شامل ہے۔ راقم الحروف کو اس تقریب کا کیسٹ سُننے کا موقعہ ملا۔ جسے مرتب کر کے ہدیۂ قارئین کرام کیا جا رہا ہے۔ --- (ابو سلمان)

احبابِ جماعت سے ملاقات اورتبادلۂ خیالات

جماعت امریکہ نے ۱۶اکتوبر کا دِن احبابِ جماعت سے ملاقات اورمشاورت کے لیے مختص کر رکھا تھا تا کہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی موجودگی میں مستقبل کا لائحہ عمل طے کرلیا جائے اوراس سلسلہ میں آپ سے رہنمائی حاصِل کی جائے۔ کیلیفورنیا میں کئی احمدی خاندان آباد تھے جن میں سے اکثریت فجی سے آ کر یہاں آباد ہونے والوں کی تھی۔ جماعتی امور میں چند احباب کے آپس میں باہمی اختلافات کا سلسلہ بھی چل رہا تھا۔ آپ نے مل کر کام کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اصولوں پر کسی قسم کا سمجھوتا نہیں کرنا چاہیئے تاہم چھوٹے موٹے اختلافات کو افہام وتفہیم سے، مل کر اتحاد سے کام آگے بڑھانا چاہیئے۔ آپ نے بیعت کی اہمیت اور جماعت سے منسلک رہنے کے ثمرات پر بھی روشنی ڈالی۔ گیارہ افراد نے فوراً بیعت کر لی۔ اوراحباب خوشگوار ماحول میں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اورآئندہ ایسی فضا کو قائم رکھنے کا عہد کیا۔

واپسی کا سفر

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ۱۷اکتوبر کو سان فرانسسکو کے قیام کی خوشگوار یادیں سمیٹتے ہوئے، احباب سے رُخصت ہوئے۔ تقریباً ایک گھنٹہ کی پرواز کے بعد جہاز بورنیک ایئرپورٹ پر

اترا۔ یہاں آنے کی غرض اپنی نواسی زاہدہ سے ملاقات تھی۔آپ نے زاہدہ اور رحمان کے ساتھ دو خوشگوار دِن گذارے۔زاہدہ کی مہمان نوازی کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> اُن کے بیڈروم میں، میں بستر پر، زاہدہ زمین پر، رحمان کرسی پر بیٹھے رہے۔ گھر کی ایک مکمل فضا عرصہ کے بعد نصیب ہوئی۔میری جس قدر خاطر مدارت کر رہے ہیں اُن کا ہی حصہ ہے۔میرے کمرے میں پھلوں کی طشتری رکھ دی ہوئی ہے۔اور طرح طرح کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ مجھے آرام اور آسائش حاصل ہو۔

آپ ۲۰ اکتوبر کو نیویارک سے لندن کے لیے روانہ ہوئے۔آپ کے نواسے احمی (احمد طارق شوکت) خاص طور پر نیوجرسی سے آپ کی ملاقات کے لیے آئے تھے۔ایئرپورٹ پر چند گھنٹے اُن کے ساتھ اچھا وقت گذرا اور آپ نے اُنہیں جماعت سے وابستہ رہنے کی تلقین کی،جس کا اُنہوں نے آپ سے وعدہ کیا۔

نامزد امام و نائب امام برائے انگلستان کی لندن میں آمد

ڈاکٹر سعید احمد خان امریکہ سے واپس لوٹے تو یہ نوید ملی کہ محترم ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب بطورِ امام اور چوہدری مسعود اختر صاحب بطور نائب امام کی آمد ۲۲ اکتوبر کی شام متوقع ہے۔اس موقعہ پر آپ کے تاثرات آپ کے اپنے قلم سے:

> پاشا نے آواز دی:’جمیلہ خان کا فون ہے‘۔دوسرے کمرے میں تھکا ماندہ سا پہنچا۔لیکن السلام علیکم کے بعد پہلا فقرہ ہی سُن کر جان میں جان آ گئی۔’وہ لوگ (نظیر الاسلام اور مسعود) ساڑھے سات بجے شام پہنچ رہے ہیں‘۔یا اللہ کیا سچ

> بچ میری یہ دوسری، ایک مضطر مسافر کی، ہیورڈ ظفر کے گھر ایک رات، اور اوک لینڈ کی ایک رات جعفر حسین کے گھر اور سفر کے دوران غمزدہ مسافر کی دعاؤں میں سے ایک اور بھی قبول ہوگئی ہے۔ میں تیرا کیسے شکرادا کروں کہ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا) (ابراہیم ۱۴:۷) کے ماتحت آ جاؤں۔

احمدیہ ہاؤس میں نو وارد مسافروں کی رہائش کا خاطر خواہ بندوبست ممکن نہ ہوسکا تھا۔ وہاں سابقہ امام صاحب کے عزیز واقارب رہائش پذیر تھے، اور تمام رہائشی کمرے اُن کے زیرِ استعمال تھے۔ اِس لیے باورچی خانہ سے ملحق ایک چھوٹا کمرہ، اِن دونوں کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ ممبران اپنے اپنے گھروں سے کچھ سامان اور اشیائے خورد ونوش لے آئے تھے۔ اس طرح ان کے سونے، بیٹھنے اور کھانے پینے کا عارضی انتظام کرلیا گیا۔

اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی ہر دو امام مطمئن تھے اور راہِ حق میں ہر مشکل برداشت کرنے کے جذبہ سے سرشار تھے۔ اور جلد ہی اپنے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے مصروفِ عمل نظر آنے لگے تھے۔

ایک طرف تو اِن نو واردین کا جذبۂ جہاد تھا، تو دوسری طرف ان کے خلاف پروپیگنڈا کی ابتداء بھی ہوچکی تھی۔ مشہور کردیا گیا کہ یہ دونوں حضرات انگریزی زبان جانتے ہی نہیں اور نہ ہی انگریزی میں گفتگو کرسکتے ہیں۔ ایک بوڑھا ہے اور دین کے علم سے بے بہرہ ہے اور دوسرا کانوں سے بہرہ ہے۔ (یہ مسعود اختر صاحب کی شنوائی میں معمولی کمی کی بناء پر کہا گیا تھا)۔ یہ دوسرا شخص پیشہ کے لحاظ سے وکیل ہے مگر دین کے علم سے کوئی واقفیت نہیں رکھتا۔ ہر دو کو مغربی ممالک کے آداب کا کوئی علم نہیں، اور درست لباس تک پہننے کا ڈھنگ نہیں، اور اسی قسم کی دوسری لغویات اور بے سروپا قیاس آرائیاں، ہر محفل میں گردش کررہی تھیں۔ تاکہ ان اماموں سے ملاقات سے قبل ہی مخالفت کی

فضا قائم ہو جائے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اپنے اِن دوستوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گذارنے کے خواہش مند رہتے تھے۔ اور ان کو تکلیف اور بے سروسامانی کے عالم میں دیکھ کر آزردہ خاطر رہتے تھے۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

> مجھے اُن سے جب وہ اِس ملک میں موجود ہیں دوری کا بڑا قلق ہوتا ہے۔ فاصلے اور ذرائع حسب ضرورت نہ ہونے، یعنی اپنی گاڑی، لانے اور لے جانے والا اور اپنی کمزور صحت یہ مانع امور ہیں ورنہ میں زیادہ وقت اُن کے پاس ہی ہوتا تو دِل تسکین پاتا۔ اب انہیں یہاں چھوڑ کر جانے اور اُن کی مسافری کا خیال، یہ میرے لیے کسی قدر گراں گذر رہا ہے۔ یا اللہ میرے کہنے پر ان دو آدمیوں نے جو وعدہ کر لیا تھا، اُسے پورا کر کے دکھایا۔ تو نے کئی مشکلات کو راستے سے ہٹایا۔ یا اللہ! اب انہیں رسوائی سے بچانا اور اُن کی خطاؤں سے درگذر فرماتے رہنا اور مجھ گناہ گار کے گناہ بھی بخش دے اور پھر اپنے مقاصد میں جو محض تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہیں، کامیاب فرمانا۔ تیرے لیے کوئی چیز مشکل نہیں۔

۲۸ اکتوبر کو امام لندن ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب نے احمدیہ ہاؤس میں اپنا پہلا خطبہ نہایت فصیح و بلیغ انگریزی زبان میں دیا اور نمازِ جمعہ کی امامت فرمائی۔ چند دنوں میں با قاعدہ طور پر بچوں کو قرآن پڑھانے اور دینی تعلیم دینے کے سلسلہ کا آغاز بھی بطورِ احسن ہو گیا۔

محترمہ بیگم مولٰنا محمد علیؒ صاحبہ کی وفات

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو محترمہ بیگم مولٰنا محمد علی صاحبہ کی رحلت کی خبر انگلستان میں ملی۔

محترمہ بیگم صاحبہ کو آپ 'اماں جی' کہتے تھے اور آپ دونوں کا آپس کا تعلق ماں بیٹے جیسا تھا، جو مولٰنا محمد علیؒ کے اُس الہام کی بنا پر قائم ہوا تھا جو حضرت مولٰنا کو اُس زمانے میں ہوا تھا جب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سخت بیمار تھے۔ حضرت مولٰنا آپ کے لیے دُعا فرما رہے تھے تو آپ کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے تھے۔ 'اے اللہ میرے بیٹے سعید احمد کو صحت عطا فرما'۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنے احساسات کا اظہار اِن الفاظ میں تحریر فرمایا تھا:

> صبیحہ نے فون کیا تو رضیہ نے اماں جی (والدہ صاحبہ محمد احمد) کی وفات کا سنایا کہ مسعود اختر نے اُنہیں خبر دی ہے۔ میں نے رضیہ سے گفتگو کی تو وہ رو رہی تھیں۔ مجھے بھی رونا آیا اور دلی رنج اور ملال ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اُن کی وفات ۱۶ اور ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کی درمیانی رات کو ہوئی۔ اکتوبر کے مہینہ میں، میں نے انگلستان میں یہ خبر سُنی۔ ۲۶ سال پہلے اسی مہینہ میں ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو حضرت مولٰنا محمد علیؒ، اُس مجاہدِ اعظم علیہ الرحمۃ کی وفات جب ہوئی تو غالباً ۱۶ اکتوبر ہی ہو گی، جب بمقام سٹاک ہالم ملک سویڈن میں مجھے تار ملا تھا، اور میں بیمار ہو گیا تھا اور تین دِن بستر میں تھا اور عالمِ غم میں رہا تھا۔ اور کئی دِنوں تک سیاہ پٹی (sorrow band) لگائے پھرتا رہا، جو عمل کسی جذبہ اور مصلحت کے ماتحت میں نے کیا تھا۔ میری زندگی کے غموں میں، والد کی وفات کے بعد شاید سب سے بڑے غم کے وہ دِن تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ کے یہاں اُن کی باجی جان (بیگم محمد علیؒ) کی تعزیت کے لیے تشریف لے گئے اور اُن کی غم گساری کے لیے وہاں ایک رات کے لیے ٹھہرے۔

ہیگ، نیدرلینڈ میں مسجد کا افتتاح

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) نیدرلینڈ کی طرف سے ہیگ میں مسجد کے افتتاح کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ آپ ۱۰ نومبر کو چوہدری مسعود اختر صاحب کی معیت میں ایمسٹرڈیم پہنچے، جہاں محترم جگوؔ صاحب بمع احباب وخواتین جماعت آپ کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ اپنی مخصوص روایت کو قائم رکھتے ہوئے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار تھے اور چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔

۱۲ نومبر ۱۹۷۷ کو شام پانچ بجے ہیگ کی مسجد کا افتتاح ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے ہاتھوں سے ہوا۔ آپ کے ہاتھ میں فیتہ کاٹنے کے لیے قینچی دی گئی۔ آپ نے چند کلمات کے بعد حاضرین کو دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھانے کو کہا اور سورۃ الفاتحہ بآوازِ بلند قرأت فرمائی۔ حاضرین نے بیک زبان آمین کہی اور آپ کے بعد سب لوگ مسجد میں داخل ہوئے۔ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ آپ کی اقتداء میں مغرب کی نماز ادا کی گئی۔ اور پھر تمام حاضرین اُس ہال کی طرف روانہ ہو گئے جہاں جلسہ کا انعقاد ہونا تھا۔ یہ ہال کرائے پر اس تقریب کے لیے لیا گیا تھا۔

جلسہ کا آغاز رات ۹ بجے ہوا۔ نور سردار صاحب، صدر جماعت ہیگ نے اپنی استقبالیہ تقریر فرمائی۔ جس میں اِس بات کا بھی ذکر ہوا کہ مسجد کی عمارت کے لیے ۳۵ ہزار گلڈر بینک سے قرضہ لیا گیا ہے اور ماہوار اقساط میں چار سال میں ادا ہوگا۔ جس پر سود کی اضافی رقم ادا کرنی ہوگی اور یہ رقم پچاس ہزار ہو جائے گی۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا خطاب اور اپیل برائے چندہ

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر سے اقتباس:

نور سردار نے جو میٹنگ کنڈکٹ کر رہے تھے مجھے تقریر کے لیے کہا۔ اس سے پہلے میرے دِل پر ایک رُعب سا طاری تھا۔ اُس وقت اللہ نے کھڑے ہوتے ہی دور فرما دیا۔ چھوٹی حمائل میری جیب میں تھی۔ وہ نکالی۔ کاغذ پر points لکھ کر لے گیا تھا۔ وہ بھی ہاتھ میں رکھے۔ سامنے کوئی میز، ڈیسک وغیرہ کچھ بھی نہ تھا۔ عینک بھی نکالی اور پیچھے میز پر رکھ دی۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ ۔۔۔ الخ، رکوع تلاوت کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس تلاوت سے میرے دل پر بھی سکینت نازل فرمائی اور مجمع پر بھی، جو دو اور تین سو کے درمیان ہوگا، اثر نظر آنے لگا۔ پھر جو اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی، کہا اور جو اندازِ بیان، سب محض اُس کی کرم نوازی تھی۔ نوٹ یا عینک کو ہاتھ لگانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ البتہ اللہ کا پاک صحیفہ میرے ہاتھ میں ایک زینت اور ذریعہ برکت موجود ہی رہا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

آپ نے تحریر فرمایا:

مضمون ختم کرتے ہوئے اُن لوگوں کی قربانیوں کا ذکر کیا۔ سالِ گذشتہ سے اِس سال کے آخر تک اُنہوں نے جو ترقی کی اُس کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اُن کی گردنیں قرضے کے بوجھ سے اگر آزاد ہو جائیں تو جو آمدنی اُنہیں چندہ ہائے ماہوار اور کرایہ بالائی حصہ جات مکان سے ہوگی اُس سے یہ بڑا کام تبلیغ اسلام کا کر سکیں گے۔ میں نے کہا، میرے پاس کچھ گلڈرز ایک مسافر کی حیثیت سے ہیں، مجھے رقم کی تعداد صحیح یاد نہیں لیکن کوئی بڑی رقم نہیں، میں اسے جتنی بھی ہے پیش کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ اِس سے ابتداء کی جائے۔ میرا نام سرفہرست اس لیے لکھا جائے کہ سبقت کا اجر مجھے ملے۔ اور السلام علیکم کہہ کر

میں پیچھے ہٹا تو نور سردار جھٹ آگے مائیک کی طرف بڑھے۔ میں نے چار نوٹ غالباً تھے، نکال کر نور سردار کے ہاتھ میں دیئے۔ میرا خیال گذرا ۳۵ گلڈرز ہیں۔ اس نے گنے تو چالیس تھے۔ اس واقعہ سے کچھ عجیب اثر مجمع پر ہوا اور حرکت شروع ہوئی۔ اپیل کے کچھ نہ کچھ points ، میں اور میرے قریب فاضل رمضان تھے، وہ نور سردار کو بتاتے رہے۔ فاضل رمضان بھی لاہور کی اپیلوں کا تجربہ رکھتا تھا۔ پھر کیا تھا روپیہ کی بارش شروع ہوگئی۔

چند خواتین نے اپنے زیور اور قیمتی کوٹ چندہ میں دیئے جو اصل قیمت سے زائد پر فوراً خرید لیے گئے۔ اِس طرح قرض کی رقم پوری ہوگئی بلکہ ۱۷۰۰ گلڈرز زائد رقم جمع ہوگئی۔ اِس تمام کارروائی میں کرائے کے ہال کا وقت ختم ہوگیا۔ دو سفید فام ڈچ کارکن یہ نظارہ دیکھ رہے تھے اُنہوں نے مزید دو گھنٹے کا وقت یہ کہتے ہوئے بڑھا دیا کہ یہ اُن کی طرف سے چندہ ہے۔ چند مزید تقاریر کے لیے وقت مل گیا۔ مسعود اختر صاحب کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے تحریر کیا ہے:

مسعود اختر نے مختصر لیکن بامعنی اور پُر زور تقریر کی۔ میرا دل خوش ہوگیا۔

بالآخر یہ تقریب رات ایک بجے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی پُرسوز اور رقت آمیز دُعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوگئی۔

ایک غیر احمدی شخص کے چندہ کی اپیل پر تاثرات

محترم نور سردار صاحب نے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تقریر اور چندہ کی اپیل کا ذکر کرتے ہوئے آپ کو بتایا کہ جلسہ میں چند غیر احمدی لوگ بھی مدعو تھے۔ وہ بھی آپ کی تقریر اور جلسہ کے مجموعی ماحول سے بے حد متاثر ہوئے۔ اُن میں سے کسی نے نور سردار صاحب سے یہ کہا: ” آپ

عجیب لوگ ہیں اور آپ کے مولوی، زیادہ آپ سے عجیب ہیں کہ اپنی جیب سے چندہ دیتے ہیں۔ ہمارے مولوی تو روپیہ ہماری جیب سے نکال کر اپنی جیب میں ڈالتے ہیں۔"

ہالینڈ کے دورہ سے متعلق چوہدری مسعود اختر صاحب کے تاثرات

ہم ظہر کی نماز ٹوٹنگ احمدیہ سنٹر میں ادا کر کے روانہ ہوئے تھے۔ جہاز میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا تو ڈاکٹر صاحب نے وضو کیا۔ مجھے وضو کے لیے کہا اور نماز عصر جہاز میں ادا کی۔ جب ہم نماز ادا کر چکے تو اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم لوگ کیا کر رہے تھے۔ اس سے موقع میسر آیا اور ڈاکٹر صاحب مرحوم نے نماز پر دس منٹ تک بات کی۔ مجھ سے فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے سفر میں نماز کی قصر کی اجازت تو دی ہے۔ قضا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ لہذا نماز کا وقت جہاں آئے نماز ادا کرنی چاہئیے۔ لندن میں تو میں دیکھ چکا تھا کہ ہر ایک ممبر سے حضرت ڈاکٹر صاحب کے ذاتی مراسم تھے۔ لیکن لندن میں تو چھوٹی سی جماعت تھی اور ایسی جماعت سے مراسم پیدا کر لینا آسان تھا۔ لیکن ہالینڈ میں تو معاملہ اس کے برعکس تھا۔ وہاں سینکڑوں خاندان احمدیوں کے آباد تھے۔ میری حیرانگی کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب ہر خاندان کو ذاتی طور پر جانتے تھے اور وہ ان کے شیدائی تھے۔ ایمسٹرڈیم میں ایک رات کا قیام کرنے کے بعد دوسرے دن نماز جمعہ ایک ایسی مسجد میں ادا کی گئی جس میں احمدی اور غیر احمدی سب ہی شامل تھے بلکہ اکثریت غیر احمدیوں کی تھی۔ یوٹرخت میں ایک شام میٹنگ کو خطاب کرنے کے بعد ہیگ پہنچے تو وہاں ہیگ کے موجودہ سنٹر کی خریداری کے لیے ۳۵ ہزار گلڈرز کی ضرورت تھی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے اپیل کی تو رات ایک بجے تک عطیہ جات آتی رہیں۔ ایسا روح پرور نظارہ تھا

کہ ایمان تازہ ہوگیا۔ ۴۵ ہزار گلڈرز سے زیادہ رقم جمع ہوگئی۔ یہاں تک کہ ہال جو کرایہ پر لیا ہوا تھا اس کے ساتھ ۱۱ بجے رات تک خالی کرنے کا معاہدہ تھا۔ لیکن اس کے مالک نے ایک بجے رات تک کھلا رہنے دیا اور اعلان کیا کہ ان دو گھنٹوں کا کرایہ میری طرف سے عطیہ سمجھا جائے۔ یہ ایک عیسائی مالک تھا۔ رات گئے واپس اپنے کمرے میں پہنچے تو میں، جو ۴۸ برس کا تھا تھک کر چور تھا۔ لیکن ۷۸ برس کے حضرت ڈاکٹر صاحب مجھ سے پوچھ رہے تھے: "آپ کو تہجد کے لیے اٹھاؤں یا نہ؟" میں نے عرض کیا آپ اٹھیں گے تو مجھے بھی اٹھا دیجئے گا اور تین بجے رات اٹھ کر نماز تہجد ادا کی گئی۔ دین کی خدمت کے جذبہ نے ان کو ضعیف العمری میں بھی جواں سالوں سے زیادہ ہمت عطا کی ہوئی تھی۔ سفر میں انسان کو اللہ تعالیٰ نے بھی سہولتیں فراہم کی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اس سفر میں مجھے ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنے معمولات حضر و سفر دونوں میں نہایت باقاعدگی اور نظم وضبط کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور قائم رکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو انسان کو ہر منزل میں کامیابی کی ضمانت مہیا کرتی ہے۔ (پیغام صلح دسمبر ۱۹۹۸ء)۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نیدرلینڈ کے مرکز و مسجد کا افتتاح

(پیغام صلح کا ایک تراشہ)

پیغام صلح کی گذشتہ اشاعت میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نیدرلینڈ کے مرکز و مسجد کی افتتاحی تقریب کا ذکر کیا گیا تھا اور اس موقعہ پر جماعت احمدیہ ہیگ (ہالینڈ)کے صدر جناب نُور محمد سردار نے جو تقریر کی تھی وہ بھی شامل اشاعت تھی۔ زیر نظر شمارے میں حضرت ڈاکٹرسعید احمد خان صاحب دامت برکاتہٗ چیئرمین شعبہ تبلیغ بلادِ غیر کی اس موقعہ پر کی گئی صدارتی تقریر دلپذیر کا مکمل متن ہدیہ قارئین کرام ہے۔ ہالینڈ کی جماعت نے اپنے مرکز و مسجد کے افتتاح کے لیے حضرت ممدوح کو بالخصوص مدعو کیا تھا۔ یہ عمارت ستر ہزار گلڈرز میں خریدی گئی تھی۔ جس کی نصف رقم بنک سے بطور قرض حاصل کی گئی تھی اور بنک کی شرحِ سُود اس قدر زیادہ تھی کہ چار سال میں یہ رقم پھر ستر ہزار گلڈرز ہو جانے والی تھی۔ جس کی وجہ سے جماعت بڑا بوجھ محسوس کررہی تھی۔ تقریبِ افتتاح کے موقعہ پر حضرت ڈاکٹر صاحب نے چندہ کے لیے اپیل کی۔ اور سب سے اوّل جتنے گلڈرز وہ ذاتی خرچ کے لیے اپنے ہمراہ لے گئے تھے چندہ میں پیش کیے۔ پھر روپوں کی بارش ہونے لگی۔ مردوں و عورتوں نے اور نوجوانوں نے **فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ** (پس نیکیوں کو ایک دوسرے سے بڑھ کر لو) (البقرۃ۲:۱۴۸) کا ایمان افروز اور رُوح پرور منظر پیش کیا۔ ایک دوسرے سے بڑھ کر چندہ دے رہا تھا۔ عورتوں کا ایثار بھی قابل دید تھا۔

اﷲ تعالیٰ کے فضل و احسان سے آپ کی اپیل اس قدر مؤثر ثابت ہوئی کہ قرضہ کی رقم ۳۵ ہزار گلڈرز سے ایک ہزار سات سو گلڈرز زیادہ جمع ہو گئے۔ جس سے وہاں کی جماعت میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور جلسہ کا ہال نعرہ تکبیر اور احمدیت زندہ باد کے نعروں سے گونج اُٹھا۔ چندہ کا اس طرح جمع ہو جانا اور صرف دو گھنٹے میں جماعت کا بوجھ سے آزاد ہو جانا، اگرچہ حاضرین کے لیے غیر متوقع اور حیرت انگیز منظر تھا، لیکن احمدی روایات کے شایانِ شان تھا۔ تاریخ احمدیت خدا کے گھر آباد کرنے اور اس سے اسلام کی روشنی پھیلانے کے لیے مالی ایثار و قربانی کی لاجواب مثالوں سے بھرپور ہے۔

جہاں مردوں نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر اموال پیش کیے وہاں احمدی خواتین بھی پیچھے نہ رہیں۔ خانہِ خُدا کی تزئین اور تعمیر کے لیے انہوں نے اپنے زیورات اُتار اُتار کر پیش کیے ہیں۔ جزاھم اللہ تعالیٰ باجزالعظیم۔۔۔ (ابو سلمان ایم اے)

عیدالاضحیٰ لندن میں

ہالینڈ سے واپس آنے کے بعد ڈاکٹر سعید احمد خان جلد پاکستان جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مگر احباب کے اصرار پر آپ نے عیدالاضحیٰ جماعتِ انگلستان کے ساتھ گذارنے کا فیصلہ

فرمایا۔ اِس عرصہ میں ڈاکٹر نظیرالاسلام صاحب، ناموافق حالات کے باوجود اپنے فرائضِ منصبی سنبھال چکے تھے اور نمازِ جمعہ، بچوں کی تعلیم و تربیت اور ہفتہ وار درسِ قرآن کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اب نمازِ عیدالاضحٰی کی امامت اور خطبہ عید بھی آپ کی موجودگی میں ڈاکٹر نظیرالاسلام صاحب نے دیا۔ اور اس سلسلہ کا بھی آغاز ہو گیا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے جماعت سے وابستگی کی اہمیت پر مختصر ارشاد کے بعد دُعا فرمائی اور احبابِ جماعت کو الوداع کہا۔

مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب کی وفات

مسافرت کے ان چند ماہ میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ایک اور عظیم صدمہ سے دوچار ہوئے۔ حضرت مولٰنا ودیارتھی صاحب کی دائمی جدائی کی اطلاع پر آپ کے تاثرات:

> شاہد کا فون آیا تو اُس نے اپنے نانا جان مولٰنا عبدالحق ودیارتھی صاحب کی وفات کی خبر سنائی۔ دو دن پہلے اچانک موت واقع ہوئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ نیکی، حلیمی اور علم کا ایک نمونہ تھا، وہ بھی ہم سے جدا ہو گیا اور ہماری جماعت غریب سے غریب تر ہو گئی۔ عزیز احمد صاحب سے میں نے فون پر بات کی تو اُنہوں نے بہت طویل ذکر مرحوم کے متعلق کیا اور کہا کہ یہ تو بجلی کی طرح اُن پر آ پڑی ہے۔ اللہ جنت نصیب کرے۔

> ابھی رضیہ فاروقی صاحبہ نے فون پر مولٰنا عبدالحق صاحب مرحوم کے متعلق بتایا کہ وفات سے پہلے فاروقی صاحب اُن کی بیمار پُرسی کے لیے گئے تو کہنے لگے کہ مولوی صاحب نے فرمایا کہ مولٰنا محمد علی صاحب کو اُنہوں نے دیکھا کہ آئے ہیں اور کہتے ہیں بستر باندھو میرے ساتھ چلو۔ فاروقی صاحب ہنسنے لگے اور کہا کہ مولوی محمد علی صاحب مجھے ساتھ چلنے کا کہیں تو میں بھی ابھی تیار ہوں۔ اور

مولوی عبدالحق صاحب نے وفات سے کچھ دیر پہلے کہا اب تیاری ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْہُ وَارْحَمْہُ وَ اَدْخِلْہُ فِیْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ الَّذِیْنَ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

عزیز احمد صاحب کے گھر تعزیت اور سفر پر روانگی

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے قلم سے:

۲۶ نومبر ۱۹۷۷ء۔ سویرے ہی غسل وغیرہ کر لیا اور سفر کی تیاری شروع کی۔ ۱۱:۳۰ بجے راس اور رضیہ گاڑی لے کر آئے۔ صبیحہ اور بچوں کو الوداع کہا، پاشا ہمراہ ہوا۔ راستہ میں احمدیہ ہاؤس سے نظیر الاسلام اور مسعود کو ساتھ لیا اور سیدھے سلو Langley Road پر عزیز احمد صاحب کے گھر مولٰنا عبدالحق صاحب کی تعزیت کے لیے گئے۔ اختر، مولٰنا کی بیٹی بہت رو رہی تھی۔ شاہد اور زاہد اور اُن کی بیویاں بھی موجود تھیں۔ ایک گھنٹہ بیٹھے۔ مولٰنا مرحوم کا ذکر ہوتا رہا۔ پھر ظہر اور عصر کی نمازیں باجماعت پڑھیں اور ایئر پورٹ کے لیے روانہ ہو گئے۔

۱۹۷۷ء کی لمبی مسافرت کا زمانہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے لیے نہایت صبر آزما تھا۔ مگر آپ کا اندازِ فکر ہمیشہ مُثبت رہا۔ کبھی کسی مشکل مرحلے کا ذکر کیا بھی تو تحدیثِ نعمت کے لیے، کہ کس طرح قدم قدم پر تائید ایزدی آپ کے شاملِ حال رہی اور ہر مشکل آسان ہوتی چلی گئی۔ اِس تین ماہ سے کچھ زائد عرصہ میں شاذ ہی کوئی دِن ایسا ہو گا جب آپ کو سردی، دردِ سر یا حرارت محسوس نہ ہوئی ہو۔ اور رات کو اسپرین اور کوئی ہلکی خواب آور دوا نہ کھائی ہو۔ تہجد کے لیے بروقت آنکھ کھل گئی تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جسمانی عوارض سے تہجد کی ادائیگی سے محرومی نہ ہوئی۔

لمبی مسافت کے بعد تھکے ماندے گھر پہنچتے تو مجاہد کی دھیمی دھیمی مسکراہٹ اور اویس کے بے ساختہ اظہارِ مسرت سے تمام کلفت دور ہو جاتی۔ امریکہ کے لمبے سفر سے لوٹے تو پاشا کے امتحان، پرچہ اچھا ہو جانے کی نوید سے اطمینان قلب نصیب ہوا۔ اویس قدم قدم چلنے لگا تھا۔ چل کر آپ تک پہنچا تو آپ کے چہرے پر مسکراہٹ کے پھیلنے سے تھکن کے تمام اثرات غائب ہو گئے۔

'احمدیہ ہاؤس' سے واپسی کے سفر کا مسئلہ پیدا ہوا، تو کسی سے سٹیشن تک چھوڑنے کے لیے فرمایا، تو ڈاکٹر اللہ بخش صاحب کے صاحبزادگان عزیز احمد اور امتیاز احمد بیک زبان بولے کہ ہم پہنچا کر آئیں گے۔

انگلستان کے اس قیام میں اپنے فرزند اور اُن کی اہلیہ کے علاوہ آپ کو متعدد احباب و خواتین کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔ محترمہ رضیہ فاروقی، راس محمود اور اُن کی اہلیہ رعنا ہر دم حاضر خدمت، عزیز احمد صاحب، اختر عزیز صاحبہ اور فرزندان شاہد اور زاہد، فیض خان اور جمیلہ خان صاحبہ، مجید علی صاحب، چوہدری سعادت احمد صاحب اور پاکستان سے آئے ہوئے آپ کے دوست اور مخلص ساتھی چوہدری فتح محمد عزیز صاحب اور چوہدری محمد حیات صاحب۔ قدم قدم پر اور ہر مشکل میں آپ کا ساتھ سب نے نبھایا اور حوصلہ بڑھایا تو آپ ایک مثبت سوچ کے ساتھ آگے قدم بڑھاتے چلے گئے۔ یہی وہ تائیدِ ایزدی ہے جو آپ کو نصیب ہوتی رہی، اور آپ کو کبھی مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

لاہور میں آمد

۲۷ نومبر کی صبح آپ لاہور پہنچے۔ اور چوہدری منصور احمد صاحب کے ہمراہ دارالسلام اپنے مسکن پر تشریف لے آئے۔ آپ کی تحریر سے چند سطور:

سیدھے دارالسلام پہنچے۔ ہوسٹل کے سامنے دو چار دوست کھڑے تھے۔ نظر

پڑی۔ مجھے دیکھ کر اُن کے چہرے خوشی کے آثار سے چمک اُٹھے۔

آپ گھر کے افراد سے ملنے کے بعد فوراً ہی باہر تشریف لے آئے اور احبابِ جماعت سے ملاقات فرمائی۔ ملاقاتوں کا یہ سلسلہ شام تک چلتا رہا۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

> بہر حال میں اپنے موجودہ مسکن پر آ پہنچا ہوں۔ اور اب یہاں کے ہموم و غموم اور پریشان کن مسائل کا سامنا ہے۔ ساتھ مسجد دارالسلام کی روحانی برکات سے فیض یابی اور روح کی تازگی کی اُمیدیں بھی ہیں۔ کس قدر یہ نعمت ہے اور اس سے محرومی کس قدر باعثِ خسارہ ہے۔ لوگ اِکا دُکا خبر پا کر آتے رہے۔ بعد از دوپہر دو گھنٹے آرام کیا اور نیند، عجیب گہری قسم کی آئی۔ پہلی بیداری پر یہ ہوش نہ آ رہا تھا کہ میں کہاں پر ہوں اور کس شہر میں ہوں۔ شام عصر کی نماز باجماعت پڑھی۔ لطف ہی آ گیا۔

اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات سے فیض یاب یہ مردِ سعید وطن واپسی پر ایک دِن ایک شام یا چند گھنٹوں کے لیے بھی آرام کا خواہاں نہ تھا۔ آپ کے چہرے پر پھیلتی ہوئی مسکراہٹ آپ کی قلبی طمانیت کی غمازی کر رہی تھی۔ اُس شام بعد از نمازِ مغرب اور پھر اگلی صبح آپ نے اپنے اولیں فرائض کی انجام دہی کے لیے قدم بڑھائے۔ مرحومین بیگم محمد علی صاحب اور مولوی عبدالحق صاحب کے لواحقین سے تعزیت کے لیے تشریف لے گئے اور ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب اور مسعود اختر صاحب کے اہل خاندان کی احوال پُرسی فرمائی۔ اور باقاعدہ دفتری معاملات کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔





سترہواں باب

انگلستان کا چوتھا سفر۔ اکتوبر ۱۹۷۸ء

ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب اکتوبر ۱۹۷۸ء میں چوتھی مرتبہ انگلستان تشریف لے گئے۔ اس سال کے موسمِ گرما کے دو ماہ آپ نے ایبٹ آباد میں گذارے تھے۔ جون ۱۹۷۴ء کے بعد آپ پہلی مرتبہ دارالسعید کی باقی ماندہ عمارت کے اُس حصے میں قیام پذیر ہوئے جو مسجد سے ملحق ہے۔ ایبٹ آباد کے خوشگوار موسم نے آپ کو اپنی جسمانی کمزوری کے باوجود ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کا حوصلہ بخشا اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے روزے رکھنے نصیب ہوئے۔ مگر معاً بعد آپ کو انفلوئنزہ ہو گیا۔ بیماری طول پکڑ گئی اور آپ جسمانی طور پر کافی کمزوری محسوس کرنے لگے تھے۔ تاہم آپ نے بیرون ملک سفر کا اِرادہ قائم رکھا اور ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو لاہور سے لندن کے لیے روانہ ہو گئے۔ عبدالکریم سعید اب جوائس گرین ہسپتال کے ڈاکٹروں کے لیے مخصوص رہائش گاہوں میں سے ایک میں رہائش اختیار کر چکے تھے۔ آپ نے پہلی مرتبہ اِس نئے گھر میں اُن کے ساتھ قیام فرمایا۔

لندن جماعت کے حالات

ارا کینِ جماعت سے چند ابتدائی ملاقاتوں ہی میں آپ کو یہ احساس ہو گیا کہ جماعتِ انگلستان کے حالات زیادہ خوش کُن نہیں ہیں۔ اور کئی معاملات اصلاح طلب ہیں۔ 'احمدیہ ہاؤس' کے ناگفتہ بہ حالات کے علاوہ جماعت کے ممبران کے مابین بھی باہمی تعاون اور افہام و تفہیم سے کام آگے بڑھانے میں کوتاہی رو پذیر ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب اور مسعود اختر صاحب کو احمدیہ ہاؤس میں جن حالات کا سامنا تھا اور جس اذیت میں وہ گذر بسر کر رہے تھے وہ ایک عام

انسان کی قوتِ برداشت سے بہت بڑھ کر تھے۔ 'احمدیہ ہاؤس' میں ایک انگریز کرایہ دار مقیم تھا، جو شراب کے نشہ اور بدمستی کے عالم میں دروازے پر ٹھوکریں مارتا، گالیاں دیتا، اوراخلاق کے ہر پہلو سے متجاوز فحش کلامی سے اِن مسافروں کو اذیت پہنچاتا رہتا تھا۔ ایسے حالات میں، جب وہ شرابی وہاں موجود ہوتا تھا یہ دونوں ٹائلٹ تک استعمال نہ کر سکتے تھے۔ اور اپنی حاجات کے لیے، ہر قسم کے موسم میں، وہ چند فرلانگ کے فاصلے پر ایک پبلک ٹائلٹ میں جاتے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں سونے کے لیے عقبی دروازے سے داخل ہوتے اور بغیر روشنی جلائے بستر پر لیٹ جاتے۔ لکھنے پڑھنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ مسعود اختر صاحب ایسے حالات میں وہاں مزید رُکنے کو ہرگز تیار نہ تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ وہ روزانہ بیس پچیس سگریٹ پی کر اپنے جسم میں زہر بھر رہے ہیں۔ چند دِن بھی اور رُکنا پڑا تو دماغ بالکل خراب ہو جائے گا۔

یہ صورت حال نہایت تشویشناک تھی جس کا بظاہر کوئی ممکن حل سامنے نہ تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نظر لگائے ہوئے تھے کہ وہ اِن مسائل کو حل کرنے میں آپ کی رہنمائی فرمائے۔

اِس ابتدائی ہفتہ عشرہ میں، جماعت کے ممبران آپ کی ملاقات کی غرض سے ڈارٹ فورڈ تشریف لاتے رہتے، اور اپنے اپنے رنگ میں آپ کو جماعت کے حالات اور مسائل سے آگاہ کرتے رہے۔ مجید علی صاحب نے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے ایک ملاقات میں خاص طور پر یہ کہا کہ آپ اپنی موجودگی میں جماعت انگلستان کے مسائل حل کرنے کی کوشش کریں۔ جماعت میں جو کمزوریاں سراعت کر رہی ہیں اُن کا دُور کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ جماعت برباد ہو گئی تو مرکز کے دُشمنوں کے ہاتھ میں ایک ایسی بات آجائے گی کہ مرکز ختم ہی ہو جائے گا اور اگر مرکز ختم ہو گیا، تو تمام بیرونی جماعتیں بھی ختم ہو جائیں گی اور اس تحریک کو شدید دھچکا لگے گا۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب فرداً فرداً سب کی دلجوئی فرماتے، صبر وتحمل اور بردباری کا

مظاہرہ کرنے اور ایک دوسرے کی خطاؤں سے درگذر کرنے کی نصیحت فرماتے رہے۔

ایک اہم میٹنگ ۔اصلاح کی کوشش

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تجویز پر اتوار ۵ نومبر کو، عبدالکریم سعید کی رہائش گاہ پر ایک مجلس کا انعقاد ہوا، جس میں جماعت کے چھ چیدہ ارکان نے شرکت کی۔اس میٹنگ کا مقصد اُن تمام حالات پر غور وخوض تھا جو جماعتِ انگلستان کو درپیش تھے، اور اُن کا فوری طور پر حل ہونا ضروری تھا۔

میٹنگ کا آغاز، ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے تلاوتِ قرآن پاک سے کیا۔آپ کی تحریر سے اقتباس:

> میں نے آیت قرآنی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًاۙ۝ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۝ (اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ کرو اور سیدھی بات کہو۔وہ تمہارے لیے تمہارے عملوں کی اصلاح کرے گا اور تمہارے گناہ تمہیں بخش دے گا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی بھاری کامیابی حاصل کی (الاحزاب ۳۳: ۷۰۔۷۱) کی تلاوت اور ترجمہ کے بعد کافی وضاحت سے اُن پر غور کرنے اور اُنہیں مدنظر رکھتے ہوئے گفتگو کرنے پر زور دیا۔اور کھل کر دِل کی باتیں ظاہر کرنے کو کہا اور کہا کہ خدا کا خوف دِل میں رکھتے ہوئے اصلاح کی سعی کی کامیابی کی سب کو کوشش کرنی ہوگی۔تب اللہ ہمارے کام سنوارے گا اور تب ہی کامیابی ہوگی۔ یہ خدا کا کلام ہے اور اِس کے بغیر کوئی ہوشیاری

ہمارے کام نہیں آ سکتی اور ہمارے گناہ بھی تب ہی معاف ہوں گے جب خدا سے ڈریں گے اور 'قولِ سدید' سے ذرا بھی اِدھر اُدھر نہ ہوں گے۔ بہر حال اس بات کا اللہ نے اثر فرمایا اور وقتاً فوقتاً دورانِ بحث، میں اِن آیات کی طرف پھر بھی توجہ دلاتا رہا۔ اپنے آنے کی غرض بیان کی۔ جماعت کی کمزوریوں اور مشکلات کا حل اگر ہم نہ کر سکے تو اُس کا اثر خطرناک ہوگا، یہاں پر بھی اور لاہور میں بھی، اور چار سالہ محنت ضائع ہو جائے گی۔ اللہ ہم پر رحم اور فضل فرمائے۔

میٹنگ میں کئی اہم امور پر تبادلۂ خیال ہوا اور تمام حاضرینِ مجلس کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اہم فیصلہ جات ہوئے۔ ممبران اور عہدہ داران کے دائرۂ عمل کا بھی تعین کر دیا گیا۔ باہمی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جانے سے تمام امور بخوبی طے پا گئے، اور سب نے خوش دلی سے قبول کر لیے۔

مرکز اور مسجد کے لیے متبادل عمارت کی تجویز

جماعت انگلستان کے حالات کو بہتر کرنے کے لیے سب سے اہم یہ تھا کہ کوئی ایسا مقام حاصل کر لیا جائے جو مرکز اور مسجد کا کام دے سکے۔ موجودہ احمدیہ ہاؤس کے مسائل ایک مستقل اذیت اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا موجب بن گئے تھے۔ اکثر ممبران کی یہی رائے تھی کہ اس قدر خستہ حال عمارت کا خریدنا جبکہ اُس کے اندر کرائے دار بھی موجود تھے، کوئی احسن فیصلہ نہ تھا۔ موجودہ صورت حال میں نہ تو وہ امام کی رہائش گاہ کے لیے مناسب ہے اور نہ اُسے بطور مسجد استعمال کرنا ہی ممکن ہے۔ مزید برآں، اِس عمارت کو خالی کرانے یا فروخت کرنے میں بھی مقدمات اور مسائل کا سامنا ہوگا۔ اِس لیے بہتر یہی سمجھا جا رہا تھا۔ کہ احمدیہ مرکز کے لیے کوئی متبادل جگہ حاصل کر لینی چاہئے اور اِس پر تمام جماعت کا اتفاق تھا۔

طبی معائنہ اور علاج

لندن پہنچنے کے فوراً بعد ہی ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب اپنے والد کی کمزور صحت کی طرف متوجہ ہو گئے اور ہر طرح کے ٹیسٹ کروانے کا ارادہ کر لیا۔ اُنہیں جوائس گرین ہسپتال میں ہر قسم کی طبی سہولیات میسر تھیں۔ عبدالکریم سعید کی حسنِ کارکردگی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے تمام سینئر ڈاکٹر مداح اور معترف تھے۔ اس لیے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے تمام ٹیسٹ نہایت شفقت اور توجہ سے کیے گئے۔ اکثر ٹیسٹ ٹھیک نکلے، اور ضروری ادویات کا استعمال کروایا گیا۔ تاہم طبیعت کی کمزوری دور نہ ہو سکی۔ بالآخر تھوک کا کلچر کروایا گیا اور جو جراثیم اس میں پائے گئے اُس کا علاج پنسلین کے انجکشن تجویز ہوا۔ اور اسی کے مکمل کورس سے آپ کی صحت بحال ہوئی۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

> ۷ نومبر ۱۹۷۸ء ۔ خون کے ایک اور ٹیسٹ کا پاشا نے ارادہ کر رکھا تھا۔ cholestrol کے لیے پہلے خون لینا تھا اور آدھ گھنٹے بعد ACTH کا ٹیکہ لگانے کے بعد دوبارہ suprarenal کے فعل کا اندازہ مطلوب تھا۔ صبح نو بجے، اپنے ساتھ وارڈ میں لے گیا اور وہاں ہاؤس سرجن اور نرسوں کی مدد سے خون وغیرہ لیا۔ ECG بھی کی جو اُس نے بتایا نارمل ہے۔ کوئی خرابی نہیں۔ بلڈ پریشر دو دفعہ دیکھا۔ لیٹے ہوئے ۹۰/۱۴۰ اور کھڑے ۷۰/۱۲۰ بتایا۔ وزن لیا تو ۶۱ کلوگرام (۱/۲۔ ۱۳۴ پونڈ)۔ کپڑے گرم پتلون، ہلکی سویٹر، پوری لمبائی کے گرم انڈرویئر تھے۔ ایسے لباس میں پہلے سالوں میں ۱۴۰ پونڈ سے زیادہ ہوا کرتا تھا۔ روزوں کی وجہ سے جو وزن کم ہوا، اُس کے بعد بیماری اور بھوک کی کمی وغیرہ رہی تو بحال نہ ہوا۔ آج گلے میں بائیں طرف تھوک نگلنے سے درد ہوتا ہے اور طبیعت میں کسل ہے۔ رات تک زیادہ ہی سستی ہو گئی۔ اور گلے کا درد بھی زیادہ ہو گیا۔ ناک کے پچھلے حصے میں جلن بھی تھی۔ صبح ۴۰ : ۳ پر جاگا۔

اُٹھنے کو طبیعت نہ چاہتی تھی۔ بہرحال اُٹھا، وضو کیا۔ آنکھوں کے سامنے تارے سے آنے لگے۔ دو رکعت بیٹھ کر اور پھر دو کھڑے ہو کر پڑھیں۔ وتر لیٹ کر۔ پھر فجر کی نماز پاشا کے ساتھ باجماعت پڑھی۔ بہرحال گرم غسل کر کے کپڑے بدلے اور اب آرام کر رہا ہوں۔ اور لیٹے ہوئے ڈائری لکھ رہا ہوں۔

یومِ عید الاضحیٰ

۱۱ نومبر یومِ عید تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ابھی تک مکمل طور پر صحت یاب نہ ہوئے تھے۔ تاہم عید سے پہلی شام کو آپ کی طبیعت قدرے بہتر تھی اور یہ اُمید پیدا ہو گئی کہ آپ نمازِ عید الاضحیٰ کے لیے سفر اختیار کر سکیں گے۔ ۱۱ نومبر کی صبح اپنے دیگر چار افرادِ خانہ کے ہمراہ دس بجے RACS ہال میں پہنچ گئے۔ اِس مرتبہ احمدیہ ہاؤس میں عید کا اہتمام ممکن نہ تھا۔ اس لیے یہ ہال دن بھر کے لیے کرائے پر حاصل کیا گیا تھا۔ جماعتِ انگلستان کی ۱۹۷۵ء کی کنونشن بھی اسی ہال میں منعقد ہوئی تھی جس میں آپ نے شرکت فرمائی تھی۔

بہ سبب اپنی کمزور صحت کے آپ خطبۂ عید کے بارے میں متفکر ضرور تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو فصیح و بلیغ اور مؤثر خطاب عطا فرمایا۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

> میں کس زبان سے اللہ کا شکر ادا کروں۔ کوشش تو بہت کر رہا ہوں کہ میں شکر ادا کرتا ہی رہوں۔ طبیعت پر اثر قدرتی طور پر خوش گوار رہا۔ خطبہ کے آخر میں یہ ذکر بھی کیا کہ اللہ کا شکر کرتا ہوں کہ اس ہال میں، جہاں سے پہلی بار ”لاہور تحریک احمدیہ کا مقام“ پر میں نے اس شہر میں تقریر کی تھی، اور ایک نئے رنگ میں اس جماعت کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اُسی ہال میں مجھے اس خطبۂ عید کی چار سال بعد سعادت ملی ہے۔ اور واقعی یہ میرے جیسے عاجز کے لیے بڑی بات

ہے۔ اگر اللہ کے ہاں بھی اس کی قبولیت ہے تو پھر تو میرے لیے اس سے بڑی بات کوئی نہیں کہ سعادت کا لفظ جو میں نے استعمال کیا، فی الواقعہ اللہ کے ہاں بھی ہو۔ یا اللہ! تو میری ناقص اور عاجزانہ کوششوں کو مردود نہ فرمانا۔

پھر لوگ ایک دوسرے سے ملے اور دیگر مصروفیات بہت خوشگوار چار بجے تک جاری رہیں۔

مسجد اور مرکز کے لیے فنڈ

جماعتِ انگلستان نے یوم عیدالاضحیٰ پر مسجد اور مرکز کے لیے فنڈ جمع کرنے کی ابتداء کی۔ محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ کی تحریک پر تمام خاندان مختلف اشیاء فروخت کے لیے لائے، جن میں کتابیں، خوردونوش کا سامان اور دیگر کئی قسم کی چیزیں تھیں۔ اس کے علاوہ رضیہ فاروقی صاحبہ نے ایک Jumbo Sale (جمبو سیل) کا بھی اہتمام اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ جس میں تمام گھروں سے روزمرہ کے استعمال کی اشیاء، کپڑے، سجاوٹ کا سامان اور چھوٹے موٹے زیورات اکٹھے کیے گئے اور سستے داموں پر فروخت کر کے رقم جمع کی گئی۔ سید محمود حسین شاہ صاحب اپنا کیمرہ ساتھ لائے تھے۔ اُنہوں نے پاشا کے ساتھ مل کر پروگرام بنایا تھا کہ وہ تصاویر کھینچ کر رقم جمع کریں گے یہ تجربہ بھی خاصا کامیاب رہا۔ اسی طرح دیگر تمام مردوزن اور نوجوان کسی نہ کسی رنگ میں برابر حصہ لے رہے تھے۔ اکثر خواتین نے خوردونوش کے سٹال سنبھال رکھے تھے۔ مشروبات کے سٹال پر بھی اچھی خاصی رونق نظر آ رہی تھی۔

ڈاکٹر سعید احمد خان کی تحریر:

مسجد کے لیے فنڈز کئی مختلف رنگوں میں جمع ہونے لگے۔ خرید و فروخت کے فوٹوز برائے فروخت، براہِ راست چندہ، جس کے لیے حسن صاحب ڈبہ لے کر

گھوم پھر رہے تھے۔ میں نے ایک پونڈ ڈبہ میں ڈالا۔ بعد میں جب کل جمع شدہ رقم کا اعلان کیا کہ پچاس پونڈ جمع ہوئے ہیں، تو پھر کچھ اور رقوم آ گئیں۔ جب کہا کہ سو میں صرف پانچ پونڈ کی کمی ہے۔ تو پاشا پاس کھڑا تھا۔ وہ اُس نے دیئے۔ میں نے پانچ پونڈ دیئے کہ سو سے اوپر ہونے میں کیا حرج ہے۔ تو سب لوگوں نے تالیاں بجائیں اور خوشی کا اظہار کیا۔ پھر کچھ اور رقوم بھی آ گئیں اور کل ۱۲۲ پونڈ جمع ہوئے۔ یہ سب 'مسجد فنڈ' کے طور پر جمع ہوا۔ اللہ تعالیٰ ایک مسجد لندن میں ہمیں اپنی عطا سے دے دے تو اُس کے خزانوں میں کمی نہیں۔ یہ ٹوٹنگ کا مکان تو واقعی منحوس ہے اور اب تو اُسے دیکھ کر دِل دُکھتا ہے۔ اب یہ سب لوگ کہتے ہیں کہ بڑا ظلم کیا کہ یہ بوسیدہ مکان خرید لیا، جس میں کرائے دار بھی بیٹھے تھے اور جن میں سے ایک گورا شرابی، چار سال سے سوہانِ روح بنا ہوا ہے، اور قانوناً وہ بطورِ مسجد استعمال ہو ہی نہیں سکتا۔ سکنی آبادی کے اندر ہے۔ عید پر متوقع حاضری سے تعداد کچھ کم ہی رہی۔ معلوم ہوا کہ اس دن لارڈ میئر (Lord Mayor) کا جلوس تھا، اِس لیے ذرائع آمدورفت میں کچھ دشواریاں درپیش تھیں۔ چند افراد نے اگلے روز 'احمدیہ ہاؤس' میں نماز عیدالاضحیٰ ادا کی۔

مقامی منتظمہ کی میٹنگ

جماعتِ انگلستان کی ایگزیکٹو کونسل کی میٹنگ ۱۹ نومبر ۱۹۷۸ء کو مجید علی صاحب کی قیام گاہ پر منعقد ہوئی۔ میٹنگ کا آغاز ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے تلاوتِ قرآن اور مختصر گفتگو سے کیا۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

ساڑھے بارہ بجے کے قریب میٹنگ شروع ہوئی۔ میں نے آیات یَاَیُّھَا

الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا ۙ۝ یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا ۝۷۱ پڑھیں اور گذشتہ میٹنگ میں جو باتیں ہوئیں، اُن کا خلاصہ و آیات قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا کا مضمون مختصراً دُہرایا۔ اور یہاں کی جماعت کی موجودہ حالت کو اپنی فکرمندی کا موجب بتایا اور اُس کے اثرات جو مرکز پر پڑ سکتے ہیں، اُن سے آگاہ کیا۔ اور یہ سوال کیا کہ کیا اِس لیے کہ مشکلات بہت ہیں اور وقت بہت گذر چکا ہے، ہمیں ہمت ہار دینا چاہئے۔ اور تین چار سالہ محنت کو برباد ہونے دینا چاہئے یا پہلے سے زیادہ زور لگانا چاہئے؟ یہ سوال ہے جس کا جواب جاننے کے لیے آپ کو زحمت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص فضل فرمایا اور میں مؤثر بات کہنے میں کامیاب ہوا۔

آپ مزید تحریر فرماتے ہیں:

جمیلہ (صدر) نے میری باتوں کی تائید کے بعد ایک ایک شخص کو اظہار خیال کی دعوت دی اور کہا کہ دو دو منٹ میں بات ختم کریں کہ وقت کم ہے۔ مجید علی اور شاہد نے بھی سنجیدگی سے تائید کی کہ ہمیں خوشی سے کام کرنا چاہئے۔

دیگر ممبران نے بھی عمدہ باتیں کیں۔ اور کئی معاملات میں اپنی سستی اور کوتاہی کا اقرار کرتے ہوئے آئندہ مستعدی سے کام کرنے اور ہر ماہ میٹنگ میں شرکت کرنے کا عہد کیا۔ منتظمہ کا ایک اپنا لمبا ایجنڈا تھا، اور میٹنگ خاصی دیر تک جاری رہی۔ اِس میٹنگ میں یہ بھی فیصلہ ہوا کہ جماعتِ انگلستان کے دو نمائندگان، اِس سال جلسہ سالانہ میں شریک ہوں گے۔ مسز جمیلہ خان اور شاہد عزیز کا انتخاب کیا گیا۔ اِن کے اخراجاتِ آمد و رفت کی ذمہ داری چند ممبران

نے قبول کی کہ باہمی تعاون سے مہیا کریں گے۔ مجموعی طور پر تمام فیصلے عمدہ ہوئے اور جماعتِ انگلستان ایک بار پھر متحد اور مستعد نظر آنے لگی۔

دورۂ ہالینڈ

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب یکم دسمبر کو بمع ڈاکٹر نظیر الاسلام، ہالینڈ تشریف لے گئے آپ کو احمدیہ انجمن کی مسجد کے اوپر کے فلیٹ میں فاضل رمضان صاحب کے مہمان کے طور پر ٹھہرایا گیا۔

مسجد میں بچوں کی تعلیم و تربیت

اگلے روز ظہر کے قریب جماعت کے کچھ افراد آپ کی ملاقات کے لیے تشریف لے آئے۔ آپ اُن کے ہمراہ نیچے مسجد میں تشریف لے گئے۔ اُس وقت محترمہ زمرد فاضل رمضان صاحبہ بچوں کو دینی تعلیم دینے میں مصروف تھیں۔ یہ ایک احسن سلسلہ تھا جو محترمہ نے شروع کر رکھا تھا۔ ہر ہفتے کے روز دس پندرہ بچے چند گھنٹوں کے لیے یہاں آتے تھے اور وہ نہایت لگن سے اُنہیں تعلیم دیتی تھیں۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو یہ دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی اور محترمہ زمرد رمضان صاحبہ کی سعی اور لگن کو بے حد سراہا۔ ظہر کا وقت ہو چکا تھا۔ آپ نے یہ تجویز پیش کی کہ یہ بچے چونکہ نماز کے اوقات میں مسجد میں موجود ہوتے ہیں اُنہیں باجماعت نماز پڑھائی جائے، اور اُسی وقت اس سلسلہ کی ابتداء ہوگئی۔ بچوں نے اُس وقت باجماعت نماز ادا کی۔ اور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے ہاتھوں ایک نئے سلسلہ کی ابتداء ہوگئی۔ نماز کے بعد آپ سے کچھ ارشاد فرمانے کی درخواست کی گئی تو آپ نے بچوں کے لیے مختصر سی تقریر میں فرمایا کہ دیگر دینی تعلیم کے ساتھ بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم نماز سکھانا ہے، جس کی ابتداء آج ہو چکی ہے۔ اب ہر ہفتہ بچوں کو وضو کر کے باجماعت کم از کم دو نمازیں پڑھائی جائیں (ظہر اور عصر)۔ اس طرح اُن کی نماز کی عادت پختہ ہو جائے گی۔

اراکینِ جماعت کے ساتھ میٹنگ

۳ دسمبر بروزِ اتوار مسجد میں ایک میٹنگ کا انعقاد ہوا، جس میں لوگ کافی تعداد میں شریک ہوئے۔ اِس میٹنگ میں نور سردار صاحب نے بتایا کہ ہالینڈ کی تمام جماعتوں کی ایک فیڈریشن بنا دی گئی ہے۔ جو تمام ایسے ضروری امور طے کرے گی جو تمام جماعتوں کے مابین مشترک ہوں گے۔ اور وہ صرف اپنے دائرۂ عمل میں کام کرے گی۔ اس کے علاوہ تمام جماعتیں اپنی جداگانہ حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے کام کریں گی۔ اور تمام ہدایات مرکز سے لیں گی۔ اس اجلاس سے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے علاوہ ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب نے بھی مختصر خطاب فرمایا۔ اپنے اس چار روزہ دورے میں، اکثریت سے احبابِ جماعت سے آپ کی ملاقات اور مفید تبادلہ خیالات ہوا۔ آپ نے اپنے اِس دورے کو مفید اور حوصلہ افزا قرار دیا۔

پاکستان واپسی

لندن میں آپ چند روز مزید قیام فرما کر جلد ہی پاکستان کے لیے روانہ ہو گئے۔ ہفتہ بھر کا لندن کا قیام ہر طرح سے مفید نتائج کا حامل تھا۔ صدرِ جماعت، سیکرٹری اور دیگر کارکنان سے ملاقاتیں فرمائیں اور اکثر جماعتی امور میں احسن پیش رفت کا مشاہدہ آپ کے لیے نہایت حوصلہ افزاء تھا۔

آپ لندن میں اپنے دوستوں اور بچوں کو الوداع کہتے ہوئے، اتوار دس دسمبر کو لاہور پاکستان کے لیے روانہ ہو گئے۔ ڈاکٹر نظیر الاسلام آپ کے ہم سفر تھے۔ لاہور کے ایئر پورٹ پر متعدد احبابِ جماعت، دوست اور عزیز و اقارب استقبال کو موجود تھے۔ مگر اپنے اردگرد، اتنے قریب سب کی موجودگی کے باوجود آپ کو عجیب سے سکوت کا احساس ہو رہا تھا۔ آگے بڑھ کر ملنے والوں کی زبان پر جیسے الفاظ آ کر رُک جاتے تھے۔ افسردہ چہرے اور نم ناک آنکھیں کسی بہت

بڑے دُکھ کی غماز تھیں۔آپ نے استفہامیہ نگاہوں سے گردوپیش کا جائزہ لیا۔کوئی جواب نہ پایا تو براہِ راست سوال کے جواب میں، جواں سال،خوبرو وخوش خصال مظفر احمد سعید کی ناگہانی رحلت اوردائمی جدائی کی اندوہناک خبرسنی۔







۱۹۵۱ء میں ووکنگ مسجد کے دورہ کی یادگار تصویر



یو کے جماعت کے ممبران کے ساتھ

لندن کنونشن ۱۹۷۵ء کے شرکاء کے ساتھ







یُو کے جماعت کے ممبران کے ساتھ



احمدیہ ہاؤس، "دارالسلام"، ویمبلے لندن کے سامنے



پیرامریبو، سرینام کی شاندار مسجد







سرینام میں استقبال



سرینام کے ممبران کے ساتھ



صدر جمہوریہ سرینام کو قرآن کریم کا تحفہ

صدر جمہوریہ سرینام کے ساتھ





ٹرینیڈاڈ اور گیانا سے آئے ہوئے مہمان ایبٹ آباد میں



نکیری کی مسجد کے سامنے



جماعت کی کتابوں کی نمائش



سرینام کی بچیاں منظوم کلام پیش کر رہی ہیں



برلن مسجد

اٹھارہواں باب

۱۹۷۹ء کا سفر

پسِ منظر

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے قلم سے:

۱۹۷۸ء کے سفر سے اوائل دسمبر میں واپسی کے بعد میں محسوس کرنے لگا تھا کہ اس کے بعد میرے لیے مزید باہر کا کوئی سفر نہ ہوگا۔ کچھ تھک بھی گیا تھا اور جماعت کے مسائل میں ۱۹۷۹ء کا سال گذرتا ہی جاتا تھا۔ صرف اس قدر خیال دل میں رہتا تھا کہ سرینام میں جو جوبلی منانے کے پروگرام متوقع ہیں اُن سے متعلق بشارت احمد علی صاحب کا ہالینڈ سے جو ٹیلی فون ڈارٹ فورڈ میں آیا تھا، اور میں سرینام کی دعوت قبول نہ کر سکا تھا، اور وہاں سے اطلاع آئی تھی کہ ۱۹۷۹ء میں مجھے وہ دوبارہ دعوت دیں گے۔ بعد میں مئی میں طیّب احمد علی صاحب لاہور آئے تو اُنہوں نے تصدیق کی تھی کہ لاہور سے ضرور ہمیں جانا پڑے گا۔ تو دل میں ایک ڈر سا رہتا تھا کہ جانا ہی پڑے گا اور میں ایسے سفر کا متحمل ہوسکوں گا یا نہ۔

رمضان سے پہلے ایبٹ آباد چلا گیا اور قریباً اڑھائی مہینے گرم موسم کے وہاں گذارے۔ اس دوران سرینام سے انجمن کو خطوط آنے لگے اور میرے نام ایک ذاتی خط پروفیسر کرامت علی صاحب (صدر) کا بھی آیا۔ اس اثنا میں

ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب کا ویسٹ انڈیز کا کامیاب دورہ ہوا، اور وہ بھی اچھی رپورٹیں لائے۔ انجمن نے ایک وفد کی تشکیل وغیرہ میری صوابدید پر چھوڑی۔ چنانچہ اس کی تعمیل کی۔ وفد کی ایک ممبر بہن رضیہ مدد علی تو ۳۰ ستمبر کو ہی اس سفر پر روانہ ہو کر انگلستان پہنچ گئی ہیں۔ اور میں نے ۱۶ اکتوبر کو اللہ پر بھروسہ کر کے بیم ورجا کے درمیان سفر کا آغاز کیا۔

روانگی برائے انگلستان

لاہور سے ۱۶ اکتوبر کو رُخصت ہو کر ۱۷ اکتوبر بروز اتوار آپ اسلام آباد سے لندن کے لیے روانہ ہوئے۔ ایئر پورٹ پر آپ نے اپنے بھانجے مبارک عبداللہ کے فرزند عبدالعزیز کو اپنا منتظر پایا۔ عبدالعزیز کی وہاں موجودگی متوقع نہ تھی۔ آپ کے گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ وہاں پر بطور سیکورٹی افسر متعین تھے۔ عبدالعزیز کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ آپ اس پرواز سے انگلستان جا رہے ہیں تو ڈیوٹی کے اوقات نہ ہونے کے باوجود، وہ محض آپ کو الوداع کہنے کے لیے آئے تھے۔ اُن کی وجہ سے وہ کاروائی، جس کے لیے بھاگ دوڑ میں گھنٹہ بھر لگ جاتا منٹوں میں ہو گئی اور وہ آپ کو جہاز کی سیڑھیوں سے چڑھا کر واپس لوٹے۔ یہ غیر متوقع سامانِ سہولت منجانب اللہ تھا۔ اور عبدالعزیز نے اپنی اس خدمت کے لیے اجرِ عظیم کی بے شمار دُعائیں سمیٹیں۔

لندن ایئر پورٹ پر عبدالکریم سعید بمع اہل خانہ اور اپنی والدہ کے موجود تھے جو چند ماہ قبل لندن تشریف لے گئی تھیں۔

لندن اور دیگر مقامات پر سلسلہ ملاقات

احباب جماعتِ انگلستان سے ملاقاتوں اور تبادلۂ خیال کا آغاز انگلستان پہنچتے ہی ہو گیا تھا۔ امام جماعت لندن ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب، صدر جماعتِ انگلستان محترمہ جمیلہ خان صاحبہ،

سیکرٹری جماعت شاہد عزیز صاحب، محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ اور دیگر متعدد افراد سے آپ کو جماعت کے مفصل حالات سے آگاہی ہوئی۔ اس کے علاوہ آپ بطورِ خاص قاضی خاندان کے احباب سے ملاقات کے لیے خود تشریف لے گئے۔ جہاں اہل خاندان کے علاوہ چند دیگر غیر از جماعت افراد سے بھی ملاقات اور تبادلۂ خیال کا موقع ملا۔

آپ 'احمدیہ ہاؤس' نماز جمعہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اُسی شام کو آپ عزیز احمد صاحب اور شاہد عزیز صاحب کے یہاں دعوتِ طعام میں شمولیت کے لیے تشریف لے گئے، جہاں جماعتی امور پر گفت وشنید ہوتی رہی اور گھریلو خوش کن ماحول میں آپ محترمہ اختر عزیز صاحبہ اور رفعت عزیز صاحبہ کی مہمان نوازی سے بھی لطف اندوز ہوئے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو اپنے فرزند ڈاکٹر عبدالکریم سعید کی ہمراہی میں اُن کی آرام دِہ گاڑی میں پہلی مرتبہ لمبے سفر کا موقع میسر آیا۔ آپ نوٹنگھم تشریف لے گئے جہاں فوقیہ اور زاہد عزیز آپ کے میزبان تھے۔ زاہد سے جماعتی معاملات پر سیر حاصل اور مفید گفتگو کا موقع میسر آیا۔ یقیناً یہ زاہد کے لیے بھی رہنمائی اور تقویت ایمانی کا موجب تھا۔

بریڈفورڈ میں شیخ نیاز احمد صاحب (وزیر آبادی) کی نواسی نسیم شیخ صاحبہ اور دیگر احبابِ جماعت سے ملاقات فرمائی۔ مانچسٹر میں آپ کی خصوصی ملاقات بٹ خاندان کے افراد سے ہوئی اور آپ شجاع الدین بٹ صاحب کی عیادت کے لیے ہسپتال تشریف لے گئے، جو وہاں کچھ عرصہ سے زیر علاج تھے۔ ان تمام ملاقاتوں میں موضوع گفتگو احمدیت سے وابستگی اور اس کی اہمیت ہی تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے اس طرح کے ذاتی کاوش اور روابط ہمیشہ اچھے اثرات کے حامل اور جماعت کے لیے مبارک ثابت ہوتے رہے ہیں۔

ایگزیکٹو کونسل، جماعت انگلستان، کی میٹنگ

۲۱ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو ایگزیکٹو کونسل کی میٹنگ کے انعقاد کی خصوصی غرض ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے ملاقات اور مقامی اور مرکز کے چند امور پر بحث تھی، جن میں سے بیشتر گذشتہ میٹنگ میں ہی طے شدہ تھے۔ ان میں انجمن کے مرکز کے لیے مکان کی تلاش اور خریداری، جماعت کی رجسٹریشن اور عارضی طور پر امام لندن کے لیے مکان کرائے پر حاصل کرنا شامل تھے۔ امام کے مکان کے سلسلہ میں اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ اس کا کرایہ مرکزی انجمن ادا کرے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے فرمایا:

> میں اِس وقت جو جواب دے سکتا ہوں، وہ اپنی یادداشت سے دے سکتا ہوں۔ مجھے نوٹس نہ تھا، اور یہ میٹنگ formal نہ تھی۔ بعض لوگوں نے کرایہ کی بات کی تھی، بعد میں منظور نہ ہوئی کہ انجمن نہ سٹرلنگ میں روپیہ دے سکتی ہے اور نہ اس کے پاس اِس قدر وسیع وسائل ہیں۔

میٹنگ کے اختتام پر آپ سے خطاب کے لیے کہا گیا۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

> پھر میں نے محض اللہ کی تائید سے ایک تقریر کی۔ سورۂ توبہ کی تین آیات یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ﴿۱۱۹﴾ مَا کَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِیۡنَةِ وَ مَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ یَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ وَ لَا یَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِهِمۡ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ لَا یُصِیۡبُهُمۡ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخۡمَصَةٌ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ لَا یَطَـُٔوۡنَ مَوۡطِئًا یَّغِیۡظُ الۡکُفَّارَ وَ لَا یَنَالُوۡنَ مِنۡ عَدُوٍّ نَّیۡلًا اِلَّا کُتِبَ لَهُمۡ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ﴿۱۲۰﴾ وَ لَا

يُنۡفِقُوۡنَ نَفَقَةً صَغِيۡرَةً وَّ لَا كَبِيۡرَةً وَّ لَا يَقۡطَعُوۡنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ لِيَجۡزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ۝۱۲۱ (اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کا تقویٰ کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ مدینہ کے رہنے والوں اور ان کے ارد گرد کے دیہاتیوں کو نہ چاہیئے کہ اللہ کے رسول کے پیچھے رہ جائیں اور نہ (یہ کہ) اپنی جانوں کو اس کی جان سے زیادہ چاہیں، یہ اس لیے کہ انہیں اللہ کی راہ میں نہ پیاس پہنچتی ہے اور نہ تکان اور نہ بھوک اور نہ وہ کسی ایسی جگہ چلتے ہیں جس سے کافروں کو غصّہ آتا ہے اور نہ دشمن سے کچھ چیز حاصل کرتے ہیں مگر اس کے لیے اُن کا نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اور نہ وہ کچھ خرچ کرتے ہیں تھوڑا یا بہت اور نہ کسی میدان سے گذرتے ہیں مگر وہ اُن کے لیے لکھا جاتا ہے تا کہ اللہ انہیں اس کا بہترین بدلہ دے جو وہ کرتے تھے) (۹:۱۱۹۔۱۲۱)، کے ترجمہ اور تفسیر کے بعد بتایا کہ آپ لوگ جو خدا کی راہ میں کام کر رہے ہیں وہ ضائع نہیں ہوگا۔ سامعین متاثر نظر آ رہے تھے۔ پھر مرکز میں ملکی اور جماعتی مشکلات کا تجزیہ پیش کیا اور یہاں کی حالت کو مزید محنت اور ترقی اور صبر کی ضرورت پر بیان کیا اور مرکز سے غیر معمولی توقعات کو خام بتایا اور اچھے حوصلہ افزا کلمات پر تقریر ختم کی۔ کافی اثر ہوا۔

محترمہ جمیلہ خان صاحبہ نے ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب کی خدمات کو بہترین الفاظ میں سراہتے ہوئے اور اُن کے غرب الہند کے دورے کو ایک عظیم کارنامہ قرار دیتے ہوئے ایک قیمتی گھڑی جماعت کی طرف سے بطورِ تحفہ پیش کی، جو اُنہوں نے قبول فرمائی۔

عیدالاضحی ۔ ۱۳۱ اکتوبر ۱۹۷۹ء

عیدالاضحی سے دو چار روز قبل ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو، سخت سرد موسم میں، لمبی پیدل مسافت طے کرتے ہوئے ٹھنڈ لگ گئی تھی اور اگلے روز سے کمر میں شدید درد ہونے لگا۔ تاہم آپ نماز کے لیے 'احمدیہ ہاؤس' تک کا سفر کر پائے اور امامتِ صلوٰۃ بھی فرمائی۔ البتہ خطبہ ڈاکٹر نظیرالاسلام صاحب نے دیا۔ پچاس ساٹھ کے لگ بھگ نمازی تھے۔ ذاتی طور پر مدعو کرنے کے باوجود چند احباب نے شمولیت نہ کی۔ مسجد فنڈ مختلف ذرائع سے جمع ہوا۔ ڈاکٹر نظیرالاسلام کو جو گھڑی جماعت نے تحفتاً عطا کی تھی وہ اُنہوں نے چند روز بعد مسجد فنڈ کے لیے بطورِ عطیہ پیش کر دی تھی۔ ڈاکٹر عبدالکریم سعید نے جوائس گرین ہسپتال میں بطور Raffle رقم جمع کی۔ قرعہ ایک مریضہ کے نام نکلا تھا۔ کُل جمع شدہ رقم ۲۶۵ پونڈ ہوئی، جو گذشتہ مواقع سے کافی زیادہ تھی۔ اس میں گھڑی سے حاصِل شدہ ساٹھ پونڈ بھی شامل تھے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب میکسیکو میں

جنرل عبداللہ سعید سالِ گذشتہ بھی اپنے والد کی میکسیکو آمد کے منتظر تھے، مگر اُس وقت یہ ممکن نہ ہو سکا تھا کیونکہ آپ نے سرینام جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا۔ اس سال سرینام کی جوبلی کینونیشن میں شرکت ناگزیر تھی۔ چنانچہ آپ سرینام کی تقریبات سے چند روز قبل میکسیکو تشریف لے گئے۔ لندن کے سفارت خانہ میں عبداللہ سعید کا خط دکھایا گیا تو بلاتردد ویزا جاری کر دیا گیا۔

آپ ۳ نومبر ۱۹۷۹ء کو لندن سے میکسیکو روانہ ہوئے، تو ابھی تک آپ کے دردِ کمر کی شکایت میں افاقہ نہ تھا مگر آپ نے اپنا سفر کا ارادہ ملتوی نہ کیا اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اور بوسٹن سے ہوتے ہوئے میکسیکو پہنچے۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

بوسٹن کا ہوائی اڈہ۔ نیو یارک ٹائم ۱۰:۳۰۔ لندن ٹائم میری گھڑی میں ۴:۳۰

بجے صبح۔

گھر سے نکلے قریباً سترہ گھنٹے ہو گئے ہیں۔ اب تھوڑی دیر میں جہاز میکسیکو کے لیے پرواز شروع کرنے والا ہے۔ نیویارک قریباً ڈیڑھ گھنٹہ رسومات سے گذرنے میں لگا۔ اللہ نے سب کچھ آسان کر دیا۔ جس قدر خوف تھا اُس قدر اللہ نے آرام پہنچایا۔ قدم قدم پر اُس کی دستگیری کا احساس رہا اور تھکان کا احساس نہیں ہوا۔ گھر سے دس گرَین اسپرین کھا کر چلا تھا اور لندن سے جہاز میں چڑھتے وقت آدھ ملی گرام Ativan (ایٹی وان)۔ دن بھر سیٹ پر بیٹھے ہی گذرا۔ لیٹنے کا موقع نہیں ملا۔ تاہم درد بھی نہیں ہوا اور تھکن بھی خاص نہیں۔ اکثر وقت وقفہ وقفہ سے نیند بھی آتی رہی۔ تفصیلات لکھنی مشکل ہیں۔ اللہ تیرا شکر۔ آئندہ بھی رحم شامل حال فرماتے رہنا۔

میکسیکو ایئر پورٹ پر استقبال

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر:

میکسیکو ٹائم کے مطابق ۱:۳۰ صبح (سوموار) میکسیکو کے اڈے پر جہاز اترا۔ پندرہ بیس منٹ اترنے میں لگے۔ اُترنے کی tunnel سے ہال میں پہنچے، جو زیادہ دور نہ تھا۔ سامنے عبداللہ اور اُن کا دوست سیم (Sam) اور پاشا (ایرانی) اور پی اے (PA) عبدالرؤف کھڑے تھے۔ قریب ہی انجم اور بچے کھڑے تھے۔ خواب سا لگ رہا تھا۔ ملاقاتیں ہوئیں میرا پاسپورٹ لے لیا اور رؤف صاحب اور عملہ کے ایک اور افسر جلدی جلدی مراسم سے فارغ ہوئے۔ نیچے جا کر سامان (ایک ہی بکس ہے) کا انتظار کیا۔ کافی دیر لگی سیم

صاحب پیش پیش تھے۔ میں شناخت کے لیے ساتھ کھڑا تھا۔ یہ مرحلہ بھی طے ہوا تو کسٹم والا بڑی عزت سے ملا اور رُخصت کیا۔ گھر ایئرپورٹ سے کافی فاصلے پر ہے ۳ بجے کے قریب پہنچے۔

میکسیکو میں قیام

میکسیکو میں آپ ۱۱ نومبر تک قیام فرما رہے۔ اپنی اولاد سے ملاقات اُن کے ہمراہ قیام، اُن کو خوش حال اور خوش وخرم دیکھنا، آپ کے لیے موجب راحت واطمینان تھا۔ پھر عبداللہ سعید کی ذاتی خدمات، اپنے ہاتھوں سے آپ کی کمر پر چینی بام ملنا اور خاص پیٹی مہیا کرنا آپ کے جسمانی آرام کا باعث ہوئیں۔ عبداللہ سعید کی عزت اور نیک نامی، اُن کے ذاتی کردار کی بلندی پر آپ فخر محسوس کر رہے تھے۔ گھر کا ماحول اور آرام وسکون آپ کے لیے تسکین کا موجب تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر سے اقتباس:

> انجم سے حالات معلوم ہوتے رہے۔ گھر میں تھوڑا پھرا۔ کمرے وغیرہ دیکھے۔ اللہ کی قدرتوں اور انعامات کا نمونہ دیکھا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝ (اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا) (التوبۃ ۹:۱۲۰)۔ عبداللہ نے جب ہم اکیلے تھے، کئی باتیں سُنائیں۔ صدر ضیاء الحق سے ہوانا (Havana) میں جو باتیں ہوئیں اُن سے اپنے بیٹے کی جرأت ایمانی اور توکل علی اللہ کی اعلیٰ درجہ کی صفت سے روح کو راحت ملی۔ الحمدللہ۔ کاکول کے ایام یاد آئے۔ انجم سے بھی کئی ایمان افروز باتیں ہوئیں۔ بچے ماشاءاللہ ہر لحاظ سے قابل رشک ہیں۔ اللہ اُنہیں اپنے بندے اور دین کے خادم بنائے۔

نماز جمعہ

نماز جمعہ میں اہل خانہ کے علاوہ عبداللہ سعید کے ایرانی دوست، پاشا صاحب بھی نماز میں شمولیت کی غرض سے تشریف لے آئے تھے۔ آپ نے انگریزی زبان میں سورۃ العصر پر خطبہ ارشاد فرمایا، جو باوجود آپ کی جسمانی تکلیف کے نہایت عمدہ تھا، اور اپنے بچوں کے علاوہ مہمان کے لیے بھی نہایت ایمان افروز تھا۔

سُفراء اور دیگر احباب سے ملاقات

عبداللہ سعید کے ہم منصب اُن کے والد سے ملاقات کے خواہاں تھے۔ دیگر ملکوں کے سفیروں نے خود آپ کو اپنی رہائش گاہوں پر مدعو کیا اور ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے یوگوسلاویہ کے سفیر کے متعلق تحریر کیا ہے کہ اُن کے والدین مسلمان تھے۔ محترم سفیر نے یوگوسلاویہ کی مساجد اور اپنے والدین کی عبادات کا ذکر کیا۔ مگر وہ خود اب کمیونزم کا شکار ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے دورانِ گفتگو، اسلامی عبادات اور اُن کے اعلیٰ اخلاقی اثرات کا احسن طور پر ذکر فرمایا۔ انڈونیشیا کے سفیر مذہباً عیسائی تھے مگر انڈونیشیا میں جماعتِ احمدیہ کے تبلیغی مشن اور چند احمدی احباب سے واقفیت رکھتے تھے اور خاصے متاثر تھے۔ ایک مصری خاتون جو سفارت خانے سے منسلک تھیں اور ہسپانوی زبان میں ترجمہ شدہ کتب کی درستگی پر کام کر رہی تھیں، آپ خود اُن سے اور اُن کے خاندان سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے اور اُن سے تراجم کے کام کے سلسلہ میں بات چیت فرمائی۔

عبداللہ سعید نے اپنی رہائش گاہ پر ایک بڑی پُر تکلف ضیافت کا اہتمام فرمایا جس کا مقصد اپنے والد سے اپنے رفقاء کی ملاقات تھا اور ایک رفیقِ کار مدتِ ملازمت مکمل ہونے پر پاکستان واپس تشریف لے جا رہے تھے۔ یہ اُن کی الوداعی تقریب بھی تھی۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب تحریر فرماتے ہیں:

تیس چالیس لوگ آئے۔ میری ملاقات سب سے دلچسپ رہی۔ میری عمر اور ظاہری حالت کا بڑا چرچا ہوتا رہا۔ میری حالت بھی اللہ کی قدرت اور رحمت کا ایک بڑا نشان ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

سرینام کا دورہ

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب میکسیکو سے ۱۲ نومبر کو سرینام کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کی پرواز میکسیکو سے براستہ میامی تھی۔ میامی سے کاراساڈو تک کے فاصلے میں آپ کی نشست کا معاملہ ابھی تک یقینی نہ تھا۔ مگر میامی ایئرپورٹ پر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور آپ کو آخری نشست دے دی گئی۔ کاراساڈو سے اگلی پرواز پورٹ سپین سے ہوتی ہوئی پاراماریبو پہنچی۔ اس پرواز میں آپ کو اچھی آرام دہ سیٹ میسر آ گئی۔ اور آپ کو کئی گھنٹوں کے بعد آرام میسر آیا اور منزل پر پہنچے تو آپ تازہ دم تھے۔

ایئرپورٹ پر متعدد احبابِ جماعت استقبال کے لیے صف بستہ منتظر تھے۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

حاجی علی بخش سب سے آگے پہلے ملے۔ طیب صاحب، پروفیسر کرامت علی، یعقوب ایوب صاحب اور اکثر دوست اور خواتین موجود تھیں۔ ہار، فوٹو، مردوں کے ساتھ خواتین کے ساتھ سب دستور پورے ہوئے۔ جھنڈے لیے ہوئے روشن صاحب اور دو تین دیگر نوجوان۔ اللہ کی شان، اللہ کا یہ غریب، ضعیف اور عاجز بندہ اور اللہ کی طرف سے یہ عزت افزائی۔ کیا عرض کروں۔ محض الحمدللہ کہنے سے جی نہیں بھر سکتا۔ Overwhelmed۔

ہوائی اڈے سے آپ حاجی علی بخش صاحب کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے اور وہیں قیام فرمایا۔ گولڈن جوبلی میں متوقع شرکاء میں سے سب سے پہلے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تشریف آوری ہوئی۔ اور پھر یکے بعد دیگرے ایک تواتر سے پاکستان، یورپ، اور امریکہ سے مندوبین کی آمد ہوئی۔ سرینام کے پرجوش احمدی اپنے اُسی خاص روایتی انداز میں ہر ایک کے استقبال کے لیے پھولوں کے ہار لیے ایئر پورٹ پر موجود ہوتے تھے۔ اُن کے اِس جوش اور محبت سے آنے والوں کی اجنبیت اور تکان فوراً ہی دور ہو جاتی تھی۔

صدر مملکت سے ملاقات

حکومت سرینام کے صدر محترم نے ازراہِ عنایت جماعت احمدیہ لاہور کے وفود کے نمائندگان سے صدارتی محل میں ملاقات فرمائی۔ مہمانوں کی تواضع کافی سے کی گئی۔ اس کے بعد محترم صدر صاحب نے انگریزی زبان میں مختصر تقریر فرمائی اور مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ جماعت احمدیہ کی نمائندگی محترم نصیر احمد فاروقی صاحب نے فرمائی۔ اور صدر مملکت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جماعت احمدیہ لاہور کے مؤقف اور عقائد کی وضاحت فرمائی اور یہ بھی درخواست پیش کی کہ جو مذہبی آزادی دیگر مذاہب اور فرقہ کے لوگوں کو سرینام میں حاصل ہے اُسی طرح احمدیوں کے حقوق کا بھی خیال رکھا جائے۔ صدر صاحب نے جواباً اثبات میں سر کو جُنبش دی۔

گولڈن جوبلی تقاریب

۱۵ نومبر ۱۹۷۹ء کو تمام مندوبین سرینام پہنچ چکے تھے۔ اُسی روز تمام احبابِ جماعت نے بعد از نمازِ عشاء، دو رکعت نمازِ نفل بطورِ شکرانہ ادا کی۔ اُس کے بعد چند تقاریر بھی ہوئیں۔

جمعتہ المبارک کو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے سورۃ العصر پر ایک عالمانہ اور روح پرور خطبہ ارشاد فرمایا اور نمازِ جمعہ کی امامت فرمائی۔ اُسی روز بعد از نمازِ عشاء گولڈن جوبلی تقاریب کا رسمی

افتتاح ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے فرمایا۔ محترم نصیر احمد فاروقی صاحب نے اپنی تقریر میں خاص طور پر یہ ذکر فرمایا کہ، لاہور پاکستان، جو کہ احمدیہ جماعت کا مرکز ہے، اس سے ہزارہا میل دور، دُنیا کے دوسرے کنارے پر، سرینام میں مختلف مقامات سے اس قدر مرد و زن کا جمع ہو جانا ایک نہایت خوش کُن نظارہ پیش کرتا ہے۔ درحقیقت یہ اُسی بشارت کی تعبیر ہے جو اِس وقت سے اَسّی برس قبل اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو دی تھی کہ:

"میں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا"۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے سرینام کی جماعت کو گولڈن جوبلی کی مبارکباد پیش کی اور سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر کی چیدہ چیدہ کتب کا سیٹ بطور تحفہ پیش کیا۔ آپ نے یہ بھی پیشکش کی کہ سرینام کی جماعت کم از کم پانچ افراد (مرد و زن) کو نامزد کرے اور اُنہیں لاہور دینی تربیت کے لیے بھیج دے، تو مرکز میں اُن کی تعلیم کا انتظام خوش اسلوبی سے ہو جائے گا۔ اس طرح اُن کے پاس مقامی مبلغ تیار ہو جائیں گے جو فریضۂ تبلیغ اور دینی تربیت کا کام بہتر طور پر کر سکیں گے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ یہی طریق احسن ہے، کیونکہ یہ خود قرآن پاک کا تجویز کردہ ہے۔ دیگر مندوبین نے بھی تقاریر فرمائیں۔ اور جلسہ کی تمام کاروائی ریڈیو پر براہِ راست نشر ہوتی رہی۔

ایک یادگار جلسہ

۱۷ نومبر ۱۹۷۹ء کو احمدیہ انجمن سرینام کے مرکز میں ایک جلسہ بطور یادگار منعقد کیا گیا۔ اس جلسہ میں سرینام کے صدر اور اُن کی بیگم صاحبہ کو بطورِ خاص مدعو کیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ غیر از جماعت خواتین و حضرات اور دیگر مذاہب کے افراد نے بھی شرکت فرمائی۔ صدرِ مملکت کے علاوہ سناتن دھرم کے ایک نمائندے نے بھی تقریر کی۔ مرکز کی نمائندگی ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے فرمائی، جس میں آپ نے خاص طور پر یہ وضاحت فرمائی کہ اسلام بین الاقوامی امن و صلح کا مذہب

ہے۔ اور نسلِ انسانی کی مساوات، وحدت و اخوت کا علم بردار ہے۔

ایک روح پرور نظارہ

۱۸ نومبر ۱۹۷۹ء جماعت احمدیہ (لاہور) سُرینام کے لیے ایک تاریخی دن ثابت ہوا۔ وہاں کی زیرِ تعمیر مرکزی مسجد ایک عرصہ سے نامکمل تھی اور کام بند کر دیا گیا تھا۔ اس تعطل کا سبب وسائل کی کمی تھی۔ ۱۸ نومبر کے اجلاس کے انعقاد کا خاص مقصد یہی تھا کہ اِس مسجد کی تکمیل کے لیے رقوم فراہم کرنے کے لیے احبابِ جماعت سے اپیل کی جائے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اس مجلس کی افتتاحی تقریر میں نہایت دردمندانہ اور پُرزور اپیل کی۔ اُس کے بعد یکے بعد دیگرے محترم نصیر احمد فاروقی صاحب اور محترم حافظ شیر محمد صاحب نے 'انفاق فی سبیل اللہ' کے موضوع پر مؤثر تقاریر فرمائیں۔

تقاریر کا سلسلہ ختم ہوا تو محترم رشید پیر خان صاحب سٹیج پر تشریف لائے۔ محترم نے نہایت ولولہ انگیز الفاظ میں دِل کھول کر چندہ دینے کے لیے حاضرین کا جوش بڑھایا۔ مندوبین کی طرف سے بھی خاصی رقم جمع ہوگئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اللہ تعالیٰ کے افضال کی ایسی بارش ہوئی کہ تخمینہ کے مطابق مطلوبہ رقم سے زائد چندہ جمع ہو گیا۔ محترم نصیر احمد فاروقی صاحب کی تحریر سے ایک اقتباس:

> چندہ کے لیے پکارنے کا کام میرے میزبان جناب رشید پیر خان صاحب نے اپنے ذمہ لیا۔ وہ قریباً ۱۱، ۱۱:۳۰ بجے سے کھڑے ہوئے اور شام کے ۳:۳۰ بجے تک مسلسل کھڑے پکارتے رہے۔ ابتداء میں چندہ آہستہ آہستہ شروع ہوا اور ایسا صاف نظر آتا تھا کہ اتنی بڑی رقم کبھی پُوری نہ ہو سکے گی۔ صدر انجمن لاہور کے وفد کے ممبران نے بھی آپس میں مشورہ کر کے پانچ سو پچاس امریکن ڈالر چندہ کا اعلان کیا۔ جو ۵ ہزار ۵ سو روپے کہہ لیجئے۔ اس میں بیشتر حصہ

ہمارے امریکہ کے قابل قدر نوجوان ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک صاحب کا تھا۔ باقی تمام مسافروں نے اپنے اپنے سفرخرچ کی رقم میں سے نکال کر دیا۔ بعد میں بیگم ظفر عبداللہ صاحبہ نے سو امریکن ڈالر اور دیئے اور جو ایک ہزار روپے کے قریب سمجھ لیجئے اور بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ نے بھی اعلان کروا دیا جو مجھے یاد نہیں کہ سو سرینامی گلڈرز تھے یا ڈالر بہرحال ٦ ہزار کے قریب چندہ مرکزی انجمن لاہور کے وفد کا کہہ لیجئے۔

مقامی جماعت کے بچوں عورتوں اور مردوں نے بھی چندہ کی رقم کا اعلان شروع کیا جو آہستہ آہستہ جا کر کوئی ایک لاکھ ساٹھ ہزار سرینامی گلڈرز پر جا کر رکتا نظر آیا (یعنی کل میزان اتنا تھا) جس میں لاہور کے وفد کا چندہ بھی شامل تھا۔ اور ہم میں سے اکثر کو یہ خیال ہوا کہ مطلوبہ رقم دو لاکھ ۷۵ ہزار سرینامی گلڈرز کبھی جمع نہ ہو سکیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے رجوع برحمت فرمایا اور مقامی لوگوں نے اپنا چندہ دوگنا کرنا شروع کیا۔ بالآخر کل رقم جا کر قریباً دو لاکھ ۴۵ ہزار سرینامی گلڈرز پر رک گئی۔ اس وقت ایک مقامی احمدی دوکاندار نے اعلان کیا کہ بالآخر جو بھی کمی رہ جائے گی اُسے وہ پورا کر دیں گے۔ اس اعلان پر بہت جوش وخروش پھیل گیا، اور بعض نوجوانوں نے اس احمدی دوکاندار کو جا کر کندھوں پر اٹھالیا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ اُس دن اور بعد کے اعلانات کی کل رقم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہت بڑھ کر چار لاکھ، دس ہزار سرینامی گلڈرز پر پہنچ گئی۔ یعنی تخمینہ دو لاکھ پچھتر ہزار سے ایک لاکھ ۳۵ ہزار سرینامی گلڈرز زیادہ ہوگئی۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

اس موقع پر ایک روح پرور نظارہ جو دیکھنے میں آیا۔ وہ ایک نہایت قابل قدر

بزرگ کا تھا جو ہماری سرینام کی جماعت سے کچھ شکایتوں کی بنا پر علیحدہ ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی کوششوں سے وہ بزرگ پھر آ کر جماعت میں مل گئے اور بعد میں انہوں نے اعلان کیا کہ مسجد کے موجودہ ڈھانچے پر جو ۲۷ ہزار گلڈرز کا قرضہ ہے اُسے وہ ادا کریں گے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ ماموروقت کی جماعت کے ساتھ ملنے سے جو ایک باطنی برقی رو انسان کے اندر آ جاتی ہے اُس کا یہ نظارہ تھا۔ (”سفرسرینام“۔ پیغام صلح شمارہ ۲۸ نومبر۔ ۵ دسمبر ۱۹۷۹ء)۔

انتظامی معاملات

۲۰ نومبر کی صبح کو ایک خصوصی مجلس کا انعقاد کیا گیا تھا جس میں مقامی نمائندگان اور دیگر ممالک کے وفود نے شرکت فرمائی۔ اِس مجلس کا ایک خاص مقصد سرینام کی جماعت اور مرکزی جماعت کے باہمی تعلق اور روابط پر تبادلۂ خیال تھا، بالخصوص اِس حوالے سے کہ حضرت مسیح موعودؑ مرزا غلام احمد صاحبؒ کا بیرون ملک شاخوں کے قیام کا مقصد کیا تھا، اور انتظامی امور کن اصولوں پر مبنی ہوں گے۔ اور اِس امر کی وضاحت ہوگئی کہ بیرون ملک قائم ہر شاخ مرکز سے وابستہ ہوگی۔ اور کسی اور نام سے کوئی خودمختار ادارہ قائم نہ ہوگا اور نہ اِس کے متوازی کوئی سلسلہ قائم کیا جائے گا۔ محترم فاروقی صاحب کی تحریر سے اقتباس:

> ۲۰ نومبر کی صبح دس بجے مرکز میں سرینام کی جماعت اور مرکزی جماعت کے تعلق اور روابط پر تبادلہ خیال ہوا۔ جس میں ہالینڈ کے مولانا جگو صاحب اور فجی کے صدر حافظ شیر محمد صاحب اور بعد میں گیانا کے امام مولانا رشید صاحب بھی شامل ہوئے۔ جس میں لاہور کے وفد نے اس بات پر زور دیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی الوصیت کے مطابق آپ کی جانشین مرکزی انجمن احمدیہ لاہور ہے۔

حضرت مسیح موعود نے الوصیت میں خود لکھا ہے کہ اس مرکزی انجمن کی بیرونی ممالک میں شاخیں ہوں۔ اور مرکز اور شاخوں کے تعلقات کس طرح ہوں۔ انہی ہدایات کے مطابق لاہور کی انجمن کی تبلیغ بلادِ غیر کی کمیٹی نے ایک ڈرافٹ آئین تمام شاخوں یعنی بیرونی جماعتوں کو تبصرہ کے لیے بھیجا تھا۔ جو بعد میں قطعی شکل میں تمام بیرونی جماعتوں کو بھیج دیا تھا۔ اور جس کے مطابق جماعت احمدیہ فیجی با قاعدہ خوش اسلوبی سے کام کر رہی ہے۔ تمام حاضرین محفل نے اس بات پر زور دیا کہ مرکز کی بالادستی اور اس کے ساتھ فرمانبرداری اور وفاداری سے کام کیے بغیر جماعت کا اتحاد اور حسن کارکردگی ممکن نہیں اور اس کے متوازی کوئی اور کونسل یا ادارہ بنانا جماعت کے مفاد کے بالکل خلاف ہوگا۔ شام کو سرینام کے مرکز میں ایک جلسہ ہوا جس میں باہر سے آئے ہوئے مہمانوں نے بعد میں تقاریر کیں جو اسلام اور احمدیت کے مختلف موضوع پر تھیں۔ چھوٹی مگر نہایت مفید تقاریر تھیں۔ (''سفر سرینام''۔ پیغام صلح شمارہ ۲۸ نومبر۔ ۵ دسمبر ۱۹۷۹ء)۔

جلسہ خواتین

۲۱ نومبر کی رات کو خواتین اور نوجوانوں کے جلسہ کا انعقاد ہوا۔ جس میں مرد حضرات کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ خواتین کے جلسہ کا کچھ حصہ ریڈیو پر براہِ راست نشر کیا گیا۔ محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ کی تقریر ہر لحاظ سے مکمل، مؤثر اور دلپذیر تھی۔ محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ کے مخصوص اندازِ خطابت اور انگریزی اور اردو ہر دو زبانوں پر عبور اور بیان میں برجستگی کی تعریف ہر زبان پر تھی۔ اور کئی روز تک موضوعِ سخن رہی۔

احمدیہ کانفرنس

احمدیہ کانفرنس دو نشستوں پر مشتمل تھی۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے پہلی نشست میں افتتاحی تقریر فرمائی اور دوسری نشست میں بھی ایک تقریر بزبانِ انگریزی فرمائی۔ محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ نے تقریر کا اردو میں ترجمہ پیش کیا۔ دیگر مقررین میں مقامی صدر، محترم نصیر احمد فاروقی صاحب، محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ اور حافظ شیر محمد صاحب شامل تھے۔

نکیری میں مسجد کا افتتاح

پیرا ماریبو سے تقریباً ۳۰۰ کلومیٹر کے فاصلے پر نکیری کا مقام ہے، جہاں جماعتِ احمدیہ لاہور کی ایک بہت بڑی جماعت ہے۔ مسجد کا افتتاح ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنے دستِ مبارک سے فرمایا۔ یہ مسجد نہایت ہی دیدہ زیب اور شاندار ہے۔ باوجود سخت بارش کے کثیر تعداد میں لوگ شرکت کے لیے تشریف لائے۔ افتتاح کے موقعہ پر کچھ افراد نے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مزید چند روز تک سرینام میں قیام فرما رہے۔ ان ایام میں آپ نے سرینام کے دور دراز علاقوں کا سفر فرمایا اور جماعت کے استحکام کے لیے کئی مفید اقدام کیے۔

سفر سرینام کا خلاصہ

محترم نصیر احمد فاروقی صاحب کی تحریر سے:

سرینام کی جماعت احمدیہ کی گولڈن جوبلی دیر تک ہماری یادوں میں بسے گی۔ وہاں حضرت مسیح موعودؑ سے الٰہی وعدے کہ ''میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔'' روز روشن کی طرح پورا ہونے سے حضرت اقدس کے

منجانب اللہ ہونے اور آپ کے مشن کی کامیابی کو دیکھ کر دل باغ باغ ہوتا تھا۔ سرینام کے احمدیوں (مردوزن) کا اخلاص اور محبت اور میزبانی قابلِ رشک اور قابل تقلید تھی۔ مہمانوں کے استقبال اور اُن کے ٹھہرانے کا انتظام نہایت اعلیٰ تھا۔ مرکز میں، جہاں کچھ مہمان خصوصاً گیانا سے آئے ہوئے مردوزن ٹھہرے ہوئے تھے اور جہاں تقریباً ہر روز رات کو تمام مہمانوں کو کھانے کی دعوت تھی، مقامی احمدی مرد اور خواتین دن رات میزبانی کے کام میں لگے رہتے تھے۔ مردوں کو آلو چھیلتے اور ترکاری بناتے اور دوسرے کھانے پکانے کے کاموں میں لگے دیکھ کر اور خواتین کی ایک اچھی خاصی تعداد کا ہر وقت یعنی صبح وشام کھانے پکانے کے کاموں میں خاموشی سے مصروف دیکھ کر رشک آتا تھا کہ کاش ہمارے ہاں بھی اسی طرح سماجی خدمت کا جذبہ ہو اور سب سے بڑھ کر احمدی مردوزن کی مالی قربانیوں کے مظاہرہ کو دیکھ کر انسان حیران ہوتا تھا کہ کہاں قادیان کا دور دراز گاؤں اور کہاں سرینام۔ کہاں اس صدی کے شروع میں مامور من اللہ کا پیدا ہونا اور کہاں صدی کے آخیر میں یہ جماعت، کہ لوگ (مردوزن) صرف ایک دفعہ چندہ دے کر بس نہ کرتے تھے اور خود ہی بِن کہے اُسے دُگنا کرتے چلے جاتے۔ اور ان کا دل پکار اٹھتا تھا کہ واقعی احمدیت کا پودا اللہ تعالیٰ کا اپنے ہاتھ کا لگایا ہوا ہے اور یہ انشاء اللہ بڑھتا چڑھتا رہے گا۔ اٰمِیْن اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن۔ (”سفر سرینام“۔ پیغام صلح شمارہ ۲۸ نومبر۔ ۵ دسمبر ۱۹۷۹ء)۔

سرینام کی جوبلی تقریبات کے بعد ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے جزائر غرب الہند کے دیگر مقامات، گیانا اور ٹرینیڈاڈ کے مختصر دورے فرمائے، جنہیں آپ نے اپنی تحریر میں معجزات، اللہ تعالیٰ کے نشانات اور تائید الٰہی سے بھرپور دورے قرار دیا۔ انہی ایام میں آپ نے گیانا کے ایک

گاؤں کی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور دیگر تقاریب میں شرکت اور تقاریر فرمائیں۔

حضرت امیر ۸ دسمبر کو انگلستان واپس تشریف لانے کے بعد نیدر لینڈ تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے فرزند ڈاکٹر زاہد سعید اُن ایام میں مالٹا میں تھے اور اُن کی والدہ بھی اُن کے ساتھ وہیں تشریف فرما تھیں۔ چنانچہ آپ مالٹا تشریف لے گئے اور چند روز قیام فرمانے کے بعد اپنی زوجہ محترمہ کی معیت میں انگلستان اور پھر پاکستان تشریف لے آئے۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے جس سفر کا آغاز ۷ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو اسلام آباد سے ہوا تھا وہ ۲۲ دسمبر کو لاہور تشریف آوری پر تکمیل کو پہنچا۔





انیسواں باب

بیرون ملک چھٹا سفر۔۱۹۸۱ء

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اپنی اس تین ماہ کی مسافرت میں نیدرلینڈ، جرمنی، انگلستان، امریکہ کے کئی مقامات، میکسیکو اور کینیڈا تشریف لے گئے۔آپ نے اپنے اِس سفر کے ابتدائی مراحل میں نیدرلینڈ میں منعقد ہونے والے اجلاس اور تقریبات میں شرکت فرمائی۔ پاکستان سے میاں فضل احمد صاحب، بیگم فضل احمد صاحبہ اور محترم سلطان علی شاہ صاحب آپ کے ہم سفر تھے۔ چوہدری فضل حق صاحب اور بیگم فضل حق صاحبہ اس سے قبل انگلستان پہنچ چکے تھے اور جماعت انگلستان کے وفد کے ہمراہ نیدرلینڈ تشریف لا چکے تھے۔

اپنے سفر کے بالکل ابتدائی مراحل میں ہی سامان کی گم شدگی کے سبب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر:

> آغاز سفر ۳۰ مئی ۱۹۸۱ء۔ بیرونِ ملک کا چھٹا دورہ آج ۱۱:۰۰ بجے قبل از دوپہر شروع ہوا۔ ایئرپورٹ پر اکثر عزیز آئے۔سعید اپنی موٹر میں مجھے اور اپنی والدہ کو لایا۔کرنل لطیف نے سامان وغیرہ چیک کرایا۔ ایک بجے کراچی کے ہوائی اڈہ پر پہنچے۔
>
> میرا اسیمسو نائٹ کا بکس، جس میں میرا سارا ہی سامان تھا گم پایا۔عبدالحئی کے ہاں اِس وقت یہ ڈائری لکھنی شروع کی ہے۔گم شدہ سامان کی تلاش کی کوشش ہے۔ نظر آسمان پر ہے کہ رحمت کا نزول ہو اور بگڑی بن جائے۔ بریف کیس میں

صرف ٹکٹ اورٹریولر چیک اور برش اور سامانِ حجامت وغیرہ ہے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں:

لاہور منصور کوفون کیا اور بعد میں سعید کا فون آیا۔ کچھ ضروری پارچہ جات وہاں سے بھجوانے کی تجویز ہوئی۔ کراچی میں سلیمہ اور عطیہ کوتوجہ دلائی کہ کچھ سامان خرید لیا جائے۔ معلوم ہوا کہ اتوار ہے اور سب بازار بند ہے۔ عطیہ نے عبدالحئی کے ملبوسات کا جائزہ لیا۔ جو کپڑا دیکھا میرے جسم پر فِٹ نکلا۔ مختصراً رات تک بہت سی ضروریات پوری ہوگئیں۔ ایک بجے کے جہاز سے سعید نے بھی سامان کسی شخص طارق کے ساتھ بھیج دیا۔

نیدرلینڈ

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب یکم جون کو بمع اپنے دیگر ساتھیوں کے نیدرلینڈ پہنچے تو ایمسٹرڈیم میں جماعت کے نمائندگان نے اپنے روایتی انداز میں آپ کا استقبال کیا، اور بذریعہ کار آپ کو اوتر خت لے گئے، جہاں احمدیہ انجمن کے نئے مرکز میں گذشتہ دو روز سے تقریبات جاری تھیں۔ اُس روز یہاں کے جلسہ کی آخری نشست تھی جس میں آپ نے تقریر فرمائی۔

جماعتِ ہیگ نے غیر ملکی مندوبین کی سیر وتفریح کا پروگرام مرتب کر رکھا تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، نیدرلینڈ کے قدرتی مناظر اور انسانی ذہن کی بلند پروازی اور حیران کن صناعی سے بے حد متاثر ہوئے۔ تاہم اگلے روز آپ بلجیم کی سیر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف نہ لے گئے تاکہ وہ دِن اپنی تقاریر کی تیاری کے لیے وقف کرسکیں۔ آپ کی ڈائری سے اقتباس:

آج لوگ بلجئیم بذریعہ بس جا رہے ہیں۔ میرا بھی جی چاہتا تھا کہ چلا جاؤں اور برسلز کا مشہور شہر دیکھ آؤں۔ تقریباً دوسو پونے دوسو میل دور ہے۔ جانا، وہاں دو

گھنٹے سیر اور واپس آنا۔ اس میں سارا دِن خرچ ہوگا اور تھکان۔ اس کے علاوہ میرے سامنے جو کام ہے وہ تقاریر کی تیاری ہے۔ اپنی اس بے سروسامانی میں کہ جملہ نوٹ اور پرانی تقاریر کے مسودات وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت نے مجھ سے علیحدہ کر لیے ہیں، اب اللہ کی ذات سے اور اُس کی رحمت کی اُمید میں، میرا دِل پُر امید ہے کہ وہ مجھے بے بس نہیں چھوڑے گا۔ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوۡلٰٮنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۝۵۱۔ (ہم کو ہرگز کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ رکھی ہے۔ وہ ہمارا آقا ہے اور اللہ پر ہی مومنوں کو بھروسا رکھنا چاہیئے)۔ (التوبۃ ۹:۵۱)۔ میں نے بلجئیم جانے کا خیال ترک کر دیا اور احباب کو بتا دیا ہے۔

آپ مزید تحریر فرماتے ہیں:

آج کا فراغت کا دِن تقاریر کی تیاری کے لیے وقف کیا تھا۔ نوٹ اور کاغذات گم ہو جانے سے مشکلات ضرور ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرتیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ تھوڑا بہت کام ہوا جس سے کچھ سکون حاصل ہوا۔

جلسہ روٹرڈیم

۵ جون کو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے نمازِ جمعہ ہیگ میں ادا کی اور اُسی شام روٹرڈیم کی جماعت کے جلسہ میں شرکت فرمائی۔ روٹرڈیم کی جماعت نے مرکز کے لیے ایک عمارت ۵۰ ہزار گلڈر میں خریدی ہے۔ آپ وہ مکان دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے، جہاں ابھی کچھ ردو بدل کا کام جاری تھا۔ اِس عمارت سے تھوڑے فاصلے پر ترک مسلمانوں کی ایک مسجد ہے، جس کی دوسری منزل میں ایک وسیع ہال ہے۔ اِسی ہال میں جماعتِ احمدیہ روٹرڈیم کا جلسہ ہوا۔ باوجود اِس علم کے کہ یہ لوگ

احمدی ہیں، اُنہوں نے بخوشی، بغیر کسی معاوضہ کے، یہ ہال جلسہ کے انعقاد کے لیے دیا تھا۔ یہ لوگ متعصب نہیں اور افرادِ جماعت سے اچھی راہ و رسم ہے۔ جلسہ کی اختتامی تقریر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تھی۔ آپ کی تحریر:

> اپنی تقریر سے پہلے میں ایک آدمی کو ساتھ لے کر ترکوں کی مسجد میں گیا اور تازہ وضو کر لیا، تو نیند بھی کُھل گئی۔ جب بالآخر تقریر کا وقت آیا تو اپنے مولیٰ کریم کی غیر معمولی رحمت میں اپنے آپ کو گھرا ہوا پایا۔ خفیف گھبراہٹ آیاتِ قرآنی کی تلاوت کے ساتھ ہی کافور ہو گئی۔ انشراحِ صدر نصیب ہوا۔ سوچے ہوئے مضمون سے ذرا ہٹ کر، ماحول و حالات سے متاثر ہو کر ایک نئے انداز سے بات شروع کرنے کی توفیق پائی۔ تسلسل اور مقصد خود بخود غیب سے دِل پر وارد ہوا اور اللہ کا شکر ہے۔ اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۰﴾۔ (وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر سیدھے راہ پر جمے رہتے ہیں ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو، اور اُس جنت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا)۔ (حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۳۰)۔ قرآنی آیات میں احمدیت کا مضمون بھرپور طور پر سامنے آنے لگا اور ایک جذبات سے بھرپور تقریر قریباً پون گھنٹہ ہوئی۔ چندہ کی اپیل، صدر سنتو صاحب کی خواہش پر کی گئی۔ پچاس گلڈر خود بھی وعدہ کیا۔ میرے ہمراہیوں نے بھی چندہ دیا۔ بعد میں سنتو صاحب نے بتایا کہ (سولہ ہزار) ۱۶۰۰۰ گلڈر چندہ ہوا ہے۔

جماعت ہیگ کا جلسہ

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر:

جلسہ کوئی ساڑھے سات بجے شروع ہوا۔ میرے سر میں کبھی کبھی چکر محسوس ہوتا ہے۔ دُعا استغفار دِل میں کرتا رہا۔ کل کی تقریر کا خیال آتا تھا کہ کس قدر اللہ کی تائید شامِل حال تھی۔ آج اپنی حالت کچھ کافی منقبض لگتی ہے۔

صدر نور سردار کی تقریر کے بعد پہلے مجھے ہی تقریر کے لیے کہا گیا۔ اللہ کا نام لے کر کھڑا ہو گیا۔ پھر کیا ہوا۔ میرا دِل اللہ کے حضور سجدہ میں گر رہا ہے۔ جو کچھ بھی ہوا محض اُس کے فضل اور تائید سے ہوا۔ قریباً ایک گھنٹہ یا کچھ منٹ کم متفرق آیات قرآنی کے مضمون کی روشنی میں جماعتِ احمدیہ کا مقام اور کام کے مضمون پر بیان کیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔ اِسی ہال کے ۱۲ نومبر ۱۹۷۸ء کی ایک تاریخی رات کا ذکر بھی آیا جب ۴۵ ہزار گلڈر چندہ جمع ہوا تھا۔ ہال کھچا کھچ بھرا تھا۔ پانچ چھ سو کے قریب لوگ ہوں گے۔ رفیق عبدالرزاق نے تمام اجلاس کی فلم بنائی۔ جس کی کاپی بنا کر دینے کا خیال ہے۔ دیگر تقاریر میں قابلِ ذکر ڈاکٹر زاہد عزیز کی ہے۔

نیدرلینڈ فیڈریشن کی میٹنگ

احمدیہ مرکز ہیگ میں فیڈریشن کی میٹنگ کا انعقاد ہوا۔ نیدرلینڈ کی پانچ جماعتوں کے صدور اور ممبران کے علاوہ تمام مندوبین بھی اس میں شریک ہوئے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے صدارت اور تقریر کے لیے درخواست کی گئی۔ آپ نے صدارت سے معذرت چاہتے ہوئے صرف تقریر کرنے پر رضامندی کا اظہار فرمایا۔

نیدرلینڈ کی جماعتوں کی طرف سے مرکز پر کافی اعتراضات سامنے آئے اور نہایت نا ملائم لہجے اور الفاظ میں مرکز کو نکتہ چینی اور تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی کہ آپ نے اُن کے تمام اعتراضات کا جواب اور مرکز کے مؤقف کی وضاحت بے حد تحمل و بردباری سے کام لیتے ہوئے فرمائی۔ اِس کے بعد آپ پُر امید تھے کہ مرکز اور نیدرلینڈ کی جماعتوں کے تعلقات میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا ہوگی اور یہاں کی جماعتوں کے اندرونی باہمی اختلافات بھی ختم ہو جائیں گے۔

اسکول اور لائبریری کا افتتاح

فیڈریشن کی میٹنگ اختتام پذیر ہوئی تو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے اسکول اور لائبریری کے رسمی افتتاح کی درخواست کی گئی، جو اسی مرکز کی عمارت میں قائم کیے گئے تھے۔ یہ تحریر: ”احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام (ہیگ) سکول و لائبریری“، ایک شیشے کے چوکھٹے کے اندر تھی، جس میں ایک ٹیوب لائٹ نصب تھی۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے دُعا کے ساتھ یہ ٹیوب لائٹ جلا کر اِس کا افتتاح فرمایا۔

جماعت ایمسٹرڈیم کا جلسہ

اُسی شام کو جماعت ایمسٹرڈیم کا جلسہ تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے تقریر فرمائی اور نور سردار صاحب کی درخواست پر ایمسٹرڈیم کے مرکز کے لیے چندہ کی اپیل کی۔ عمارت خریدی جا چکی تھی۔ مگر قرضہ واجب الادا تھا۔ اپیل پر بارہ ہزار گلڈر کی رقم جمع ہوگئی جو ایمسٹرڈیم کی نوعمر جماعت کے لیے بہت حوصلہ افزا تھی۔

برلن کے لیے روانگی سے قبل کے دو ایام آپ نے افرادِ جماعت سے ملاقاتوں اور اُن کے باہمی اختلافات اور شکایات کو رفع کرنے کی سعی میں گذارے۔ آپ نے فریقین کو قرآنی آیت

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ السَّیِّئَۃَ (بدی کو اس (بات) کے ساتھ دور کر جو بہت اچھی ہے)۔ (المؤمنون ۹۶:۲۳) کو مدنظر رکھتے ہوئے نرمی، درگذر اور عمدہ تدابیر سے اپنے معاملات کو سلجھانے اور جماعت کی ترقی میں آگے قدم بڑھانے کی تلقین فرمائی۔ اور اُن سے وعدہ لیا کہ وہ اصلاح کے لیے ایک دوسرے کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھائیں گے۔

برلن جرمنی

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور سلطان علی شاہ صاحب ۱۰ جون ۱۹۸۱ء کو برلن تشریف لائے۔ وفد کے تیسرے ممبر چوہدری فضل حق صاحب دو روز قبل برلن پہنچ چکے تھے۔ برلن میں مرکز کی طرف سے تعینات امام و مبلغ یحییٰ بٹ صاحب کو اِس وفد کا آنا سخت ناگوار گذرا، اور اُن کی طرف سے خاصا سرد مہری کا اظہار ہوا۔ آپ کی آمد کے بعد اُنہوں نے مرکز سے اپنی شکایات، بالخصوص دفتر، کارکنان کی نااہلی اور انتظامی امور میں تساہل کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ اور اِسی نااہلی کو جماعت میں افراد کی کمی اور تنزّل کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے نہایت تحمل سے اُن کی تمام گفتگو سُننے کے بعد جو آپ نے فرمایا، اُس کا آپ کی اپنی تحریر سے اقتباس:

> یہی مایوسیاں آپ لوگ رکھتے اور پھیلاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے انجمن کے حق میں جو عزت اور خیالات آپ کے دِل میں ہیں، اُن کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ جماعت کا تنزّل ہم سے نہیں ہوا بلکہ اُس کی ذمہ داری آپ خود بتائیں کہاں سے، کب سے اور کِس سے شروع ہوتی ہے۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اِس وقت مرکز دارالسلام میں زندگی کے نمایاں آثار ہیں۔ نمازیں، درس، مقامی جماعت کی کوششیں، سالِ گذشتہ کامیاب پندرہ روزہ تربیتی کورس، لاہور کے علاوہ پشاور اور سرحد کے بعض دیگر مقامات میں زندگی کی نئی روح، دارالسلام کے جمعہ، عیدین اور روزانہ نمازوں میں حاضری کی تعداد، گذشتہ جلسہ سالانہ کی

کامیابی، (نمایاں) چندہ کی مقدار، بیرونی ممالک کی جماعتوں کی حالت، (ہالینڈ میں خود دیکھ کر آئے ہیں)۔ اُوترخت میں جس فساد کا مبداء ظاہر ہو رہا تھا، اور آپ اُس سے واقف ہیں۔ اِس کے بعد ہیگ، روٹرڈیم، ایمسٹرڈیم وغیرہ میں جو کامیاب ترین مظاہرے ہوئے، اُس سے اُوترخت میں میرا میٹنگ کے لیے جانا اور اُس کا نتیجہ انشاءاللہ بہت جلد آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ ہر جماعت کا اور اُوترخت کا بھی مرکز کی وفاداری کی یقین دہانی، جلسہ سالانہ لاہور ۱۹۸۰ء میں جملہ مندوبین کے شکوک اور بدگمانیوں کا (جو پھیلائی گئی تھیں) قطعی ازالہ اور اُس کے بعد مرکز سے مضبوط رشتوں کا ظہور، یہ سب زندگی کے آثار ہیں۔ ہم اللہ سے پُرامید ہیں۔ یہ سب باتیں سُن کر کچھ ندامت اُن کے چہرے سے نظر آئی اور خاموش ہو گئے۔

برلن مسجد میں نماز

مسجد میں مرمت کا کام ہو رہا تھا، اور حالت زیادہ درست نہ تھی۔ لیکن ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا قیام جتنے روز تک وہاں رہا آپ نے نماز مسجد میں ادا کرنے کو ترجیح دی۔ بعض نمازوں میں وہاں پر موجود دیگر مہمان بھی شرکت فرماتے تھے۔ نماز عموماً آپ اور سلطان علی شاہ صاحب باجماعت مسجد میں ادا فرماتے۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

> سلطان علی شاہ صاحب نے مجھے آواز دی کہ پونے چار ہو گئے ہیں۔ اُٹھا اور نماز باجماعت ادا کی۔ کل شام بھی، پرسوں شام کی طرح مسجد میں، باوجود اِس کے غلیظ حالات میں ہونے کے نماز باجماعت ادا کی تو عجیب روحانی کیفیت میسر آئی۔ الحمدللہ۔

نماز جمعہ میں بشمول ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے چھ مہمان، امام یحییٰ بٹ صاحب، ایک ترک اور ایک سیاہ فام شخص شامِل ہوئے۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو چند دیگر افراد وہاں آئے جنہوں نے الگ الگ اپنے اپنے طریق پر نماز ادا کی۔ نماز جمعہ مسجد کی بجائے رہائش گاہ کے ڈرائنگ روم میں ہوئی تھی۔

انتظام خورد ونوش

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، شاہ صاحب اور چوہدری فضل حق صاحب کے افرادِ خانہ کے لیے بیگم فضل حق صاحبہ خود کھانا پکاتی تھیں۔ باہم مشورہ سے یہ طے پایا تھا کہ خرچ اخراجات مِل کر ادا کیے جائیں مگر بعد میں آپ کے اصرار کے باوجود، چوہدری صاحب نے آپ کے حصے کا خرچ آپ سے لینے سے انکار کر دیا۔

حسابات اور سٹاک کتب کا جائزہ

مرکز کی ہدایات کے مطابق، سید سلطان علی شاہ صاحب نے کئی گھنٹے صرف کر کے تمام حسابات اور سٹاک کی پڑتال کی۔ محترم شاہ صاحب نے اپنی رپورٹ اور چوہدری فضل حق صاحب نے بھی اپنے مشاہدات مرکز میں تحریری طور پر پیش کر دیئے تھے۔

برلن مسجد اور ترک مسلمانوں کا معاملہ

نمائندگان وفد کی برلن سے روانگی سے ایک روز قبل امام برلن یحییٰ بٹ صاحب نے ایک ایسے امر کا انکشاف کیا جو آپ سب کے لیے حیران کن اور باعثِ تشویش تھا۔ بٹ صاحب نے اطلاعاً بتایا کہ برلن میں آباد، ترک مسلمانوں نے اُن سے یہ درخواست کی تھی کہ اِس علاقے کے ترک بچوں کو وہ ناظرہ قرآن، مسجد میں پڑھائیں، جس کے لیے وہ رضامند ہو گئے۔ اس کے علاوہ وہ لوگ

چاہتے تھے کہ جمعہ کی نماز بھی اِسی مسجد میں پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ بٹ صاحب نے اِس پر مسجد کو گرم کرنے کے اخراجات اور ٹائلٹس (toilets) کی کمی جیسی دشواریوں کا ذکر کیا، تو ترکوں کے نمائندے یہ اخراجات بھی اُٹھانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اور ترک سفارت خانے کا ایک نمائندہ بمع ایک ماہرِ تعمیرات کے یہاں آ کر ٹائلٹس کے لیے جگہ بھی منتخب کر چکا تھا۔ اور اس تمام کام کے لیے وہ اپنی رضامندی بھی دے چکے تھے۔ اس کے علاوہ امام محترم نے یہ بھی کہا کہ ویسے تو ترک لوگ اُنہیں اپنا امام ماننے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے مگر یہ لوگ انگریزی یا جرمن زبان نہیں جانتے۔ اِس لیے اُن کا اپنا خطیب ساتھ آئے گا اور خطبہ دیا کرے گا۔ مسجد کی مرمت کے کام میں تاخیر کی وجہ سے اِس پر ابھی تک عملدرآمد نہیں ہو سکا تھا۔ ورنہ اب تک یہ سلسلہ شروع ہو چکا ہوتا۔

یہ اطلاع سب کے لیے بہت تشویش ناک تھی کہ اِس قدر اہم معاملہ مرکز کی اجازت اور اطلاع کے بغیر کیسے طے کیا جا سکتا تھا اور اِس اقدام میں جو خطرات مضمر ہیں، اُنہیں کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ مسجد میں، اس طرح ترکوں کو لا بٹھانا، مسجد کو اپنے ہاتھوں اُن کے حوالے کرنے کے مترادف ہوگا۔ اِس پر بٹ صاحب نے کہا کہ یہ معاملہ یہیں ختم کیا جا سکتا ہے۔ وہ اُنہیں بتا دیں گے کہ اجازت نہیں ملی، کیونکہ ابھی تک معاہدہ ضبطِ تحریر میں نہیں لایا گیا تھا۔ مگر اُن کی اپنی سوچ یہی تھی کہ یہ قابلِ اعتراض بات نہیں اور اِس بات پر اِصرار کر رہے تھے کہ مرکز کو اجازت دے دینی چاہئے تاکہ مسجد آباد ہو جائے۔ یہ تمام گفتگو سُننے کے بعد ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے فرمایا:

> ہمارے ہاتھوں سے مسجد کے چلے جانے کا یہ آسان راستہ ہے۔ آپ بہت اچھے احمدی ہیں۔ لیکن یہ صورت ذرا دیکھیں۔ ترکی مسلمانوں کا آپ کے زیرِ سایہ قبضہ اور تصرف مسجد پر ہو جائے؟ مسجدوں کا نمازیوں سے بھر لینا ابھی ہمارے نصیب میں نہیں۔ شاید آنے والی نسلوں کو یہ بات نصیب ہو۔ ہمارے ملک میں بھی ہماری اکثر مساجد میں اکا دُکا ہی نمازی ہوتے ہیں لیکن ان پر قبضہ ہم حتی

الوسع ہر طریق پر قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ یہاں بھی خالی پڑی رہے۔لیکن غیروں کو، جو ہمیں مسلمان نہیں سمجھتے، اِس پر یوں بیٹھے بٹھائے قبضہ دے دینا، یہ کیسے گوارا ہوسکتا ہے۔ بہرحال یہ بات انجمن میں پیش کی جائے گی۔ واللّٰہُ خَیْرُ حَافِظاً۔

مسجد کے باہر نام کی تختی لگانے کی تجویز

مسجد کے باہر صرف ایک تانبے کی پلیٹ پر جرمن زبان میں یہ تحریر تھی:

یہ مسجد احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے تعمیر کرائی ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۷ء۔

اس کے علاوہ کوئی ایسی تختی نہیں لگائی گئی تھی جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ مسجد احمدیہ جماعت کی ملکیت ہے۔ چنانچہ مرکزی وفد نے یہ تجویز کیا کہ مسجد کے گیٹ کے باہر ایک بڑی تختی انجمن کے نام کی لگائی جائے، جس پر وہاں سے گذرنے والوں کی نگاہ پڑے، اور سڑک کے دونوں اطراف سے نظر آئے۔ بٹ صاحب کے اِس پر کچھ تحفظات تھے، کہ اگر دوسرے مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ احمدیوں کی مسجد ہے تو فساد کھڑا کر دیں گے۔ یہ سُن کر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

> ہم تو چاہتے ہیں کہ بڑا بورڈ لگے۔ یہ ملک پاکستان نہیں اور مسلمان یہاں صرف مہاجر، مسافر ہیں، شرارت کر سکتے ہیں۔لیکن گورنمنٹ اِس قلیل اقلیت کے آگے جُھک نہیں سکتی۔ اِس پر اتفاق کیا کہ یہ بات دُرست ہے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے مقدور بھر سعی فرمائی کہ برلن کے تمام معاملات سلجھ جائیں۔ امام برلن کی شکایات دور کرنے اور اُن کی حوصلہ افزائی کی بھی کوشش فرمائی۔ اور یہ بھی وعدہ فرمایا کہ اُن کے واجبات کی ادائیگی اور دوسری تمام مشکلات دور کرنے کے لیے وہ انجمن میں معاملہ

پیش کریں گے اور اپنی طرف سے پورا تعاون فرمائیں گے۔ بٹ صاحب نے کہا کہ انجمن واجبات ادا کر دے تو اُن کا اور کوئی جھگڑا انجمن سے نہیں۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے تاثرات

جرمنی کے اِس چندروزہ دورے کے مجموعی تاثرات کا خلاصہ آپ کی تحریر سے:

برلن کی رپورٹ مفصل لکھنے کی سعی کی گئی ہے۔ بعض تاثرات خوشگوار نہیں۔ بٹ صاحب کو ہمارے آنے سے خوشی نہیں ہوئی۔ بہرحال ہمارا آنا فائدہ سے خالی نہیں رہا۔ بہت سے معاملات کے متعلق کچھ نہ کچھ روشنی حاصل ہوگئی ہے اور مسجد کو ترکوں کے حوالے کرنے کا اندیشہ سامنے آ گیا ہے۔ یہ بٹ صاحب کی مہربانی ہے کہ آخری وقت میں اُنہوں نے ہمیں آگاہ کر دیا ہے، اور آتے وقت میرے ردِعمل کے جواب میں کہا ہے کہ معمولی بات ہے۔ وہ جن لوگوں کو اُمیدیں دلا چکے ہیں، اُن سے کہہ دیں گے کہ انجمن کے نائب صدر نے اجازت نہیں دی۔ اب یہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ہے کہ ہمارے کھانے پینے کا معقول انتظام فضل حق صاحب اور اُن کے بیوی بچوں نے اپنے ساتھ کر دیا اور جب میں نے اُنہیں اخراجات میں حصہ دینے کے لیے تقاضا کیا، تو اُن کے اصرار کے سامنے مجھے ہی جُھکنا پڑا۔ اللہ اُنہیں جزائے خیر دے۔ برلن کا دورہ (visit) مفید کہا جا سکتا ہے، کامیاب نہیں کہہ سکتے۔ حوالہ بخدا۔

انگلستان

محترم محمد انور صاحب بمع اپنی بیگم صاحبہ ارجمند بانو کے چند ماہ قبل لندن پہنچ چکے تھے اور اپنے فرائضِ منصبی بطور امام جماعت انگلستان سنبھال چکے تھے۔ وہ ایک کرائے کے مکان میں رہائش رکھتے تھے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اُن کے ساتھ قیام فرمایا۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

جمیلہ اور فیض مجھے انور کے مسکن پر لے آئے۔ یہاں پہنچ کر عجیب منظر دیکھا۔ نہایت صاف سُتھرا، روشن، ہوادار گھر۔ اِس میں بانو اور انور کا کمرہ، صاف ستھرا پرسکون مقام۔غسل خانے (toilets) نہایت صاف اور موزوں موقعہ پر۔ باورچی خانہ چھوٹا سا مگر اتنا عمدہ کہ تین چار آدمی میز پر بیٹھ کر کھانا بھی کھا سکتے ہیں۔ انور کے کمرے کے سامنے والا خاصہ بڑا کمرہ،فرنیچر، غالیچے اور دو پلنگ، مالک مکان نے انور کے کہنے اور غائبانہ تعارف پر میرے لیے خالی کر کے دے رکھا تھا۔ اللہ کا شکر ہے،شکر کے لیے الفاظ نہیں پاتا۔عجیب طرح سے انور کو اتفاقی طور پر اپنی تلاش کے دوران یہ مکان اور شریف مالک مکان ملے ہیں۔ بہرحال ہر طرح کا آرام ہے اور یہ لوگ خدمت گذاری میں دِن رات دست بستہ کھڑے ہیں۔ جزاھم للّٰہ۔

لندن میں مصروفیات

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا لندن کا قیام مختصر تھا۔ اِن چند روز میں، نماز جمعہ کے لیے ’احمدیہ ہاؤس‘ تشریف لے جانے، بینک سے متعلق کاموں کی انجام دہی اور انفرادی ملاقاتوں کے علاوہ مقامی جماعت کے ساتھ دو اہم میٹنگز میں بھی شریک ہوئے۔ پہلی میٹنگ محمد انور صاحب کی رہائش گاہ پر اور دوسری جمیلہ خان صاحبہ کی قیام گاہ پر ہوئی۔ ان میٹنگز میں دیگر معاملات کے علاوہ سب سے اہم مسئلہ جو زیرِ غور رہا، وہ احمدیہ مرکز کے لیے مناسب جگہ کی خریداری کا تھا۔ اس سے قبل، مرکز کو یہ تجویز بھیجی جا چکی تھی، کہ شاہد عزیز اپنا مکان فروخت کر کے مرکزی انجمن یا مقامی جماعت کے ساتھ شراکت سے ایک مکان خرید لیں۔ مرکز نے اِس تجویز کو منظور نہ کیا تھا۔ اب دوبارہ یہی تجویز ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے روبرو پیش ہوئی۔ اس پر آپ کی ذاتی رائے یہی تھی کہ اِس امر میں کچھ ایسے مضمرات ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور اس طرح کا قدم اُٹھانا پیچیدگیوں کے

امکان سے خالی نہ ہو گا۔ مکان کی خریداری کے سلسلے میں کچھ قانونی نکات پر بھی غور کیا گیا، جو ممکنہ حد تک رکاوٹ بن سکتے تھے۔ بعض ممبران کی شدید خواہش تھی کہ مکان جلد از جلد خرید لیا جائے، کیونکہ کسی فرد کی کہی ہوئی یہ بات کہ انگلستان میں جماعت بن ہی نہیں سکتی پوری جماعت کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ اس کا تدارک ہونا بہت اہم ہے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی رائے اِس کے برعکس تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ اس معاملہ میں مزید غور و فکر کیا جائے، اور آخری فیصلہ کرنے سے پہلے ہر پہلو پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ آپ نے تمام ممبران کو تاکید کی کہ لندن کے اچھے مرکزی علاقے میں کوئی اچھا مکان تلاش کریں، اور جلد بازی میں رقم کی کمی کے پیشِ نظر کوئی خستہ حال عمارت خرید کر ماضی کی غلطیوں کو دُہرانے سے گریز کریں۔ آپ پُر امید تھے کہ اللہ تعالیٰ اِس مرکز کے لیے جماعت کے اموال میں ضرور کشائش پیدا فرمائے گا۔

مرکز انگلستان کے لیے پاکستان سے عطیہ

پاکستان میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے ارشاد پر کچھ عزیزوں نے لندن مرکز کے لیے ایک رقم فراہم کی تھی، جو محترمہ زبیدہ محمد احمد صاحبہ انگلستان آتے ہوئے اپنے ہمراہ لے آئیں اور یہاں کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کروا دی۔ کل رقم تین ہزار تین سو چھہتر پونڈ (۳۳۷۶) سے کچھ زائد تھی۔

سفر کا دوسرا مرحلہ۔ امریکہ، کینیڈا اور میکسیکو

واشنگٹن ڈی سی

اپنے سفر کے اِس دوسرے مرحلے میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی پہلی منزل واشنگٹن ڈی سی میں، آپ کے نواسے شاہد احمد اور اُن کی اہلیہ سینڈی نے آپ کا پر تپاک استقبال کیا۔ آپ کی صاحبزادی زبیدہ محمد احمد اور نواسا طارق احمد بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

واشنگٹن میں آپ کا قیام ۲۸ جون سے ۵ جولائی تک رہا۔شاہد احمد اور سینڈی نے بطریق احسن حقِ میزبانی ادا کیا۔آپ شاہد کے خوشگوار گھریلو ماحول اور اُن کی بیوی کی اعلیٰ اخلاقی اقدار، نیک طبعی اور خوش اطواری سے بہت مطمئن اور خوش ہوئے۔دوسرے عزیزوں اور احبابِ جماعت سے ملاقاتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔آپ کی نواسی امینہ، اُن کے شوہر زعیم بمع اپنے والدین چوہدری فضل حق و بیگم فضل حق صاحبہ کے فلیڈیلفیا سے آئے اور آپ کے ساتھ وقت گذارا۔

احباب سے فون پر مسلسل رابطہ قائم رہتا تھا اور مستقبل کے پروگرام طے کیے گئے۔ بالخصوص ظفر عبداللہ، ڈاکٹر نعمان الٰہی، ڈاکٹر محمد احمد صاحب سے جماعتِ احمدیہ کے جلسہ اور تراجمِ قرآن و کتب سے متعلق پروگرام طے پائے۔زبیدہ محمد احمد صاحبہ اور طارق احمد کے ساتھ آپ نے واشنگٹن کی قابلِ دید عمارات اور سیر گاہیں دیکھیں اور اس کے ساتھ ساتھ عبادات اور امورِ جماعت بھی توجہ کا مرکز رہے۔نمازِ جمعہ اور دیگر نمازیں باجماعت ادا ہوتی رہیں۔ ۴ جولائی کی شام کو امریکہ کے یومِ آزادی کی خصوصی تقریبِ آتش بازی کا مظاہرہ دیکھنے جانے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔آپ کو احساس ہوا کہ یہ تضیع اوقات ہوگا۔اِس وقت کا بہتر مصرف عبادات اور جماعتی کام ہوں گے۔اس لیے یہ ارادہ ترک فرما دیا۔آپ کی ڈائری سے اقتباس:

> شام کو ۴ جولائی، امریکہ کے یومِ آزادی کی ایک تقریب آتش بازی کی نمائش ہوتی ہے، جو بہت مشہور ہے۔سب اُسے دیکھنے جا رہے ہیں۔میرا بھی کچھ پروگرام تھا۔خیال آیا کہ بجائے تماشا کے لیے جانے کے آرام اور کچھ یادِ الٰہی کر لینا بہتر ہوگا اور الفاظ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۞۔(جو لغو سے منہ پھیرنے والے ہیں)۔(المؤمنون ۲۳:۴)۔بار بار دِل میں گذرتے تھے اور ہمت کر کے فیصلہ کیا کہ بجائے یہ تماشا دیکھنے جانے کے، نماز و تلاوت و آرام اور کچھ کام جس میں نیکی ہو بہتر ہوگا۔الحمدللہ، یہ فیصلہ کر ہی لیا اور میں نہ گیا۔دِل کو

ٹھنڈک اور جسم کو آرام ملا۔

اوکلوہوما

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے چھوٹے فرزند زاہد سعید تقریباً دو سال کی مسلسل جدوجہد اور کٹھن مراحل سے گذرنے کے بعد اب اوکلوہوما میں ایک باعزت ملازمت حاصل کر چکے تھے اور ای سی ایف ایم جی (ECFMG) کے امتحان کی تیاری کرنے میں مصروف تھے۔ ۵ جون کو آپ اُن سے ملاقات کی غرض سے اوکلوہوما پہنچے تو ایئر پورٹ پر زاہد سعید آپ کے منتظر تھے۔ اُن کا ایک دوست مسٹر بھٹی آپ کی آمد اور زاہد کے استقبال اور ملاقات کی فلم بندی کے لیے کیمرہ لیے تیار کھڑا تھا۔ زاہد اپنے ایک مہربان دوست نوید چوہدری کے ساتھ رہائش رکھتے تھے، اور مِل جُل کر، سادہ رہن سہن کے ساتھ اچھا گذر اوقات ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر:

> زاہد کی جملہ مشکلات اللہ تعالیٰ رفع فرمائے۔ اور اسے ای سی ایف ایم جی کے امتحان میں کامیاب کرے اور اُس کا حافظ و ناصر ہو۔ یہاں آ کر بڑا ہی قلبی سکون ملا اور ایسی سکون کی نیند آئی کہ پانچ گھنٹے تک سوتا رہا۔ جب جاگا تو رات ہو گئی تھی اور وقت کا اندازہ نہ رہا۔

کولمبس

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ۷ جولائی کو کولمبس پہنچ کر ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک صاحب کی عمدہ رہائش گاہ پر قیام پذیر ہوئے۔ ڈاکٹر نعمان الٰہی کے والد محترم اعجاز الٰہی ملک صاحب، والدہ محترمہ ناصرہ ملک صاحبہ، میاں فضل احمد صاحب اور محترمہ طاہرہ فضل احمد صاحبہ بھی اُنہی کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ اِن تمام لوگوں کے ساتھ آپ کو باجماعت نمازوں کی ادائیگی میں ایک خاص راحت نصیب ہوئی۔ بالخصوص ماہِ رمضان کی وجہ سے یہ ایام خاص بابرکت تھے۔ آپ کی تحریر:

ماہِ رمضان تھا۔ اِن تمام نیک لوگوں کے ساتھ جن میں اکثریت روزہ داروں کی تھی، باجماعت نمازیں، تہجد، جمعہ کی نماز اور دینی کام کی توفیق نصیب ہونا۔ کولمبس کے یہ پانچ روز خاص دِن تھے۔

مترجمین سے ملاقات

تراجم کے کام کے سلسلہ میں، ڈاکٹر نعمان الٰہی صاحب نے چند مترجمین سے بات چیت کا آغاز کر رکھا تھا اور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی آمد کے پروگرام کے مطابق اُنہیں انٹرویو کے لیے وقت دیا تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور میاں فضل احمد صاحب نے چینی، روسی اور جاپانی مترجمین کو انٹرویو کیا۔ ایک روسی مترجم بطورِ خاص نیویارک سے تشریف لائے تھے۔ اِن کے علاوہ ایک دوسرے پروفیسر اور ایک خاتون بھی تشریف لائیں۔ دونوں مرد مترجمین اسلام کے متعلق کوئی بھی معلومات نہ رکھتے تھے اور اُجرت کا مطالبہ بھی زیادہ تھا۔ اُن کے مقابلے میں ایک خاتون روسی مترجمہ کو آپ نے محنتی اور ذہین پایا۔ وہ چار سال سے قرآن کا مطالعہ کر رہی تھیں۔ البتہ اُن کا تراجم کے کام کا تجربہ زیادہ وسیع نہ تھا۔ فیصلہ ہوا کہ تجرباتی طور پر اور نمونے کے لیے "ٹیچنگز آف اسلام" کے چند صفحات کا ترجمہ اُن سے کروایا جائے۔

لندن مرکز سے متعلق گفتگو

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے فرداً فرداً ڈاکٹر نعمان الٰہی صاحب اور ڈاکٹر عبداللہ جان صاحب سے لندن مرکز کے حصول اور اُس کے لیے رقم کی فراہمی کے متعلق گفتگو فرمائی۔ دونوں کی طرف سے جذبہ، عزم اور تعاون کا بھرپور اظہار ہوا۔ آپ نے اِس امر پر دونوں کو متفق پایا کہ اس وقت انجمن اشاعتِ اسلام (لاہور) یوکے کے مرکز کا قیام ہر دوسرے کام پر اولیت رکھتا ہے۔ اور اس کے لیے اپنے بھرپور تعاون کا وعدہ کیا۔

لاس اینجلس

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی اگلی منزل سان فرانسسکو تھی جو جماعت یو ایس اے کا مرکز ہے۔ اِس سفر کے دوران آپ دو دِن کے لیے لاس اینجلس میں رُکے۔ آپ کی نواسی زاہدہ کے ساتھ اُن کے والدین عائشہ اور عبدالرحمان بیگ بھی اُن ایام میں وہاں قیام فرما تھے۔ زاہدہ اپنی دیرینہ روایت کو قائم رکھتے ہوئے ہر طرح سے آپ کی تواضع اور خاطر داری میں مصروف رہیں اور خاص طور پر بے حد اصرار سے آپ کو ڈزنی لینڈ کی سیر کے لیے بھی لے گئیں۔

سان فرانسسکو

۱۵ جولائی ۱۹۸۱ء کو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا سان فرانسسکو میں ورود ہوا، جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (یو ایس اے) کا مرکز ہے۔ سان فرانسسکو ایئرپورٹ پر جو روح پرور نظارہ آپ کی آنکھوں نے دیکھا، وہ وہاں پر موجود بچوں کا آپ سے والہانہ محبت کا جذبہ تھا۔ وہ آپ کی ایک جھلک دیکھ کر خوشی سے اُچھل رہے تھے۔ آپ کا بریف کیس اُٹھانا اُن کے لیے بڑی خوشی تھی، جس کے لیے اُن کا آپس میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ ہر بچے کی خواہش تھی کہ یہ خدمت اُس کے حصے میں آئے۔ خلوص و محبت کے اِس منظر نے آپ کے دِل میں ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی اور اِن بچوں کی صورت میں احمدیت کا مستقبل روشن نظر آنے لگا۔ بچوں سے وابستہ آپ کے ان خیالات کو مزید تقویت اُس وقت ملی جب اُسی شام آپ مسعود اختر صاحب کے یہاں تشریف لے گئے۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

> مسعود اختر کے گھر گئے۔ اُن کی بیوی قدسیہ سے دِن کو ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ عشاء کی نماز اُن کے یہاں پڑھی۔ اُن کے بچے اب بڑے ہو گئے ہیں۔ بڑا بچہ عاصم، اچھا خاصا مؤذن بن گیا ہے۔ سب سے چھوٹا بلال بھی سیانا ہو گیا

ہے۔ رُخصت کے وقت مجھ سے کہنے لگا: ”آپ ہمارے گھر رات، کب رہیں گے؟“ اُس کی معصوم آواز میں کس قدر تڑپ و دلی محبت کی چاشنی تھی۔ مخلص لوگوں کی مخلص اولاد ہے۔ اے اللہ! انہیں اپنی برکتیں نصیب کرنا۔

جماعت میں اختلاف

سان فرانسسکو پہنچنے سے قبل آپ کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہاں جماعت میں اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، جس کی بنیاد انتظامی امور تھے۔ فجی سے آ کر یہاں آباد ہونے والے احمدی تعداد میں زیادہ تھے، اور وہ انتظامی امور میں بالادستی کے خواہاں تھے اور دوسرے احمدیوں کی اس میں شمولیت نہ چاہتے تھے۔ اِس لیے اُنہوں نے اپنا ایک الگ گروپ یا جماعت بنالی تھی، اور اوک لینڈ کا احمدیہ مرکز بھی اُن ہی کے زیرِ استعمال تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، اِن کے صدر کو خط لکھ کر اپنی آمد کی اطلاع دے چکے تھے۔ اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔ مگر اُن کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا تھا۔ آپ کی یہ خواہش تھی کہ غلط فہمیاں دور ہو جائیں اور دونوں فریق ایک جماعت کے طور پر کام کریں۔ مگر بظاہر حالات ناموافق ہی نظر آتے تھے۔

مترجمین سے ملاقات

سان فرانسسکو میں، ظفر عبداللہ صاحب نے بھی روسی، فرانسیسی اور چینی مترجمین سے ابتدائی گفتگو کے بعد ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے ساتھ اُن کی ملاقات اور انٹرویو کے لیے وقت مقرر کر رکھا تھا۔ تینوں مترجمین سے الگ الگ ملاقات اور بات چیت ہوئی، مگر کوئی حتمی فیصلہ فی الفور نہیں ہو سکا تھا کہ کام کس سے کروایا جائے گا۔

وینکوور، کینیڈا

کینیڈا کے صوبہ برٹش کولمبیا کے شہر وینکوور میں کئی احمدی خاندان آباد تھے، جن کا بنیادی طور پر فجی سے تعلق تھا۔ ایک سال قبل یہاں باقاعدہ جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (کینیڈا) کے نام سے رجسٹر ہو چکی تھی۔ حافظ شیر محمد صاحب اور فجی کے شوکت علی صاحب نے آپ سے اِس خواہش کا پرزور اظہار کیا تھا کہ آپ وہاں ضرور تشریف لے جائیں۔ اِس سے اس جماعت کی حوصلہ افزائی ہوگی اور یہ جماعتِ احمدیہ کیلیے تقویت اور افادیت کا موجب بھی ہوگا۔

وینکوور سے، وہاں کے ایک فعال رُکن یُس ساہو خان صاحب نے بحیثیت نمائندہ جماعت آپ کو کئی بار فون کیا اور بے حد اصرار کیا کہ آپ وہاں تشریف لائیں۔ آپ نے اپنی ناساز طبعیت کے باوجود بھی اُنہیں مایوس نہ کرنا چاہا اور جانے کا پروگرام برقرار رکھا۔ آپ کی تحریر:

> وینکوور کا پروگرام سامنے ہے۔ ابھی ارادہ اللہ کے بھروسے پر قائم ہے۔ اللہ مجھے ناکامی اور نامرادی سے بچائے اور میرا زیرِ تجویز سفر میرے لیے آسان اور مبارک اور سلسلہ کے لیے نہایت بابرکت بنائے۔ اور میرا یہ عمل اپنی جناب میں قبول فرمائے۔ یُس ساہو خان کی تاکید، اور اُس کے بیوی بچوں کی خواہش، جس کا اظہار ٹیلی فون پر کیا اور فجی کے شوکت علی اور حافظ صاحب کی تاکید، ایسی باتیں ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ دورہ ہو ہی جائے۔ اللہ اِسے آسان کر سکتا ہے اور بابرکت بھی۔

۲۰ جولائی کو آپ وینکوور پہنچے یہاں آپ کے میزبان یُس ساہو خان تھے، اور اُنہی کی رہائش گاہ پر جماعت کی میٹنگ اور اجتماعات کا بھی انتظام تھا۔

میٹنگ اور جلسہ کا پروگرام

احباب جماعت کینیڈا سے میٹنگ اور مختصر جلسہ ہفتہ کی شام کو ہوا، جس میں افطاری کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ جلسہ میں بشمول چند غیر از جماعت دوستوں کے، حاضرین کی تعداد پچاس کے لگ بھگ تھی۔ اِن تمام افراد کے لیے افطاری کی تیاری مسز یُس اور اُن کی والدہ اور بھابھی نے کی تھی۔ مسز یُس اٹھارہ برس کی عمر میں اسلام کے آغوش میں آ گئی تھیں مگر اُن کے خاندان کے لوگ عیسائی ہونے کے باوجود متعصب نہ تھے اور ہر طرح سے بیٹی کا ساتھ دیتے تھے اور اُن کی جماعتی سرگرمیوں میں بخوشی شامِل ہوتے تھے۔

جلسہ کی کاروائی کا آغاز تلاوتِ کلام پاک اور مقامی صدر کی تعارفی مختصر تقریر سے ہوا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے تقریباً ایک گھنٹہ کی مؤثر تقریر فرمائی۔ افطاری اور نمازِ مغرب کی ادائیگی کے بعد ایک بے تکلف ماحول میں دوستوں سے گفتگو اور تبادلۂ خیال ہوا۔

مجلس انتظامیہ سے میٹنگ

عام مجلس برخاست ہوئی تو انتظامیہ کے ممبران ایک کمرے میں جمع ہو گئے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اُن کی سعی اور کوششوں کو سراہتے ہوئے، اُنہیں مزید عزم کے ساتھ ترقی کرنے کا حوصلہ دلایا۔ اور چندہ ماہوار، مالی اور وقت کی قربانیوں کی طرف توجہ دلائی۔ دورانِ گفتگو لندن مرکز کا بھی ذکر آیا، تو ممبرانِ انتظامیہ نے اپنے مرکز کی ضرورت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ابھی اُن کے حالات اجازت نہیں دیتے کہ لندن مرکز کے لیے چندہ کی کوئی تحریک کر سکیں۔

دورۂ وینکوور سے متعلق ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے تاثرات

آپ کی تحریر سے اقتباس:

ممبرانِ جماعت سے مختلف مسائل اور موضوعات پر بہت طویل باتیں ہوئیں۔
یہ مجلس خدا کرے، کینیڈا میں ہماری تحریک کے لیے ایک تاریخی مجلس ثابت ہو۔
آمین۔

آپ مزید تحریر فرماتے ہیں:

آج اِس خوشگوار سفر سے واپسی کی تیاری ہے۔ لِیس اور اُس کی بیوی ہمہ تن مجسم عقیدت بنے ہوئے ہیں۔ تھوڑے وقت میں بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ گہرا اثر اُن کی طبیعتوں پر ہوا ہے۔ بچے اور لِیس کے ماموں اپنی جگہ پر محبت کے مجسمے بنے ہوئے ہیں۔ میرے کمرے میں ایک قمیض، ایک ٹائی، ایک جوڑا جراب اور ایک رومال رکھا ہوا ہے اور دینے پر اس قدر اصرار ہے کہ انکار کی گنجائش نہیں۔ اور پھر آخر میں پچاس یو ایس ڈالر (US $50) مسز لِیس لے آئی ہے اور دینے پر مصر ہے۔ انکار کیا تو رنجش محسوس کی، تو میں نے کہا کہ لندن مشن کا چندہ کر کے لیتا ہوں اور یہ پہلا چندہ ہوگا، تو خوش ہوگئی۔

سان فرانسسکو

اب سان فرانسسکو میں جلسہ پر آنے والوں کی آمد آمد تھی۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے لیے ظفر عبداللہ کے دفتر میں قیام کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ جس کمرے میں وہ پہلے ٹھہرے ہوئے تھے، اب وہ میاں فضل احمد صاحب اور بیگم صاحبہ کے لیے تیار کر دیا گیا تھا۔ آپ نے اپنی ضرورت کے مطابق دفتر کے سامان میں معمولی رد و بدل سے اپنے لیے خود ہی آرام دِہ بنا لیا تھا۔ کچھ مہمان عبدالستار صاحب کی رہائش گاہ پر ٹھہرائے گئے۔ ظفر عبداللہ کے گھر پر ٹھہرنے والوں میں زبیدہ محمد احمد، طارق احمد اور زاہد سعید بھی شامل تھے۔

جمعتہ الوداع

میاں فضل احمد صاحب نے اپنی تشریف آوری کے بعد ایک مرتبہ اپنے طور پر، ممبران فجی گروپ سے رابطہ کیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ احمدیہ مرکز میں تمام جماعت اکٹھے جمعتہ الوداع کی نماز ادا کرے۔ اُنہوں نے مشورہ کے بعد فون پر اطلاع دینے کا وعدہ کیا۔ مگر وہ وعدہ پورا نہ ہوا۔ میاں صاحب کا اور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا خیال تھا کہ اگر فجی والے مان جائیں گے تو آپ دوسرے افراد کو راضی کر لیں گے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا اور جمعتہ الوداع کے اجتماع کے لیے کمیونٹی سنٹر کا ہال کرائے پر حاصل کر لیا گیا۔ جہاں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی اقتداء میں نمازِ جمعہ ادا ہوئی۔

عید الفطر اور جلسہ

کمیونٹی سنٹر کا بڑا ہال دِن بھر کے لیے کرائے پر حاصل کر لیا گیا تھا۔ جہاں صبح کے اوقات میں نمازِ عید الفطر اور شام کے جلسہ کا انعقاد ہونا تھا۔ احمدیہ انجمن یو ایس اے کے ارکان نے اِس جلسہ کی کافی تشہیر کر رکھی تھی۔ بالخصوص ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی آمد اور خطاب کے حوالے سے دعوتی خطوط اور عید کارڈ جاری کیے گئے تھے۔ آپ کے تاثرات:

> دعوت ناموں اور عید کارڈوں میں میری آمد اور میرے پروگراموں کو شہرت دی گئی ہے۔ اِس سے مجھے شرم محسوس ہو رہی ہے۔ یا اللہ! میرے محب اور دوست جو مجھے خیال کرتے ہیں اور مجھ سے اُن کی جو توقعات وابستہ ہیں، اُس سے بڑھ کر مجھے اپنے خصوصی فضل اور تائید غیبی سے نوازتے رہیں۔

عید الفطر کی صبح کو تمام مہمانوں کو ہال میں پہنچایا گیا۔ ظفر عبداللہ صاحب لوگوں کا استقبال کر رہے تھے۔ مہمانوں میں کچھ غیر از جماعت افراد، اخباری نمائندے اور محکمہ تعلیم کی ایک نمائندہ خاتون بھی شامل تھیں۔

نمازِ عید پر آپ کے تاثرات، آپ کی تحریر سے اقتباس:

کافی بڑا ہال کمیونٹی سنٹر کا ہے۔ دو صفیں مردوں کی اور دو خواتین کی ہوئیں۔ میں نے طریق نماز انگریزی میں وضاحت سے بتایا اور نماز شروع کی۔ مائیکروفون کا سسٹم تسلی بخش تھا۔ اُس ہال اور اُس ماحول و وطن میں، جو روحانی لطف و کیفیت تکبیروں اور قرأت میں آئی وہ شاید مدتوں تک یاد رہے۔ غیر معمولی اثر اپنے دِل پر تھا۔ دوسروں کا حال اُن کے دِل جانتے ہوں گے۔ کسی قسم کی غلطی نہیں ہوئی۔ سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ پڑھیں۔ پھر خطبہ دیا۔ زیادہ تر پڑھا گیا۔ جو توفیق ملی وہ بھی محض رحمتِ الٰہی کا ایک چشمہ تھا، جس نے میرے دِل کو سیراب کیا، اور سامعین، خصوصیت سے سفید امریکی جس انہماک سے سُنتے اور نوٹ کرتے رہے، وہ نمایاں طور پر عیاں تھا۔

آپ نے مزید تحریر فرمایا:

خطبہ جب ہو چکا تو ظفر عبداللہ نے ایک ایک شخص کا بذریعہ تقریر، برجستہ اور نہایت موزوں الفاظ میں تعارف کرایا۔ مجھے پہلی بار ظفر کی اِس قابلِ تعریف ملکۂ تقریر اور استعداد کا اندازہ ہوا۔ زبیدہ اور طارق کا تعارف کرایا، حضرت محمد علی کا ذکر کیا اور محمد احمد کے ذکر پر اُس کی آواز بھرا گئی اور آبدیدہ ہو گیا۔ یہ زندگی کی ایک غیر معمولی اور عجیب عید میری زندگی میں ایک تاریخی چیز ہے، جس کا خوشگوار اثر باقی رہنے والا ہے۔ مجھے تھکان ذرا بھی نہ ہوئی۔ الحمدللہ۔

والس ڈی محمد سے متوقع ملاقات ممکن نہ ہو سکی

والس ڈی محمد صاحب سے سان فرانسسکو میں ملاقات متوقع تھی، اور اُن کی سہولت کو مدِّ نظر

رکھتے ہوئے جماعتِ احمدیہ یو۔ایس۔اے، نے اپنے پروگرام کے دوران وقتِ ملاقات رکھا تھا۔ مگر وہ بوجہ خرابی طبیعت تشریف نہ لا سکے۔میاں فضل احمد صاحب، جب شکاگو میں تھے،تو اُنہوں نے والس ڈی محمد سے ملاقات کے بعد ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو فون پر بتایا تھا کہ اُن کی ملاقات دلچسپ رہی اور اُنہوں نے احمدیہ انجمن لاہور کی تراجم قرآن کی تحریک کو پسند کرتے ہوئے تعاون کا وعدہ کیا ہے۔اور اب وہ جب عیدالفطر کے موقع پر اوک لینڈ تشریف لائیں گے تو آپ سے ملاقات کرنا چاہیں گے۔ میاں صاحب کے فون کا ذکر آپ نے ممبرانِ جماعت سے کیا، اور اپنے پروگراموں کے درمیان اِس ملاقات کے لیے مناسب گنجائش پیدا کر دی گئی۔ ملاقات کا وقت پانچ بجے مقرر کیا گیا تھا۔مگر والس ڈی محمد کے نمائندے نے اطلاع دی کہ وہ سات بجے آئیں گے۔آپ نے پانچ سے سات بجے کا وقت اپنے احباب سے میٹنگ کے لیے رکھ لیا۔مگر وہ سات بجے بھی تشریف نہ لائے کہ اچانک اُن کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی ہے۔سو یہ ملاقات نہ ہو پائی۔

ممبرانِ منتظمہ جماعتِ احمدیہ یو ایس اے کے ساتھ میٹنگ

اس میٹنگ میں کئی امور زیرغور آئے۔ بالخصوص اسلامک ریویو کے اجراء کا پروگرام، تراجمِ قرآن اور رقوم کی فراہمی۔اور اِس کے علاوہ آئندہ سال کے لیے مزید ترقیاتی پروگرام زیرِغور لائے گئے۔ اور مفصل اور مفید بحث ہوئی اور فیصلے کیے گئے۔ ڈاکٹر عبداللہ جان صاحب اور ڈاکٹر محمد احمد صاحب کو منتظمہ کمیٹی کے ممبران میں شامل کیا گیا۔

جلسہ کی تیسری نشست۔لندن مرکز کے لیے اپیل

مغرب اور عشاء کی نمازیں باجماعت ادا کرنے کے بعد اس نشست کا آغاز ہوا۔جس میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے لندن مرکز کے لیے عطیات کی اپیل کی۔ حاضرینِ مجلس کی تعداد صرف اٹھارہ تھی۔ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر:

میں نے ایک لمبی تقریر تیار کی ہوئی تھی، لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے اسے بہت مختصر کر دیا۔ خود میرا دماغ بھی اُس وقت کافی تھکان کی حالت میں تھا۔ سورۃ طٰہٰ کی پہلی چند آیات پڑھ کر، اللہ نے جو توفیق بخشی، تقریر بیٹھے بیٹھے اِس قلیل مجمع کے سامنے کی۔ اللہ نے بات میں اثر بخشا۔ لندن میں انجمن لاہور کے نام پر مرکز کی موجودگی کی ضرورت کو محسوس کیا گیا۔ چندہ مانگا کہ فوری ادائیگی (down payment) کے لیے کافی رقم جمع ہو جائے، تو اچھا مکان یا جگہ اچھے مقام پر لے سکتے ہیں۔ آئندہ اقساط کی ادائیگی میں بھی آپ کی اعانت کی ضرورت ہوگی۔ لندن مرکز کو اولیت (top priority) دیں، اور ساتھ ساتھ اپنے دیگر پروگراموں پر بھی نظر رکھیں۔ جملہ توقعات سے بڑھ کر نعمان الٰہی نے اعلان کیا کہ وہ بیس ہزار ڈالر لندن مرکز کے لیے اور پچاس ہزار ڈالر تراجمِ قرآن کے لیے دیں گے۔ ماشاءاللہ۔

تمام حاضرین مرد و زن اور بچوں نے ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہوئے فوری طور پر ۳۵ ہزار ڈالر کی رقم جمع کر لی۔ ڈاکٹر صاحب نے چالیس ہزار کا ہدف مقرر کیا تھا۔ وہ بااُمید تھے کہ یہ ہدف ضرور پورا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اِس خواہش کی تکمیل لندن واپسی سے قبل کر دی۔

تفریح کا پروگرام

مقامی لوگوں نے مہمانوں کی تفریح کے لیے، عید کا اگلا روز مقرر کر رکھا تھا۔ سب کی طرف سے اصرار تھا کہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ضرور ہمراہ چلیں۔ اس میں بچے سب سے پیش پیش تھے۔ آپ نے اُن کی خواہش کے احترام میں ہمراہ چلنا منظور کیا۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

اپنے اِس دینی گروہ کے ہمراہ جس محبت و مودت سے یہ دِن جس رنگ میں

گذارا، اُس نے وقتی طور پر وقت کا احساس مٹا دیا۔ایسی عید یادنہیں ،بچپن کے بعد کبھی نصیب ہوئی ہو۔حالانکہ گھر سے دور مسافری کی عید تھی۔

زندگی کی ایک خاص تاریخی پکنک نصیب ہوئی۔سڑک جو اکثر ساحلِ سمندر کے ساتھ ساتھ ہے، دوسری طرف گھنے جنگل میں عالیشان پرانی عمارات ہیں۔ میں نے کہا: ''ساحلِ سمندر پر نماز پڑھیں گے''۔ چنانچہ جو مقام میں نے تصرفِ الٰہی سے چُنا وہ صاف اور بہترین تھا۔کئی لوگ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔قطب نما کی مدد سے قبلہ معلوم کر کے، ایک موٹی چادر جو زکیہ نے ساتھ موٹر میں رکھی تھی بچھا لی۔ایسی دوسفری نمازیں با جماعت نصیب ہوئیں کہ دِل پگھل پگھل کر آستانۂ الوہیت پر بہتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔میرا خیال ہے کہ میرے ساتھی بھی چھوٹے بڑے اسی عالمِ محویت میں تھے۔دائیں طرف سمندر، بائیں طرف چٹانیں اور درخت، نرم اور دُھلی ہوئی ریت فرش پر، بدبو سے پاکیزہ فضا میں، اِس نماز میں جو لطف آیا اُس کی حلاوت تا حال دِل کے ساتھ ہے۔میاں فضل احمد صاحب کے لیے (جن کے دِل کا اپریشن دو روز میں ہوگا) سجدوں میں دُعا کی توفیق بھی ملی۔

میاں فضل احمد صاحب ہسپتال میں

میاں فضل احمد صاحب کے عارضۂ قلب کی تشخیص شکاگو میں ہوئی تھی اور ماہرین نے سرجری کا مشورہ دیا تھا۔میاں صاحب اور اہلِ خانہ کے زیرِ غور دو ہسپتال تھے۔ایک ہیوسٹن میں اور دوسری سان فرانسسکو میں۔۔دونوں جگہ پر رابطہ کیا گیا، اور دونوں ہی مقامات پر سرجری کے لیے وقت بھی دے دیا گیا۔سان فرانسسکو کے ہسپتال کے وقت کے لیے دو ہفتہ کا لمبا انتظار تھا، اور فیصلہ مشکل ہو گیا تھا۔میاں فضل احمد صاحب نے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو فون کر کے تمام حالات گوش

گذار فرمائے اور دُعا کی درخواست کے ساتھ فیصلہ بھی آپ ہی پر چھوڑ دیا۔آپ نے سان فرانسسکو کے ہسپتال کو ترجیح دی اور میاں صاحب سے فرمایا کہ دو ہفتے کا یہ وقت آپ دین کے کاموں کے لیے وقف فرما دیں۔ میاں صاحب سان فرانسسکو میں منعقد ہونے والی تمام جماعتی تقاریب میں شریک ہوئے اور ہسپتال کے مقررہ وقت پر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب خود اُن کے ہمراہ ہسپتال تک گئے۔ اُس وقت کے اپنے جذبات کا اظہار آپ نے اِن الفاظ میں تحریر فرمایا ہے:

> میاں فضل احمد صاحب نے چونکہ چار بجے سے پہلے ہسپتال میں داخلہ لینا تھا، فوراً ہی بیگ لے کر ظفر کی موٹر میں سوار ہو گئے۔ میرے جذبات میں کچھ ایسی کیفیت اُن کے اپریشن کے خیال سے پیدا ہوئی۔ اپنے ایک عاجزی کے دور میں گھر سے دو ہزار میل دور، صوبہ مدراس کے مقام مدنا پلی میں، اپنے اپریشن یاد آئے اور دِل اپنے دوست کی ہمدردی سے بھر آیا اور کچھ قدرے اصرار سے میں بھی اُن کے ساتھ موٹر میں بیٹھ گیا۔ ہر چند وہ میرے جذبات کو سمجھ نہ سکتے تھے، اور میرا جانا کوئی ضروری بھی نہ تھا اور اُن کے لیے کسی قدر تنگی کا موجب بھی ہوا پھر بھی میں چلا گیا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میاں فضل احمد صاحب کا آپریشن کامیاب رہا۔ دو دن بعد ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب میاں صاحب کی عیادت کے لیے گئے، تو اُن کو مطمئن اور خوش پایا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر:

> ہم، ظفر، بیوی بچے اور مسعود اختر میرے ساتھ اور نعمان الٰہی بمع اپنے والدین کے ہسپتال پہنچے۔ میاں صاحب کو ملنے کے لیے نرس نے مجھے اجازت دی۔ میاں صاحب خوش ہوئے۔ باتیں بھی دینی کیں۔ بہت مطمئن ہیں۔ کہتے ہیں تکلیف کوئی نہیں، حالت بھی اچھی ہے۔ میرا دِل خوشی سے بھر آیا اور آنکھیں

ڈبڈبا گئیں۔ جذبات پر قابو مشکل سے کیا اور کہا: 'اللہ آپ کو نیک کاموں اور خدمتِ دین کے لیے لمبی، صحت مند عمر دے۔ میں یہی دُعا کرتا رہا ہوں'۔ اور کہا: 'آپ عہد کریں کہ دوبارہ اچھی زندگی مل جائے گی تو اسے اول دین کے لیے اور بعد میں دُنیا کے لیے صرف کریں گے'۔

مولوی محمد جلیل صاحب سے ملاقات

مولوی محمد جلیل صاحب، اُس احمدی گروپ کے صدر تھے جو انجمن اشاعت اسلام لاہور یو ایس اے سے الگ ہو کر صرف فجی سے آئے ہوئے افراد پر مشتمل تھا۔ سان فرانسسکو پہنچ کر میاں فضل احمد صاحب نے ذاتی طور پر کوشش فرمائی تھی اور اُن سے فون پر رابطہ کر کے خواہش ظاہر کی تھی کہ سب جماعت مل کر جمعتہ الوداع اور عید کی نماز احمدیہ مسجد میں ادا کریں۔ اُنہوں نے وعدہ کیا کہ مشورہ کے بعد جواب دیں گے، مگر کوئی جواب موصول نہ ہوا، اور اُن میں سے ایک شخص بھی نمازِ عید یا جلسہ میں شریک نہ ہوا تھا۔ تاہم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، عبدالجلیل صاحب کے جوان سال بیٹے کی وفات کی تعزیت کے لیے جانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔

مولوی صاحب کے اہل خانہ نے خاصا بے پرواہی کا مظاہرہ کیا۔ پھر مولوی صاحب خود بھی تشریف لے آئے تو آپ نے اپنے آنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ اس شہر میں آئیں اور اُن کے اِس ناقابلِ تلافی اور اندوہناک غم پر اظہار تعزیت کیے بغیر واپس چلے جائیں۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اُن کے گوش گذار یہ بات بھی کی کہ وہ مسلسل بذریعہ خط و کتابت ایک دوسرے سرکردہ ممبر سے بھی رابطہ کی کوشش کرتے رہے اور اپنے آنے کی اطلاع بھی دی تھی۔ مگر اُنہوں نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ مولوی جلیل صاحب کچھ شرمندگی محسوس کرنے لگے اور سر جھکا دیا۔ آپ نے عید، جلسہ اور جماعت کی خدمت دینی اور جذبۂ ایثار اور عطیات برائے مرکز لندن کا ذکر بھی فرمایا۔ اُنہوں نے کسی بات کا جواب تو نہ دیا اور خاموشی سے اُٹھ کر اندر چلے گئے اور واپس

آ کر سو ڈالر کا عطیہ لندن مرکز کے لیے دیا۔ جو آپ نے شکریہ کے ساتھ وصول فرما لیا۔

میکسیکو

۶ اگست کو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب میکسیکو تشریف لے گئے۔ عبداللہ سعید، انجم سعید اور بچوں کو چشم براہ، اور آپ کے آرام وراحت کا ہر سامان بہم پہنچانے کے لیے، ہمہ تن آرزومند پایا۔

نمازِ جمعہ اور بچوں کا ختمِ قرآن

۷ اگست بروزِ جمعہ گھر پر نمازِ جمعہ ہوئی اور اُسی شام آپ کے دونوں پوتوں یحییٰ اور محمد علی نے آپ کی موجودگی میں قرآن ختم کیا۔ وہ دونوں قرآن ناظرہ کچھ عرصہ قبل مکمل تو کر چکے تھے۔ مگر اِس بات کے منتظر تھے کہ آپ اُن سے قرآن سُنیں اور پھر دُعا فرمائیں۔ آپ کی تحریر:

> عصر کی نماز دیر سے پڑھی۔ جس کے بعد یحییٰ اور محمد علی کا ختم القرآن کے لیے وقت پہلے سے مقرر کر رکھا تھا۔ یحییٰ نے اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ سے وَ النَّاسِ تک اور محمد علی نے آخری دس سورتیں پڑھیں۔ یحییٰ نے دوسری بار اور محمد علی نے پہلی بار قرآن ختم کیا ہے۔ اُس کے بعد دُعا کی اور والدین نے دونوں بچوں کو قیمتی گھڑیاں انعام میں دیں۔ اور بِنّا کو نقد رقم دی۔ کئی دنوں سے میرا انتظار کر رہے تھے کہ میں آؤں گا تو ختمِ قرآن میں کراؤں گا اور گھڑیاں ملیں گی۔ چنانچہ وہ خوشی کی گھڑی آج شام کو آن پہنچی۔

لندن مرکز کے لیے عطیہ

ڈاکٹر سعید احمد خان کی تحریر سے:

اِس موقعہ پر (ختم قرآن کے بعد) ایک ہزار امریکی ڈالر انجم نے میرے ہاتھ

میں ایک لفافے میں دیئے۔ اِس کے علاوہ چار طلائی چوڑیاں (تین برائے لندن مرکز اور ایک کسی غریب عورت کے لیے) دیں کہ یہ لندن مرکز کے لیے ہیں، جس کی میں نے اپیل کی ہے۔ اور چالیس ہزار کے پورا ہونے میں کچھ معمولی کمی تھی، جو انشاء اللہ اِس رقم سے پوری ہو جائے گی۔ جزاھم اللّٰہ و احسن الجزاء۔

دیگر مصروفیات

زبیدہ محمد احمد صاحبہ اور طارق احمد بھی اب میکسیکو آ چکے تھے۔ اِس طرح آپ کو اپنے پیاروں کے ساتھ مِل جُل کر کچھ خوشگوار لمحات گذارنے کا خاص موقعہ میسر آیا۔ وطن سے دور، اپنے لختِ جگر اور اُن کے بچوں کو ایک کامیاب اور پُرمسرت زندگی گذارتے ہوئے دیکھ کر آپ کو قلبی طمانیت میسر آئی۔ بالخصوص بچوں کی خوش اطواری اور نماز گذاری نے آپ کو وہ اطمینانِ قلب بخشا جس کی وہ ہمیشہ تمنا رکھتے تھے۔

عبداللہ سعید کے دوستوں کا گھر میں آنا جانا رہتا تھا۔ وہ بھی آپ کی ذات سے بے حد متاثر ہوتے اور اکثر اوقات دینی معاملات پر آپ سے گفتگو کرتے۔ مسز ویگارڈ نامی ایک خاتون سے بھی آپ نے ملاقات فرمائی۔ اچھی تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ زاہد سعید نے اپنے میکسیکو میں مختصر قیام میں موصوفہ کے لیے کچھ خدمات انجام دی تھیں اور وہ اُس کی اس خدمت کی بے حد مداح تھیں۔ زاہد، مسز ویگارڈ کو اپنے مذہبی عقائد سے بھی متعارف کروا چکے تھے۔ اور کتاب Jesus in Heaven on Earth (جیسس ان ہیون آن ارتھ) بھی بطورِ تحفہ دے چکے تھے۔ مسز ویگارڈ نے اِس موضوع پر بھی گفتگو کی اور رخصت ہوتے وقت دو خوبصورت شالیں آپ کو پیش کیں کہ یہ اُن کی جانب سے زاہد کی دونوں ماؤں کے لیے تحفہ ہے۔

واپسی کے سفر پر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب دوبارہ سان فرانسسکو تشریف لائے جہاں آپ نے مختصر قیام کیا۔

سان فرانسسکو میں ایک شاندار تقریب

ظفر عبداللہ صاحب نے ابتدائی کلماتِ خوش آمدید اور مختصر تقریر کے بعد ایک خاتون مسز سیلی لیور کو متعارف کرایا جو سینٹا کروز فاؤنٹین نامی مقام سے تقریب میں شمولیت کے لیے تشریف لائی تھیں۔ خاتون موصوفہ نے آپ کی خدمت میں اڑتیس ہزار ڈالر کا ڈرافٹ پیش کیا اور اس کے بعد آپ نے مجلس سے خطاب فرمایا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر سے اقتباس:

> میں نے ایک تمہید میں شکریہ اللہ کا اور معطی صاحبان کا اور سامعین کا ادا کیا اور انتخابِ موضوع (احمدیت کا مقام اور لاہور احمدیہ تحریک کی خدمات) کی وجہ بیان کی اور میرے دورے کی غرض۔ اُس جذبہ اور روح کا جو ہماری تحریک کا حصہ ہے واضح کی اور ضرورت محسوس ہوئی کہ تحریکِ احمدیہ اور لاہور کی جماعتِ احمدیہ کی خدماتِ اسلام و قرآن سے متعارف کراؤں۔ اکثر لوگ اِس سے بے خبر ہیں اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ اس کے بعد ٹائپ شدہ مضمون بآواز بلند واضح پڑھا۔ سامعین نہایت خاموشی سے تقریر سُن رہے تھے۔ بلالی امام بہت متاثر ہیں۔ بہرحال، محض اللہ کے فضل اور خاص تصرف سے میرا ایک اور کٹھن کام اپنی غیبی تائید سے آسان فرمایا۔ میں اُس کا شکر کیسے ادا کروں کہ لَاَزِيْدَنَّكُمْ کی فہرست میں قبول کیا جاؤں۔

سان فرانسسکو کے دوستوں کو الوداع کہنے کے بعد جہاز کی پرواز کے دوران، ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنے سفر کے اِس مرحلہ میں اپنے میزبانوں کے لیے دُعا فرمائی۔ آپ کی تحریر:

سب سے گلے ملا اور الوداع کیا۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو جنہوں نے اِس سفر میں میرے ساتھ چھوٹے سے چھوٹا احسان بھی کیا ہے، اپنی جناب سے اجر دے، کیونکہ میرے پاس کچھ نہیں جو انہیں پیش کر سکوں۔ سان فرانسسکو اور اُس کے نواحی شہروں میں میکسیکو، کولمبس اور لندن اوہائیو میں، اوکلوہوما، الیگزینڈریا، ورجینیا اور میری لینڈ وغیرہ وغیرہ میں جہاں جہاں بھی گیا، دوستوں اور عزیزوں نے غیر معمولی عقیدت اور محبت اور احسان کا سلوک کیا۔ اِس وقت میں فلیڈیلفیا کی جانب جہاز میں پرواز کر رہا ہوں۔

فلیڈیلفیا

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی نواسی امینہ کی شدید خواہش تھی کہ آپ اُن کے گھر کو ضرور رونق بخشیں۔ دوسرے اُنہی دنوں میں کرنل محمود شوکت صاحب کی والدہ کے انتقال کی خبر ملی تھی۔ امینہ کی دِلداری اور غم گساری دونوں ہی آپ کے مدِّ نظر تھیں۔ آپ کے ٹکٹ میں کچھ ردوبدل کے بعد فلیڈیلفیا میں ایک دِن کے قیام کی گنجائش ہو گئی۔ اپنی نواسی کی دلجوئی اور غم گساری کے اِس جذبہ کی جزا اللہ تعالیٰ نے اِس صورت میں آپ کو عطا کی کہ فلیڈیلفیا سے اگلی پرواز براہِ راست لندن کی ہو گئی۔ اور آپ دیگر مقامات پر جہاز تبدیل کرنے اور انتظار کی کوفت کے بغیر کم از کم وقت میں لندن پہنچ گئے۔

فلیڈیلفیا میں احباب ربوہ سے ایک ملاقات

ڈاکٹر زعیم کے ایک قادیانی، ڈینٹیسٹ دوست اور اُن کے عزیزوں نے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے ملاقات کا شوق ظاہر کیا تھا۔ آپ کی آمد کی خبر پر وہ زعیم و امینہ کے یہاں اِس غرض سے تشریف لے آئے۔ آپ سے کسی اختلافی مسئلہ پر تو کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ البتہ دورانِ گفتگو آپ

کو یہ موقعہ ضرور ملا کہ لاہور جماعتِ احمدیہ کی خدمات اور مقام کے متعلق اظہار خیال فرما سکے۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

باتوں باتوں میں اپنی جماعت کی خدمات اور اُس مقام کو ظاہر کرنے کا موقع مجھے ملتا رہا۔ ہمارے کام کو یہ لوگ زیادہ حقیر جانتے ہیں اور اُن کی ظاہری تعداد و تنظیم سے ہمارے بھائی بھی مرعوب ہیں اور اپنے آپ کو ضرورت سے زیادہ ہی حقیر تصور کرتے ہیں۔ اپنی مشکلات اور افرادی اور ہر قسم کی قلت کا احساس جو ظاہر ہے سب کو ہی ہے، لیکن بے ہمتی اور بے رغبتی اور شکست خوردہ ذہنیت کا ہونا افسوس ناک اور نقصان دِہ بھی ہے۔ اللہ ہمیں مایوسی سے بچائے اور ہمارے حالات سنوارے۔ یہ لوگ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد رُخصت ہوئے تو (غالباً عادتاً یا متاثر ہوکر) ہر ایک نے یہی کہا کہ ہمارے لیے دُعا کریں۔ میں نے دُعا کی ہے۔ اور اب بھی کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اِن لوگوں پر اور سب لوگوں پر جو مجھے بوجہ عقیدت یا ویسے بھی دُعا کا کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرمائے اور اُن کی جملہ مشکلات دور فرمائے، اور اپنے صالح بندوں میں داخل فرمائے اور ہم سب پر بھی رحم فرمائے۔

لندن میں آمد

۲۱ اگست کو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب لندن پہنچے اور ایئر پورٹ سے محمد انور صاحب، امام لندن کے ہمراہ عبداللہ سعید کے دوست شہزاد صادق صاحب سے ملاقات فرمائی، جورٹز ہوٹل میں آپ کے منتظر تھے۔ قریب ہی وہ بینک بھی تھا جس سے میاں فضل احمد صاحب کی عطا کردہ ایک ہزار پونڈ کی رقم وصول کرنا تھی۔ اِن کاموں سے فارغ ہوئے تو آپ بمع محمد انور صاحب، ٹرین سے سفر کرتے ہوئے اُن کی قیام گاہ پر پہنچے اور کچھ آرام فرمایا۔

لندن کی ایک تاریخی میٹنگ

۲۳ اگست کی شام کو محمد انور صاحب کی قیام گاہ پر یو کے جماعت کی ایگزیکٹو کونسل کی وہ میٹنگ ہوئی جس میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنے سفر کے حالات بیان فرمائے اور لندن مرکز کے لیے عطیات کی رقم کا اعلان فرمایا۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

> اللہ نے مجھے ایسی تقریر کی توفیق بخشی جو اِس دُعا کی قبولیت کا اثر رکھتی تھی جس کے ساتھ میں نے تقریر کی ابتدا کی: رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ۝۲۵ وَ یَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ۝۲۶ وَ احْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ۝۲۷ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ۝۲۸ (میرے رب میرا سینہ کھول دے۔ اور میرا کام میرے لیے آسان کر دے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ تاکہ میری بات کو سمجھ سکیں)۔ (طٰہٰ ۲۰: ۲۵-۲۸)۔ جب رقم چالیس ہزار ڈالر کا میں نے بتایا تو حیرت اور مسرت سے سب کے چہرے تمتما گئے اور میرا دِل شکر کے سجدہ میں گرتا محسوس ہونے لگا۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ شاہد بول اُٹھا: "جب معلوم ہوا کہ کافی رقم آپ لائے ہیں تو میرا خیال دس ہزار تک پہنچا تھا"۔ غرضیکہ سب زبانوں پر کلمۂ شکر بے ساختہ جاری ہوا۔

آپ مزید تحریر فرماتے ہیں

> گذشتہ ہفتے میں کئی مکانوں کا مختلف شہر کے حصوں میں دوستوں نے سروے کیا تھا۔ اور کاغذات جمیلہ کے ہاتھ میں تھے۔ وہ اُس نے رکھ دیئے اور کہا کہ اب نوعیت ہی بدل گئی ہے۔ ہم نے تیس، پینتیس ہزار کے تخمینہ سے مکان دیکھے تھے۔ اب نئے سرے سے بہتر مکان کی تلاش کریں گے۔

کافی لمبی چوڑی بحث مقام وقوعہ اور قسمِ مکان اور رسائی کی سہولتوں، اردگرد کے لوگوں کا مزاج و مذاق اور رنگ و نسل وغیرہ امور پر بحث ہوتی رہی اور جو فیصلہ اصولی کیا گیا اُس پر اتفاق ہوا۔ اِس بات پر بھی زور دیا گیا کہ پہلے سے اجازت لینی ہوگی کہ جس خاص، ہماری اغراض کے لیے مکان لیا جارہا ہے، وہ ہم پوری کرسکیں گے۔ یہ بحث میرے پاس ریکارڈ کی گئی ہے۔ ہر طرح کی احتیاط جو انسانی طاقت میں ہے اُس پر زور دیا گیا اور اب انتخاب اللہ کے بھروسہ پر چھوڑا گیا ہے۔ اُس سے عاجزانہ دعائیں، سب سے کہا گیا کہ کریں اور اُس وقت بھی سب نے مِل کر دردمندانہ دُعا کی۔ میری تو آنکھیں تر ہو گئیں۔ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ (بے شک تو تمام قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا اور تو مکمل علم رکھتا ہے اور میں علم نہیں رکھتا اور تُو تو غیب کی باتوں کو بخوبی جاننے والا ہے)۔
پُرتکلف چائے، ارجمند بانو نے تیار کی اور سب لوگ فارغ ہوئے اور مغرب سے پہلے رُخصت ہوئے۔ محمد سخی صاحب مالک مکان کے لیے میرا دِل شُکر گذار ہے، جس نے پھر اپنا عمدہ کمرہ میرے لیے خالی رکھا اور آرام سے رہ رہا ہوں اور میٹنگ بھی کی ہے۔

نیا بینک اکاؤنٹ اور پرنٹنگ مشین

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی موجودگی میں ایک نیا بینک اکاؤنٹ، AAIIL Lahore Centre and Mosque (احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور مرکز و مسجد) کے نام سے کھولا گیا اور تمام رقم اُس میں جمع کرا دی گئی، جس میں سے آئندہ رقم نکلوانے کے لیے جمیلہ خان اور محمد انور دونوں کے دستخط کی ضرورت ہوگی۔ تیسرا نام ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا تھا۔ آپ کو یہ اختیار تھا کہ

صرف اپنے دستخط سے بھی رقم نکلوا سکیں گے۔ بینک کے مینیجر نے یہ وعدہ کیا کہ اگلے چند دِن میں وہ قاعدے اور قوانین کی تفاصیل معلوم کر کے بہتر شرائط پر قرضہ دلوانے کی کوشش کرے گا۔

بینک کے کام سے فارغ ہو کر آپ بمع دیگر احباب کے عزیز علی صاحب کے گھر تشریف لے گئے جہاں انجمن کی پرنٹنگ مشین رکھی گئی تھی اور اُن کی بیٹی فریدہ اُس پر کام پر مامور تھی۔

مکان کی تلاش

آپ نارتھ لندن کے علاقے میں مرکز کے لیے مکان دیکھنے تشریف لے گئے۔ علاقہ ہر لحاظ سے دلکش تھا۔ ٹیوب سٹیشن قریب ہونے کے علاوہ بھی اکثر سہولیات موجود تھیں۔ مگر آپ کو اپنے مقاصد کے اعتبار سے کوئی مکان پسند نہ آیا۔ آپ کی اپنی یہی رائے تھی کہ موزوں ترین علاقے میں، موزوں ترین مکان بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اور آپ نے تمام دوستوں کو یہی تاکید فرمائی کہ اسی اصول کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مکان کی تلاش کے لیے محنت اور کوشش جاری رکھیں اور ہر لحاظ سے عمدہ مکان کی خریداری کا فیصلہ کریں۔

واپسی کا سفر

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ۲۸ اگست کو ۱۱:۰۰ بجے قبل از دوپہر، کراچی پہنچے تو بادشاہ صاحب مرحوم کے فرزند نثار حسین شاہ آپ کے منتظر تھے۔ نثار حسین محکمہ کسٹم میں اعلیٰ افسر ہیں۔ غالباً اُن کے بھائی حامد حسین شاہ نے آپ کی آمد کی اطلاع اُنہیں دی تھی۔ حامد حسین اور محمود حسین شاہ سے آپ کی لندن میں ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ نثار حسین کی وہاں موجودگی آپ کے لیے غیر متوقع تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص تصرف سے آپ کے لیے یہ سہولت کا سامان پیدا کر دیا۔ نثار حسین کو دیکھ کر ڈیوٹی پر موجود کسٹم افسر آگے بڑھا۔ سامان پر 'چیک شدہ' کی مہر لگا دی اور کہا: "ہم اِن کے لیے تو یہ سامان سر پر اُٹھا کر لے جانے کے لیے تیار ہیں" اور خود سامان کی ریڑھی دھکیل کر آگے تک لائے۔

میاں عمر فاروق صاحب باہر موجود تھے۔ آپ ان کے ہمراہ، اُن کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے۔ اور بعد از نمازِ جمعہ ڈاکٹر عبدالحئی سعید کے گھر تشریف لے گئے۔

کراچی میں آپ کا قیام ۲ ستمبر تک رہا۔ احبابِ جماعت نے آپ سے ملاقات کے لیے ایک عصرانہ کا اہتمام کیا۔ اِس کے علاوہ آپ نے اپنے احباب جماعت، دیرینہ دوستوں اور تعلق داروں سے ملاقات فرمائی۔ آپ کے دیرینہ دوست سیٹھ اسماعیل مرحوم کے فرزند محمود آپ کے ہر حکم اور خواہش کی تعمیل کے لیے تیار رہتے تھے۔ آپ بسہولت دور دور علاقوں میں اپنے عزیزوں سے ملاقات کے لیے اُن کی گاڑی میں تشریف لے جاتے رہے۔ اُن کی اِس محبت اور خدمت کو آپ نے ہمیشہ یاد رکھا اور اُن کے لیے اجرِ عظیم کی دُعا فرمائی۔

لاہور میں آمد

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ۲ ستمبر کو لاہور کے ایئر پورٹ پر اُترے تو آپ کے منتظر بیسیوں دوستوں اور عزیزوں کو آپ کے متبسم چہرے پر ایک عجیب طمانیت کی کیفیت نظر آئی۔ یہ کیفیت، اطمینان اور مسرت اُن کے دلی جذبات کی غماز تھی، جس سے آپ کی روح سرشار تھی۔ اِس لمبی مسافرت میں آپ کی نگاہوں نے ایسے وجد آفرین مناظر دیکھے تھے جو آپ کی طمانیتِ قلب کا باعث تھے۔ یورپ اور امریکہ، جزائرِ غرب الہند اور کینیڈا کی تمام جماعتیں مرکز کے مقاصد کی تکمیل کے لیے سرگرمِ عمل تھیں۔ آپ کی نگاہوں نے عزم اور ایثار کا وہ منظر بھی دیکھا جو احمدیت کی تاریخ کی گذشتہ روشن مثالوں کی طرح ایک درخشاں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کے ارشاد پر مٹھی بھر انسانوں نے سالوں، مہینوں، ہفتوں یا دنوں میں نہیں، بلکہ چند ساعتوں میں فقید المثال رقوم آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دیں۔ لندن مرکز کے لیے عمارت کا حصول اب زندہ حقیقت بن چکا تھا۔ تراجم قرآن اور تراجم کتب سلسلہ کے کام میں پیش رفت ہو چکی تھی۔ آپ کے گذشتہ سالوں کی محنت کے نتائج سامنے تھے، اور آپ وطن کی سرزمین، اپنے مرکز میں پہنچتے ہوئے اپنے اندر ایک نیا حوصلہ اور اطمینان محسوس کر رہے تھے۔

دارالسلام میں پہنچے۔ ابتدائی ملاقاتوں کے بعد ہر ایک آپ کے سفر کی داستان سُننے کو بے چین تھا اور آپ کے کامیاب دورے سے واپسی پر شاد ماں تھا۔ آپ جلد ہی یہاں کے دفتری کاموں میں مصروف ہو گئے۔





بیسواں باب

دورۂ انگلستان و نیدرلینڈ۔ اگست ۱۹۸۲ء

(بیرون ملک ساتواں دورہ)

جماعت انگلستان کی جہدِ مسلسل، حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی سعی لا امتناہی، بیرونی جماعتوں کے تعاون اور مرکزی انجمن کی اعانت نے انگلستان میں ایک نئے مرکز کے قیام کو ممکن بنا دیا تھا۔ آپ کا دورہ اگست ۱۹۸۲ء اسی مرکز کے رسمی افتتاح کی غرض سے تھا، جس کے لیے ۷ اگست کو آپؒ احبابِ جماعت کی دُعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ دارالسلام سے رُخصت ہوئے۔ وقتِ رُخصت حضرت امیرؒ کے تاثرات آپ کے اپنے الفاظ میں:

> روانگی سے قبل دارالسلام کی مسجد میں ظہر کی نماز میں پچاس سے زیادہ لوگ جمع تھے۔ دُعا کی تحریک ہوئی۔ غیر معمولی رقت آمیز کلمات زبان سے نکلے۔ لوگ بہت روئے۔ میرا دِل بھی گداز ہو گیا۔ مسیحؑ کے حواریوں کی روح القدس سے تائید کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے۔ مسیحِ محمدی کے خطا کار نام لیواؤں کا کیا حال ہے؟ یوں لگتا تھا کہ یہ گریہ وزاری شاید ضائع نہ جائے۔

اسلام آباد ایئرپورٹ پر اللہ تعالیٰ کی قدرت نمائی

حضرت امیرؒ کی تحریر سے اقتباس:

> ۸ اگست ۱۹۸۲ء آج دِن کے واقعات میں اللہ کی تائید کا ہاتھ ہر قدم پر ظاہر نظر

آیا۔کل کی دُعا قبول ہوئی۔چھوٹی چھوٹی باتوں میں تصرفاتِ الٰہی کی جھلک دن بھر نظر آتی رہی۔ سامان چیک کرانے میں ایک تھوڑا ابتلا پیش آیا کہ ایک داڑھی والے نوجوان، قَریَہ سے شخص نے جو خالی کاؤنٹر پر تھا مجھے بلایا۔یعنی اپنی خدمات پیش کیں۔سامان تولا۔تھوڑا زیادہ تھا۔جھگڑا کیا۔جب میں نے سمجھایا تو کہنے لگا کہ پاس کر دیتے ہیں آگے کسٹم والے سے چیک کراؤ۔سامان میں چرس تو نہیں ہے؟ میں نے کہا:"شرم کرو مجھ پر شک کرتے ہو؟" کہنے لگا: "آپ جیسے کئی بوڑھے بزرگ یہ کام کرتے ہیں۔کسٹم میں دیکھو، اور لوگ چیک کروا رہے ہیں۔تم بھی ضرور چیک کراؤ"۔اور کسی شخص کو اشارہ بھی کیا کہ اِن کا سامان چیک کراؤ۔میں صبر کر کے آگے بڑھا۔میرا سامان conveyor belt پر جا رہا تھا۔کسٹم والا ایک نوجوان کھڑا تھا۔مجھے پوچھا:"آپ ڈاکٹر سعید احمد ہیں؟، ایبٹ آباد کے چٹے پل کے اوپر آپ کا گھر ہے؟" میں نے کہا:"ہاں"۔ کہنے لگا:"آپ جائیں"۔ میں نے کہا:"میرا سامان وہ جا رہا ہے"۔ کہنے لگا: "سامان چلا گیا ہے"۔ میں نے کہا:"آپ کون ہیں؟"۔کہا:"میں کسٹم انسپکٹر ہوں، ملک پورہ کا ہوں"۔نام زبیر بتایا۔یہ تصرفِ الٰہی کا پہلا نشان ہوا۔آگے Immigration کے کاؤنٹرز کے آخری کاؤنٹر پر گیا، تو کہا پہلے کاؤنٹر نمبر ۲ پر جائیں۔وہاں ایک فارم بھروایا اور رخصت کیا۔دوبارہ ٹکٹ دکھایا تو کہا اِس پر سو روپیہ ادا کر کے رسید لگوائیں۔پھر پیچھے جانا پڑا۔ اتنے میں کرنل لطیف یونیفارم میں آگئے اور دیری ہو جانے کی وجہ بیان کی اور اظہارِ افسوس کیا۔پھر ٹکٹ مجھ سے لے لیا۔سو روپیہ میں نے دیا اور منٹوں میں کام کر کے آگئے، اور مجھ سے بریف کیس لے کر اُٹھا لیا۔جہاز میں سوار ہونے کا اعلان ہو چکا تھا۔ اندر جا کر گیٹ پر خدا حافظ کہا۔

لندن

ہیتھ رو ایئر پورٹ پر شایانِ شان استقبال کے بعد حضرت امیر نے احبابِ جماعت کے جلَو میں نئے مرکز میں قدم رنجاں فرمایا۔ حضرت امیرؒ کی تحریر سے اقتباس:

آدھے گھنٹے میں اپنے مکان میں آ پہنچے۔ اللہ کا نام لے کر اندر قدم رکھا۔ دل باغ باغ ہو گیا۔ اللہ نے کیا خوبصورت پاکیزہ گھر دیا ہے۔ اللہ مبارک فرمائے۔ سب احباب اپنی موٹروں میں آ پہنچے۔ چائے پی، شام ہو گئی۔ نماز مغرب باجماعت پڑھی۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۵۹ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝۶۰ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۱ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۶۲ (کہہ سب تعریف اللہ کے لیے اور اس کے بندوں پر سلامتی ہے جنہیں اس نے چنا۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ شریک بناتے ہیں۔ بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے بادل سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس کے ساتھ خوش نما باغ اگائے، تمہارے لیے (ممکن) نہ تھا کہ ان کے درختوں کو اگاتے۔ کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود بھی ہے۔ بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو ایک طرف جھک گئے ہیں۔ بھلا کس نے زمین کو قرارگاہ

بنایا اور اس کے اندر دریا بنائے اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان روک بنائی۔ کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔ بھلا کون بےقرار کی فریاد کو پہنچتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین میں حاکم بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود ہے۔ تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو) (النمل ۲۷:۵۹-۶۲) آیات نماز میں پڑھیں۔ پھر اُن کا مضمون بعد از نماز کچھ بیان کیا۔ مضطر لوگوں کی دُعاؤں کو سُنا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ دُعا پر مجلس برخواست ہوئی۔

نئے مکان سے متعلق آپ کی تحریر:

آتے ہی سرسری طور پر مکان دیکھا تھا۔ آج (اگلے دِن) تفصیل سے دیکھا۔ کمرے، صحن، غرض چپہ چپہ دیکھا، جیسا خطوط اور رپورٹوں سے اندازہ ہو رہا تھا، اُس سے بڑھ کر اچھا پایا۔ اِس میں وسعت کے امکانات ہیں۔ کوئی خاص پڑوس ایسا نہیں جو ہمارے حالات کو دیکھ سکے۔ کوئی شور شغب نہیں۔ پیچھے لمبا صحن ہے اور آگے تین گیراج۔ جانب شمال سڑک ہے جہاں موٹریں پارک کرنے کی بہت کافی جگہ ہے۔ صرف جنوب کی طرف ایک مکان ہے۔ اونچی اونچی باڑ نے دونوں گھروں کو کافی ایک دوسرے سے پناہ میں رکھا ہے۔ سامنے سٹینلے ایونیو ہے۔ وسیع سڑک ہے۔ اِس طرف بھی باڑ ہے اور گلاب ہیں۔ بہت ہی خوبصورت چھوٹا سا باغیچہ ہے۔ کمرے سب furnished (فرنیشڈ) ہیں۔ نئے قالین ہر جگہ۔ اوپر کمروں میں، ہر کمرے میں۔ کھانا پکانے کی ہر قسم کی سہولت۔ ایسے پانچ چھ کمرے ہیں۔ نیچے تھوڑے ردو بدل سے ایک لمبا ہال

بن جاتا ہے۔ ایک کمرہ اندر داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ مسجد کے لیے میں نے مخصوص کر دیا ہے۔ خدا کی شان، قبلہ بالکل جنوب مشرقی سمت میں، دیوار کی سیدھ میں ہے۔ کسی زاویہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ یوں لگتا ہے اللہ نے ہماری اغراض کے لیے یہ مکان نصف صدی پہلے تعمیر کروایا تھا۔ اللہ اِس کا انجام بابرکت فرمائے۔ ایک کمی ہے کہ رہائشی آبادی میں ہے۔ مسجد کی اجازت میں، ہوسکتا ہے دِقّت پیش آئے، لیکن ہمارے دوست پُرامید ہیں کہ کچھ عرصہ بعد کوشش کریں تو ہوسکتا ہے اجازت مِل جائے۔ بہرحال کوئی قریب کا ایسا پڑوس نہیں کہ ہمارے پُرامن اجتماعات پر معترض ہو سکے۔ بہرحال بحیثیتِ مجموعی اِس وقت کی جملہ ضروریات کے لیے کافی اور موزوں ہے اور آمدنی بھی اِس سے ہوسکتی ہے۔ شروع میں تو اوپر کے کمرے محفوظ طریق پر کرایہ پر دینے ہی پڑیں گے تا کہ اقساط آسانی سے ادا ہوتی رہیں۔

مکان کی آراستگی اور مہمانوں کی آمد

مسجد کے لیے تجویز کردہ بڑے ہال اور اُس کے ملحق بیڈروم میں ایک بڑا سا فولڈنگ دروازہ تھا، جسے دونوں طرف گتے لگا کر بند کر دیا گیا تھا۔ ہال کو وسعت دینے کے لیے اِسے کھول دیا گیا، جسے عام اوقات میں بند بھی رکھا جا سکتا ہے۔ اور بیڈروم ہال سے الگ ہو جاتا ہے۔ احباب و خواتینِ جماعت نے مکان کے اندرونی اور بیرونی حصہ کی بڑی محنت اور مستعدی سے صفائی کی اور دروازے پر خود ہی رنگ و روغن بھی کیا۔ یہ کام مسلسل کئی گھنٹے تک جاری رہا۔ اِس جذبہ و جوش کو دیکھ کر حضرت امیرؒ نے اپنی ڈائری میں مندرجہ ذیل دُعائیہ الفاظ اور حضرت مسیح موعود کے چند فارسی اشعار تحریر فرمائے:

یا اللہ ہماری خطائیں معاف فرما اور ہماری کمزوریوں سے درگذر کر اور ہماری

اِس مہم کا انجام بہت خوش آئند کر اور ہماری کوشش کو قبول فرما اور اگر ہماری محنت میں کچھ کمی اور خامی ہے، جو ہمیں شاید معلوم نہ ہو سکتی ہو، تو اُسے قبول فرما۔

اے خدا وندِ من گناہم بخش — سوئے درگاہِ خویش راہم بخش
روشنی بخش در دل و جانم — پاک کُن از گناہِ پنہانم
دلستانی و دلربائی کُن — بہ نگاہے گرہ کشائی کُن
در دو عالم مرا عزیز توئی — و آنچہ می خواہم از تو، نیز توئی

(دیباچہ براہین احمدیہ حصہ اوّل)

(اے خدا میرے گناہ معاف فرما اور اپنے در تک میری رہنمائی فرما۔ میرے دل و جان کو روشنی عطا فرما اور میرے پوشیدہ گناہ بخش دے۔ میری دلجوئی فرما اور مجھے اپنی محبت عطا فرما۔ اپنی نگاہِ کرم سے میری مشکل آسان فرما دے۔
مجھے تُو ہر دو جہاں سے عزیز ہے، اور میں جو مانگتا ہوں تجھی سے مانگتا ہوں۔ اور یہ کہ تو ہی میرا ہے)۔

حضرت امیر کی آمد کے فوراً بعد دیگر مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور افتتاحِ مرکز کی مقررہ تواریخ تک تمام مہمان پہنچ گئے، جن میں پاکستان، امریکہ، سرینام اور ہالینڈ کے مہمان شامل تھے۔ اکثر مہمان مرکز میں ٹھہرے۔ کچھ ہوٹل میں اور چند احباب کی رہائش گاہوں پر بھی قیام فرما ہوئے۔

اجتماعِ جمعتہ المبارک اور افتتاحِ مرکز

مرکز کا افتتاح جمعتہ المبارک کے اجتماع سے ہوا۔ حضرت امیرؒ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور نئے مرکز کا نام ''دارالسلام'' تجویز فرمایا۔ آپؒ نے اپنے انگریزی خطبہ کے دوران چند مقامات پر اہم

نکات کا اردو میں بھی ترجمہ کیا، تا کہ جو حاضرین انگریزی نہیں سمجھتے وہ بھی مستفید ہو سکیں۔

شام پانچ بجے کی نشست میں سب سے پہلے حضرت امیرؒ نے تقریر فرماتے ہوئے اپنی جماعت کے مشن اور مستقبل کے پروگراموں سے متعلق سامعین کو آگاہ فرمایا۔ مرکز کے قرض کی اقساط کی ادائیگی کا ذکر فرمایا تو احبابِ جماعت کی طرف سے فوراً ہی عطیات کا آغاز ہو گیا اور خاصی رقم جمع ہو گئی۔ چند دیگر تقاریر اور تبادلۂ خیالات کے بعد یہ مبارک مجلس نمازِ مغرب اور دُعا پر اختتام پذیر ہوئی۔

تقریب جمعہ کا چشم دید احوال، محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ کی تحریر ''وَاَدْخِلْنَا فِیْ دَارَالسَّلَامِ'' سے ایک اقتباس:

> بارہ بجے دوپہر تک سب لوگ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں بڑے دالان میں جمع ہو گئے۔ ایک بجے اذان دی گئی۔ اور حضرت امیر نے اپنے ایمان اور بصیرت افروز خطبے سے اس نئے مشن کا افتتاح فرمایا۔ آپ نے سورۂ فاتحہ سے پُراثر خطبہ شروع کیا۔ الحمدللہ کی صدا جو ہر کامیابی اور خوشی کے موقعہ پر بے اختیار مومن کے دل سے نکلتی ہے۔ اس کو اس وقت جب دل اللہ کے شکر و احسان سے لبریز تھے آپ کے پُرسوز اور ملکوتی لہجہ میں سن کر پگھل گئے۔ چونکہ آپ کا انگریزی سے ترجمہ ہو کر من وعن اخبار پیغامِ صلح میں شائع ہو چکا ہے۔ اس لیے یہاں میں اپنے کمزور قلم سے اس کو کیا قلمبند کروں۔ وہ تو کوزہ میں دریا بند تھا۔ خطبہ کے آخر میں آپ نے اعلان فرمایا کہ اس گھر کا نام 'دارالسلام' تجویز کیا گیا ہے۔ سبحان اللہ کیا پیارا نام عطا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اسمِ بامسمّٰی ثابت فرمائے۔ میں نے اسی لقب کو اپنے اِس مضمون کا عنوان رکھا ہے۔ اور اب سے انشاء اللہ یہی نام اس کے لیے لکھوں گی۔

خطبہ کے بعد حضرت امیر کی امامت میں نماز جمعہ ادا ہوئی۔آپ کی پُرسوز اور دلنشین حُسنِ قرآت سے تو ایک دُنیا متاثر ہے۔ اس وقت تو ایک عجیب سماں بندھ گیا۔نماز کے بعد منتظم خواتین نے دوپہر کا کھانا دیا۔کھانے میں پلاؤ،مرغ کا قورمہ، دہی اور کھیرے کا رائتہ، سب بہت لذیذ تھے۔ مشروب میں پیپسی کولا،لیمن اور اورنج سکواش باافراط تھے۔کھانے سے فارغ ہوکر سب لوگ دوبارہ جم جما کر بیٹھ گئے،تو مسز جمیلہ خان نے مائیک سنبھالا۔اور سب سے پہلے تو بے شمار پیغامات مبارک باد وتہنیت جو دُنیا کے ہر کونے سے موصول ہوئے پڑھ کر سُنائے۔ اس کے بعد نام بنام باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کا مقامی جماعت کے ممبرز سے تعارف کروایا۔ بعدازاں حضرت امیر کی صدارت میں باہر کے ہر ایک نمائندے نے مائیک پر آکر سب کو خطاب کیا۔

دورانِ جلسہ میں ہی متعدد کارکن خواتین نے گرما گرم چائے اور بسکٹ سب کو پیش کردیئے۔ یہ سلسلہ تقریر وتحسین گہری شام تک چلا۔اور کئی مقررین کے پُرجوش وجذبہ بھرے خطاب سے رنگ بندھ گیا۔

(”کچھ یادیں کچھ باتیں“، مجموعہ مضامین محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ)

جلسہ ۲۸ اگست ۱۹۸۲ء (دوسرادِن)

دوسرے دن کے جلسہ کے لیے ’دارالسلام‘ سے کچھ فاصلے پر ایک بڑا ہال دِن بھر کے لیے کرائے پر حاصل کیا گیا تھا۔جلسہ کی دونوں نشستوں میں تقاریر کا معیار نہایت اعلیٰ تھا۔درمیانی وقفہ نمازِ ظہر وعصر کی ادائیگی کے لیے اور دوپہر کے کھانے کے لیے رکھا گیا تھا۔مقررین میں ڈاکٹر نظیرالاسلام صاحب، ڈاکٹر اللہ بخش صاحب،مولٰینا جگّو صاحب،اور محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ شامِل

تھیں۔ حضرت امیرؒ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تقریر اور دُعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

محترمہ رضیہ فارقی صاحبہ نے اپنے مضمون ''وَاَدْخِلْنَا فِیْ دَارَالسَّلَامِ'' میں جلسہ کی مکمل روئیداد قلم بند فرمائی ہے۔ اُس تحریر سے ایک اقتباس:

اس کے بعد مسز جمیلہ خان نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ سے تقریر کی درخواست کی۔ آپ کی آج کی انگریزی تقریر آیاتِ قرآنی وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾۔ (اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں) (آل عمران ۳: ۱۰۴) سے شروع ہوئی۔ اور ترجمہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ آیاتِ قرآنی ہماری جماعت اور مشن کی بنیاد ہیں۔ اور یُوں آپ نے اس جماعت کے تین اہم بنیادی اُصول بیان فرمائے (۱) دوسروں کو نیکی کی دعوت دینا (۲) جو بھی حق بات ہو اس کو قبول کرنا اور (۳) جو بُری بات ہو اُس سے روکنا۔

آخر میں آپ نے ان سب کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے آپ کی خاطر و خدمت میں حصہ لیا۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی رحمت و مہربانی سے نوازے اور کہ سب کے لیے میں یہ دُعائیں اور نیک خواہشات لے کر واپس وطن جا رہا ہوں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کی اس دل گداز و دلنشین تقریر اور دُعا پر یہ دو روزہ جلسہ بخیر و خوبی اختتام کو پہنچا۔ الحمدللہ رب العٰلمین۔ اب شام ہو رہی تھی۔ جلد جلد ہال کو صاف ستھرا کر کے اپنی چیزیں سنبھال کر ہم سب واپس دارالسلام کو لوٹ

آئے۔ یہاں پہلے چائے کا دور چلا پھر مغرب وعشاء کی نمازیں ادا کر کے دوبارہ ملنے ملانے کا سلسلہ شروع ہوا۔

دارالسلام میں نماز باجماعت اور درس کا سلسلہ

دورانِ جلسہ اور بعد کے ایام میں، جب تک حضرت امیرؒ کا قیام 'دارالسلام' میں رہا، نماز باجماعت اور درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رہا۔ اکثر اوقات، دیگر مہمانوں کی بیداری سے قبل، آپ مسجد کے ہال میں تشریف لا کر بآوازِ بلند اذان دیتے۔ رفتہ رفتہ سبھی جمع ہو جاتے اور آپ کی اقتداء میں فریضۂ نماز ادا ہوتا اور سامعین کو آپؒ کی پُرسوز قرأت اور معارفِ قرآن سے مستفید ہونے کا موقعہ میسر آتا تھا۔

محترمہ رضیہ فاروقی صاحبہ نے جلسۂ افتتاحِ مرکز کے موقع پر جو تقریر بعنوان 'ماضی سے حال تک' فرمائی تھی، اُس میں بخوبی انگلستان میں تحریکِ احمدیت اور تبلیغی مشن کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے، زمانۂ حال میں جماعت کی شیرازہ بندی کے لیے حضرت امیرؒ کی سعی اور جدوجہد کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں فرمایا:

> جب ۱۹۷۵ء کی لندن احمدیہ کنونشن میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ یو۔کے جماعت کو لاہور انجمن سے جو سب غیر ملکی مشنوں کا مرکز ہے قطع تعلق کر لینا چاہئے۔ تو ہم لوگ تو سُن کر حیران و پریشان ہو گئے اور مسٹر عزیز احمد مرحوم نے اُسی وقت سٹیج پر جا کر اس تجویز کی شدید مخالفت کی۔
>
> اُس وقت خدا کا ہاتھ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، ہمارے موجودہ حضرت امیر کو سامنے لے آیا اور آپ نے ایک بہادر مجاہد کی طرح بعد کی میٹنگ میں اس نقصان دہ تجویز کی مخالفت فرمائی اور خدا کا شکر ہے کہ اس طرح یہ ناکام رہ گئی۔ اس کے بعد آپ نے ہی موجودہ یو کے جماعت کی تنظیم کی ابتداء فرمائی۔ یہ بھی

خدائی تصرف تھا کہ اس جماعت کی صدارت کے لیے اس وقت ہماری لائق فائق مخلص اور انتھک کام کرنے والی بہن مسز جمیلہ خان کا انتخاب ہوا۔ جب سے لے کر آج تک یہ صرف مسز جمیلہ خان کی دن رات کی محنت اور مخلصانہ جدوجہد کا پھل ہے، جو آج ہمیں اس مرکز کی شکل میں نظر آ رہا ہے۔

اگرچہ اب خدا کے فضل سے ہماری یو۔کے جماعت منظم اور شمار میں بڑھ گئی تھی لیکن پرانے احمدیہ ہاؤس کا جھگڑا پریشان کر رہا تھا۔نوبت عدالت تک آ گئی تھی اور جماعت اور مشن کے کام کے لیے کوئی ڈھنگ کا ٹھکانہ نہ تھا۔

پچھلے سال ہمارے موجودہ امیر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے ایک بار پھر یو۔کے جماعت کے لیے ایک مکان بطورِ مرکز کے خریدنے کو چندہ کی اپیل کی۔ اس اپیل پر جو آپ نے امریکہ کے علاقے سان فرانسسکو میں کی جس طرح وہاں کی جماعت نے لبیک کہا وہ قابلِ صد ستائش ہے۔ ہمارے نوجوان عزیز ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک اور دیگر ممبران نے جس دریا دلی سے چندہ دیا اُس سے یہ ممکن ہو گیا کہ یہاں کی جماعت لاہور انجمن کے لیے یہ مکان خریدنے کا سامان کر سکے۔ چنانچہ ہماری پریذیڈنٹ مسز جمیلہ خان، سیکرٹری مسٹر شاہد عزیز اور ہمارے نئے سرگرم امام مسٹر محمد انور اور دیگر ممبران کی سال بھر کی تلاش اور کوشش کے بعد، یہ موجودہ مکان جس کا نام 'دارالسلام' تجویز ہوا ہے آپ کے سامنے ہے۔ میں اس میں حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ، جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب، ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب اور سب بزرگ نوجوان بھائی، بہنوں کو خوش آمدید کہتی ہوں۔ اور مسز جمیلہ خاں، مسٹر شاہد عزیز، محمد انور صاحب اور سب یو۔کے جماعت کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتی ہوں۔ آخر کار ہمارے ماضی کی سنہری راکھ سے پھر ایک شعلہ چمکا ہے۔ اللہ کرے کہ اس کی چمک دمک

دور دور تک پہنچے اور بڑھتی ہی جائے۔ آمین۔
(" کچھ یادیں کچھ باتیں"، مجموعہ مضامین از رضیہ فاروقی صاحبہ)

احباب نیدرلینڈ سے خصوصی میٹنگ

نیدرلینڈ کی جماعتوں کے درمیان اختلافات اور ممبران کی باہمی رنجشیں جماعتِ احمدیہ کی سالمیّت کے لیے ضرر رساں بن سکتی تھیں، اس لیے حضرت امیر کی خواہش تھی کہ وہ نیدرلینڈ کے نمائندوں سے گفتگو فرما کر اُن کے اختلافات کے ازالہ کی سعی فرمائیں۔ اولاً آپ نے ہر جماعت کے نمائندے سے فرداً فرداً بات کی اور نصیحت فرمائی اور پھر محمد انور صاحب امام لندن کی موجودگی میں اِن سے یکجا ملاقات کی۔ اِس خصوصی میٹنگ کا آغاز حضرت امیرؒ نے تلاوتِ قرآن اور مختصر تقریر سے کیا اور نصیحت فرمائی۔ آپ کی تحریر سے اقتباس:

> غلطیاں سب سے ہوتی ہیں۔ حضرت صاحبؒ نے فرمایا ہے: "سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل اختیار نہ کرو"۔ اِس موضوع پر مختصر گفتگو کی اور جگّو اور نور سردار صاحبان کی رنجشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے دردمندانہ نصیحت کی۔ جگّو صاحب بہت روئے۔ سَنتُو پر بھی اثر تھا۔ سب ہی نے محسوس کیا۔ اللہ نے میرا کام آسان فرمایا۔ نور سردار سے کہا: "آپ چھوٹے ہیں، آپ اِن سے ملنے کے لیے بڑھیں، یہ بڑے ہیں اور ادب اور عزت اُن کا حق ہے"۔ دونوں بغل گیر ہوئے۔ میں نے کہا: "اب آپ پروگرام بنائیں۔ میں انشاء اللہ ہالینڈ آؤں گا۔ آپ ایک مقام پر تمام جماعتوں کو دعوت دیں، اور ہمیشہ سب مل کر کام کریں، ہمارا غم کم ہوگا۔ ہمیں قوت ملے گی۔"

پھر وہ باہم مشورہ کرتے رہے اور ۱۰ ستمبر کا جمعہ ہالینڈ میں پڑھنے، اگلے دو روز

ہفتہ اور اتوار کا پروگرام تجویز کیا۔ کس شہر میں جلسہ ہوگا، اِس کا فیصلہ وہاں کریں گے۔ غالباً ۱۲ ستمبر اتوار کو جلسہ کریں گے۔ اللہ مبارک کرے اور مجھے اِس مہم کو بھی خوبی کے ساتھ پورا کرنے کی توفیق اور قوت نصیب فرمائے۔

ایگزیکٹو کونسل انگلستان کی میٹنگ

جمعہ ۳ ستمبر ۱۹۸۲ء کو انگلستان کی ایگزیکٹو کونسل کی ایک خصوصی میٹنگ ہوئی جس میں حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، محترم میاں فضل احمد صاحب، ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک صاحب، محمد انور صاحب اور مقامی منتظمہ کے عہدہ داران اور چند ممبران نے شرکت فرمائی۔ میٹنگ میں جو فیصلہ جات کیے گئے، اُن میں جماعتی روابط میں توسیع کے منصوبے، ماہوار چندہ، مرکز میں بچوں کی تعلیم اور نمازوں کا انتظام، قرضہ کی اقساط کی ادائیگی کے لیے وسائل کی تدابیر اور تجاویز شامل تھیں۔ قرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں میاں فضل احمد صاحب نے ایک نہایت معقول اور مفید تجویز پیش کی کہ سو سو پونڈ کا ایک ایک یونٹ مقرر کر کے تمام جماعتوں میں تحریک کی جائے کہ ہر جماعت اپنے ذمے کچھ یونٹ لے لے اور سال بھر میں ادا کر دے۔ اور یہ کہ ایک فرد ایک یا ایک سے زیادہ یونٹ کا وعدہ کرے یا پھر ایک یونٹ میں ایک سے زیادہ افراد شامل ہو کر سال بھر میں ادائیگی کا ہدف پورا کر لیں۔ یہ تجویز پیش کرتے ہوئے میاں فضل احمد صاحب نے خود اُسی وقت دو یونٹ کا اپنی طرف سے وعدہ فرما کر تحریک پر عمل کی ابتداء کر دی۔

چند فیصلہ جات 'دارالسلام' کی عمارت کے کارآمد استعمال سے متعلق بھی کیے گئے، کہ امام کی رہائش، مسجد، امام کے دفتر اور دو کمرے مہمانوں کے لیے مختص کر دیئے جائیں۔ اور باقی تمام کمرے کرائے پر دے دیئے جائیں تا کہ اقساط کی ادائیگی کے لیے ایک مستقل ذریعہ آمدن ہو جائے۔ مگر کرائے داروں کے ساتھ معاملات نہایت محتاط طریقہ پر کیے جائیں۔ اِس کے علاوہ اگر مہمان بھی زیادہ لمبا قیام کریں تو کرایہ ادا کریں۔ اور بعض اوقات، کم بھی ٹھہریں تو کرایہ ادا کرنا احسن طریقہ ہو

گا۔

نیدرلینڈ کا دورہ

۱۰ ستمبر ۱۹۸۲ء کو حضرت امیرؒ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے ہیگ میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے بعد احباب جماعت سے ملاقات فرمائی اور کئی بحث طلب انتظامی امور پر تبادلۂ خیال ہوا۔ چند احباب کو انتخاب کے طریقہِ کار سے اتفاق نہ تھا اور وہ نومنتخب صدر کے انتخاب کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت امیرؒ نے انہیں ایک درمیانہ راستہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا کہ فی الوقت موجودہ انتخاب کو دو سال کے بجائے ایک سال کے لیے درست تسلیم کر لیا جائے، اور آئندہ سال کے دوران نئی فہرستیں مرتب کی جائیں، اور اُن ممبران کو شامل کیا جائے جن کے ماہوار چندے کی ادائیگی میں باقاعدگی ہو، اور وہ نمازوں میں شامل ہوتے ہوں اور جماعتی امور میں دلچسپی رکھتے ہوں۔ اِن اصولوں کو مدنظر رکھ کر طریقۂ انتخاب وضع کیا جائے اور ایسے عہدہ دار منتخب کیے جائیں جو خدمتِ دین کے خواہش مند ہوں، نہ کہ صرف عہدے کے طلب گار۔ اِس فیصلے کو تمام ممبران نے خوش دِلی سے قبول کر لیا۔

جلسہ بمقام ہیگ

نیدرلینڈ فیڈریشن کے زیرِ اہتمام ۱۲ ستمبر ۱۹۸۲ء کو ہیگ میں اُسی بڑے ہال میں جلسہ کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں سالِ گذشتہ بھی جلسہ ہوا تھا۔ یکے بعد دیگرے کئی مقررین نے اعلیٰ معیار کی مدلّل تقاریر فرمائیں، اور اختتامی تقریر کے لیے حضرت امیر کو دعوتِ خطاب دی گئی۔

آپؒ کے گھنٹہ بھر کے خطاب میں سامعین ہمہ تن گوش تھے۔ آپ نے اپنی تقریر میں انفاق فی سبیل اللہ کا موضوع شامل کرتے ہوئے، لندن مرکز کی تاریخی اہمیت اور ادائیگی اقساط اور لندن میں پریس لگانے کے منصوبے کا ذکر فرمایا۔ اور اِس مرکز مین ایک خاص بین الاقوامی حیثیت کو

مدِّنظر رکھتے ہوئے تمام عالمی جماعتوں کے اِس میں حصہ لینے اور اِس مرکز سے استفادہ کرنے کی تحریک کی۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

میں اِس وقت فوری چندہ دینے کی اپیل کر کے آپ کو کسی آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتا بلکہ ایک سکیم کی وضاحت کرتا ہوں کہ جماعت سال بھر میں ایک ایک سو پونڈ کو بطورِ یونٹ بناتے ہوئے، جس قدر یونٹس کا اعلان اور وعدہ کر سکے کر دے۔ اور جانے سے پہلے مجھے ایک لسٹ دے دیں۔

حضرت امیر کی اِس تجویز پر لبیک کہتے ہوئے ممبران نے فوراً ہی اپنے اپنے حصوں کا اعلان کر دیا۔ یہ اجلاس تقریباً چھ بجے شام دُعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

شب بسری کے لیے محترم جگّو صاحب اور ممبران اُوتریخت جماعت کی خواہش کی تکمیل میں آپ اُن کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ رات تقریباً گیارہ بجے تک احباب کے ساتھ تبادلۂ خیال اور گفتگو ہوئی۔ آپ نے ممبران میں نمایاں طور پر ایک خوش آئند تبدیلی اور خلوص کو محسوس کرتے ہوئے راحت محسوس کی۔

۱۴ ستمبر کو ایئر پورٹ پر اوترخت اور ہیگ جماعت نے آپ کو محبت بھرے جذبات کے ساتھ الوداع کہا اور آپ لندن کے لیے روانہ ہو گئے۔

عیدالاضحیٰ ۔ دارالسلام لندن میں

کمپیوٹر سے ذی الحج کے چاند کی پہلی تاریخ کا اندازہ کرتے ہوئے، جماعت انگلستان نے ۲۷ ستمبر کو عیدالاضحیٰ منانے کا فیصلہ کیا اور تمام ممبران جماعت کو اِس سے مطلع کر دیا اور دعوت نامے ارسال کر دیئے گئے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ دوسرے لوگ ۲۸ ستمبر کو عید کر رہے ہیں۔ اس تاریخ

سے اپنی جماعت کے چند افراد کو بھی اختلاف تھا۔ مگر اب تاریخ بدلنا آسان نہ تھا۔ اس لیے درالسلام میں عیدالاضحیٰ کی نماز ۲۷ ستمبر کو ہی ادا کی گئی اور ساٹھ (۶۰) کے قریب لوگوں نے اس میں شرکت کی۔ نماز اور خطبۂ عید کے بعد مہمانوں کی تواضع کے لیے دوپہر کا کھانا پیش کیا گیا، جو محترمہ ارجمند بانو انور صاحبہ نے خود تیار کیا تھا۔ محترمہ رفعت شاہد صاحبہ نے گاجر کا حلوہ تیار کیا تھا، جس سے ضیافت کی لذت میں مزید اضافہ ہوا اور تمام احباب بے حد لطف اندوز ہوئے۔ ظہرانے کے بعد اکثر مہمان رُخصت ہو گئے۔

دفتر کا قیام

عیدالاضحیٰ کے اِس مبارک موقع پر 'دارالسلام' میں جماعت احمدیہ لاہور (انگلستان) کے دفتر کے قیام کے بھی انتظامات مکمل ہو گئے۔

حضرت امیرؒ کی تحریر سے اقتباس:

> دو بجے کے قریب لوگ جانے شروع ہو گئے، لیکن کئی احباب دیر تک ٹھہرے۔ عزیز علی، فیض خان اور ایک دو اور نوجوانوں نے ایک دو گھنٹے کی محنت سے مسجد کے سامنے والا کمرہ پلنگ اور ایک وارڈ روب سے خالی کر کے اور کتابیں رکھنے کے لیے گودام سے موزوں الماریاں لا کر اور میز کرسی لگا کر اور تمام منتشر کتابوں کو اِس کمرہ میں جمع کر کے، اِسے دفتر کی شکل دے دی۔ یہ میری خواہش تھی کہ میری موجودگی میں 'دارالسلام' بحیثیت ادارہ کام کرتا نظر آئے، جس کی پہلی ضرورت دفتر تھی۔ اِس کا میں نے چند بار اظہار کیا تھا۔ اِن لوگوں نے ہمت کر کے میری اِس خواہش کو پورا کیا۔ اِس میں میں خود اب ایک دو روز جو یہاں ہوں کچھ کام کر کے انور کے لیے تیار کر لوں گا۔ اللہ میری ہر بھلائی کی خواہش پوری فرمائے۔

کوئی پانچ بجے کا وقت تھا۔ میں نے موجودہ لوگوں کو جو، اب چائے کے لیے
بے صبری دکھا رہے تھے، کہا کہ اب آج کی مبارک مجلس کا آخری کام نماز ہونی
چاہیئے۔ چنانچہ مسجد میں ظہر و عصر کی نمازیں جمع کی گئیں۔

اہم میٹنگز

حضرت امیرؒ کی انگلستان میں تشریف آوری کے فوراً بعد محترمہ جمیلہ خان صاحبہ نے 'دارالسلام' کی خریداری سے متعلق تمام تفصیلات کی فائل آپ کی خدمت میں پیش کر دی تھی، اور آپ نے اِس کا بغور مطالعہ فرما لیا تھا، اور ہالینڈ کے سفر سے قبل اور واپسی کے بعد کے ایام میں ممبران سے تفصیلی گفتگو اور ایگزیکٹو کونسل کے ساتھ میٹنگز میں فیصلہ جات کیے جا چکے تھے۔ تاہم آپ کی خواہش تھی کہ آپ کے یہاں سے رُخصت ہونے سے قبل، تمام امور واضح صورت میں سامنے آ جائیں اور کسی بھی امر سے متعلق کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ عید کے روز بھی آپ نے محترمہ صدر صاحبہ سے گھنٹہ بھر کی میٹنگ کی تھی۔

ہفتہ ۱۲ اکتوبر کو حضرت امیرؒ محمد انور صاحب (امام لندن) کے ہمراہ محترمہ جمیلہ خان صاحبہ سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ اس میٹنگ میں جن امور پر قطعی گفتگو ہوئی، اُن میں 'دارالسلام'، جماعتِ انگلستان، امام کے فرائض منصبی، احمدیہ ہاؤس کا مقدمہ وغیرہ شامل تھے۔

احمدیہ ہاؤس کے مقدمہ کے سلسلہ میں ایک اہم فیصلہ یہ ہوا کہ دو روز قبل اٹارنی جنرل کی طرف سے ایک نوٹ کے ساتھ، جو درخواست واپس موصول ہوئی تھی، اُس کی روشنی میں، یہی بہتر ہو گا کہ وکیل سے مشورہ کے بعد، یہ بات سالسٹر کے سامنے پیش کی جائے، اور عدالت سے باہر ہی اِس معاملہ کو خوش اسلوبی سے حل کرتے ہوئے مقدمہ ختم کر دیا جائے۔

پاکستان میں آمد

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان ۱۳ اکتوبر کو لندن سے روانہ ہو کر ۱۴ اکتوبر کو اسلام آباد پہنچے، اور ایبٹ آباد تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے چند روز قیام فرمایا اور ۱۳۱ اکتوبر کو بخیر و عافیت آپ کی لاہور تشریف آوری ہوئی۔



اکیسواں باب

دورہ یورپ، امریکہ اور جزائر غرب الہند

جولائی تا اکتوبر ۱۹۸۴ء

دورہ کی غرض

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

۷ جولائی ۱۹۸۴ء، دارالسعید ایبٹ آباد۔ دِن بھر سفر کی تیاریوں میں خرچ ہوا۔ شام کے بعد اکرام بھی دیگر اس سے رخصت کرنے کی غرض سے آ گیا۔ اللہ کے بھروسہ پر یہ سفر اختیار کر رہا ہوں۔

سرینام کی مسجد و مرکز کے افتتاح کے لیے اور بعد میں کنوینشن سہ روزہ میں میری اور دوسرے مندوبینِ مرکز کی شمولیت کے لیے عرصہ سے تاکیدی درخواست ہے۔ اِس موقعہ سے استفادہ کرتے ہوئے امریکہ کے دوستوں اور عزیزوں نے بھی اپنے ہاں مدعو کیا ہے اور اگست کے آخر میں سہ روزہ کنوینشن

کا اہتمام کیا ہے۔ فجی سے بھی درخواست ہے۔ اُن کی عظیم مسجد تیار ہونے والی ہے۔ اُس کا افتتاح ستمبر کے آخر میں ہے۔ نیز آرڈیننس نمبر ۲۰ مجریہ ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء کی وجہ سے پاکستان میں ہماری جماعتوں کو جن سنگین مسائل کا اب سامنا ہے، کے متعلق تمام بیرونی جماعتیں بہت فکر مند ہیں۔ اس لیے لندن اور ہالینڈ کے احباب کی ملاقات بھی از حد ضروری ہو چکی ہے۔ مستقبل کے مسائل اور کسی لائحہ عمل کا تعین لازمی ہو چکا ہے۔ یہ اسباب ہیں کہ میرے لیے سوائے یہ جرأت مندانہ اقدام کرنے کے کوئی چارۂ کار نہیں اور باوجود اپنی عمر، صحت اور ہر لحاظ سے کمزوری کے میرا باہر جانا، جبکہ خود ملک کے اندر بھی میری موجودگی بہت ضروری تھی، عمائدین انجمن نے اور خود میں نے بھی سوچا ہے کہ ناگزیر ہو چکا ہے۔

آغاز سفر

آپ تحریر فرماتے ہیں:

۹ جولائی ۱۹۸۴ء۔ اب دعاؤں اور بیم و رجا کی کیفیاتِ قلبی کے ساتھ، آج ۹ جولائی ۱۹۸۴ء کو چل ہی پڑا ہوں اور اِس وقت برٹش ایئرویز کی ۲۲۲ فلائٹ سے پرواز ہو رہی ہے اور میں ڈائری لکھ رہا ہوں۔

عجیب بات تصرفِ الٰہی سے ہوئی کہ احسان الحق چوہدری صاحب نے بھی میری ہمراہی کا بالآخر فیصلہ کر لیا اور قریباً سارے سفر میں ساتھ دینے کا تہیہ کر لیا اور ٹکٹ بنوا لیے ہیں۔ والدۂ ارجمند، لطیف النساء بھی اسی جہاز سے لندن جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔ ایئرپورٹ پر خاص اجازت لے کر محمد سعید بھی آئے اور

میرے کسی تردد کے بغیر ہمارا پیچیدہ مسئلہ، چیک اِن (check in) کا طے ہوا۔ مجھے کچھ بھی دوڑ دھوپ نہ کرنا پڑی۔

ایک اور امر، وہ بھی تصرفِ الٰہی سے یہ ہوا کہ میاں فضل احمد صاحب کے مشورہ سے ٹکٹ جے کلاس (J Class) کا میرے لیے لیا گیا۔ یہ اکانومی کلاس سے پچیس تیس فیصد مہنگا ہے لیکن اِس میں جو سہولت اور آسائش ہے وہ سو فیصد زیادہ ہے۔

انگلستان

انگلستان کے چندہ روزہ قیام میں آپ نے احباب سلسلہ سے ملاقات، نماز جمعہ اور ایک اہم میٹنگ میں شرکت فرمائی۔ آپ بالخصوص نئے صدارتی حکم کے نفاذ سے پاکستان میں پیش آمدہ سنگین حالات سے احبابِ جماعت کو آگاہ فرمانا چاہتے تھے۔ میٹنگ میں اسی حوالہ سے گفتگو فرماتے ہوئے آپ نے اِس کی روشنی میں مستقبل کے فیصلہ جات اور مثبت لائحہ عمل تیار کرنے کی تاکید فرمائی، بالخصوص اشاعت وطباعت کتب سلسلہ کے، انگلستان میں جائزہ لینے اور غور کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔

دورہ جزائر غرب الہند

ٹرینیڈاڈ۔ جلسہ، ۲۴ جولائی ۱۹۸۴ء

جزائر غرب الہند میں آپ کی پہلی منزل ٹرینیڈاڈ تھا۔ آپ نیو یارک، فلیڈیلفیا اور میامی سے ہوتے ہوئے میاں فضل احمد صاحب وبیگم طاہرہ فضل احمد کی معیت میں ٹرینیڈاڈ پہنچے۔ جلسہ شام کو مسجد میں ہوا۔ قبل از دوپہر آپ کی ملاقات متعدد احبابِ سلسلہ سے ہوئی۔ آپ نے ٹرینیڈاڈ میں اپنی

آمد کی غرض کی وضاحت کرتے ہوئے اُن سے کہا، کہ آپ کی تشریف آوری کی خاص غرض اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ یہ جماعت دوبارہ مرکز کے ساتھ اتحاد کرنے کو تیار ہے یا نہیں۔ اور آپ نے اپنی طرف سے اُن کی طرف صلح اور اتحاد کا ہاتھ بڑھایا۔

جلسہ کا انعقاد مسجد میں ہوا۔ چند مقامی احباب کے علاوہ میاں فضل احمد صاحب طاہرہ فضل احمد صاحبہ اور ظفر عبداللہ صاحب نے بھی تقاریر فرمائیں۔ ظفر عبداللہ صاحب اپنے ہمراہ سلسلہ احمدیہ لاہور کی نئی طبع شدہ کتب کے تین چار بنڈل لائے تھے۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے یو ایس اے کے مرکز سے اب کتب کی طباعت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، اور اسلامک ریویو کا اجراء بھی یہاں سے ہو چکا تھا۔ انگریزی کتب Ahmadiyyat in the Service of Islam (احمدیت ان دا سروس آف اسلام) اور The Founder of the Ahmadiyya Movement (فاؤنڈر آف دی احمدیہ موومنٹ) نئی عمدہ طباعت کے ساتھ شائع ہو چکی تھیں۔ ظفر عبداللہ صاحب نے اِن کتب اور اسلامک ریویو کا سیٹ تحفتاً پیش کیے۔ اور آئندہ اسلامک ریویو کی مستقل خریداری کے لیے تحریک کی۔

حضرت امیرؒ نے اپنی تقریر میں، پاکستان میں پیش آمدہ حالات اور مشکلات کے باوجود جماعت کی بلند حوصلگی اور جذبۂ ایثار وقربانی کا ذکر فرمایا اور گذشتہ بارونق جلسہ اور کثیر تعداد میں افراد کی شرکت اور دیگر ترقیاتی منصوبوں کا ذکر فرمایا۔

پاکستان میں جماعت کو پیش آمدہ خطرات کے ذکر میں ایبٹ آباد کی احمدیہ مسجد کی زینت کلمۂ طیبہ کی شکستگی کے واقعہ سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ آپ نے عبدالکریم سعید صاحب کی انگریزی نظم "The Precious Stones" (بیش قیمتی جواہر) پڑھ کر سنائی۔ سامعین میں سے اکثر نے اسے نم ناک اور اشک بار آنکھوں سے سنا۔ حضرت امیرؒ نے اس جلسہ کو نہایت حوصلہ افزاء قرار دیا تھا۔

گیانا

۲۵ جولائی کو گیانا پہنچنے پر حضرت امیرؒ کے میزبان آپ کو اپنی زیرِ تعمیر مسجد دکھانے کے لیے لے گئے، جہاں ابھی گنبد پر کام ہو رہا تھا۔ اور کچھ دیگر کام بھی نامکمل تھے، جس کے لیے کافی وقت اور رقوم درکار تھیں۔ حضرت امیر نے احبابِ جماعت کی اِس سعی کو سراہتے ہوئے اُن سے فرمایا: ”آپ کو اتنی شاندار مسجد کو آباد کرنا ہوگا اور اِس کو نمازیوں سے بھرنا بھی ہوگا۔“

گیانا میں آپ کا قیام ایک روز کا ہی تھا۔ احبابِ سلسلہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے صدارتی آرڈیننس کے حوالے سے گفتگو فرمائی، اور حاضرین مجلس کے متعدد اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ اس کے باوجود، مجموعی طور پر جماعت گیانا سے تعاون کے آثار زیادہ نمایاں نظر نہ آتے تھے۔

سرینام

۲۶ جولائی ۱۹۸۴ء کو حضرت امیر اور دیگر مندوبینِ مرکز کا فقید المثال استقبال ہوا۔

حضرت امیر کی تحریر سے اقتباس

> جہاز پارا ماریبو کے اڈہ پر اترا۔ جہاز کے قریب ہی ایک دو میزبان کھڑے تھے۔ ایک طیّب علی احمد تھے جنہیں موجودہ حکومت میں رسوخ حاصل ہے۔ اور ایک پروٹوکال کا سرکاری عہدہ دار کھڑا تھا۔ معلوم ہوا وہ ہندو ہے۔ بڑی عزت سے لے کر بریف کیس اس نے اٹھا لیا۔ پھر وی آئی پی لاؤنج میں لے گئے۔ وہاں کمیٹی کے ممبران موجود تھے۔ ایک خاتون مسز غفور خان، خاص شخصیت کی مالک بھی موجود تھیں۔ پھولوں کے ہار، بڑے بڑے میرے گلے میں اور ایک ایک میاں صاحب، بیگم طاہرہ اور ظفر عبداللہ اور اُس کے رفیق رحمان کے

ڈالے۔ پاسپورٹ وغیرہ لے کر گئے، جس میں کافی دیر لگی۔ ہم انتظار کرتے رہے۔ جب باہر نکلے تو بے شمار لوگ دو رویہ کھڑے تھے اور ہال بھی بھرا ہوا تھا۔ ہار پر ہار اور پھولوں کی پتیاں نچھاور کر رہے تھے۔ خلوص کا انتہائی اظہار اِن لوگوں کا شیوہ ہے۔ بیدار اور حافظ صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔ ہر شخص گلے ملا۔ اور لاتعداد انسانوں سے گلے ملنے میں کافی دیر لگی اور پھر رشید پیر خان کی ائیر کنڈیشنڈ گاڑی میں روانہ ہوئے۔

مسجد

حضرت امیر کی تحریر:

وہ (رشید پیر خان صاحب) ہمیں پہلے نئی مسجد کی طرف لے گئے کہ وہاں لوگ انتظار کر رہے ہوں گے۔ وہاں بھی ایئر پورٹ والا، بلکہ کچھ زیادہ ہی اژدہام تھا۔ وہیں ملاقاتیں بھی شروع ہوئیں اور کافی دیر لگ گئی۔ مسجد کو روشنیوں میں جگمگاتے دیکھ کر حیرت انگیز منظر سامنے تھے۔ بہت خوبصورت اور شاندار مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ اس قوم کی ہمت کا نشان ہے۔ ویسے تکلف سے مجھے زیادہ خوشی نہیں ہوتی، لیکن اپنے موجودہ پاکستان کے حالات کے پس منظر میں یہ عجیب منظر تھا۔ جو کلمات یاد تھے، میری زبان پر جاری رہے اور دِل خدا کی رحمتوں اور قدرتوں کے آگے سجدہ ریز تھا، اور سفر کی کوفت وتھکان کا اثر مفقود تھا۔ اس عاجز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کریمانہ سلوک وہ ہے جس کا شکر میری طاقت سے باہر ہے۔ بہرحال سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ تو زبان پر جاری رہا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

محترمہ میری غفور خان کی تحریر (انگریزی سے ترجمہ)

محترمہ میری غفور خان صاحبہ قرآنی آیات (۹۸:۷۔۸) کا حوالہ دینے کے بعد تحریر فرماتی ہیں:

میرے شوہر خلیل اور میں اُن خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جنہیں حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے ملاقات اور تعارف کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت امیر، جنہیں ہم پیار سے 'جانجی' بلایا کرتے تھے، تین مرتبہ سرینام تشریف لائے تھے۔

آپ دوسری مرتبہ ۱۹۷۹ء میں ایس آئی وی (SIV) کے قیام کی پچاس سالہ تقریبات میں شریک ہوئے۔ مگر میں آپ کے جولائی ۱۹۸۴ء کے دورہ کے متعلق کچھ تحریر کرنا چاہتی ہوں۔ اس وقت آپ ہماری جامعہ مسجد 'کوزسٹراٹ' کے افتتاح کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی تقریبات کے سلسلہ میں تشریف لائے تھے۔

مسجد کے افتتاح کے انتظامات کی نگرانی کے لیے محترم رشید پیر خان صاحب کی زیرِ قیادت ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی، جس کی میں سیکرٹری تھی۔ حضرت امیر اور دیگر مہمانوں کے استقبال کے لیے میں اپنے شوہر کے ہمراہ ایئر پورٹ پر موجود تھی۔ اور ہماری خوش قسمتی سے حضرت امیر اور میاں فضل احمد صاحب ائیر پورٹ سے پارا ماریبو کے سفر میں ہماری کار میں ہمارے ساتھ تشریف فرما تھے۔

وہ لمحہ، مجھے آج تک اُسی طرح، اچھی طرح یاد ہے، جب بجلی کے قمقموں سے جگمگاتی، ہماری مسجد پر حضرت امیر کی نگاہ پڑی تو آپ کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ ادا ہوئے: "ماشاءاللہ آپ نے بڑی شاندار مسجد بنائی ہے۔"

یہ نظارہ آپ دونوں (حضرت امیر اور میاں صاحب) کے لیے نہایت مسرور کُن

تھا۔ مسجد کی پیشانی پر ایس آئی وی کے نام کے ساتھ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کا نام جڑا ہوا دیکھ کر آپ کی خوشی دیدنی تھی۔ آپ کے لیے یہ ایک جذباتی لمحہ بھی تھا۔ آپ کا دِل اِن احساسات سے معمور تھا کہ یہ وہی نام ہے جس کو، اس طرح دیکھنے کے لیے آپ نے مسلسل سعی اور جدوجہد کی تھی۔

حضرت امیر نے اسی خاص مقصد کے لیے سرینام کے چپے چپے کا دورہ کیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں احمدیہ تحریک سے وابستہ رہنے کی تمنا اجاگر کی تھی اور جذبہ پیدا کیا تھا۔ آپ کی تمام تر جدوجہد اور کاوشیں آخر بارآور ہوئیں اور آپ نے بچشمِ خود یہ نظارہ، مسجد کی پیشانی پر تحریر شدہ عبارت میں دیکھ لیا۔ ہم آپ کے ممنونِ احسان ہیں کہ آپ نے تحریک احمدیہ کو سرینام میں زندہ رکھا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی تمام تر سعی اور ہماری رہنمائی کے لیے آپ کو اجرِ عظیم سے نوازے۔ (آمین)۔

حضرت امیر اور دیگر مندوبین کا قیام رشید پیر خان صاحب کی محل نما شاندار رہائش گاہ پر تھا۔

۲۷ جولائی ۱۹۸۴ء۔ ایک مصروف ترین دِن

۲۷ جولائی بروزِ جمعہ، ایک لمبا پروگرام آپ کا منتظر تھا۔ آپ کے میزبان رات کو ہی پروگرام کی تفاصیل آپ کے گوش گذار کر چکے تھے۔ ایوانِ صدر میں ایک تقریب میں شرکت اور صدرِ سرینام سے ملاقات، نماز جمعہ اور شام کو جلسہ کی ایک طویل نشست آپ کی منتظر تھی۔

ایوانِ صدر میں تقریب

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر:

جمعہ کی صبح ٹھیک دس بجے صدر سرینام کے عالیشان مکان پر پہنچے۔ جماعت کے بہت سے افراد مدعو تھے۔ نیز ہر مذہب کے لیڈر بھی بلائے گئے تھے۔ حبیب نعمت، صدر جماعت سرینام کو اور ایک دوسرے بزرگ روزن صاحب کو خدمات کے عوض سنہری تمغے ملنے تھے۔ سب لوگ صف میں کھڑے تھے اور تمغے دینے کی تقریب پہلے ہوئی۔ صدر کی بیوی نے تمغے لگائے۔ مبارک باد وغیرہ کے بعد پہلے رومن کیتھولک بشپ نے پھر سناتن دھرم کے لیڈر اور پھر آریہ سماج کے مذہبی لیڈر نے اور پروٹسٹنٹ پادری نے مختصر تقاریر کیں۔ آریہ لیڈر نے وید کا کوئی شلوک بھی پڑھا۔ سب نے جملہ مذاہب کی باہمی رواداری پر زور دیا۔ مجھے کسی تقریر کا نہ کہا گیا تھا۔ تاہم یہ مجلس اس رنگ کی ہے، یہ جان کر میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ممکن ہے کہ مجھے بھی کچھ کہنا پڑے اور میرا جی بھی چاہتا تھا۔ چنانچہ میرا تعارف صدر سے جو ہندو ہے (وہ غالباً پنجاب کا رہنے والا ہے، جو ہندوستان سے یہاں آکر آباد ہوا تھا) جب کرایا، میں آگے بڑھا تو مصافحہ کے بعد میں نے خود، قلبی تحریک کے تحت مختصر تقریر انگریزی میں شروع کر دی۔ دیگر مذاہب کے لیڈروں کی تقاریر کے حوالے سے کہا کہ ہمارے کنونیشن کا موضوع ہی مذہبی رواداری (World Brotherhood) کا ہے اور اسلام نے سب سے بڑھ کر رواداری کا سبق دیا ہے اور قرآن سے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (دین میں کوئی زبردستی نہیں) (البقرۃ ۲:۲۵۶)۔ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ (اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان یکساں ہے) (آل عمران ۳:۶۴) اور لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَ لِيَ دِيْنِ (تمہارے لیے تمہارا بدلہ اور میرے لیے میرا بدلہ ہے) (الکافرون ۱۰۹:۶) کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ اِس زمانہ میں

بعض مما لک میں مسلمانوں کی عدم رواداری اسلام کی تعلیم سے نہیں بلکہ خلافِ احکامِ اسلام وقرآن ہے۔ اور غیر مذاہب کے خیر سگالی کے جذبات کا شکریہ ادا کیا۔ بہر حال میری گفتگو سے مجھے اور میرے دوستوں کو اطمینان حاصل ہوا۔ صدر اور بیوی بھی تپاک سے ملے۔ اُس کی بیوی نے بتایا کہ وزیر آباد کی رہنے والی ہے۔ اُس کی ماں اب بھی زندہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہندو خاتون مجھ سے اور بیگم طاہرہ سے بھی ملیں اور گفتگو کرتی رہیں۔

مسجد کا افتتاح

حضرت امیرؒ نے افتتاحی تقریر کے لیے قرآن پاک کی کچھ آیات کا انتخاب کر رکھا تھا، جس میں تعمیرِ کعبہ اور دیگر مساجد کا ذکر تھا۔ ایک بجے کے قریب جب آپ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ وسیع مسجد اپنی گنجائش کی حد تک بھر چکی ہے۔

حضرت امیرؒ کی تحریر سے اقتباس:

> ان آیات کی تلاوت کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک کیفیت میرے دِل میں اور مسجد میں ایک سماں پیدا کر دیا، جو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اور پھر اُس کیفیت کے ماتحت جو کچھ بیان اللہ نے نصیب فرمایا، وہ میری استعدادوں میں مجھے شاید کبھی نظر آیا ہوگا لیکن یاد نہیں۔ یا اللہ! ایسا بھی ہوتا ہے۔ تیرے رحم کی کوئی حد نہیں۔ میں عاجز خطا کار انسان اور تیرا یہ رحم۔ میرے اللہ! میرے ساتھ اب ہمیشہ اپنی رحمت جاری رکھ۔ میں بہت کمزور ہوں اور تو ارحم الرّٰحمین اور جوادالکریم ہے اور میرا پیارا رب ہے۔ (ربی۔ ربی۔ ربی)۔

یہ تقریباً آدھ گھنٹے کی تقریر کی تھی۔ سامعین پر جو اثر ہوا، وہ ہر چہرہ سے نمایاں تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ٹی وی پر یہ تقریب اور تقریر کا کچھ حصہ مسجد سے براہِ راست (live) دکھایا گیا ہے۔ آخر میں، میں نے بتایا کہ اِس مضمون میں مزید جو باتیں ہیں وہ خطبۂ جمعہ کا حصہ ہوں گی۔

خطبہ جمعہ اور نماز

مسجد کے افتتاح کی تقریب اختتام پذیر ہوتے ہی نمازِ جمعہ کی تیاری ہونے لگی۔ راجہ محمد بیدار صاحب، جو اس دور میں سرینام میں بطورِ مبلغ تعینات تھے، کو اِس مسجد میں پہلی اذان دینے کا شرف حاصِل ہوا۔ حضرت امیرؒ کے ارشاد پر حاضرین نے دو رکعت نمازِ نفل بطور شکرانہ ادا کی۔ اور دو دو رکعت نماز سنت ادا کی۔ دوسری اذان کے بعد حضرت امیرؒ نے ایک دلپذیر خطبہ ارشاد فرمایا جو یقیناً ایک تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

نماز جمعہ کے بعد راجہ بیدار صاحب نے حاضرین میں ایک تعارفی پمفلٹ تقسیم کیا۔ یہ پمفلٹ ہاتھ میں آتے ہی متعدد لوگ حضرت امیر کی جانب بڑھے۔ اُن میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضرت امیر اپنے قلم سے اس پمفلٹ پر اپنے دستخط ثبت کر دیں آٹو گراف لینے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ مگر حضرت امیر نے کسی کو بھی مایوس نہیں لوٹایا۔ اور نہایت خوش دلی سے سینکڑوں دستخط ثبت کر دیئے۔ یہ خواہش بھی سرینام کے لوگوں کی اُس والہانہ محبت اور عقیدت کی ترجمان تھی، جو اُنہیں اپنے محترم امیر سے تھی اور حضرت امیر اُن کے اس جذبے کے دِل سے قدردان تھے۔

ایک شاندار تقریب

جمعہ کی شام کو ساڑھے سات بجے ایک وسیع ہال میں ایک شاندار تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اِس تقریب میں سرینام کے وزیر تعلیم اور ہندوستان کے سفیر بطور خاص مدعو تھے۔ غیر از جماعت

مسلمانوں کی خاصی تعداد وہاں موجود تھی، اور کئی غیر مسلم بھی مدعو تھے۔ ہال میں ہزار نشستیں تھیں اور تقریب کے آغاز پر ایک بھی نشست خالی نظر نہ آتی تھی۔

افتتاحی تقریر کے لیے حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو دعوت دی گئی تو آپ نے "مذہبِ اسلام کی رواداری" کے موضوع پر پندرہ منٹ کی تقریر فرمائی۔ حاضرین نے آپ کی تقریر کو بے حد پسند کیا۔ بالخصوص وزیر تعلیم جو مذہباً ہندو تھے، نے اسے سراہتے ہوئے تعریفی کلمات کہے۔ چند دیگر تقاریر کے بعد، حضرت امیر کی دُعا کے ساتھ مجلس اختتام پذیر ہوئی۔ غیر رسمی ملاقات اور میل جول کا سلسلہ دیر تک جاری رہا۔

حضرت امیر کی آمد پر جب محترم رشید پیر خان صاحب نے جمعہ کے دِن کا طویل پروگرام آپ کے گوش گذار فرمایا تھا، تو پروگرام کی طوالت اور دِن بھر کے مسلسل پروگرام کا سُن کر آپ کچھ متفکر سے ہو گئے تھے کہ یہ سب کچھ کس طرح ممکن ہو پائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی خاص تائید آپ کو حاصِل رہی اور یہ اس قدر مصروف دِن بخیر و عافیت انجام پذیر ہوا۔

ٹرینیڈاڈ براستہ گیانا۔ روانگی کے وقت ایئرپورٹ پر مشکلات

سرینام سے ٹرینیڈاڈ کے سفر میں گیانا ایئرپورٹ پر گھنٹہ بھر کا توقف تھا۔ یہ وقت آپ نے ایئرپورٹ پر ہی گذارا۔ احبابِ جماعت وہیں پر آپ سے ملاقات کے لیے تشریف لے آئے تھے۔

حضرت امیرؒ اور آپ کے دیگر ہم سفر گیانا کے دوستوں کو خدا حافظ کہہ کر جہاز پر سوار ہونے کے لیے آگے بڑھ گئے۔ سوار ہونے کے مراحل طے کرتے ہوئے آپ کا واسطہ ایک نہایت ہی نامعقول شخص سے پڑ گیا، جس نے آپ کو ہر طرح سے ستانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ حضرت امیرؒ کی تحریر سے اقتباس:

جہاز پر چڑھنے کا وقت آیا تو نہایت نامعقول گیانی کارندگانِ ایئرپورٹ سے

واسطہ پڑا۔ ہر قدم پر ہمیں ستایا گیا۔ کرنسی کی تلاشی کے سلسلہ میں مجھے اور میاں فضل احمد صاحب کو ایک کمرے میں لے گئے۔ تلاشی لی۔ پھر نامعقول سوالات شروع کیے۔ اور ہمارے نوٹ بکھیر دیئے۔ رُعب دکھایا۔ دھمکی دی اور پھر ہمارے اعصاب کو کمزور کرنے کے لیے جلدی میں اُس ڈاکو افسر نے کہا: "جاؤ، بھاگو فلائٹ جا رہی ہے۔ پھر غلطی نہ کرنا" اور خود نوٹ میرے بریف کیس میں پھینک دیئے۔ اُس وقت احساس نہ ہوا کہ یہ ڈرامہ ہمیں لوٹنے کے لیے کیا جا رہا ہے، جو دو روز بعد اُس وقت سمجھ میں آیا جب میں نے اگلے سفر پر جانے کے لیے چیزیں درست کیں تو دیکھا کہ ایک سو ڈالر کا نوٹ لیا گیا ہے۔

رات بارہ بجے ٹرینیڈاڈ پہنچے تو آپ کا یہ مصروف اور مشکل ترین دن ختم ہوا اور آپ نے سُکھ کا سانس لیا۔

ٹرینیڈاڈ میں مصروفیات

۳ اگست جمعۃ المبارک کو حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے جماعت ٹرینیڈاڈ کے ساتھ نماز جمعہ ادا فرمائی۔ آپ کے خطبہ کا موضوع اُس وقت کے موقع محل اور تقاضوں سے ہم آہنگ تھا۔ جس سے سامعین کے دلوں پر مثبت اثرات مرتب ہوئے۔

نماز جمعہ کے بعد حضرت امیر، بغرضِ آرام محترمہ زرینہ حنیف محمد صاحبہ کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے، جبکہ محترم میاں فضل احمد صاحب نے بطور نمائندہ میٹنگ میں مرکز کی نمائندگی کی۔ ظفر عبداللہ صاحب بھی اِس مجلس میں شامل ہوئے۔ دو گھنٹے کے مسلسل اجلاس اور بحث کے مثبت نتائج سامنے آئے اور جماعت ٹرینیڈاڈ اور مرکز کے درمیان ایک تحریری معاہدہ طے پا گیا، اور جماعت ٹرینیڈاڈ مرکز کے ساتھ تعاون کا اعلان کرنے کو تیار ہوگئی۔

جلسہ عام۔ ایک مبارک انقلابی دِن

شام چھ بجے حضرت امیرؒ جلسہ عام میں شرکت کے لیے تشریف لے آئے۔ حاضرین کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب تھی۔ عنایت محمد صاحب، صدر جماعت ٹرینیڈاڈ نے اپنی تقریر سے جلسہ کا آغاز کیا اور ایک تحریر پڑھ کر سنائی اور حاضرین کو بتایا کہ منتظمہ کی میٹنگ کے فیصلوں کے مطابق اب مرکزی انجمن کے ساتھ جماعت ٹرینیڈاڈ کی مکمل مفاہمت ہوگئی ہے۔

جمعتہ المبارک کا یہ دِن احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے لیے ایک مبارک انقلابی دِن ثابت ہوا۔ جماعت ٹرینیڈاڈ، جو ۱۹۷۶ء کے بعد بتدریج مرکز سے دور ہوتی گئی تھی، اور ۱۹۸۱ء کے بعد تو مرکز سے بغاوت اور مخالفت کی صورت نظر آنے لگی تھی، آج کے دِن پھر مرکز سے الحاق کا اعلان کر رہی تھی۔ حضرت امیرؒ نے سرینام روانگی سے قبل یہاں کے ایک دِن کے قیام کے دوران، اِن کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ اُدھر میاں فضل احمد صاحب، عنایت محمد صاحب سے مسلسل رابطہ میں تھے اور متعدد بار بات چیت کر چکے تھے۔ اُسی کا نتیجہ تھا کہ ٹرینیڈاڈ کی مجلسِ منتظمہ نے بالاتفاق رائے مرکز لاہور سے پورے تعاون کا فیصلہ کر لیا اور دستخط شدہ تحریری فیصلہ آپؒ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

عنایت محمد صاحب کی تقریر کے بعد حضرت امیرؒ نے ایک مختصر تقریر میں جماعتِ ٹرینیڈاڈ کو اِس خوش آئند اقدام پر مبارک باد پیش کی۔ مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد جلسہ گیارہ بجے تک جاری رہا۔ جس میں متعدد تقاریر ہوئیں اور حضرت مسیح موعود کا منظوم کلام پیش کیا گیا۔

یہ دورۂ جزائر غرب الہند کی آخری تقریب اور آخری دن تھا۔

دورۂ امریکہ۔ ۱۴ اگست ۱۹۸۴ء

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اپنی منزل مقصود، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، یو ایس اے کے مرکز سان فرانسسکو کے علاوہ امریکہ کے کئی دیگر مقامات پر بھی تشریف لے گئے تا کہ

ممکنہ حد تک زیادہ سے زیادہ لوگوں سے ملاقات فرما کر اُنہیں جماعت کی مستقل رُکنیت اختیار کرنے پر آمادہ کرسکیں۔ اور سان فرانسسکو میں منعقد ہونے والی احمدیہ کنوینشن میں شرکت کی تحریک فرما سکیں۔ اُن تمام مقامات پر جہاں بھی آپ تشریف لے گئے آپ کے اپنے خاندان کے لوگ بھی تھے، اور احمدیت سے وابستہ خاندانوں کے افراد بھی تھے، جن کا مکمل تعاون جماعت کو ابھی تک حاصل نہ تھا۔

میامی، فلوریڈا

جزائر غرب الہند کے سفر آمدورفت کے لیے موزوں ترین ایئرپورٹ میامی کا ہے۔ امریکہ میں آپ کے دورے کا آغاز میامی کے دو چار روزہ قیام سے ہوا۔ آپ کی نواسی فریدہ دُختر محمد احمد مرحوم اور اُن کے شوہر ڈاکٹر طاہر احمد آپ کے میزبان تھے۔ شہر کے ایک پُرفضا مقام پر اُن کا آرام دہ اور بہترین سامان سے مزیّن اپارٹمنٹ، آپ کی اُس وقت علیل طبیعت کے لیے بے حد سازگار ثابت ہوا۔ اور آپ بہتر محسوس کرنے لگے۔ فریدہ نے آپ کی تحریک پر بے حد خوش دلی سے بیعت فارم پر دستخط کیے۔ جو چندہ درج کیا، اُسے آمدن میں متوقع اضافہ کے ساتھ دو تین گنا بڑھانے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ یہ ابتداء آپ کے لیے نہایت حوصلہ افزا تھی۔ حضرت امیر طاہر اور فریدہ کی خوشگوار پاکیزہ گھریلو زندگی سے مطمئن اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہیوسٹن

۷ اگست سے ۱۵ اگست تک حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ہیوسٹن میں قیام پذیر رہے۔ عبداللہ سعید اب ہیوسٹن میں مستقل رہائش اختیار کر چکے تھے۔ آپ کی دُختر عائشہ اور داماد عبدالرحمان بیگ اور فرزند زاہد سعید بھی آپ کی ملاقات کے لیے یہیں آ گئے۔ نعیم احمد، فرزند احمد صادق بھی اِن دنوں ہیوسٹن میں رہائش رکھتے تھے۔ اس طرح نماز باجماعت اور درسِ قرآن میں سامعین کی تعداد خاصی ہو جاتی تھی۔ ہیوسٹن میں موجود تمام افراد نے بیعت فارم بھرے اور دستخط کر

کے آپ کے سپرد کیے۔ عبداللہ سعید نے بمع اپنی اہلیہ کے کنوینشن میں شرکت پر آمادگی کا اظہار فرمایا۔

ہیوسٹن میں آپ کی تشریف آوری کچھ ایسے وقت میں ہوئی، جب آپ کے دونوں فرزند اور دُختر اپنے اپنے رنگ میں ایک آزمائشی دور سے گذر رہے تھے۔ ہر ایک کی آزمائش کی نوعیت جُدا جُدا تھی، مگر اپنے والد کی شفقت بھری ملاقات، دلاسے اور دلجوئی کی ضرورت یکساں تھی۔ آپ نے ہر ایک سے الگ الگ واقعات اور حالات معلوم کیے اور آزمائشوں کے سامنے سینہ سپر ہو جانے کی تلقین فرمائی۔ اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھنے اور اُسی سے رہنمائی حاصل کرنے کی راہ بتائی۔ جو آپ کے اپنے لیے اور بچوں کے لیے موجب تسکین ہوا۔

کولمبس، اوہائیو

ڈاکٹر نعمان الٰہی کی قیام گاہ پر اُن کے والدین، میاں فضل احمد صاحب اور اُن کی اہلیہ بھی قیام پذیر تھے، جن سے مسلسل چار روز تک باجماعت نمازوں اور بابرکت محافل کا ساتھ رہا۔ ڈاکٹر نعمان الٰہی نے اپنی پُر آسائش رہائش گاہ میں ایک کمرہ نماز کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ اِس چھوٹی سی گھریلو مسجد میں نماز کی ادائیگی آپ کے لیے باعثِ راحت وسکون ہوا کرتی تھی۔ ڈاکٹر نعمان الٰہی کی قیمتی اور نادر کتب کا ذخیرہ اُن کے علمی اور دینی شوق کا غماز تھا۔ حضرت امیر، نعمان الٰہی کے جماعت کے لیے جذبۂ ایثار وقربانی اور عظیم کردار کے معترف تھے۔ اُنہوں نے بیعت فارم پر دستخط کیے اور چار سو ڈالر ماہوار چندہ کا وعدہ کیا۔ یہ ذکر کرتے ہوئے، ڈاکٹر نعمان الٰہی کے لیے حضرت امیر کے چند تعریفی کلمات یہ ہیں:

> نعمان کی فیاضی اور دریا دلی کی کیا بات ہے۔ دِل کی گہرائیوں سے اُس کے لیے دُعائیں نکلتی ہیں۔ بہت عظیم بندہ ہے۔

حضرت امیر، ڈاکٹر نعمان الٰہی اور میاں فضل احمد صاحب نے باہم ایک طویل میٹنگ میں

کئی مسائل پر بحث کی، جس میں امریکہ میں کتب کی طباعت، سٹوریج، اشاعت وغیرہ کے اہم مسائل پر ابتدائی بات چیت اور تجاویز کی گئیں۔

اس کے علاوہ ایک نہایت اہم تجویز زیرِ بحث لائی گئی کہ تمام جغرافیائی محلِ وقوع کے حساب سے مختلف زون بنا دیئے جائیں۔ یورپی ممالک کا ایک زون ہو اور علیٰ ہٰذ القیاس دیگر زون متعین کیے جائیں۔ اس میٹنگ کی تمام کاروائی کے نوٹس لکھ لیے گئے اور مزید بحث اور فیصلے کے لیے تجویز کیا گیا کہ سان فرانسسکو میں منتخب نمائندگان اور مندوبین کے ساتھ میٹنگ میں پیش کر کے تفصیلی بحث کی جائے اور متفقہ رائے سے یہ فیصلہ کیا جائے گا۔

لندن، اوہائیو

ڈاکٹر عبداللہ جان صاحب کی دعوت پر حضرت امیر نے ایک دن اُن کے ساتھ لندن، اوہائیو میں اُن کی رہائش گاہ پر گذارا۔ جماعتی امور پر گفتگو ہوتی رہی۔ ڈاکٹر عبداللہ جان صاحب اور اُن کی بیگم صاحبہ نے بیعت فارمز پر دستخط کیے اور سان فرانسسکو کی کنوینشن میں شرکت پر اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود رضامندی کا اظہار فرمایا۔

سان فرانسسکو، کیلیفورنیا

۱۹ اگست کو سان فرانسسکو ایئرپورٹ پر حضرت امیرؒ کے استقبال کے لیے ظفر عبداللہ صاحب نے خصوصی انتظامات کر رکھے تھے۔ آپ کی عزت افزائی کے لیے ایئرپورٹ کے مینجر اور سان فرانسسکو کی مقامی پولیس کی ایک اعلیٰ افسر خاتون، ظفر عبداللہ صاحب کے ہمراہ کھڑے تھے۔ یہ دونوں شخصیات سان فرانسسکو کی نمائندگی کر رہی تھیں۔ ایئرپورٹ مینجر صاحب نے بے حد احترام سے آپ کے سامان کا ٹکٹ آپ سے خود سامان وصول کرنے کی غرض سے لے لیا۔ احبابِ جماعت باہر لاؤنج میں آپ کے استقبال کے لیے منتظر تھے۔ حضرت امیر کے الفاظ میں:

محبت اور بے ساختہ مسرت اُن کے چہروں سے عیاں تھی۔ میرا تھکن کا احساس جاتا رہا۔

اوک لینڈ مسجد میں میٹنگ

سان فرانسسکو کی دو فریقوں میں منقسم جماعت، اب پھر ایک ہو چکی تھی۔ اس لیے مسجد میں جمعہ اور میٹنگ کا انعقاد ممکن ہو گیا تھا۔ جمعہ کے اجتماع کے بعد یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ ۲۶ راگست اتوار کے روز بعد از دوپہر ایک میٹنگ ہوگی۔

اُن ایام میں حضرت امیر کی گلے کی خرابی اور بخار کی وجہ سے طبیعت خاصی ناساز تھی۔ تاہم آپ نے میٹنگ میں شرکت فرمائی۔ یہ اِس لیے بھی ضروری تھا کہ جماعت میں مفاہمت کی راہیں مزید استوار کی جاسکیں اور مفاہمت کی موجودہ صورت کو مکمل اتحاد و اتفاق کی صورت دی جا سکے۔ حضرت امیر کی تحریر سے اقتباس:

> نمازیں ظہر وعصر جمع پڑھ لیں۔ بخار اب کچھ زیادہ تھا۔ نماز کے بعد جو کچھ ہوا اللہ کی رحمت کا ہاتھ اِس میں نمایاں تھا۔ فللّٰہ الحمد۔ دو گھنٹے کے اندر اندر ایسے فیصلے ہو گئے جن سے سب حاضرین کو ہی قریباً قریباً تسلی ہو گئی۔ اور دونوں جماعتوں کے تعاون کی راہ ہموار ہو گئی۔ فجی والے دوستوں کو بیعت فارم دیئے اور چندہ کی تحریک کی۔ جمعہ کو جلسہ میں آنے کی تاکید کی۔ جلیل نے مسجد کی ایک چابی اِن لوگوں کو دینے کی پیشکش کی۔ میں نے اُس کی قدر افزائی کی اور یہ اُن کی خواہش بھی تھی۔ میں نے تعریف میں چند کلمات کہے۔ دراصل اشارتاً میں نے چابی کے بارہ میں توجہ دلائی تھی، جو جلیل صاحب نے سمجھ لی۔ اس سے یہ لوگ، ظفر خصوصاً بہت خوش ہوا۔ اور راستے میں کہا: "جلیل نے عمدہ لیڈرشپ کا

ثبوت دیا ہے"۔ اُس وقت میرا بخار کچھ اور بھی زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔ سب کو خوشی ہوئی اور موٹر میں اللہ کا شکر اور حمد کرتا رہا۔ دِل کا سارا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کامیابی نصیب کی وہ میری توقعات سے بڑھ کر تھی۔ رُخصت کرتے وقت ناظم ابن جلیل اور سہراب صاحب داماد جلیل صاحب نے بھی دل خوش کُن باتیں کیں۔

جلسہ کی تیاریاں

سان فرانسسکو میں، دین کو دُنیا پر مقدم کرنے والے، مسیحِ وقت کے شیدائیوں کی آمد آمد تھی۔ میزبان حقِ میزبانی ادا کرنے کے لیے پرجوش تھے اور مہمان جذبۂ ایثار سے سرشار قدم بڑھا رہے تھے۔ امریکہ کی کئی ریاستوں اور کینیڈا سے متوقع مہمانوں کے آرام و آسائش کے انتظامات مکمل کیے جا رہے تھے۔ حضرت امیر تشریف لا چکے تھے اور میزبانوں کے ہمراہ مہمانوں کے لیے چشم براہ تھے۔ آپ کی اپنی جسمانی کمزوری، بالخصوص بخار کی کیفیت باعث فکر ضرور تھی، تاہم آپ کو اِس کا اظہار کبھی بھی منظور نہ تھا، اور آپ ہمیشہ کی طرح بلند حوصلہ اور باہمت تھے۔ آپ کی میزبان زکیہ ظفر صاحبہ ہمیشہ آپ کی ہر آسائش کے لیے کوشاں رہتیں اور ہر خدمت بجا لاتی تھیں۔ پھر جب انجم عبداللہ سعید تشریف لے آئیں تو آپ کی ذاتی خدمات وہ خود انجام دینے لگیں۔ حضرت امیر کی تحریر سے اقتباس:

> ۹:۳۰ بجے زکیہ مجھے اور عبداللہ کو اپنے ہاں لے آئی (عبدالستار صاحب کے گھر سے)۔ یہاں گھر کے دفتر میں میرے لیے آرام دِہ بستر موجود ہے۔ دِن کا کھانا سب نے مِل کر کھایا۔ ظہر اور عصر کی نماز پڑھائی اور دو گھنٹے آرام کے بعد اب جاگا ہوں۔ ۵:۳۰ بجے یہ حروف لکھ رہا ہوں۔ بستر پر تکیہ لگائے۔ اب چکر سر میں نہیں۔ مگر جسم جل رہا ہے۔ موسم کی گرمی بھی باہر لگتی ہے۔ کل اور

پرسوں بہت بڑے امتحان کے دِن میرے لیے ہیں۔ اللہ کا اور صرف اُس ذاتِ بابرکات اور حَیٌّ وَ قَیُّوْم، عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر، غَفُوْرُ الرَّحِیْمُ، جَوَّادُ الْکَرِیْمُ، بَرُّالرَّحِیْمُ، اپنے محسن اور پاک رب کا سہارا ہے، جس نے ہمیشہ ہمیشہ مشکل وقت میں اس ناتواں، ہیچ مدان، خطا کار، غافل اور محتاج بندے کی دستگیری اور پردہ پوشی فرمائی ہے۔ میری عاجز جماعت کی عزت کا سوال ہے۔ یا اللہ تو ہمیں ضائع نہ فرمانا، اور ہماری اس کشتی کو بھنوروں سے نکال کر امن اور سلامتی کے ساحِل پر پہنچا دے۔ اِس کا ملاح میں ہوں، اور مجھ جیسے نالائق کو جماعت نے، مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے، اتنا بڑا کام مجھے سونپ دیا ہے۔ من آنم کہ من دانم۔

اُس شام کو اور رات بھر آپ کو بخار رہا اور سر میں چکر بھی آتے رہے۔ اور کچھ بے خوابی بھی رہی۔ مگر اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسے سے اگلے دِن کا آغاز نمازِ فجر کی امامت سے فرمایا۔

یومِ جلسہ، ۳۱ اگست ۱۹۸۴ء۔ ایک تاریخی دِن

سان فرانسسکو کے جلسہ کی روئیداد، حضرت امیر نے مندرجہ ذیل شہ سُرخی کے تحت قلم بند فرمائی ہے:

میری زندگی کا ایک تاریخی دِن جس میں اللہ تعالیٰ کی تائید روزِ روشن کی طرح نظر آئی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

حضرت امیر کی تحریر:

میں نے ظفر عبداللہ صاحب سے کہا کہ میں نمازِ جمعہ تک آرام کرنا چاہتا ہوں،

اور نمازِ جمعہ کے جلد ہی بعد آ کر دوبارہ آرام کروں گا۔ اور رات کھانے میں بلکہ کنوینشن کی پہلی تقریروں میں بھی شامل نہ ہوں گا۔ خدا کرے اِس طرح میری کچھ طاقت بحال ہو جائے اور تقریر کر سکوں۔ زیادہ وقت کمرے میں رہا۔ مگر مہمانوں سے بھرے گھر میں جس قدر آرام اور سکون مِل سکتا تھا اتنا ہی ملا۔

نماز جمعہ کی امامت اور خطبہ کے مراحل بخیر وخوبی انجام پا گئے تو حضرت امیر آرام کی غرض سے ظفر عبداللہ کی رہائش گاہ پر تشریف لے آئے اور کچھ دیر آرام فرمایا۔ آپ کی تقریر کے مقررہ وقت سے کچھ قبل عبدالستار صاحب آپ کو جلسہ گاہ میں لے گئے۔ حضرت امیر کی تحریر سے اقتباس:

میں عبدالستار صاحب کے ساتھ ہال میں پہنچا۔ داخل ہونے سے پہلے 'فاؤنٹین' سے تھوڑا پانی پی لیا کہ گلہ تر ہو جائے۔ عقبی دروازے سے سٹیج پر پہنچا اور قریب ترین خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اُس وقت مسعود اختر اپنی تقریر ختم کرنے والے تھے۔ پونے دس بج چکے تھے۔ مجھے دس منٹ آرام کے لیے مِل گئے۔ مجھے ظفر نے چِٹ دی کہ یہاں ڈپٹی میئر بھی مہمانِ خصوصی موجود ہیں۔ نام Cortez (کورٹیز) ہے۔ اُس وقت تک میرے حواس درست ہو چکے تھے۔ حاضرین کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ جونہی پوڈیم کے پیچھے کھڑا ہوا، اپنا پیپر رکھا اور منی ریکارڈر بھی رکھ کر چلا دیا۔ پھر اللہ کا نام لے کر دعا رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ ﴿۲۵﴾ وَ یَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ ﴿۲۶﴾ وَ احۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ ﴿۲۷﴾ یَفۡقَهُوۡا قَوۡلِیۡ ﴿۲۸﴾، بلند آواز سے پڑھی۔ پھر چیئرمین اور میئر کورٹیز کو خطاب اور خواتین وحضرات، زبانی تمہیدی کلمات کے بعد دُعا جو پڑھی تھی اُس کے متعلق بتایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی دُعا قرآن میں ہے۔ اور ترجمہ سُنایا۔ اور پھر بتایا کہ موضوع یہ ہے۔ دوسرے ایک ملک میں ماضی قریب ترین میں اردو میں

اس موضوع پر تقریر کر چکا ہوں۔ مضمون کا تعلق عہدِ حاضر کے ساتھ ہے۔ میں اسی موضوع پر ایک مقالہ پیش کر رہا ہوں۔ اور پھر پڑھنا شروع کیا۔ لیکن اللہ نے اُس وقت جو قوتِ بیان اور بلند آواز عطا فرمائی وہ بجز تائیدِ الٰہی کے ہرگز مجھ سے ممکن نہ تھی۔ عربی اشعار حضرت صاحب کے اور بعد میں اردو اشعار بھی ترنم سے پڑھے اور انگریزی میں ترجمہ سنایا۔ ترجمہ پاشا نے English verse (انگریزی نظم) میں کیا تھا۔ (میں نے یہ ذکر بھی کر دیا کہ میں شاعر نہیں۔ ترجمہ میرے بیٹے نے کرنے کی پیشکش کی تھی)۔ بہرحال تمام تقریر قریباً ۵۰ منٹ میں ختم ہوگئی (اندیشہ تھا کہ شاید تھکان زیادہ ہو جائے یا خدانخواستہ چکر آ جائے تو بیٹھنا پڑے۔ اسی خیال سے ایک اونچا سٹول بھی منگوانے کا میں نے کہا تھا اور بعد میں دیکھا وہ موجود بھی تھا)۔ اللہ کا شکر ہے کوئی تھکان محسوس نہ ہوئی۔ اِس کے بعد مسٹر کورٹیز نے چند کلمات کہے۔ اُسے قرآن کریم اور دو تین دیگر کتب کا سیٹ پیش کیا گیا۔

جعفر حسین صاحب نے کچھ تصاویر لیں۔ کئی لوگ، خصوصاً فجی (حال کینیڈا) کے یٰسین ساہو خان اور اُن کی بیگم اور امین ساہو خان (برادر خورد) اور دیگر کئی لوگوں کے ساتھ تصاویر کھنچوانی پڑیں۔ پھر کچھ تھکان اِن مشاغل سے ہوگئی۔

اللہ کی حمد کرتے ہوئے واپس مکان پر پہنچے۔ اللہ کا سجدۂ شکر آتے ہی کمرے میں فرش پر ادا کیا۔ اے میرے رب مجھے تیری حکمتوں کی جھلک کچھ صفائی سے نظر آ رہی ہے۔ میرے بے بسی اور بے بضاعتی اپنی آخری حد تک، خصوصاً صحت کی حالت اور دیگر مشکلات، جو ہر قدم پر میرے راہ میں حائل تھیں اور صرف تیری ذات بابرکات کا سہارا دِل کو ڈھارس دے رہا تھا، وہ اپنی پوری

شان کے ساتھ مجھ پر وارد ہو گیا۔ تیری ہستی اور تیری قدرت کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے، میں بے حد خطا کار اور کمزور ہوں، لیکن تیری رحمت نے پھر بھی کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّ لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآىٕكَ رَبِّ شَقِیًّا۝۴ (میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور سر بالوں کی سفیدی سے شعلے مار رہا ہے اور میرے رب تجھ سے دعا کر کے میں محروم نہیں رہا) (مریم ۱۹: ۴)۔ تیرے ایک پیغمبر کے درد مند دل کی آواز تھی جس کا تیرے کلام میں ذکر ہے۔ تو نے اُسے یعنی زکریاؑ کو اپنا 'عبد' فرمایا ہے اور اپنی رحمت کا جو اُس پر خوارقِ عادت کی، ذکر فرمایا ہے۔ میرے ساتھ تیرا معاملہ رحمت اور خوارق عادت (یعنی جن کے ظاہری اسباب موجود نہ تھے) معاملہ بار ہا فرمایا ہے۔ حالانکہ میں بے حد گناہ گار انسان ہوں اور تیری عبودیت کا کوئی حق ادا نہیں کر سکا۔ تیرا یہ فضل میں اسے کیا نام دوں؟ رَبِّ اجْعَلْنِیْ عَبْدًا شَكُوْرًا (میرے رب مجھے اپنا شکر گزار بندہ بنا)۔ (جذبات مجھے ڈائری کے واقعاتی مضمون سے ذرا اِس طرف لے آئے۔ اب دوبارہ شروع کرتا ہوں)۔

یکم ستمبر ۱۹۸۴ء۔ امتحان کا ایک اور دن

یکم ستمبر ۱۹۸۴ء کو اپنی کمزور صحت اور گذشتہ روز کی جسمانی اور ذہنی تھکن کے باوجود حضرت امیر نے انجمن کی بزنس میٹنگ کی صدارت خود کرنا پسند فرمائی۔ یہ میٹنگ ایک ہوٹل میں کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم سے آپ بطورِ احسن فرائضِ صدارت سے عہدہ برآ ہوئے۔ اجلاس کی نشست اول پانچ گھنٹے اور مختصر وقفے کے بعد دوسری نشست دو گھنٹے تک جاری رہی اور تمام تر مسائل اور معاملات مثبت انداز میں طے پا گئے۔

جماعت کے انتظامی امور کے علاوہ ایک اہم مسئلہ طباعتِ کتب کا تھا اور اُس کے تمام تر عملی پہلوؤں پر غور کرنا تھا۔ ظفر عبداللہ صاحب نے یہ کام سنبھالنے اور اس مشکل کام کی ذمہ داری اُٹھانے پر آمادگی کا اظہار کیا تھا۔ مرکزی انجمن میں یہ معاملہ پیش ہو کر حتمی فیصلہ کیا جائے گا۔

دیگر تمام کاروائی مکمل ہو جانے کے بعد حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے ایک بار پھر لندن مرکز کے لیے عطیات کی اپیل کی تاکہ 'دارالسلام' کی عمارت کا قرضہ ادا کیا جا سکے۔ آپ کی پُرتاثیر اپیل پر حاضرین نے فیاضی سے عطیات پیش کیے۔ جن میں سب سے نمایاں ایثار محترمہ انجم سعید صاحبہ اور محترمہ ناصرہ ملک صاحبہ کا تھا، جنہوں نے بالترتیب پانچ اور چھ طلائی چوڑیاں عطا کیں۔ چوڑیوں کی تخمیناً قیمت اور نقد رقم ملا کر اٹھارہ ہزار ڈالر جمع ہو گئے۔

حاضرین میں سے اکثر نے دستخط شدہ بیعت فارم جمع کرائے اور چند احباب نے حضرت امیرؒ کے ہاتھ پر بیعت کا شرف بھی حاصل کیا۔

ایک اور اہم میٹنگ۔ ۴ ستمبر ۱۹۸۴ء

انجمن اشاعتِ اسلام لاہور (یو ایس اے) کے بورڈ کے ممبران کے ساتھ ایک اہم میٹنگ میں ملک اعجاز الٰہی صاحب اور جنرل عبداللہ سعید صاحب نے بھی شرکت فرمائی۔ حضرت امیرؒ نے دُعا اور چند نصائح کے ساتھ مجلس کا آغاز فرمایا۔

میٹنگ کے دوران بعض اختلافی آراء بھی سامنے آتی رہیں، مگر انجام کار مثبت اور مفید فیصلے کیے گئے۔ عہدہ دارانِ جماعت کا انتخاب عمل میں آیا۔ جس کے بعد حضرت امیر نے ایک مختصر خطاب میں اِس امر کی وضاحت فرمائی کہ عہدے تقسیم کار کے لیے متعین کیے جاتے ہیں، لیکن باہمی مشورے اور کثرت رائے سے فیصلہ کرنا اور اُس پر عمل کرنا ایک احسن طریق ہے۔ اور اسی پر جماعتی ترقی اور یکجہتی کا انحصار ہے۔ آپ نے تمام ممبران کو تلقین فرمائی کہ وہ اسی طریقہ کار کو اپنائے رکھیں۔

واشنگٹن

اپنے عزیزوں سے متوقع ملاقات کے پیشِ نظر، حضرت امیر نے سان فرانسسکو سے انگلستان کے واپسی سفر کے دوران، واشنگٹن اور گردونواح کے مقامات پر چند روز بسر کرنے کی گنجائش رکھتے ہوئے، نیو یارک سے لندن کی پرواز پر اپنے لیے نشست مخصوص کروا رکھی تھی۔ مگر سان فرانسسکو پہنچنے کے جلد ہی بعد آپ کے اِس مجوزہ پروگرام میں ردوبدل کی تجاویز سے، جن سے آپ کی بجائے دوسروں کی سہولت مدِّنظر تھی، آپ کو اِس پروگرام میں دشواریوں کا احساس ہونے لگا اور آپ نے اپنی حساس طبیعت کی وجہ سے کچھ آزردہ خاطر ہوکر، یہ سفر ترک کر دینے کا تقریباً تقریباً فیصلہ کر ہی لیا تھا کہ اگلی ہی صبح ایک فون کال نے آپ کا اطمینانِ قلب آپ کو لوٹا دیا اور تمام تفکرات و گماں یکسر مٹا دیئے۔ بقول آپ کے:

فکرِ ما در کارِ ما ، آزار ماست
کار سازِ ما بہ فکرِ کار ماست

(اپنے کام کی فکر ہمارے لیے آزار بن جاتی ہے مگر ہمارا کارساز خود ہمارے کاموں کے لیے تدابیر کررہا ہوتا ہے)

درحقیقت یہ فون کال آپ کے نواسے شاہد احمد کی تھی۔ آپ نے اپنے تردد اور واشنگٹن کے سفر کا اِرادہ ترک کرنے کا بتایا تو اُنھوں نے بصد اصرار آپ سے اپنا مجوزہ پروگرام بعینہٖ برقرار رکھنے کی درخواست کی اور واشنگٹن میں قیام سے نیو یارک سے روانگی تک کے تمام مراحل کی ذمہ داری خود اُٹھانے کی پیشکش کی۔ اپنے پروگرام میں مجوزہ تبدیلی اور ٹکٹ تبدیل کرنے کے مراحل کی مشکلات، دشواریوں اور اضافی اخراجات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت امیر تحریر فرماتے ہیں:

دِل پر بوجھ سا تھا۔ بستر پر لیٹا۔ جب یہ خیالات دِل میں خلش کا موجب بن رہے تھے تو میرے نفس نے مجھے سخت ملامت کیا اور کہا کہ یونہی 'مرقاۃ الیقین فی حیاۃِ نورالدین' پڑھتے اور سر دُھنتے رہے ہو، اللہ پر کیوں بھروسہ نہیں کرتے ہو۔ دِل میں اچانک سکون پیدا ہوا اور اپنی کمزوری کے سبب اپنی ذات سے بہت نفرت پیدا ہوئی۔ استغفار پڑھی اور گھنٹہ ڈیڑھ نیند آئی۔

آپ مزید تحریر فرماتے ہیں:

شاہد احمد کا ورجینیا سے فون آیا اور پروگرام کا دریافت کیا۔ میں نے صورتِ حال بتائی تو وہ شدت سے اصرار کرنے لگا کہ میں ضرور جاؤں۔ میں نے ہر چند معذرت کی لیکن وہ جھگڑتا رہا۔۔۔۔۔ اور میں دوبارہ سوچ میں پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ بہترین فیصلہ کی طرف میری رہنمائی فرمائے۔ حضرت امیر نے اپنا پروگرام برقرار رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور سان فرانسسکو کے جملہ فرائض سے فارغ ہو کر واشنگٹن تشریف لے گئے۔

عیدالاضحیٰ واشنگٹن میں

حضرت امیر ۵ ستمبر کو واشنگٹن پہنچ گئے تھے۔ ۶ ستمبر بروزِ جمعرات عیدالاضحیٰ کا مبارک دِن تھا۔ احمد طارق شوکت اور محمد طارق شوکت (آپ کے نواسے) بھی ۵ ستمبر کی شام کو شاہد احمد کے مہمان ہوئے۔ حضرت امیر نے نمازِ عیدالاضحیٰ اپنے تینوں نوجوان نواسوں کے ہمراہ، شاہد احمد کے گھر کے عقب میں ادا کی۔ شاہد نے ضیافتِ عید کیلیے خود بار بی کیو پر کباب اور دیگر لوازمات تیار کیے۔ آپؒ کی یہ عید نہایت خوش گوار گذری۔ بالخصوص اِس لیے بھی کہ آپ کو اِن نوجوانوں سے جماعتی مسائل اور جماعت سے وابستگی کے متعلق گفتگو کا اچھا موقع میسر آیا۔ محمد شوکت نے بیعت فارم پر دستخط

کیے جبکہ احمی اور شاہد پہلے ہی یہ سعادت حاصل کر چکے تھے۔

واشنگٹن میں جمعہ۔تنہا

۷ ستمبر کو جمعہ کا دِن تھا۔ شاہد احمد دفتر جا چکے تھے اور جمعہ کی نماز کے لیے لوٹ آنے کا امکان نہ تھا۔ آپ گھر میں بالکل تنہا تھے۔ حضرت امیر کی تحریر سے ایک اقتباس:

میں نے حجامت درست کی اور غسل کیا۔ سامان درست کیا۔ اور نمازِ جمعہ کے لیے ڈاڈر کے زمانہ کا ۱۹۵۳ء کے فسادات (خلافِ احمدیت) کے بعد کا ایک جمعہ یاد آیا۔ جب چار ماہ کے بعد ڈاڈر پہنچا تو ایک انسان بھی ساتھ جمعہ پڑھنے والا نہ تھا۔ تو اکیلے ایک جمعہ پڑھا۔ پھر اللہ نے جماعت دوبارہ دے دی۔ اُسی طرح کا جمعہ آج ادا کیا۔ جو لطف اور سرور نصیب ہوا اور دُعا کا موقعہ، وہ کیا بیان کر سکتا ہوں۔ اللہ میرا یہ اجتہاد قبول فرمائے۔ میں نے اللہ سے عاجزانہ التجا کی کہ میرا سلام میرے پاک، پاکوں کے سردار، آقا، محمد مصطفی، احمد مجتبیٰ کو پہنچائیں اور میرے اس اجتہاد کی خبر اُنہیں دیں اور کہ یہ 'نے افزا بر مصطفیٰ' (مصطفیٰ ؐ کے عمل پر کچھ نہ بڑھا) کا معاملہ نہیں۔ یہ ایک عاجز، تنہا مسافر کے دردمندانہ دِل کی کیفیت کا مظاہرہ ہے۔ آج کے کلماتِ شہادت اور درود میں اور خصوصاً دو فرضوں کے پہلے رکوع میں دُعا کے لیے جو توفیق ملی ہے اور دِل پر جو واردات گذری ہے اور اپنی حالت، اپنی عاجز جماعت کی حالت کی وجہ سے جو درد ہے:

؎ تیرے منہ کی قسم میرے پیارے احمدؐ
تری خاطر ہی یہ سب بار اُٹھایا ہم نے
(کلام مسیح موعود)

رسول اکرم صلعم کے غلام اور اپنے مرشد مسیح موعود پر بھی سلام جس پر خود حضرت رسولِ اکرم صلعم نے سلام بھیجا اور ہمیں اور اس عاجز کو بھی اُس کی زیارت کا شرف بخشا۔

؎ آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(وہ کہ جو نظر ڈال کر خاک کو کیمیا کر دیتے ہیں، کاش کہ وہ ایک گوشۂ چشم ہماری طرف بھی کر دیں)۔ (حافظ شیرازی)۔

اُس عالی مقام، مجددِ زمان کی جسمانی آنکھ کا گوشہ تو اب تک میرے دِل کی آنکھوں کے آگے، میرے تصور میں پھر رہا ہے۔

اَللّٰھمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِک وَسَلِّمْ۔ اِنَّک حَمِیْدُ مَّجِیْدِ۔

نماز پونے ایک بجے شروع کی تھی اور پونے دو بجے کے قریب فرض نماز کی آخری (دوسری) رکعت کے دوسرے سجدے میں تھا تو سینڈی اور بچے کی آواز باہر سے کانوں میں آئی۔ میری تمام نمازِ راز و نیاز اور تنہائی سب ختم ہوئی۔ مجھے اس تمام عمل میں اللہ کی رحمت کا ہاتھ نظر آیا۔ الحمدللہ۔

دیگر عزیزوں سے ملاقات

بشیر الاسلام ابن ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب مرحوم، حسب وعدہ جمعہ کی شام کو پہنچ گئے۔ حضرت امیرؒ کو اُن سے اُن کے والد کی خدماتِ دینی اور جماعت سے لگاؤ کا تفصیلی تذکرہ کرنے کا موقع ملا۔ آپؒ نے بشیر الاسلام کو بیعت فارم پر دستخط کر کے جماعت کی باقاعدہ رُکنیت اختیار کرنے کی

تحریک کی۔ اُنہوں نے خوشی سے دستخط کیے۔

اگلے روز شاہد احمد حضرت امیر کو احمد شوکت (احمی) کے گھر لے گئے۔ بشیر الاسلام بھی ہمراہ تھے۔ زعیم، امینہ اور اُن کی بچیاں بھی وہیں آ گئے۔ باجماعت نمازوں کی ادائیگی سب کے لیے باعثِ برکت اور خوشی تھی۔ اتوار کی نمازِ فجر خصوصی طور پر سب کے لیے راحت کا موجب ہوئی۔ حضرت امیر کی تحریر سے ایک اقتباس:

> رات ساڑھے تین بجے اور پھر ٹھیک ساڑھے پانچ بجے نیند کھلی۔ اُس وقت طبیعت اچھی محسوس ہوئی۔ نماز کی تیاری کی۔ اذان دی۔ احمی نے جگانے کا کہا تھا۔ مِکی (بشیر الاسلام) بھی رات یہیں ٹھہرا ہے۔ نمازِ فجر باجماعت پڑھی جس میں سبھی شامل ہوئے۔ احمی، مِکی، زعیم اور امینہ، میمونہ۔ بڑی مبارک نماز باجماعت میسر آئی۔ پہلی رکعت میں سورۃ الحجرات اور دوسری میں سورۃ الحشر کا آخری رکوع پڑھا۔ نماز کے بعد امریکہ میں اپنے سب پیارے عزیزاں اور جماعت کے لیے دُعا کی۔ عزیزوں کی تعداد اب بفضلہٖ تعالیٰ کافی ہے۔

لندن۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۸۴ء

حضرت امیر ۱۳ ستمبر کو لندن واپس تشریف لے آئے۔ یہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ 'احمدیہ ہاؤس' لانگلے روڈ کی عمارت کا معاملہ جوں کا توں ہے۔ فریقِ ثانی عدالت سے باہر تصفیہ پر آمادہ نہیں۔ حضرت امیر نے ایک بار پھر کوشش فرمائی اور فریقِ ثانی کے ایک نمائندہ سے ملاقات کی۔ اِس ملاقات میں آپ نے مکان کی خستہ حالت اور طوالتِ مقدمہ کی صورت میں غیر معمولی اخراجات کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی توجہ دلائی کہ وقت کے ساتھ مکان کو مزید نقصان پہنچنے کا خطرہ بھی ناگزیر ہو گا۔ حضرت امیر نے فرمایا کہ یہ صورت تو سراسر نقصان کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اِس نقصان کا

کون ذمہ دار ہوگا؟

آپ کی نرم گفتاری اور حقائق کی نشاندہی بھی کسی صورت معنی خیز ثابت نہ ہوئی، اور اُن کے رویہ میں کوئی لچک کا پہلو نظر نہ آیا۔ آپ نے گفتگو ختم کرتے ہوئے اُن سے فرمایا کہ وہ اپنے رفقاء سے مشورہ کرکے آپ کے موجودہ دو ہفتے کے قیام کے دوران کسی بھی فیصلہ سے آپ کو آگاہ فرما دیں۔ جو صاحب ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے، خاموشی سے رُخصت ہو گئے۔ نتیجہ کیا ہوگا، اِس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

ہالینڈ کا مختصر دورہ

روانگی سے ایک رات قبل حضرت امیر اپنا رختِ سفر درست فرما رہے تھے۔ محترمہ لطیف النساء صادق صاحبہ آپ کی مدد فرما رہی تھیں۔ سامان تیار ہو چکا تو آپؒ ایک عجیب سے احساس سے دوچار تھے جس کا اظہار اُنہوں نے محترمہ لطیف النساء صاحبہ سے بھی کیا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

> میں نے طِیفو (لطیف النساء) سے کہا۔ کِس قدر زیادہ سامان ہم ساتھ رکھتے ہیں۔ اور اپنے والد اور چچا کی سادگی کے بارے میں ذکر کیا، اور تکلفاتِ حاضرہ کی وجہ سے دل پر بوجھ محسوس کرتا رہا۔

روانگی سے کچھ دیر پہلے ایئرپورٹ پر آپ کی نظر اپنے سوٹ کیس پر پڑی تو معلوم ہوا کہ جو سوٹ کیس ساتھ جانے کے لیے تیار کیا گیا تھا، اُس کی بجائے دوسرا، اُس کا ہم رنگ سُوٹ کیس غلطی سے گاڑی میں رکھ دیا گیا تھا۔ وہ سامان آپ نے ایئرپورٹ سے واپس بھیج دیا۔ اور اپنا دستی سامان اٹھایا اور اللہ کے بھروسے پر روانہ ہو گئے۔ آپ کے دِل میں اس واقعہ کا کوئی ملال نہ تھا، اور وہ بوجھ جو حالاتِ حاضرہ کے تکلفات کی وجہ سے گذشتہ رات آپ کو محسوس ہوا تھا وہ بھی جاتا رہا۔ آپ نے اپنے ہم سفر محترم محمد انور صاحب کو بھی تاکید فرما دی کہ سامان کے متعلق کسی قسم کا ذکر کسی سے بھی نہ

کریں۔

نمازِ جمعہ اوترخت کی مسجد میں

ایمسٹرڈیم میں حضرت امیر نے محترم کیفس کیمپ اور اُن کی زوجہ محترمہ عطیہ لاکیئر کی قیام گاہ پر ایک رات بسر کی اور اگلی صبح نمازِ جمعہ کے لیے اوترخت تشریف لے گئے۔ پھر اُسی رات کو ہیگ تشریف لے گئے، جہاں آپ کا قیام محترم رفیق صاحب کی قیام گاہ پر تھا۔ آپ کی طبیعت زیادہ اچھی نہ تھی اِس لیے آپ نے اگلا دِن گھر پر گذارا۔ تاہم چند احباب آپ سے ملاقات کے لیے تشریف لے آئے جن سے آپ نے مختصر ملاقات فرمائی۔

جلسہ اور بزنس میٹنگ۔ اتوار ۲۳ ستمبر ۱۹۸۴ء

حضرت امیر کی ڈائری سے اقتباس:

> آج سخت امتحان کا دِن درپیش ہے۔ تقریریں اور ایک اہم بزنس میٹنگ۔ یہ جماعت کے سربرآوردہ اصحاب سے، میرے پروگرام میں ہیں۔ یحییٰ بٹ بھی برلن سے میرے بلانے پر کل سے آئے ہوئے ہیں اور اوترخت میں ایوب حسن کے گھر مقیم ہیں۔ اُن سے بھی آج ملاقات ہونی ہے۔ بیم ورجا کے درمیان حسبِ معمول میری آج کے دِن کی سعی اور نتائج ہیں۔ ۲:۰۰ بجے سے پروگرام مسجد میں مقرر ہے۔ ضروری تیاری صبح سے ہی طبیعت کی ناسازی کے ساتھ آہستہ آہستہ کرتا رہا۔ ہلکا سا کھانا کھایا اور ٹھیک دو بجے مسجد پہنچے۔

جلسہ

آپ کی تشریف آوری سے قبل مسجد لوگوں سے بھر چکی تھی۔ حاضرین نے حسبِ دستور

پھولوں کے ہاروں سے آپ کا استقبال کیا۔ظہر اور عصر کی نمازیں جمع پڑھی گئیں اور اُس کے معاً بعد جلسہ کا آغاز ہو گیا۔ چند ابتدائی تقاریر کے بعد حضرت امیرؒ نے اپنی تقریر میں سورۃ یوسف کی آیات کی روشنی میں باہمی محبت اور اخوت کو ترقی دینے کی اہمیت کی وضاحت فرمائی۔ حضرت امیر تحریر فرماتے ہیں:

> میں نے سورۃ یوسف کی آیات سے علی الترتیب پیش آمدہ مشکلات اور وقت کی ضرورت، باہمی محبت اور اخوت کو ترقی دینے کی اہمیت واضح کی۔ باہمی رنجشیں مٹانے کی ضرورت پر اِس قدر زور دیا کہ بات اثر سے خالی نہ رہی اور بہ الفاظِ حضرت مسیحؑ بھائیوں سے جلدی جلدی صلح نہ کرنے والوں کو ہلاکت سے ڈرایا۔ اور اُس کے بعد کہا کہ میرے ساتھ وعدہ کرو کہ آج سے دُشمنیاں ختم کر دیں گے اور ہاتھ کھڑے کرنے کا کہا میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے اور فوراً ہاتھ نور سردار نے اور شکور حسینی نے اُٹھایا۔ پھر مجمع کے ہر فرد، مرد و زن نے ہاتھ اُٹھائے ہوئے تھے۔ میں نے کہا یہ آپ نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے۔ اللہ آپ کو اِس پر قائم رکھے۔ آپ کو مبارک ہو، اور آپ اللہ کی برکتوں کے وارث ہوں۔ اِس کے بعد اپنے مسائل اور اُن میں، اُن کے تعاون اور امداد کی ضرورت پر زور دیا۔

نیدرلینڈ کی جماعتوں کے نمائندگان سے میٹنگ

نیدرلینڈ کی جملہ جماعتوں کے نمائندگان اور چند دیگر صاحب الرائے احباب نے اِس میٹنگ میں شرکت فرمائی۔ سَنتُو صاحب نے جماعت کے سیکرٹری صاحب کی وفات کی خبر پا کر، شرکت سے معذرت چاہی۔ مگر جب حضرت امیر نے اُنہیں میٹنگ کے لیے رُک جانے کا فرمایا تو اُنہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ جنازہ دو دِن کے بعد تھا۔ وہ اُس سے قبل بآسانی وہاں پہنچ سکتے تھے۔ سنتو

صاحب کے اِس تعمیلِ حکم پر حضرت امیر نے اپنی خوشی کا اظہار مندرجہ ذیل الفاظ میں تحریر فرمایا ہے:

> جس خوبی اور جلدی سے میرے حکم کی تعمیل کا جواب (سَنٹُو صاحب نے) دیا اُس کی وجہ سے میرے دِل میں اُن کی عزت اور عظمت میں اضافہ ہوا۔

میٹنگ میں امام لندن محمد انور صاحب اور امام برلن یحییٰ بٹ صاحب بھی شریک تھے۔

حضرت امیرؒ نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت اور دُعا سے میٹنگ کا آغاز فرمایا اور ایک بار پھر باہمی محبت اور اتحاد کی طرف توجہ دلائی، بیعت کی اہمیت اور ضرورت کی وضاحت فرمائی۔ اور تمام ممبران کو تاکید کی کہ وہ بیعت فارم بھریں اور جماعت کے سیکرٹری صاحبان کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ اِس تجویز پر عمل کروائیں۔ حضرت امیر کی یہ تجویز کہ احمدیہ جماعت کی تمام شاخوں کو اپنے اپنے جغرافیائی محل وقوع کے مطابق، ایک ایک زون بنا دیا جائے، سب نے پسند کیا۔ اور یورپ کے تینوں ممالک، انگلستان، ہالینڈ اور جرمنی کو ایک زون قرار دیا گیا، اور اس زون کے لیے ایک نمائندہ منتخب کرنے کی تجویز پیش کی جو مرکز میں اِس زون کی نمائندگی کرے۔ آپ نے فرمایا کہ نیدرلینڈ کی جماعت، تعداد کے لحاظ سے بڑی جماعت ہے، اس لیے مرکز کی نمائندگی کے لیے اِسی جماعت کے کسی رُکن کا انتخاب احسن ہوگا۔ جب میٹنگ میں موجود ممبران اِس انتخاب میں دِقت محسوس کرنے لگے، تو حضرت امیر نے خود عبدالسنٹُو صاحب کا نام تجویز کیا، جس پر اتفاقِ رائے ہو گیا۔ اِس فیصلہ کی روشنی میں دیگر انتظامی امور اور مستقبل کے لیے لائحہ عمل پر غور و فکر کیا گیا۔ اور اہم فیصلہ جات ہوئے۔ حضرت امیر کے الفاظ میں:

> آٹھ بجے اہم کام ختم ہوئے۔ سب لوگ مطمئن ہوئے۔ متفرق گفتگو کے بعد نمازیں جمع کی گئیں اور ایک اہم کامیاب اجلاسوں کا دِن ختم ہوا۔ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ ثُمَّ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ ثُمَّ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنِ۔

محمد یحییٰ صاحب سے خصوصی میٹنگ

حضرت امیرؒ نے محمد یحیٰی صاحب کو بطورِ خاص اس اہم میٹنگ کے لیے نیدر لینڈ آنے کی دعوت دی تھی۔ محمد انور صاحب امام لندن بھی اِس میٹنگ میں موجود رہے۔ آغازِ گفتگو سے قبل حضرت امیر نے اپنا چھوٹا ریکارڈر، تمام گفتگو ریکارڈ کرنے کی غرض سے سامنے میز پر رکھ دیا تھا۔ آپؒ نے مختصر گفتگو فرمائی۔ اور پھر یحییٰ بٹ صاحب سے فرمایا کہ اب آپ کچھ ارشاد فرمائیں۔ انہوں نے جو ارشاد فرمایا اور جس غصے کا اظہار کیا، وہ سب تحمل سے سُن لینا، صرف حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان کا ہی ظرف تھا۔ اُسی تحمل سے آپؒ نے اُن کے تمام اعتراضات کے جواب بھی اُنہیں دیئے اور آپ کے اپنے الفاظ میں:

> بالآخر مناسب فیصلے ہوئے، جن سے شاید ہماری مشکلات میں کسی قدر کچھ کمی ہو جائے گی انشاءاللہ۔ اور حتی الوسع اچھی فضا پر بات ختم کرنے کی کوشش کی۔

ایک اور اہم کام

حضرت امیرؒ کی تحریر سے اقتباس:

> ایک اور اہم کام اور صرف، بظاہر یہی کام میری مہمات کا، جس کا تعلق ہالینڈ سے ہے، باقی تھا۔ گھر میں عورتیں بھی جمع تھیں، مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع سب نے مل کر پڑھیں۔ پھر میں نے یہاں کے دوستوں کو، جن کے درمیان شیطان نے نزع کا تیر عرصہ سے چلایا ہوا تھا، اور اب حُسنِ اتفاق اور میری تمنا کو اللہ نے قبول کرتے ہوئے جمع کر رکھا تھا، اوپر اپنے کمرے میں بلایا۔ ہلکی پھلکی کرسیاں رفیق صاحب نے کمرے میں جمع کر دیں۔ نور سردار، شکور حسینی، شمس الدین، الٰہی بخش، غفار، حاجی حسن محمد، رفیق، محمد انور موجود تھے۔ میں نے کہا

آپ کل کے جلسہ میں ہاتھ اُٹھا کر صلح پر رضامندی کا اظہار کر چکے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب گلے مل لیں۔ اِس سلسلہ میں تھوڑا وعظ کیا۔ یہ لوگ جس خوشی سے، سب ایک دوسرے کے ساتھ بغلگیر ہوئے، وہ قابلِ دید نظارہ تھا۔ رفیق عبدالرزاق میرے میزبان نے کہا کہ وہ عرصہ چھ سات سال سے جماعت سے روٹھ کر علیحدہ ہو گیا تھا، اور کہا اب میرا دِل بھی مطمئن ہو گیا ہے۔ میں پھر سے شامِل ہوتا ہوں۔ مجھے بے حد مسرت ہوئی۔ **الحمد للہ**۔

لندن۔ دارالسلام کی واگذاری

حضرت امیر ۲۵ ستمبر کو لندن واپس تشریف لے آئے۔

حضرت امیر کی تحریر:

۲۷ ستمبر ۱۹۸۴ء۔ ووکنگ بینک کے مینجر مسٹر پارٹرج (Partridge) سے ملاقات کا وقت ۱۱:۰۰ بجے کا مقرر تھا۔ محمد انور موٹر میں لے گئے۔ فیض خان بھی وقت پر پہنچ گئے تھے۔ امریکہ سے آوردہ رقم وہیں پہلے سے پہنچ گئی تھی۔ ویمبلے دارالسلام کی عمارت کا قرضہ بے باک ہوا۔ قریباً ۳۹۰۰ پونڈ صرف انجمن کے حساب سے اِس کے لیے نکلوانا پڑا۔

اللہ کا ہزار ہا شکر۔ مجھے یہ مبارک دِن نصیب کیا۔ میری عاجزانہ سعی بابت خرید مکان، برائے خدمتِ دین کو مکمل طور پر بار آور کیا۔ اللہ تعالیٰ اِس مکان پر اپنی برکتیں نازل فرمائے۔ یہاں سے خدمتِ دین کا کام ابدالآباد تک ترقی پذیر ہوتا رہے اور ہر طرح کی وسعتیں ہماری عاجز جماعت کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا لندن میں ۱۳ اکتوبر تک قیام رہا۔ اِن ایام میں

مقامی ایگزیکٹو کونسل کی میٹنگ، انتظامی امور پر بات چیت اور احبابِ سلسلہ سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔

احمدیہ ہاؤس ٹوٹنگ کے متعلق صلح صفائی کے ساتھ کوئی فیصلہ کُن اور نتیجہ خیز بات چیت نہ ہو سکی۔ اگرچہ حضرت امیر نے دلی آرزو کے ساتھ ہر طرح سے سعی فرمائی، اور یہ ایک ایسا پریشان کُن مسئلہ تھا، جس کا بوجھ آپ کے ذہن سے کسی صورت کم نہ ہو سکا۔

۱۳ اکتوبر ۱۹۸۴۔ واپسی کا سفر

حضرت امیر کے فرزند ڈاکٹر زاہد سعید آپ کی ہم سفری کی غرض سے امریکہ سے لندن پہنچ گئے تھے۔ ۱۳ اکتوبر کو وہ آپ کے ہمراہ روانہ ہو کر ۱۴ اکتوبر کو اسلام آباد کے ہوائی اڈہ پر اُترے۔ حضرت امیر کی ڈائری سے اقتباس:

> جہاز کے اُترنے کے لمحات سے لے کر ہوائی اڈہ سے باہر تک جو کچھ محض تصرفِ الٰہی سے ہمیں پیش آیا اُس میں اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت ظاہر و باہر نظر آ رہا ہے۔ اور میرا دِل وجد کی سی کیفیت سے سرشار اور اللہ کی حمد زبان پر جاری تھی۔ یا اللہ ایسی صورتِ حال جو بارہا زندگی میں پیش آ چکی ہے۔ اور خصوصاً آج کی اِس کیفیت و حالات کے بعد تیری ہستی کا کیسے انکار ہو سکتا ہے۔ میں، عاجز ناتواں کِس زبان اور کِن الفاظ سے تیرے شکر کا اظہار کروں۔ شکر کا حق ہرگز ادا نہیں ہو سکتا۔ چونکہ ٹکٹ جے کلاس کا تھا اِس لیے فرسٹ کلاس سے ملحقہ یہ کلاس تھی۔ فرسٹ کلاس میں ابوظہبی کے بعد ایک یا دو مسافر رہ گئے تھے۔ جے کلاس میں میری سیٹ سب سے پہلی لائن میں تھی۔ زاہد بھی ایک گھنٹہ پہلے میرے پاس اپنی پیچھے کی سیٹ سے آ چکا تھا۔ ہم بالکل تیار بیٹھے تھے۔ جونہی

جہاز اُترا، ہم دروازے کے پاس چلے گئے جہاں صرف دو دیگر اشخاص فرسٹ کلاس والے کھڑے تھے۔ زینہ اُترے تو ایک چھوٹی سی بس قریباً خالی، جو فرسٹ کلاس کے لیے مخصوص تھی اُس پر سوار ہو گئے۔ دو تین آدمی اور تھے۔ بس بغیر انتظار کے چل پڑی اور ہم پڑتال کے موقع پر پہنچ گئے۔ سب سے پہلے دو میں سے ایک کاؤنٹر پر میں اور زاہد کھڑے ہوئے۔ قریب ہی اُسی ہال میں سعید یونیفارم میں انتظار میں موجود تھا۔ پاسپورٹ افسر کو دیا تو اُس نے بغیر کچھ دیکھے ایک صفحہ پر دستخط کیا اور مہر لگا کر میرے حوالے کر دیا۔ یہی زاہد کے پاسپورٹ کا کیا۔ پاشا کی اخبار کی کسی خبر پر، کہ استنبول کے ہوائی اڈہ پر کچھ احمدیوں کو روکا گیا ہے، اور اُس خبر کے ماتحت منصور احمد کی پریشانی اور تاکیدی ہدایات اور یہ بتانا کہ ضرور کراچی کے راستے سے آئیں، وہاں بھیڑ بھاڑ زیادہ ہوتی ہے، زیادہ پڑتال نہ ہوگی اور اسلام آباد میں اندیشہ ہے کہ پوچھ گچھ وغیرہ وغیرہ ہو۔ میرے دِل میں تو زیادہ تشویش اِس بات سے پیدا نہ ہوئی تھی، لیکن ایک اندیشہ تو تھا۔ اللہ نے اپنی رحمت کا ہاتھ دکھایا۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

سعید سے مصافحہ ہوا۔ نمازِ فجر کا وقت گذر رہا تھا۔ میں نے نماز پڑھی۔ سامان کے آنے کا انتظار تھا۔ نماز کے لیے سیکیورٹی والے افسر نے اپنا دفتر کا کمرہ دکھا دیا۔ اطمینان سے مختصر نماز ادا کی۔ کچھ دیر میں سامان آخری شفٹ میں آیا۔ ہمارے تین بکس تھے، ایک زاہد کا دو میرے۔ دو کسٹم افسر ابھی پہنچے تھے۔ غالباً سعید نے کسی افسر سے کہا ہوا تھا۔ اُس نے تینوں بکسوں پر بغیر سوال کیے چاک سے نشان کیے اور ہم شکریہ کہہ کر باہر نکلے اور سعید کے گھر پہنچے۔

بیرونی سفر کی منزلیں وطنِ عزیز کی مراجعت کے ساتھ ختم ہوئیں۔ زندہ

سلامت، اچھی حالت میں، کئی رنگوں میں بامراد واپس ہوئے۔ ۹ جولائی کو جو سفر، اسی ہوائی مستقر سے شروع ہوا تھا، آج ۴/اکتوبر ۱۹۸۴ء کو ختم ہوا۔ اللہ کا بہت شکر ہے اور آئندہ بھی اُس کی رحمتوں پر نظر لگی ہوئی ہے۔

یہ دورہ حضرت امیرؒ کے بیرون ملک تاریخی دوروں کے سلسلہ کا آخری دورہ تھا۔ اِس کے بعد آپ کی صحت لمبے سفر اختیار کرنے میں مانع رہی، مگر اللہ تعالیٰ کے خاص افضال کا نظارہ اور اپنی سالہا سال کی کاوشوں کا صلہ اِس دورے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آنکھوں سے دیکھنا نصیب فرمایا۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔



ساتواں حصہ



بائیسواں باب

قافلہ سالار

نومبر ۱۹۷۴ء تا نومبر ۱۹۹۶ء

مفتیِ شہر جنہیں کافر و ملحد سمجھا
دین کے وہ قافلہ سالار نظر آتے ہیں

تاریخی طور پر نومبر ۱۹۸۱ء تک کا دور، امیرِ دوم حضرت مولانا صدرالدین صاحبؒ کا عہدِ امارت تھا۔ لیکن واقعاتی اعتبار سے نومبر ۱۹۷۴ء سے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنے امیرِ محترم کے دست و بازو بن کر، گہرے گرداب میں گھری جماعت کی ناؤ کے پتوار سنبھالے، اور صحیح سمت کا تعین کرتے ہوئے، بیرونی طوفانوں اور اندرونی توڑ پھوڑ سے اِس کے تحفظ کے اقدامات کرنے میں مصروفِ عمل ہو گئے۔

محترم ڈاکٹر حامد رحمان صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ماضی کی طرف پلٹ کر دیکھتا ہوں تو مجھے مکمل طور پر اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ ۱۹۷۴ء میں ایبٹ آباد کے آتشزدگی کے سانحات میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی زندگی بھر کے اثاثہ کا، اُن کی نگاہوں کے سامنے شعلوں کی نذر ہو جانے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور خاص حکمت مضمر تھی۔ اِس واقعہ سے ایک تو آپ کے نفسِ مطمئنہ کا کامِل اظہار ہوا اور دوسرے آپ کو ہجرت کی سعادت نصیب ہوئی جو پیغمبروں اور بندگانِ خدا کی سنت ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ آپ

> کو اُس وقت لاہور لے آیا جب جماعت کے مرکز میں ایک اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کی مالک روحانی ہستی کی اشد ضرورت تھی، جو حوادثِ زمانہ سے سراسیمہ اور آزردہ خاطر جماعت کو نئے حوصلہ اور عزم سے ہم آہنگ کر کے، جرأت سے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے آمادہ کر سکے۔ لاہور تشریف آوری کے بعد آپ نے جماعت کی تعمیرِ نو کا آغاز فرمایا۔ (برائے حیاتِ سعید۔ انگریزی تحریر سے ترجمہ)۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان مومنانہ شان اور آہنی ارادوں کے مالک تھے۔ آپ کے مثبت اندازِ فکر نے جماعت کے لیے وقت کے تقاضوں کے مطابق نئی منازل اور نئے مقاصد کا تعین فرمایا۔ ایک دُور اندیش قافلہ سالار کی حیثیت سے خوف و ہراس کے شکار، منتشر قافلہ کی شیرازہ بندی کا بیڑہ اٹھایا تو آپ کا ہر قدم شعوری یا لاشعوری طور پر اُسی منزلِ مراد کی مسافتیں طے کرنے کی طرف اُٹھا۔ تاریخِ احمدیت کے اِس بائیس سالہ دور کی امتیازی خصوصیات کی ایک اجمالی جھلک پیشِ خدمت ہے۔

جماعت کی شیرازہ بندی

؎ لوائے ما پنہِ ہر سعید خواہد بود
ندائے فتحِ نمایاں بنامِ ما باشد

(ہمارا جھنڈا ہر خوش قسمت انسان کی پناہ گاہ ہوگا اور کھلی کھلی فتح کا سہرا ہمارے نام پر ہوگا)

("تریاق القلوب"، حضرت مسیح موعودؑ)

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان کو یقین کامل تھا کہ حضرت مسیح موعود کی یہ پیشگوئی ایک حقیقت ثابت ہوگی۔ جب جماعت اپنے امام کے پرچم کے سائے تلے آگے قدم بڑھائے گی تو فتحِ نمایاں اِس کا مقدر بن کر رہے گی۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے افراد کا جماعت کے ساتھ رابطہ استوار رکھنے کے لیے ہر ممکن اقدام کیا۔ خط و کتابت، فون پر رابطہ، اندرونِ ملک اور بیرون ملک دورے، ان اقدامات کا ایک حصہ تھا۔ آپ کے مدِّنظر جماعت کو ایک مرکز اور ایک پرچم تلے جمع کرنا تھا۔ جماعت کی تمام شاخیں، جو اندرون ملک یا بیرون ملک قائم کی گئی تھیں، وہ تبلیغ اسلام کے اعلیٰ مقصد کے لیے قائم ہوئی تھیں اور حضرت مسیحِ موعود کے منشا کے عین مطابق تھیں، جس کا اظہار آپ نے الوصیت کی اس تحریر میں فرمایا تھا:

> جائز ہوگا کہ اِس انجمن کی تائید اور نصرت کے لیے دور دراز ملکوں میں اور انجمنیں ہوں جو اُن کی ہدایت کے تابع ہوں۔

اس تحریر میں لفظ 'اُن' کا اشارہ حضرت مسیح موعود کی قائم کردہ انجمن کے ممبران کی طرف ہے۔ اور دورِ حاضر میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ہی آپ کی وہ جانشین انجمن ہے جو آپ کے مقرر کردہ معیار اور وضع کردہ اُصولوں پر قائم کی گئی ہے۔

تبلیغِ دین کے متعلق حضرت مسیح کا ارشاد تھا کہ 'یہ کام میرا ہے مجھ سے ہوگا یا اُس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ ہی میں داخل ہے'۔ اور درحقیقت یہی قانونِ فطرت بھی ہے کہ شاخِ بریدہ کبھی باثمر نہیں ہوسکتی، اور دوسری طرف اگر درخت کی سب شاخیں بھی کٹ جائیں تو بدلتے موسم کے ساتھ نئی شاخیں اور کونپلیں پیڑ کو ہرا بھرا کر دیتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود کے فرمان کی تعمیل میں، ڈاکٹر سعید احمد خان اور ممبران تبلیغ بلادِ غیر کمیٹی نے ایک مجوزہ مسودہ، تمام بیرون ملک جماعتوں کو اُن کی آراء حاصل کرنے کے لیے بھجوایا، اور بعد ازاں قطعی طور پر ایک دستور تیار کر کے ہر شاخ میں بھیج دیا گیا تا کہ تمام جماعتیں فرمانِ مسیح موعود کے مطابق مرکز کی بالادستی، فرمانبرداری اور وفاداری کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تبلیغِ دین کا کام سرانجام دیں۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اپنے بیرونِ ملک دوروں میں اسی اصول پر کاربند رہے اور کبھی کسی

ایک بھی ایسی تجویز کو، جو مرکز کے مفاد کے خلاف ہو قبول نہیں فرمایا۔ اور کسی ایسے ادارے یا جماعت کے قیام کی حمایت نہیں فرمائی جو انجمن اشاعت اسلام سے الگ، کسی اور نام سے قائم ہو یا اپنے آپ کو اپنے کاموں میں خود مختار قرار دے۔ آپ کے مستحکم ارادوں اور بلند حوصلے کے سامنے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک تمام ایسی تحریکیں دم توڑ گئیں، جو خود مختار جماعتوں کا قیام چاہتی تھیں، اور مرکز کے خلاف غلط فہمیاں پھیلاتے ہوئے اِسے کمزور قرار دیتی تھیں، اور انتشار پھیلانے کی خواہاں تھیں۔ آپ نے اپنے عزم اور عمل سے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی مرکزی حیثیت اور اُس کی بالادستی کے قیام کو ممکن ہوتا دیکھ لیا۔

حضرت نصیر احمد فاروقی صاحبؒ کی تحریر 'دورۂ سرینام ۱۹۷۹ء' سے اقتباس:

۲۰ نومبر کو صبح دس بجے مرکز میں سرینام کی جماعت اور مرکزی جماعت کے تعلق اور روابط پر تبادلہ خیال ہوا، جس میں ہالینڈ کے مولٰینا جگّو صاحب اور فجی جماعت کے صدر حافظ شیر محمد صاحب اور بعد میں گیانا کے امام مولٰینا رشید صاحب بھی شامل ہوئے۔ لاہور کے وفد نے اس بات پر زور دیا کہ حضرت مسیح موعود کی الوصیت کے مطابق آپ کی جانشین مرکزی انجمن احمدیہ لاہور ہے۔ حضرت مسیح موعود نے 'الوصیت' میں خود لکھا ہے کہ اس مرکزی انجمن کی بیرونی مما لک میں شاخیں ہوں اور مرکز اور شاخوں کے تعلقات کس طرح ہوں۔ اُنہی ہدایات کے مطابق لاہور کی انجمن بلا دغیر کمیٹی نے ایک ڈرافٹ آئین تمام شاخوں یعنی بیرونی جماعتوں کو تبصرہ کے لیے بھیجا تھا۔ جو بعد میں قطعی شکل میں تمام بیرونی جماعتوں کو بھیج دیا تھا۔ اور جس کے مطابق جماعت احمدیہ فجی، با قاعدہ خوش اسلوبی سے کام کر رہی ہے۔ تمام حاضرین محفل نے اس بات پر زور دیا کہ مرکز کی بالادستی اور اُس کے ساتھ فرمانبرداری اور وفاداری سے کام

کیے بغیر جماعت کا اتحاد اور حسن کارکردگی ممکن نہیں اور اس کے متوازی کوئی اور کونسل یا ادارہ بنانا جماعت کے مفاد کے بالکل خلاف ہے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو میاں نصیر احمد فاروقی صاحب اور دیگر معاملہ فہم اور صاحبِ تدبیر احباب کی مکمل معاونت حاصِل تھی۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ کی تائید سے اندرون ملک اور بیرون ملک جماعتوں کی تشکیل و تنظیم ممکن ہو سکی۔ مزید برآں اس افراتفری کے دور میں آپ کی ذاتی حوصلہ افزائی، نامساعد حالات سے نبرد آزما ہونے میں ثابت قدمی اور ایک خوش آئند مستقبل کے لیے پُراُمید رہنے کی خاص خوبیوں نے جماعت کی شیرازہ بندی میں خاص کردار ادا کیا۔

حضرت امیر نے لاہور کی مقامی جماعت کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

> اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہماری جماعت کا اخلاقی کردار بہت اچھا ہے۔ یہ امتیاز ضرور باقی ہے، لیکن جس قسم کی دینداری، جس قسم کی خداخوفی یا جس قسم کے تقویٰ کا معیار و مقام ہمارے پیش رَو بزرگوں کا تھا، وہ اَب ہم میں باقی نہیں رہا۔ اس طرف ہمیں واپس آنے کی اشد ضرورت ہے۔ اور خصوصاً اپنے نوجوان طبقہ کو اس طرف واپس لانے کی انتہائی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر ہمارا مستقبل کسی طرح بھی روشن اور درخشندہ نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں بدقسمتی سے ہمارے اندر اختلافات بھی پیدا ہو گئے ہیں اور وہ اپنی حد سے نکل کر تفرقہ کی حد میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس خطرے کو، اس کے غیر محسوس بُرے انجام کو اپنے ذہنوں میں رکھنا چاہئے۔ اس تفرقے سے للہ فی اللہ باز رہنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اور اپنے بھائی بندوں کو حتی المقدور باز رکھنے کی سعی کرنی چاہئے۔ اگرچہ موجودہ حالات ایسے ضرور ہیں جن کو دیکھ کر بظاہر بیدلی پیدا ہوتی ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ ایسے آثار بھی ہیں، جو نہایت ہی پُراُمید ہیں اور حوصلہ افزا

بھی۔

مجھے یہاں ایبٹ آباد سے لاہور آئے ہوئے، چوتھا سال جا رہا ہے۔اس عرصہ میں مَیں نے یہاں بھلائی اور اچھائی کی طرف قدم اُٹھتا ہوا دیکھا ہے۔مُلک کے اندر بھی اور باہر بھی جہاں کہیں کام نہیں ہو رہا تھا اب وہاں ہو رہا ہے۔ بہرحال مَیں پرامید ہوں اور بے دلی اور مایوسی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس وقت ہمیں جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنے قلب اور سینے کے اندر جھانک کر دیکھیں۔اگر ہم نے اس جماعت کے ساتھ وفا کرنی ہے۔اور اگر ہم اس کو ایک ایسی جماعت سمجھتے ہیں تو ہمیں مایوس ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔تاہم بے دلی کے ساتھ جو بے حسی ہوتی ہے یہ بہت خطرناک ہوتی ہے۔ کہ ہم محسوس ہی نہ کریں کہ ہمارا فرض کیا ہے اور ہم نے کیا کرنا ہے۔آج ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم باہمی اُلفت و مؤدت کو بحال کریں۔ (پیغام صلح ۱۹ جولائی ۱۹۷۸ء)۔

انتظامی امور اور مجالس میں کردار

جماعتِ احمدیہ لاہور کے تمام انتظامی امور کے فیصلوں کی مجاز مجلسِ منتظمہ اور مجلسِ معتمدین ہیں۔ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے تمام اقدامات اسے ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے، انجمن کے فیصلہ جات کے تابع ہوتے تھے۔تاہم اپنی مومنانہ بصیرت اور وسیع انتظامی تجربات کی بنا پر، آپ کسی فیصلہ کو انجمن کے مفادات کے خلاف سمجھتے تو مدلل بحث سے اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے تھے اور غلط فیصلوں کی تائید نہ فرماتے تھے۔آپ دوسروں کی رائے بھی نہایت صبر و تحمل سے سُنتے تھے اور کثرتِ رائے سے کیے گئے فیصلے بلاتامل قبول فرما لیتے تھے۔اگرچہ بعض اوقات آپ کی اپنی رائے اِس سے مختلف بھی ہوتی تھی، اور اس فیصلے پر عمل درآمد کے بعد، ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ بعد میں اِس فیصلے کے منفی نتائج

سامنے آجاتے تھے۔

جماعت کا اتحاد آپ کی اولین ترجیح تھا۔ اور تمام جماعت کو ساتھ لے کر آگے بڑھنا آپ کی دلی خواہش تھی۔ اس لیے آپ اپنی ذاتی رائے یا حکم کبھی کسی پر مسلط نہ کرنا چاہتے تھے۔ حضرت امیر چہارم ڈاکٹر اصغر حمید صاحب مرحوم اپنے مضمون "حضرت امیر مرحوم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب" میں تحریر فرماتے ہیں:

> میں طبیعتاً معتمدین کی ممبری سے الگ ہی رہتا تھا۔ اس لیے دفتری اجلاس میں تو میں نہیں جاتا تھا، البتہ اُن کے علاوہ کوئی اہم معاملہ ہوتا تو مجھے بلوا لیتے۔ یہ معاملے زیادہ تر باہر کی جماعتوں سے متعلق ہوتے یا قرآن مجید اور بعض دیگر کتب میں جو کتابت وغیرہ کی غلطیاں رہ گئی تھیں اُن کی اصلاح کے متعلق۔ میں نے انجینئرنگ یونیورسٹی میں ملازمت کے دوران قاعدے قانون کے مسودات تیار کرنے کا کام بھی کیا ہوا تھا۔ اسی لیے ایک دو بار اس قسم کا کام پیش آیا تو میرے سپرد کر دیا۔ کبھی کبھی بعض مضامین کے ترجمہ کا کام انگریزی سے اردو یا اردو سے انگریزی بھی میرے ذمہ لگا دیتے تھے۔ اب اتنے سال گذرنے کے بعد، یہ تو ٹھیک طور پر یاد نہیں کہ اُنہوں نے واضح حکم دیا تھا یا باتوں باتوں میں اشارہ کیا۔ لیکن کئی سال جب تک میرے اندر ہمت رہی، جمعہ کا خطبہ میرے ذمے لگا رہا اور شام کا درس قرآن بھی۔ ویسے آپ کا حکم انکساری کے رنگ ہی میں ہوتا تھا۔ دنیاوی افسران کے حکم کی طرح نہ ہوتا۔ لیکن ہمارے لیے آپ کا اشارہ بھی حکم ہی کا درجہ رکھتا تھا۔ اس خدمت سے دوسروں کو فائدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، مجھے ذاتی طور پر بہت فائدہ پہنچا۔ میری عمر درس و تدریس میں گذری تھی۔ کلاس میں لیکچر دینے جاتا تو تیاری کر کے۔ یہی عادت جمعہ کے خطبوں اور

درسِ قرآن میں رہی۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے میرے علم میں بہت اضافہ کیا۔
فَالْحَمْدُلِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے انتظامی امور اور مجالس میں رویے سے متعلق میاں فخر الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> جماعت کے امور کی سرانجام دہی میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ مجلس کی صدارت کرتے تو مجلس باوقار ہو جاتی۔ ہر ایک رُکن کو اظہارِ خیال کا موقعہ دیتے اور پھر مجلس کی کثرتِ رائے کا احترام کرتے۔ مجلس کے آئین کی پاسداری اور انجمن کے قوائد اور فیصلوں کا احترام کرتے۔ (حضرت مسیح موعود کی صداقت کا مظہر۔ پیغام صلح نومبر دسمبر ۱۹۹۷ء)

جماعت کی مجالس میں بعض اوقات اختلافِ رائے، جھگڑے اور تکرار کی صورت اختیار کر جاتی تھی، اور اراکینِ مجلس حضرت امیر سے درشتی سے بات کرتے۔ مگر آپ نے کبھی جواباً تلخ کلامی نہیں فرمائی اور نہ کسی کے خلاف اِس اختلافِ رائے کی وجہ سے دِل میں کوئی میل رکھا۔ محترمہ طاہرہ فضل احمد صاحبہ کی تحریر سے اقتباس:

> ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو فرشتہ سیرت لوگوں کو دُکھ دینے والی باتیں کہہ دیتے ہیں۔ بُرا تو ضرور لگتا ہو گا۔ لیکن وہ اُس شخص کے لیے دِل میں غصہ نہ رکھتے تھے۔ اُس سے نہایت شفقت کے ساتھ گفتگو کرتے، اور جب بھی ملتے محبت سے پیش آتے۔ یہ بات مجھے فضل احمد نے بتائی کہ انجمن کی میٹنگز میں کئی لوگ ناگوار بات کہہ دیتے یا اختلاف رائے ہو جاتا تو نہایت تحمل کا مظاہرہ کرتے اور اونچی آواز یا ناراضگی سے جواب نہ دیتے تھے۔ (اقتباس از "پیارے امیر مرحوم"، پیغام صلح نومبر دسمبر ۱۹۹۷ء)

ایک ایسی ہی مجلس کے ذکر میں، جس میں حضرت امیر کی ممبران نے بے انتہا دلآزاری کی

تھی، آپ نے اپنی ڈائری میں، دُعائیہ انداز میں یہ سطور قلم بند کیں:

اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کے زہر دھو ڈالے تو اُس کے لیے کچھ مشکل نہیں (یہ ذکر چل پڑا۔ شاید اس کی ضرورت نہ تھی۔ جی بھر آیا) رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴿۲۵۰﴾ (البقرۃ ۲:۲۵۰)۔

یا اللہ ہمارے اندرونی اور بیرونی، لاہور اور بیرونی دُنیا کے مراکز میں ان سب فتنوں کو اپنے فضل سے مٹا دے، اور اس غریب جماعت کو یکسوئی اور خوشی سے کام کا موقع نصیب فرما اور اس کی تائید فرما۔

یا اللہ! میرے غموم ہموم کا بھی تو ہی علاج فرما۔ مجھے تو صرف تیری رضا کی طلب ہے۔ یا اللہ! تو مجھ سے راضی ہو تو پھر لوگوں کی نفرت، حقارت اور آزار رسانی میرا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ یا اللہ! تو جانتا ہے کہ میں ایک مجبور محض بن کر، اِس بوجھ کے نیچے ہوں اور میری کبھی بھی اپنی ذات کے لیے جماعت کا سربراہ بننے کی خواہش نہ تھی اور نہ ہے۔ اگر ہے تو یہی خواہش کہ اسے چھوڑ کر بھاگ نہ جاؤں، تو کہیں تیرے غضب کو اپنے اوپر لے کر تجھے ناراض کر لوں۔ تو پھر میرا ملجا اور ماویٰ، دونوں جہانوں کا کون ہو گا؟

اَللّٰھمَّ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ۔

(اے اللہ تیرے سوا نہ کوئی جائے پناہ ہے اور نہ ہی تجھ سے کوئی بچانے والا)۔

تراجمِ قرآن و کتب

حضرت مسیح موعود کی دُور رس نگاہیں دُور دراز ممالک تک پیغامِ حق کی رسائی کی ضرورت

محسوس کر رہی تھیں۔ اسی لیے آپ نے اپنی زندگی ہی میں انگریزی میں تحریرات کے سلسلہ کا آغاز کروا دیا تھا۔ لاہور احمدیہ جماعت کے پاس انگریزی اور اردو میں سلسلہ کی تحریرات کا ایک لامحدود خزانہ موجود تھا۔ حضرت مسیح موعود کے اِس فرمان کی تعمیل بھی ضروری تھی کہ دیگر زبانوں میں تراجم کروائے جائیں۔ چنانچہ حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اِس کام کو اولیت دیتے ہوئے، کئی زبانوں میں قرآن و دیگر کتب سلسلہ کے تراجم کے کام کا آغاز فرمایا۔ عبداللہ سعید کے زیرِ اہتمام اس کام کی ابتداء ہسپانوی ترجمۃ القرآن سے ہوئی۔

حضرت امیر نے اپنے دورۂ امریکہ میں، ظفر عبداللہ صاحب اور ڈاکٹر نعمان الٰہی صاحب کی وساطت سے چینی، فرانسیسی اور روسی مترجمین سے ملاقات فرمائی، اور یہ کام جماعتِ امریکہ کے سپرد کر دیا گیا۔

تراجم کا زیادہ تر کام ڈاکٹر نعمان الٰہی صاحب کی زیرِ نگرانی ہوا۔ اُن کی ذاتی لگن اور مالی اور وقتی قربانی کے علاوہ اِس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ مولانا محمد علی صاحب مرحوم کے ورثاء نے اس کام کے لیے ایک خاص فنڈ قائم کیا تھا، اور چونکہ پاکستان میں اُن ایام میں طباعت کے کام میں مشکلات حائل تھیں، اس لیے یہ فنڈ ڈاکٹر نعمان الٰہی کی تحویل میں دے دیا گیا تھا اور ابتدائی کام اس فنڈ سے ہوا۔

بعد ازاں حضرت مولاناؒ کے چند ورثاء کی طرف سے انجمن میں ایک ریزولیوشن پیش کیا گیا تھا کہ مولانا محمد علی صاحبؒ کی کتب کی طباعت، اشاعت اور تراجم کے کام کے حقوق جماعت امریکہ کو منتقل کر دیئے جائیں۔ انجمن کے علم میں یہ بھی لایا گیا کہ حضرت مولانا محمد علیؒ کی کتب غیر از جماعت لوگ اور ادارے بڑے پیمانے پر بلا اجازت چھاپ رہے ہیں۔ اِن میں کئی بڑے ادارے بھی شامل تھے، جن میں سے انگلستان کے ایک ادارہ 'کرزن پریس' نے مینول آف حدیث اور امریکہ میں ایک ادارہ، زیرِ ہدایت حبیب ٹرسٹ، انگریزی ترجمۃ القرآن چھاپ رہا تھا، جس میں سے

احمدیت کا ذکر اور مولانا صاحب کا نام ہٹا دیا گیا تھا۔ اس بنا پر احمدیہ انجمن لاہور کی مجلسِ منتظمہ کی ۲۲ نومبر ۱۹۹۲ء کی میٹنگ میں، حضرت مولانا محمد علیؒ کی کتب کی طباعت کے جملہ حقوق جماعتِ امریکہ کو منتقل کرنے کی سفارش کی گئی، تاکہ دوسرے اداروں کی طرف سے غیر قانونی طباعت کو روکا جا سکے۔

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی وفات سے قبل چینی، فرانسیسی، روسی اور جرمن زبانوں میں تراجم کے کام میں خاصی پیش رفت ہو چکی تھی۔ آپ کی وفات سے چند روز قبل محترمہ ثمینہ صاحبہ چینی ترجمہ کا ٹائپ سیٹ لے کر آئی تھیں، اور آپ کو یہ بھی بتایا تھا کہ جلسہ سالانہ تک روسی ترجمہ کا ٹائپ سیٹ بھی مکمل ہو جائے گا۔ یہ سُن کر آپ کی زبان سے کلمۂ شکر 'الحمدللہ' کئی بار ادا ہوا۔ ہندی ترجمۃ القرآن کا آغاز کشمیر کے ڈاکٹر خورشید ترین صاحب کر چکے تھے اور چند دیگر کتب پر بھی کام ہو رہا تھا۔ حضرت امیر کی یہ بھی خواہش تھی کہ پاکستان میں جماعت کے نوجوان دیگر زبانیں سیکھیں اور خود تراجم کا کام کریں۔

دیگر ذرائع ابلاغ کا استعمال

حضرت امیر نے احمدیہ لٹریچر کو محفوظ رکھنے کے لیے ابتداء میں کئی رسائل اور جرائد کو مائیکروفلم پر منتقل کروا دیا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ نئی ایجادات متعارف ہوئیں، تو آپ نے کمپیوٹر پر کتبِ سلسلہ کی منتقلی کے کام کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس کام میں مہارت رکھنے والے نوجوانوں نے کام اپنے ہاتھوں میں لے لیا، اور احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کی یو ایس اے شاخ کی ویب سائٹ "مسلم ڈاٹ آرگ" (www.muslim.org) کے نام سے، آپ کی زندگی میں قائم ہو گئی تھی، جس نے بہت جلد ممبرانِ جماعت اور عوام الناس میں مقبولیت حاصل کر لی، اور تبلیغ کے کام میں خاصی پیش رفت ہوئی۔

ڈاکٹر مجاہد احمد سعید نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں ہی کمپیوٹر کے کام میں مہارت حاصل کر

لی تھی، اور جماعت کی خدمت اس ذریعہ سے کرنے کے خواہش مند تھے۔حضرت امیر نے اپنے نوعمر پوتے کی اِس خواہش کی قدر کرتے ہوئے "ٹیچنگز آف اسلام" کی اپنی ذاتی کاپی، ایک دُعائیہ تحریر کے ساتھ مجاہد کو اِس کام کا آغاز کرنے کے لیے عطا کی۔حضرت امیر مجاہد کے اِس ارادہ سے بے حد خوش اور مطمئن تھے۔آپ پُریقین تھے کہ مجاہد اِس ابتداء سے کوئی معرکتہ الآراء تبلیغی کام سرانجام دے گا۔ آپ نے اس بات کا اظہار کئی مرتبہ میری موجودگی میں کیا۔اور یہ فرماتے ہوئے خوشی کی جو چمک اُن کے چہرے پر اور آنکھوں میں، میں نے دیکھی ہے، وہ الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی اِس دُعائیہ آرزو کو قبولیت بخشی اور مجاہد نے ایک شاندار ویب سائٹ اے اے آئی آئی ایل ڈاٹ آرگ (www.aaiil.org) کے نام سے، حضرت امیر ڈاکٹر اصغر حمید صاحب کے دورِ امارت میں، اُن کی اجازت اور سرپرستی میں قائم کی۔اس کی افادیت اور مقبولیت کا اندازہ اس کے وسیع استعمال سے کیا جاسکتا ہے۔اس ویب سائٹ کو مرکز کی سرپرستی حاصل ہے۔

خواتین کی حوصلہ افزائی

حضرت امیرؒ اس بات کے خواہش مند تھے کہ جس طرح دیگر ممالک میں جماعت کی خواتین مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں اور ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں، اسی طرح پاکستان کی خواتین بھی جماعت کے کاموں میں ہاتھ بٹائیں اور فعال ہوں۔ بالخصوص اجلاس سالانہ اور دیگر تقریبات میں انتظام و انصرام میں مدد دیں اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں خاص کردار ادا کریں۔

خواتین کی خاص انجمن "تنظیم خواتینِ احمدیہ" اپنے طور پر اپنے وسائل سے اشاعتِ دین کے کاموں میں ہمیشہ سے حصہ لیتی آئی تھی اور خواتین کا ایک اجلاس، جلسہ سالانہ کے موقع پر منعقد ہوتا تھا، جس میں خواتین اپنی دستکاری کی نمائش اور اس کی فروخت اور خورد و نوش کے سٹال لگا کر خاصی رقم اکٹھی کر لیتی تھیں، جو چندہ کے طور پر جمع کرا دی جاتی تھی۔ ہمیشہ کی اِس روایت کو حضرت ڈاکٹر سعید احمد کی خاص حوصلہ افزائی سے بہت تقویت ملی، اور اس مد سے آمدنی میں کئی گُنا اضافہ ہوا۔جلسہ سے

ایک روز قبل جب دستکاری نمائش کے لیے سجائی جاتی، تو خواتین کی دعوت پر اسے دیکھنے کے لیے آپ ضرور تشریف لے آتے۔ دیدہ زیب دستکاری کو سراہتے۔ اور منتظم خواتین عام طور پر، آپ کی بیگمات کی بنائی ہوئی دستکاری پیش کر کے مُنہ مانگے دام وصول کر لیتیں، اور ایک طرح سے اس طرح نمائش کا افتتاح بھی ہو جاتا۔

حضرت امیر کی حوصلہ افزائی کے بدولت، خواتین دیگر اجلاس بھی منعقد کرنے لگیں اور جلسہ سیرت النبی، جلسہ یومِ وصال حضرت مسیح موعود کے علاوہ، ہر ماہ ایک جلسہ منعقد کیا جانے لگا، جو خواتین کی اپنی اور بچیوں کی دینی تربیت اور تقریر و تحریر میں مہارت حاصِل کرنے میں اہم کردار ادا کرتا تھا۔

اس دور میں خواتین وفود کی صورت میں لاہور میں اور لاہور کے علاوہ دوسرے علاقوں اور شہروں میں دوروں کے لیے جاتی تھیں، اور ہر مقام پر خواتین کی مقامی تنظیمیں قائم کر دی گئی تھیں، اور یہ سب آپ کی حوصلہ افزائی اور ذاتی دلچسپی سے عمل میں آ سکا۔ محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ کی تحریر کا ایک اقتباس:

> خواتین، جماعتِ احمدیہ کی، ہمیشہ سے ایک فعال عنصر رہی ہیں۔ مالی جہاد میں بے مثل لیکن اِن کی تبلیغی اور علمی مساعی کا سلسلہ پاکستان تک محدود تھا۔ حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے ۱۹۷۹ء کے سرینام کے بین الاقوامی اجلاس میں، اپنے اور حضرت نصیر احمد فاروقی مرحوم کی معیت میں اس عاجزہ کو بطور مندوب مرکزی جماعتِ احمدیہ لاہور، انتخاب کر کے اِس کمی کو پورا کر دیا۔ یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی خاتون کو بطورِ مندوب، مرکزی جماعت احمدیہ، لاہور سے باہر بھیجا گیا ہو۔

بچوں اور نو جوانوں کی حوصلہ افزائی

بچے اور نو جوان اپنے ماحول سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ جو قوم یا جماعت اپنے اِس قیمتی اثاثہ کے تحفظ کی تدابیر کرتی ہے اور صحیح خطوط پر رہنمائی کے لیے ایک سازگار ماحول پیدا کرتی ہے تو یہ ہی بچے ایک منظم اور تربیت یافتہ قوم کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ وہ نو جوان اور بچے جن کی سر پرستی اور تربیت حضرت امیرؒ نے ایک غیر محسوس سے انداز میں فرمائی، وہ مستقبل میں جمات کے فعال کارکن، مقرر، خطیب اور قائد بن کر سامنے آئے۔ تعلیمِ قرآن، درسوں اور تربیتی کورس کا اہتمام بچوں اور نو جوانوں کی تربیت کے لیے ہی کیے گئے تھے۔ یہ تمام اپنی جگہ درست، مگر سب سے بڑھ کر جس امر نے بچوں اور نو جوانوں کو متحرک کیا، وہ حضرت امیر کی اپنی وہ ذاتی شفقت اور محبت تھی جو وہ ان سے کرتے تھے۔ نماز، درس اور دیگر اجلاس میں شمولیت پر تعریفی کلمات، انعامات اور خطابات سے بچوں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ بعض اوقات بچے محافل میں معصوم سی کوئی شرارت بھی کر دیتے تو آپ سرزنش نہ فرماتے تھے۔ آپ کا دِل اس یقین سے معمور تھا کہ یہی بچے کل کے مفکر، مقرر اور خطیب ہوں گے اور آپ کے اس اعتماد کی تعبیر آج جماعت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔

احمد شجاع، جنہیں حضرت امیر نے نمازوں میں باقاعدگی سے شریک ہونے پر 'ننھا نمازی' کا خطاب دیا تھا، اب اِس دور میں ایک معلم اور مقرر بن چکے ہیں۔ اُن کی ایک تحریر:

> یہ ۱۹۷۸ء کی بات ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اپنے والد صاحب (چوہدری ریاض احمد صاحب) کی انگلی تھامے، روزانہ صبح سویرے فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے باقاعدگی سے جامع دارالسلام میں آیا کرتا، اور ہم حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی امامت میں نماز ادا کیا کرتے تھے اور نماز کے بعد درس ہوا کرتا تھا۔ میں اُس وقت چھ برس کا تھا اور بعض اوقات سجدہ میں سو بھی جایا کرتا تھا۔ میری اس باقاعدہ شمولیت سے خوش ہو کر حضرت امیر نے مجھے 'ننھا نمازی' کے خطاب سے بھی نوازا۔

حضرت امیر، جان جی کی بہت خوبصورت یادیں میرے دِل میں زندہ ہیں۔ اُن جیسی ہستی کی تعریف کے لیے مجھ ناچیز کے پاس الفاظ نہیں۔ میں جان جی کے لباس کی نفاست سے بہت مرعوب ہوا کرتا تھا۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر مسجد کے صحن میں شامیانے لگا کر مرد و خواتین کے بیٹھنے کا انتظام ہوتا تھا۔ جان جی نہایت ہی عمدہ تھری پیس سوٹ میں، بہت ہی اعلیٰ ٹائی لگائے ہوئے جلوہ افروز ہوتے تھے۔ اور بہت ہی عمدہ بیان کے ساتھ اپنی تقریر سے ہمیں مستفید فرماتے تھے۔ یہ تمام لمحات میرے دل و دماغ میں خوبصورت یادوں کی طرح محفوظ ہیں۔

دارالسلام میں مکین ہونے کی وجہ سے میں نے کافی وقت آپ کی پاکیزہ صحبت میں گذارا۔ مجھے وہ دِن بھی اچھی طرح یاد ہیں جب ہم جلسہ سالانہ کے موقع پر دارالسلام استقبالیہ کے کاؤنٹر کے ساتھ، اپنے والد کی سرپرستی میں چائے کا اسٹال لگایا کرتے تھے۔ یہ ٹی اسٹال آنے والے معزز مہمانوں کو چائے پلا کر تازہ دم کیا کرتا تھا۔ جان جی مرحوم، ہمارے اس اسٹال پر تشریف لاتے اور چائے پی کر بہت مسرت کا اظہار فرماتے اور ہماری اِس کاوش کو بہت سراہتے تھے۔

دارالسلام میں جان جی نے پیر کے روز درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ نہایت سادہ الفاظ میں قرآن کی تفسیر فرماتے۔ بعد کے ایام میں، محترم نصیر احمد فاروقی صاحب نے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔ درس کے اختتام پر میرے والد صاحب کے اہتمام سے پُرتکلف چائے بھی پیش کی جاتی تھی۔

ہمارے امیر، ہمارے پیارے جان جی سراپا دُعا تھے۔ میرا کامل یقین ہے کہ آج میں جس مقام پر ہوں، اُس میں اُن کی دُعاؤں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ میں سچے دل سے دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں جنت میں وہ اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ جس کا اُس نے اپنے پاکیزہ بندوں کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے۔ آمین۔ (تحریر برائے 'حیاتِ

سعید')۔

شبان الاحمدیہ کے زیرِ اہتمام، نوجوانوں اور بچوں کے ذہنی آزمائش کے پروگرام ہوں یا تقاریر کا انعامی مقابلہ، حضرت امیر اُن کی حوصلہ افزائی کے لیے پروگرام کے اختتام تک اُن کے ساتھ موجود رہتے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری دو تین برسوں میں جب آپ کمزوری کے باعث جامعہ میں تشریف نہ لے جاتے تھے تو اپنے کمرے میں نصب سپیکر پر تمام کارروائی سُنتے تھے۔ بعض اوقات بچوں کی عمدہ کارکردگی پر اُنہیں گھر پر بلوا کر حوصلہ افزائی فرماتے اور ذاتی طور پر بھی اُنہیں انعام دیتے تھے۔

جب حضرت امیر کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ چوہدری سعادت احمد صاحب کی دُختران کتب کے تراجم کا کام کر رہی ہیں، تو آپ نے زینب اور سارہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ سارہ احمد کی تحریر سے اقتباس:

> ایک شام کو آنٹی صفیہ نے مجھے اور میری بہن کو بتایا کہ حضرت امیر ہم سے ملنا چاہتے ہیں، کیونکہ اُنہیں پتہ چلا ہے کہ ہم ترجمہ کا کام کر رہی ہیں۔ ہم دونوں مغرب کی نماز سے کچھ دیر پہلے گئیں، تو حضرت امیر بھی شاید نماز کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ آپ نے سفید کپڑے اور سفید ٹوپی پہنی ہوئی تھی اور چہرے سے نور برس رہا تھا۔ ہم سے نہایت ہی محبت سے ملے۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے بستر پر ہی بٹھا لیا اور دیر تک میرا ہاتھ پکڑے رکھا۔ آپ نے ہم سے پوچھا کہ ہم کِن کلاسوں میں پڑھتی ہیں۔ جب میری بہن نے بتایا کہ وہ میڈیکل کالج میں ہیں تو مسکرا کر نہایت شفقت سے فرمایا: "پھر تو آپ ہماری برادری کی ہیں"۔ اس کے بعد نماز کا وقت ہو گیا اور ہمیں جلد ہی اُٹھنا پڑا۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ ہماری حضرت امیر سے آخری ملاقات ہو گی۔ ("ہمارے محترم اور پیارے امیر مرحوم"، پیغام صلح نومبر،

دسمبر ۱۹۹۷ء)۔

شبان الاحمدیہ کے عہدہ داران کی دعوت پر آپ اُن کے اجلاس میں شرکت فرماتے اور اُنہیں اپنی تقاریر سے مستفید فرماتے۔ ایک جلسہ میں آپ نے تقریر فرماتے ہوئے، قادیان میں اپنے ذاتی تجربات، اور حضرت مسیح موعود کی مبارک مجالس، مولانا نورالدین صاحب کے پُرمغز درسوں اور پھر اختلافات سلسلہ کے اپنے چشم دید واقعات بیان فرمائے۔ شبان الاحمدیہ کے ایک جلسہ میں آپ کے ارشاد کا اقتباس محترم زاہد جنجوعہ کی اس رپورٹ سے پیش خدمت ہے جو ۹ فروری ۱۹۷۷ء کے پیغام صلح میں شائع کی گئی تھی:

> اس کے بعد اس اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے مکرم ومحترم خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے سورۃ الکہف کی ان آیات کی تلاوت فرمائی:
>
> نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡیَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَ زِدۡنٰهُمۡ هُدًی ﴿۱۳﴾ وَّ رَبَطۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَاۡ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾
>
> (ہم ان کی خبر تجھ پر حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ وہ (کئی) جوان تھے جو اپنے ربّ پر ایمان لائے۔ اور ہم نے انہیں ہدایت میں بڑھایا۔ اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا۔ جب وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا ہمارا ربّ آسمانوں اور زمین کا ربّ ہے۔ ہم اس کے سوائے کسی اور معبود کو نہ پکاریں گے۔ کیونکہ اس صورت میں ہم (ایسی بات) کہیں گے جو حق سے دُور ہے)۔
>
> آپ نے فرمایا کہ:

شبان الاحمدیہ کی یہ تقریب بے حد باعث مسرت ہے کہ کافی تعداد میں نوجوان اس اجلاس میں شریک ہیں۔ عزیزم نذر رب صاحب کے اس خطاب سے مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے آپ نے شبان الاحمدیہ کی تاریخ کے سلسلہ میں بڑی مفید باتیں کہی ہیں۔ لیکن میں ریکارڈ درست رکھنے کی غرض سے اس میں تھوڑا سا اضافہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ احمدیہ ینگ مینز ایسوسی ایشن (شبان الاحمدیہ) کا اولین قیام ۱۹۳۴ء کی بجائے ۱۹۲۲ء میں عمل میں لایا گیا تھا جبکہ میں میڈیکل کالج کا طالب تھا۔ اُس وقت ڈاکٹر اللہ بخش صاحب اور میرزا مسعود بیگ صاحب اس تنظیم میں نمایاں مقام رکھتے تھے اور مجھے اس کا صدر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

اس تنظیم کا باقاعدہ افتتاح حضرت امیر مولانا محمد علی صاحبؒ مرحوم و مغفور کی زبان مبارک سے احمدیہ بلڈنگس میں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم نے اس دَور کے حالات کے مطابق اپنے طور سے کام کیا اور خصوصاً برلن مسجد کے لیے گراں قدر چندہ اکٹھا کیا۔ کافی عرصے تک یہ تنظیم بڑی فعال رہی مگر رفتہ رفتہ رفتارِ عمل سست پڑ گئی۔ لیکن ۱۹۷۴ء کے بعد حالات جس طرح سے بدل رہے ہیں آپ کے سامنے ہیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں نے موقعہ کی مناسبت سے جو آیات تلاوت کی ہیں ان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اُمت کے نوجوانوں کا ذکر ہے کہ چند ایک ایسے نوجوان تھے جن کے دِل نورِ ایمان سے منوّر تھے اور عمل و یقین سے معمور تھے۔ خدا تعالیٰ نے اُنہیں ہدایت بخشی تھی اور وہ پیغامِ ہدایت لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے وطن سے دُور نکل پڑے۔ چنانچہ اللہ

تعالیٰ نے بھی اُنہیں استقلال بخشا، ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور وہ حق بات کہنے والے بن گئے۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے شبان کو نصائح سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ آج جبکہ آپ نوجوان اس عزم سے اُٹھے ہیں کہ ہم تحریکِ احمدیت کو آگے بڑھائیں گے تو پھر آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ کسی قسم کے مخالف حالات سے مایوس ہو کر یا گھبرا کر پیچھے نہ ہٹیں۔ بلکہ اِس عزم کے ساتھ آگے بڑھیں کہ ہم حق پر ہیں اور خُدا ہماری پُشت پر ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ تعلق باللہ بھی پیدا کریں اور خدا تعالیٰ کے آگے جھکیں اور اس کی درگاہ میں سجدہ ریز ہوں اور اس سے نصرت و استقامت طلب کریں کیونکہ دینی امور میں انسان محض اپنی تدابیر کے ذریعے کامیابی حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اُس کے فضل و احسان سے ہی کامیابی میسر آ سکتی ہے۔ اگر آپ اس مقصد کے لیے جان و مال اور اوقات کی قربانی دینے کے لیے تیار ہوں گے تو آپ کامیاب و کامران ہوں گے۔

بھلا اس سے بڑھ کر ہماری کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ ہماری یہ دلی تڑپ اور آرزو پُوری ہو کہ ہم اپنی آئندہ قیادت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اپنے ہاتھوں سے جماعتی ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر منتقل کر سکیں۔

محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نائب صدر مرکزی انجمن احمدیہ لاہور نے شبان الاحمدیہ کی طرف سے پیش کردہ معروضات کے جواب میں فرمایا کہ:

یہ بات باعث خوشی ہے کہ آپ نے ہماری سابقہ کوتاہیوں سے قطع نظر بڑے تعمیری انداز میں سوچنا شروع کیا ہے۔ آپ جو بھی پروگرام بنائیں گے اور جو تجاویز ہم تک پہنچائیں گے ہم ان پر سنجیدگی سے غور کریں گے۔ آپ کو یاد ہوگا

> کہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر استحکام جماعت کے لیے اپیل کی گئی تھی۔ آپ لوگ بھی چونکہ جماعت کو منظم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اس لیے اس سرمائے پر آپ کا حق ہے۔ اور اس مدّ میں سے آپ پر خرچ کرنے میں صدر انجمن انشاء اللہ بُخل سے کام نہیں لے گی۔ اس سلسلہ میں صدر انجمن کی طرف سے آپ کی ان جماعتی بھلائی کی کوششوں میں ہر ممکن تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔

> اس موقعہ پر محترم ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ:

> مَیں جملہ سامعین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ نہایت دلسوزی سے خدا کے حضور دُعا کریں کہ وہ ان نوجوانوں کی کوششوں میں برکت ڈالے اور ان کے نیک عزائم میں انہیں کامیاب و کامران فرمائے۔

حضرت امیر کے جوہرِ مردم شناسی نے جماعت کے کئی فرزندوں کی اندرونی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ جماعت سے خلوص، دلچسپی اور جماعت کے لیے کام کرنے والوں کو آپ نے ہمیشہ کام کا موقعہ دیا۔ آپ کی ہی حوصلہ افزائی سے بہت سے نوجوانوں نے تقریر و تحریر کے میدان سنبھالے، اور آج جماعت کے کام کو آگے بڑھانے والوں میں اکثریت اُنہی افراد کی ہے جو آپ کی قدر شناسی کے بدولت سامنے آئے۔ ڈاکٹر حامد رحمان صاحب کی انگریزی تحریر کے اقتباسات کا اردو ترجمہ:

> ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب لاہور، دارالسلام، میں رہائش اختیار کر چکے تھے، جب ۱۹۷۹ء میں میرا تبادلہ لاہور کا ہوا۔ اور تقریباً پانچ سال کے اس عرصے (۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۴ء) میں مجھے آپ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے بیشتر مواقع میسر آئے۔ اگرچہ میں اپنے آپ کو اِس اہلیت اور استعداد کے قابل تو نہیں سمجھتا تھا کہ جلسہ سالانہ پر تقریر کرنے کی جسارت کروں، مگر آپ نے حکم

فرمایا کہ میں تقریر کروں، اور میری کوئی پس و پیش قبول نہ فرمائی تو مجھے اِس حکم کی تعمیل کرنا ہی پڑی۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ پر کئی تقاریر کا موقعہ عطا فرمایا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری ذات میں اگر کوئی روحانیت کا شائبہ موجود ہے تو وہ جان جی کی صحبت سے میسر آیا ہے۔

جان جی کی نگاہ ہمیشہ افراد میں موجود صلاحیتوں کی متلاشی رہتی تھی۔ جہاں بھی کوئی جوہرِ قابل نظر آیا، اُس کی خوبیوں کو اجاگر کرنے میں بھرپور رہنمائی فرمائی، اور اپنی قدردانی سے اُسے آگے بڑھنے کا موقعہ فراہم کیا۔ آپ کے انتخاب پر اُن افراد کو جنہیں آپ کام سپرد کرتے بے حد فخر محسوس ہوتا۔ اور یہ تمنا رہتی کہ آپ کی توقعات پر پورے اتر سکیں۔

میں امریکہ کی ریاست ورجینیا میں تھا کہ جان جی نے اپنے خط کے ساتھ ٹرینیڈاڈ جماعت کے ایک ممبر کا مذہبی سوالات پر مبنی ایک خط مجھے بھیجا کہ اِن سوالات کے جوابات میں تحریر کروں۔ آپ کے میری ذات پر اِس قدر اعتماد نے مجھے حیرت میں ڈال دیا، کیونکہ میں اپنے آپ کو کوئی دینی عالم نہ سمجھتا تھا اور نہ اب سمجھتا ہوں، مگر آپ کے حکم کی تعمیل ضروری تھی۔ جوابات لکھ کر آپ کو بھجوا دیئے کہ آپ خود اصلاح کے بعد سائل کو بھیج دیں۔ اور اس بات نے تو مجھے مزید حیرت زدہ کر دیا، جب آپ نے میری تحریر جوں کی توں اپنے اس نوٹ کے ساتھ سائل کو بھجوا دی کہ جماعت کے ایک ممبر نے تمام سوالات کے جامع جوابات تحریر کر دیئے ہیں، جو آپ اُنہیں بھیج رہے ہیں۔

حضرت امیر کی زندگی میں جس کو بھی آپ کی صحبت اور قربت نصیب ہوئی، آپ نے اُس کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر فرمایا۔ مجھے اکثر اوقات ایسا محسوس ہوتا

ہے کہ جان جی کے دل میں میرے لیے ایک خاص گوشہ تھا۔

احبابِ سلسلہ سے محبت، بالخصوص اہالیانِ دارالسلام سے

حضرت امیر کو احبابِ سلسلہ احمدیہ سے ایک خاص لگاؤ اور محبت تھی، مگر دارالسلام میں مکین لوگ بوجۂ قربت مکانی، آپ کے دِل سے بھی بہت قریب تھے۔ آپ اُن کے ہر دُکھ سُکھ کے ساتھی تھے۔ کوئی علالت کی وجہ سے مسجد میں نظر نہ آتا تو فوراً خبر گیری کے لیے تشریف لے جاتے۔ دُعا کے ساتھ ساتھ دوا کا بھی انتظام فرماتے۔ بعض گھریلو معاملات اور تکالیف بھی افراد کو آپ کے در پر لے آتیں۔ آپ اُس کے مداوا کی سعی بھی ضرور فرماتے۔

حضرت امیر کی صحت جب کچھ کمزور ہوگئی، تو آپ کی صبح کی سیر کی جگہ عصر کے بعد کی چہل قدمی نے لے لی، جو دارالسلام کی چاردیواری تک محدود ہوگئی تھی۔ آپ سے ملاقات کے خواہاں حضرات اور خواتین کے علاوہ معصوم اور کم عمر بچے بھی اُس وقت کے منتظر ہوتے تھے۔ اکثر ننھے منے معصوم اپنی اپنی ماؤں کی گود میں مچلتے دیکھے گئے کہ وہ کسی طرح آپ سے مصافحہ میں سبقت لے جائیں۔ آپ احباب سے مصافحہ فرماتے، حال احوال پوچھتے ہوئے اپنی چہل قدمی جاری رکھتے تھے۔

محترمہ شمسہ جاوید صاحبہ کی تحریر:

> اپنے بچپن میں اپنی 'بے جی' کے ایک شفیق اور خوش خلق، قابِل معالج کا تذکرہ، اکثر اُن کی زبانی سنا کرتے تھے۔ مگر آپ سے پہلی مرتبہ ملاقات اُس وقت ہوئی، جب میرے والد مرحوم مجھے لاہور طبی مشورہ کے لیے لائے تھے، میں نے ڈاکٹر سعید احمد صاحب کو اُس سے بڑھ کر شفیق، مہربان اور مہمان نواز پایا، جو میرے تصور میں تھا۔ جب ہم نے دارالسلام میں سکونت اختیار کر لی تو تقریباً ہر روز آپ

سے ملاقات کا موقع میسر آتا رہا۔ عصر کی نماز کے بعد دارالسلام میں چہل قدمی آپ کا معمول تھا۔ میں اکثر منتظر رہتی کہ آپ کو سلام کرنے میں سب سے سبقت لے جاؤں، اور مجھ سے زیادہ مشتاق میرا چھوٹا بیٹا احمد تھا، اُس نے ابھی بولنا بھی نہ سیکھا تھا۔ وہ میرا ہاتھ تھام کر آپ کی گلی کی طرف چلنے کا اشارہ کرتا۔ آپ احمد سے مصافحہ فرماتے اور کبھی ٹافی کبھی بسکٹ اُس کے ہاتھ میں تھما دیتے۔ ایک مرتبہ جب احمد بیمار پڑ گیا اور چند دن آپ سے ملاقات کے لیے باہر نہ نکلا، تو آپ نے خود معلوم کروایا کہ کیا سبب ہے۔ اور جب اُس کی بیماری کا علم ہوا تو سیر کے اوقات میں ہمارے گھر کی طرف نکل آئے۔ دروازے پر کھڑے کھڑے احمد کی خیریت دریافت کی اور قبرستان کی طرف چل پڑے۔ احمد کے لیے آپ خاص دُعائیہ کلمات فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بچہ اچھا اور نیک انسان بنے گا۔

آپ کی خوش خلقی اور بچوں سے بے پناہ محبت کا اظہار اُس وقت بہت نمایاں ہوتا، جب تمام بچے آپ کی طرف کھنچے چلے آتے اور آپ سب سے مسکراتے ہوئے مصافحہ فرماتے۔ آپ کی وفات نے ہم سب کو بے حد افسردہ کر دیا۔ دُعاؤں اور برکات کا ایک سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے (آمین)۔

جس طرح کی والہانہ عقیدت اور محبت دارالسلام کے مکینوں کو حضرت امیر سے تھی، اُسی طرح کا لگاؤ آپ کو بھی اِن تمام لوگوں سے تھا۔ جب آپ دارالسلام میں تشریف فرما نہ ہوتے تھے، تو، احبابِ سلسلہ آپ کی کمی کو از حد محسوس کرتے تھے اور انہیں آپ کی صحبت سے محرومی کا احساس رہتا تھا۔

حضرت امیر کی ایبٹ آباد روانگی پر محترم ارشد علوی صاحب کے تاثرات:

شام کو رمضان کا چاند دیکھا۔ دل سے دُعا نکلی: "یا خدا! اس ماہِ مبارک میں ہمیں دین اور دنیا میں ترقی و عزت عطا فرما"۔ رات کو تراویح پڑھ کر سو گئے۔ صبح کو دو بجے چوکیدار نے جگایا۔ میں اٹھا وضو کر کے تہجد پڑھنے لگ گیا۔ پھر سحری کھائی اور پانی وغیرہ خوب پیا۔ اذان ہوئی اور مسجد کی طرف چلا گیا۔ (پچھلے سال ابا جان فرمایا کرتے تھے بھئی صبح کی نماز دارالسلام جا کر پڑھا کریں۔ یہ نہیں پتہ تھا کہ اگلے سال اُن کا مستقلاً قیام دارالسلام میں ہوگا)۔

مسجد میں کافی رونق تھی۔ پندرہ منٹ کے بعد حضرت امیر تشریف لے آئے۔ سفید کپڑوں میں ملبوس تھے۔ ہلکی ہلکی سی روشنی اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سناٹا چھایا ہوا تھا۔ حضرت امیر نے امامت کی اور قرأت میں وہ سماں باندھا کہ روح پر ایک وجد سا طاری ہوگیا۔ یوں لگ رہا تھا کہ آسمان میں سے دور سے کہیں روحانی آواز آ رہی ہے جو دل و دماغ میں ایک میٹھا سا سرور پیدا کر رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ یہ قرأت ختم نہ ہو اور ہم کھڑے رہیں۔ بہت ہی لطف آ رہا تھا نماز میں۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت امیر لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ سفید لباس میں ملبوس چہرے پر روحانیت کا نور چمک رہا تھا۔ آپ آج ایبٹ آباد تشریف لے جا رہے تھے جو کہ آپ کا آبائی گاؤں ہے۔ کسی نے کہا کہ آپ دعا فرما دیں، خدا آپ کو خیریت سے لے جائے اور واپس خیریت سے لائے۔ آپ نے فرمایا دل تو میرا بھی نہیں کرتا آپ سے جُدا ہونے کو، مگر وہاں بھی زندگی کا کچھ تعلق رہا ہے اور عزیز رشتہ دار وغیرہ سے مانوسیت ہے اس لیے ان کو ملنے جانا ہے۔ باقی آپ لوگ بھی میرے لیے دعائیں کرتے رہیں اور اس جماعت کے لیے بھی کہ خدا اس جماعت کو اندرونی اور بیرونی خلفشار سے دور

رکھے۔ یہ امام وقت کی جماعت ہے۔ اس کو قائم رکھنے کے لیے دعا اور محنت کی ضرورت ہے۔ آپ بھی مل کر دُعا مانگیں۔

ایک شخص نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بڑا پیارا نظارہ تھا۔ ماہِ رمضان کے پہلے دن ہی بہت اچھا شگون ہوا۔ خدا اس جماعت میں اضافہ فرمائے۔ آمین۔

اس کے بعد امیر قوم ہر ایک سے گلے ملتے اور نماز کی پابندی کی نصیحت فرماتے رہے۔ کچھ لوگ آپ کی وقتی جدائی کو بھی برداشت نہ کر سکے اور ان کی سسکیاں سنی گئیں۔ آپ نے انہیں سینے سے لگا کر تسلی دی۔

مجھے بھی نماز کی پابندی کی تلقین کی۔ آپ نے ہر ایک کو تسلی دی اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی نصیحت فرمائی۔ اور یوں پہلی سحری دارالسلام میں ہوئی۔ (پیغام صلح اگست ۱۹۸۳ء)۔

ایک شخص، 'سعید احمد' کی زندگی کئی ادوار پر محیط ہے۔ اس 'سعید مجاہدہ' پر ایک نگاہ انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈالتے ہوئے، اس غیر معمولی دور کے اس غیر معمولی امیر کے لیے قلوب کو ایک غیر معمولی جذبۂ عزت، محبت وعقیدت سے بھی بھر دیتی ہے۔ ایک غیر معروف گاؤں میں پیدا ہونے والے سعید احمد، گاؤں کی گرد آلود فضا سے نکل کر دیارِ مسیح کی روح پرور فضا میں جا پہنچتا ہے اور اُس روحانی چشمۂ رواں سے اپنی روح کو سیراب کرتا ہے جو مسیحِ وقت کی ذات کے فیض سے جاری تھا۔ دُنیاوی مروجہ تعلیم سے بہرہ مندی کے بعد ملازمت، دُنیاوی جاہ وحشمت، حکومتِ وقت کی طرف سے خطابات سے نوازش، شدید امراض کی تکالیف اور معجزاتی طور پر صحت یابی، خلقِ خدا کی جسمانی مسیحائی اور بے لوث خدمات اور اس کے پہلو بہ پہلو، حاسدوں کے حسد اور پے در پے آزار، سیاسی دباؤ اور ملاؤں کا عتاب اور پھر امامِ وقت سے عہدِ اخوت کی پاسداری اور وفا کے جرم میں وطن سے جبری

ہجرت، ایک انسان، ایک ناتواں انسان کی زندگی کا خلاصہ ہے۔جس دور پر بھی نگاہ ڈالیں، زندگی کا کوئی بھی ورق اُلٹ کر دیکھیں تو پھول اور کانٹے ساتھ ساتھ ہی نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل رہی تو خاردار جھاڑیاں بھی گلزار بنتی نظر آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آخری عمر میں ناتواں کندھوں پر ایک پوری جماعت کا بوجھ ڈال دیا تو وہ یہ بارِ گراں اُٹھائے قدم بہ قدم منزلِ مقصود کی طرف رواں رہے اور کامیابیوں نے قدم چومے۔ ایک شخص اپنی ایک مستعار زندگی میں یہ سب کس طرح کرسکتا ہے؟ اگر کرسکا ہے تو محض تائید ایزدی سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کامل اور امامِ وقت کے دامن سے وابستگی میں مکمل وفاداری اور دیانت سے کرسکا ہے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان کی زندگی کا مطالعہ ہر قافلہ سالار کے لیے مشعلِ راہ ہے اور حق کے متلاشی ہر انسان کے لیے ایک روشن ستارہ، جو اُس کی متعینہ منزل تک رہنمائی کا ضامن ہوگا۔



تیئیسواں باب

دارالسلام سے دارالسلام

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۷﴾

(اُن کے لیے اُن کے رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے۔ اور وہی اُن کا دوست ہے اُن کے اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے)۔ (الانعام ۶: ۱۲۷)

سعید احمد خان صاحب کو رختِ سفر باندھنے کا حکم ہو چکا تھا اور پروانۂ سفر اس جہانِ رنگ و بو سے دور ایک ابدی مستقر کے لیے جاری ہوا تھا۔ اب آپ کی ذات اس گوشت پوست کے ساتھ بارِ جہاں کو اُٹھانے کی متحمل نہ رہی تھی۔

۱۹۹۵۔۹۶ء کے زمانہ میں حضرت امیر کی صحت بتدریج کمزور ہوتی چلی گئی۔ ۱۹۸۶ء میں آپ ایک شدید قلبی عارضہ سے گذر چکے تھے۔ اُس وقت دل کی دھڑکن کو برقرار رکھنے کے لیے آپ کے جسم میں ایک آلہ، pace maker، پیوست کیا گیا تھا، جس کی کارکردگی میں کوئی کمی واقعہ نہ ہوئی تھی۔ مگر کئی عوارض آپ کی کمزوری کا باعث بنتے گئے، جن کے لیے دو چار مرتبہ آپ شیخ زید ہسپتال اور کبھی کبھار معائینہ قلب کے لیے ڈاکٹر صولت صدیق کی کلینک یا دوسرے معالجین کی خدمات حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ مگر آپ کا مکمل بھروسہ اور اعتماد اپنے فرزند ڈاکٹر عبدالکریم (پاشا) پر تھا۔ اور اپنی صحت کی تمام ذمہ داری آپ نے اُنہی کے سپرد کر رکھی تھی۔ چونکہ وہ خود اُس وقت ایبٹ آباد میں رہائش پذیر تھے، اس لیے انوار احمد صاحب نے اُن کی ہدایات پر عمل درآمد اور آپ کی دیکھ بھال کے فرائض سنبھال رکھے تھے۔

ایامِ علالت

کچھ عرصہ سے حضرت امیر کی صحت میں بتدریج کمزوری اور ناتوانائی ظاہر ہو رہی تھی۔ بلڈ پریشر میں غیر معمولی اُتار چڑھاؤ، رفتارِ نبض میں بے قاعدگی اور اُس کے ساتھ ساتھ اشتہا میں کمی، جس کے نتیجے میں کم خوراکی اور غذا کی کمی نے آپ کو مزید کمزور کر دیا تھا۔ آپ اپنی کمزوری کو خود محسوس کرنے لگے تھے۔ ایسی غذائیت والی اشیائے خورد و نوش بھی مہیا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی کہ کم مقدار میں زیادہ غذا مل سکے، مگر اکثر اوقات آپ اُنہیں بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ کچھ عرصہ سے ڈاکٹر صاحبان یہ مشورہ دیتے چلے آ رہے تھے کہ آپ کی غذائیت کی کمی کو پورا کرنے کے لیے، آپ کے معدے میں ایک ٹیوب نما آلہ پیوست کر دیا جائے، جس سے براہِ راست نرم غذا جسم کو پہنچائی جا سکے۔ اکتوبر ۱۹۹۶ء میں حضرت امیر نے اِس اپریشن کو اپنے لیے ضروری سمجھتے ہوئے، رضامندی ظاہر فرمائی۔ ماہرِ امراضِ معدہ، ڈاکٹر انوار خان صاحب کی سرکردگی میں، دیگر معاونین کی مدد سے یہ اپریشن بخیر و خوبی انجام پایا اور دو چار روز میں آپ گھر واپس تشریف لے آئے۔ غذا کی براہِ راست فراہمی سے آپ بہتر محسوس کرنے لگے۔ قویٰ میں طاقت بحال ہونے لگی اور چہرے پر سُرخی نظر آنے لگی۔

انوار احمد کی بے لوث خدمات

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی بھانجی رقیہ کے فرزند انوار احمد، دفتری کاموں میں آپ کی معاونت پر مامور تھے۔ مگر اپنی ذاتی حیثیت میں، اپنے نانا کی علالت میں، جو حقِ فرزندی اور حقِ خدمت اُنہوں نے ادا کیا، کسی اور سے ممکن نہ ہوا اور نہ ہی ہو سکتا تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ انوار احمد خود شدید بیمار رہیں۔ مگر اُسی طرح تیز بخار کی حالت میں، اگر پیدل چلنا ناممکن ہوا، تو کار میں حاضر ہوئے، اور وہ تمام خدمات جو کوئی دوسرا انجام نہ دے سکتا تھا بجا لائے۔

قادیان کے زمانۂ قیام کا ایک واقعہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب بیان فرمایا کرتے تھے، کہ ایک مرتبہ مولٰنا نورالدین صاحب نے ایک روز درس قرآن کے بعد آپ کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ مولوی محمد یحییٰ کا فرزند سعید احمد ہے۔ یہ علم ہونے پر حضرت مولانا صاحب نے آپ کو سینے سے لگاتے ہوئے فرمایا: "اس لڑکے کے باپ نے میری علالت کے چھ ماہ میں میری ایسی خدمت کی ہے، جو نہ کسی کی بیوی کر سکتی ہے، نہ ماں باپ، نہ بھائی اور نہ بیٹا"۔

اگر یہ کہا جائے کہ انوار احمد نے اپنے جان جی کی خدمت کا حق، اُسی طرح ادا کیا ہے، جس طرح اُن کے پڑنانا مولوی محمد یحییٰ صاحب نے ادا کیا تھا، تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ وَ اَحْسَنُ الْجَزَاء۔

پروفیسر اعجاز احمد صاحب کی تحریر سے اقتباس:

دارالسلام میں ایک صاحب نے رویا دیکھا کہ ایک بہت ہی مقدس عمارت، خواب میں ہی سمجھ آتی ہے کہ یہ حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد صاحب ہیں، اور انوار احمد صاحب بالکل چمٹ کر اِس عمارت کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ جبکہ خواب دیکھنے والے صاحب سائیکل پر اسی عمارت کا طواف کر رہے ہیں۔ اور واقعی انوار احمد صاحب نے اِس مقدس ہستی کی ایسی بے لوث خدمت کی ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ ('الحمدللہ'، پیغام صلح نومبر دسمبر ۱۹۹۷ء)۔

حضرت امیر کا ایک خواب۔ ماہ جون ۱۹۸۴ء:

بمقام دارالسعید ایبٹ آباد، ماہ جون ۱۹۸۴ء کے پہلے ہفتے کی کسی تاریخ، غالباً ۴، ۵ کی درمیانی رات خواب میں دیکھا۔ Investitiure قسم کی تقریب ہے۔ میں نے بھی بطور مہمان وہاں جانا ہے۔ لیکن زیادہ دلچسپی محسوس نہیں کرتا اور تساہل سے کام لیا۔ بال آخر چلا گیا۔ جب میں کمرے کے دروازے پر پہنچا تو دروازہ کھلا اور اندر سے لوگ باہر نکلنے شروع ہوئے۔ پہلا شخص جو نکلا انوار

احمد بن ماسٹر اصغر علی ہے۔ سیاہ سوٹ پہنا ہوا۔ سر پر پگڑی باندھی ہوئی اور کافی سمارٹ لگ رہا ہے۔ قد چھوٹا اور جسم سُوٹ میں پتلا لگ رہا ہے۔ گلے میں تمغہ لٹک رہا ہے۔ مجھے بہت مسرت ہوئی اور اُسے گلے لگایا۔ انوار کے پیچھے دوسرے نمبر پر جناب میاں نصیر احمد فاروقی ہیں۔ وہ کافی تندرست اور موٹے اور دراز قامت اپنے لمبے قد سے مجھے زیادہ دراز قامت لگے ہیں۔ سادہ سفید لباس میں، جو زیادہ سفید نہیں بلکہ off white نظر آتا ہے، باہر نکلے ہیں۔ اُنہیں بھی تمغہ (اعزاز) ملا ہے۔ مگر گلے میں مجھے اپنی آنکھوں سے نظر نہیں آیا۔ اور میں نے اُن سے ابھی کچھ بات نہیں کی ہے اگرچہ میں بے حد مسرور ہوں، کہ خواب ختم ہو گیا۔

دارالسلام کی گذرگاہوں پر آپ کے آخری قدم

شام کا وقت تھا۔ حضرت امیر اپنے گذشتہ معمولات کے مطابق، دارالسلام میں چہل قدمی کے خواہش مند تھے۔ اکتوبر کا آخری ہفتہ تھا اور مغرب کے بعد کے اوقات میں ہوا میں خاصی خنکی سی محسوس ہوتی تھی جو آپ کے لیے مضر ہو سکتی تھی۔ اس لیے آپ کے پسران جو وہاں موجود تھے آپ کو باہر نہ جانے کا مشورہ دے رہے تھے۔ مگر آپ بضد تھے کہ باہر چہل قدمی بے حد ضروری ہے۔ کچھ گرم لباس پہنا کر آپ کو اپنے ہمراہ باہر لے گئے۔ مگر اپنے مسکن سے چند قدم آگے گیسٹ ہاؤس سے سڑک پر قدم رکھا ہی تھا کہ ہوا کی خنکی نے آپ کے نازک سینہ اور چھاتی پر اپنا اثر کر دکھایا۔ یکدم سانس پھولنے لگا۔ دو قدم آگے بڑھنا دوبھر ہو گیا۔ فوراً واپس گھر کی طرف پلٹ آئے۔

دارالسلام کی گذرگاہوں پر یہ آپ کے آخری قدم تھے

عبدالکریم سعید اور انوار احمد، ابتدائی طور پر آپ کو طبی امداد دینے اور آرام پہنچانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ہسپتال لے جانے کی تیاری بھی کر رہے تھے۔ حضرت امیر لیٹنے کی بجائے

بیٹھنے میں زیادہ آرام محسوس کر رہے تھے۔ ہسپتال روانگی سے قبل کے لمحات میں آپ اپنے بستر پر، فرش پر پیر لٹکائے بیٹھے تھے اور بہ تکرار فارسی کے یہ اشعار زبان سے ادا فرما رہے تھے:

باز آ، باز آ، ہر آنچہ ہستی باز آ   گر کافر و گبر و بت پرستی ،باز آ

ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ)

(لوٹ آ، لوٹ آ، تو جو کچھ بھی ہے لوٹ آ۔ اگر تو کافر اور آتش پرست اور بت پرست بھی ہے پھر بھی لوٹ آ۔ ہماری درگاہ (اللہ کی) نا اُمید ہونے کا مقام نہیں ہے۔ اگر تو اِس سے قبل سو بار بھی اپنی توبہ توڑ چکا ہے پھر بھی لوٹ آ)

شیخ زید ہسپتال میں

شیخ زید ہسپتال میں حضرت امیر کے لیے ہر طرح کے علاج کی بہترین سہولیات کا انتظام تھا۔ آپ کے معالجین، بالخصوص محترم ڈاکٹر انوار احمد خان اور محترم ڈاکٹر الطاف عالم صاحب پوری توجہ اور تن دہی سے آپ کے علاج میں مصروف رہتے تھے، بلکہ اپنے فرائض کی حد سے بڑھ کر نہایت شفقت اور محبت سے آپ کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ یکے بعد دیگرے آپ کے فرزندان و دختران اور دیگر عزیز بھی لاہور آ چکے تھے، جس سے جو خدمت ممکن ہو سکتی تھی کرنے کو ہر وقت حاضر رہتا تھا۔ جماعتِ احمدیہ لاہور کی تمام شاخوں میں صبح و شام آپ کی صحت یابی کے لیے دُعائیں مانگی جاتی تھیں۔ ہر مرد و زن، بچہ اور بزرگ ہر لمحے دست بہ دُعا رہتا تھا۔ اور ہر خدمت بجا لانے کو حاضر تھا۔ جسم میں خون کی کمی محسوس ہوئی تو آپ کے بھتیجے ڈاکٹر محسن ثاقب نے اپنا خون پیش کیا۔ محسن ہمیشہ آپ کے دِل سے بہت قریب رہے ہیں اور محسن کو بھی آپ سے ایک خاص عقیدت اور اُنس تھا۔ جب آپ صحت مند تھے تو محسن سے ملاقات پر بہت خوش ہوتے تھے اور اُن کے لیے بہت دُعائیں کیا

کرتے تھے۔ ہسپتال میں بھی آپ کو محسن کا انتظار رہتا تھا۔ عبدالغفور ثاقب صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> ایک شام جب ہم آپ کی عیادت کے لیے شیخ زید ہسپتال گئے اور محسن ہمراہ نہ تھا، تو آپ نے مجھ سے پوچھا: "میرا دُعا گو نہیں آیا؟"



اگرچہ میں جان جی کی کوئی خاص ذاتی خدمت بجا لانے کی اہل تو نہ تھی، مگر ہسپتال کے ان ایام میں مجھے اکثر اوقات آپ کے ساتھ رہنے کا موقع نصیب ہوا۔ میں نے آپ کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں سنا جس سے آپ کی کسی تکلیف کا کبھی اظہار ہوا ہو۔ بیداری کے اوقات میں آپ کی زبان پر حمدِ باری تعالیٰ اور تسبیحات جاری رہتی تھیں۔ باکثرت، بہ آوازِ بلند سُبْحَانَ االلهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ االلهِ الْعَظِيْم کے الفاظ زبان سے ادا فرماتے۔ بعض اوقات میں بھی آپ کے ساتھ یہ الفاظ دُہراتی، تو کبھی منع نہیں فرمایا۔ رات کے کسی پہر اچانک آنکھ کھل جاتی تو "قاضی صاحب، قاضی صاحب" پکارتے تھے۔ قاضی عبدالاحد صاحب سے ہر شام تلاوتِ قرآن سُننا آپ کا معمول تھا۔ شاید آپ اسی خواہش کی تکمیل چاہتے ہوں گے۔ ایک روز نمازِ فجر کے بعد قاضی صاحب اور راجہ بیدار صاحب ہسپتال میں آپ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ میں نے جان جی سے کہا: "آپ قاضی صاحب کو یاد فرما رہے تھے۔ لیجئے وہ آ گئے ہیں"۔ قاضی صاحب نے

السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ آپ نے مسکرا کر مصافحہ کیا۔ مگر کوئی خاص بات اُن سے نہ کہی۔ دو تین مرتبہ میری بہن زبیدہ احمد صاحبہ کی درخواست پر قاضی صاحب نے آپ کے پاس بیٹھ کر تلاوتِ قرآن فرمائی۔

رات گئے تک سب ہی عزیز ہسپتال میں موجود رہتے۔ ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ مگر اس کے بعد کے اوقات میں میرا بھائی ناصر احمد اور میں رات کا بقیہ حصہ آپ کے ساتھ گذارتے تھے۔ ناصر آپ کے پاس کرسی پر بیٹھ کر آپ کا ہاتھ تھامے رکھتے تھے۔ تہجد اور نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد آرام کے لیے لیٹتے تو مجھے تاکیداً کہتے کہ جان جی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں رکھنا ہے، تاکہ آپ کو ہماری موجودگی کا احساس رہے۔

میں ہمیشہ پُر یقین رہتی تھی کہ جان جی ہم سے جدا نہ ہوں گے۔ کسی اور کے چہرے پر سوگواری کے آثار ہوتے تو مجھے بے حد ناگوار گذرتا تھا۔ ایک اُمید سی قائم رہتی تھی، یا شاید آنے والے لمحات کو میرا ذہن قبول نہیں کر رہا تھا اور میں ہی اِس حقیقت کو تسلیم کرنے سے گریزاں تھی۔

۱۲ اکتوبر کے بعد کے ایام میں، میں رات کو جان جی کےساتھ ہسپتال میں نہیں رہی۔ میرے بھائی زاہد کی خواہش تھی کہ ناصر کا ساتھ وہ دیں اور مجھے بادلِ ناخواستہ گھر پر رُکنا

پڑا۔ آپ سے میری آخری مختصر گفتگو ۱۲ اکتوبر کی صبح کو ہوئی۔ حسبِ معمول سلام کے بعد میں نے آپ کی خیریت دریافت کی۔ فرمایا: ”خیر ہے“۔ آپ کی ناک میں لگی ہوئی آکسیجن کی ٹیوب کو میں نے درست کرنا چاہا، تو آپ نے اپنے ہاتھ سے میرا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا: ”یوں ہی، خواہ مخواہ“۔ شاید آپ کو میرا ایسا کرنا ناگوار گذرا ہو گا۔

(صفیہ سعید)

خلد تک بیٹھا نہیں رہتا کوئی مردِ سعید

جمعہ، ۱۵ نومبر کی صبح کو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکار ہو رہی تھی کہ ہر ایک کو فنا ہے سوائے خدائے لم یزل کے۔ اِس جہانِ فانی میں کسی کو بقا حاصل نہیں۔ حضرت امیر کی طبیعت خاصی مضمحل تھی۔ آپ کے فرزندان، جو چند روز قبل اپنی اپنی ملازمت کے سلسلے میں، آپ کی صحت کی طرف سے قدرے مطمئن ہو کر جا چکے تھے، اُسی صبح واپس لاہور آئے تھے۔ اُس روز انجمن کی مجلس معتمدین کا اجلاس بھی تھا، جس میں محمد سعید اور عبدالکریم سعید پاشا کو شرکت کرنا تھی۔ اس لیے نمازِ فجر کے بعد ہی ہسپتال چلے گئے اور آپ کی بے آرامی کو محسوس کرتے ہوئے وہیں رُک گئے۔ چند گھنٹوں میں آپ کی طبیعت خاصی بحال ہو گئی اور آپ کی طرف سے مطمئن ہو کر عبدالحئی سعید کراچی روانہ ہو گئے۔ شام تک آپ کی طبیعت اچھی تھی۔ مگر رات کے پہلے پہر اچانک ہی آپ کی طبیعت کچھ زیادہ خراب ہو گئی اور وہ حقیقت جسے تسلیم کرنے سے دِل گریزاں تھا، اب نگاہوں کے سامنے تھی۔ دوا اور دعا دونوں ہی کارگر نہ ہوئیں۔ ڈاکٹر صاحبان آپ کو اپنے اہل خانہ کو سپرد کرتے ہوئے کمرے سے

باہر تشریف لے گئے۔ آپ کی بیشتر اولاد آپ کے ساتھ موجود تھی۔ آپ کی بڑی صاحبزادی عائشہ اپنے شوہر کی کمزور صحت کے باعث، سفر اختیار نہ کر سکتی تھیں اور عبداللہ سعید جنت الفردوس میں آپ کے منتظر تھے۔ عبدالحئ سعید اگلی صبح لاہور واپس لوٹ آئے تھے۔

شیخ زید ہسپتال کے النہیان وارڈ کے وی آئی پی روم نمبر ۱ کو چھوڑتے ہوئے، ایک محرومی کا سا احساس دِلوں کو گھیرے ہوئے تھا۔ آپ کے راضی برضائے الٰہی عزیز اور اولاد آپ کو آپ کے مسکن 'دارالسلام' پر لے آئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی آرزو رہی تھی کہ آپ کی تدفین آپ کے آبائی قبرستان واقع دیبگراں میں ہو، اور آپ نے ایک جگہ کا انتخاب بھی فرمایا تھا، اور اِس کا ذکر اپنے بیٹے اکرام سے بھی کیا تھا۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۸۱ء کو آپ دیبگراں میں تھے۔ آپ قبرستان تشریف لے گئے اور اپنے اجداد کی قبور پر فاتحہ خوانی کے بعد آپ نے یہ سطور اپنی ڈائری میں قلم بند فرمائیں:

> قبرستان میں، بعد میں سب مدفونین کے لیے دُعائیں کیں۔ ایک ایک زندگی فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ پھر فرداً فرداً ہر قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر، اُس آسودۂ خاک کے لیے مغفرت اور بلندیِ درجات کے لیے دُعا کی اور اپنے لیے اُن کے عالی مقامات میں باوجود اپنی کم عملی اور بے بضاعتی کے، دُعائے معیت کی۔ یہ خواہش بھی اپنے دادا (محمد سعید) اور دادی کی قبروں کے درمیان جو خالی جگہ ہے یا اپنے والد (یحییٰ) اور باپ سے زیادہ مہربان چچا (یعقوب) کی قبروں کے درمیان جو خالی جگہ ہے، اُس میں مدفون ہونے کی آرزو پیدا ہوئی۔ اِس قبرستان اور لاہور میں میانی صاحب کے قبرستان میں جو احمدی بزرگوں کا مدفن ہے، اُس کی طرف اکثر خیال جاتا ہے اور ان دو مقامات

میں جب حاضری کا موقع ملتا ہے تو ایک روحانی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔

حضرت امیر کی یہ خواہش ضرور رہی تھی، مگر اپنی وفات سے چند برس قبل آپ نے اِس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ اگر آپ کا وقتِ رحلت لاہور میں مقدر ہو تو تدفین بھی یہیں پر ہو۔ آپ کا اپنی ازواج کی تدفین کے لیے 'دارالسلام' میں واقعہ قبرستان کا انتخاب اِس امر کا عملی ثبوت ہے کہ آپ کی آخری خواہش یہی رہی ہوگی۔

نمازِ جنازہ اور تدفین

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی نمازِ جنازہ میں شرکت اور آپ کے آخری دیدار کے لیے قرب و جوار اور دور دراز سے عزیز اور احبابِ جماعت، وقتِ مقررہ پر 'دارالسلام' لاہور پہنچ چکے تھے۔ ہر چہرہ سوگوار تھا اور آپ کی دائمی جدائی سے ہر دل حزین تھا۔ آنکھیں اشک بار تھیں، مگر لب خاموش تھے۔ حضرت امیر نے اپنے عزیزوں کی دائمی جدائی پر اسی سنتِ نبوی پر عمل فرمایا تھا اور اسی کی ہمیشہ تلقین فرمائی تھی۔

حضرت امیرؒ کے قریبی رفیق، محترم راجہ محمد بیدار صاحب کی اقتداء میں سینکڑوں افراد نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت فرمائی۔

حضرت امیر کا 'دارالسلام' سے دارالسلام' تک کا یہ آخری سفر ایک پروقار انداز میں اپنے عزیزوں اور عقیدت مندوں کے کاندھوں پر طے ہوا۔

ے زمین کے اندر بھی روشنی رہے
مٹی میں چراغ رکھ دیا ہے

وقت رحلت حضرت امیر کی عمر ۹۶ برس ایک ماہ سات دن اور بلحاظ قمری سن تقریباً ۹۹ برس تھی۔

پروفیسر اعجاز احمد صاحب اپنی تحریر 'الحمدللہ' میں فرماتے ہیں:

میں تو الحمدللہ ہی کہوں گا، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں حضرت امیر مرحوم جیسی نعمت کو اتنے لمبے عرصہ تک ہم میں رکھا۔ یہ محض مولا کریم کا فضل ہے کہ ایسی ہستی کی صحبت کا فیض پانا ہمیں میسر آیا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی عظیم ہستیاں کبھی کبھی دُنیا کو ملتی ہیں۔ (پیغام صلح نومبر۔دسمبر ۱۹۹۷ء)۔

پروفیسر اعجاز صاحب کے یہ الفاظ، حضرت امیر سے وابستہ ہر انسان کے جذبات کے ترجمان ہیں۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ ، ثُمَّ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ

اعزازاتِ اوّلیت

☆ دیب گراں کے اوّلیں اعلیٰ تعلیم سے آراستہ شخص۔

☆ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے بیلی رام لیمانٹ گولڈ میڈل (اناٹومی) حاصل کرنے والے پہلے مسلمان طالب علم۔ ۱۹۲۰ء۔

☆ احمدیہ ینگ مین ایسوسی ایشن (شبان الاحمدیہ) کے پہلے صدر۔

☆ ضلع ہزارہ کے پہلے مسلمان ڈاکٹر۔ ۱۹۲۴ء۔

☆ ڈاڈر سینیٹوریم کے بانی اور پہلے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ۔ ۱۹۳۹ء تا ۱۹۶۴ء۔

☆ خان صاحب کا خطاب۔ ۱۹۳۴ء۔

☆ خان بہادر کا خطاب۔ ۱۹۴۴ء۔

☆ ستارہِ خدمت کا اعزاز۔۱۹۶۱ء۔

☆ اعزازات بطور امیر جماعتِ احمدیہ لاہور۔

(۱) پیدائشی احمدی۔زمانۂ طفلگی (بعمر سات سال) امامِ زمان کے ہاتھ پر مشرفِ بیعت اور فیضِ صحبت۔

(۲) تعلیمِ الاسلام ہائی اسکول، قادیان کے طالب علم۔ ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۴ء۔

(۳) جبری ہجرت وترکِ وطن اور دارالسلام میں قیام۔ ۱۹۷۴ء تا ۱۹۹۶ء۔

(۴) بیرونِ ملک متعدد دورے اور جماعتی شیرازہ بندی۔ ۱۹۷۵ء تا ۱۹۸۴ء۔



آٹھواں حصہ



چوبیسواں باب

عبادات

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ

(تُو اُنہیں رکوع کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ وہ اپنے رب کا فضل اور اُس کی رضا چاہتے ہیں۔ اُن کا نشان اُن کے مونہوں پر سجدوں کے اثر سے (ظاہر ہے) (الفتح ۴۸:۲۹)

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی عبادات میں ایک خاص عاجزی اور خضوع کا رنگ نمایاں تھا۔ آپ نے اپنی تمام زندگی اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں لگا دی اور اُسی کو اپنا مقصدِ حیات تصور کیا۔ آپ اِن حقائق سے آگاہ تھے کہ اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہے۔ اُسے اِنسان کی عبادت سے غرض نہیں لیکن انسانی عبادات اُس کی اپنی ذاتی اور قومی بقا کے لیے لازمی ہیں اور عبادت سے ہی ایک انسان اللہ تعالیٰ کی عنایت اور استعانت کا مستحق ٹھہر سکتا ہے۔ جب انسان اپنے قویٰ اور وسائل کو جسمانی عبادت کے ساتھ ساتھ حق و صداقت کو زندہ رکھنے میں لگا دیتا ہے تو درحقیقت وہ ہی شخص عبادت کا صحیح حق ادا کرتا ہے اور اعمالِ صالحہ بجالاتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی حیات ایسی ہی عبادات اور اعمالِ صالحہ میں بسر ہوئی جو ایک مومن و متقی کی شان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو تمام فرضی عبادات کی ادائیگی کی توفیق و استطاعت عطا فرمائی۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت سے شرف یاب ہوئے۔

زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اسباب عنایت فرمائے۔ضعیف العمری تک رمضان المبارک کے روزے رکھنے کی توفیق وقوت بخشی۔بچپن سے تا دمِ آخر نماز فرض و نوافل پر مداومت نصیب ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدمت و اشاعتِ حق کا موقع بھی عطا فرمایا اور آپ کی ادائیگیِ صلوٰۃ کو وہ انداز عطا فرمایا جو اولیاء اللہ کی شان ہے۔

ادائیگی صلوٰۃ

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی نماز کی کیفیت کو الفاظ میں بیان کرنا اتنا سہل نہ ہوگا۔مگر جب کبھی بھی کسی کو اِس کے مشاہدہ کا موقع میسر آیا،تو وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔آپ دُنیا و مافیہا سے بے خبر ایک عاجزانہ انداز میں اپنے خالق و مولیٰ کے حضور دست بدستہ اس طرح ایستادہ ہوتے تھے کہ جس ہستی کے حضور وہ حاضِر ہیں،وہ موجود ہے اور اس کی نگاہِ کرم آپ پر ہے۔آپ کے قیام اور رکوع وسجود میں آدابِ بندگی نمایاں ہوتے تھے۔تنہائی میں نماز ادا فرماتے تو کچھ ایسے خضوع سے کہ اشکوں کے بے بہا موتیوں سے نذرانۂ تشکر و بندگی پیش ہوتا تھا اور مالک وآقا کی طرف سے اُس کے بے انتہا کرم وعنایات کی باراں سے روح سیراب ہوتی جاتی تھی۔

نماز باجماعت

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نماز باجماعت کو ترجیح دیتے تھے،اور مسجد میں نماز ادا کرنا پسند فرماتے تھے۔مگر کئی مواقع ایسے بھی آئے کہ مسجد کی سہولت میسر نہ تھی،ایسی صورت میں گھر پر،اپنے گھر والوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا فرماتے تھے۔اگر گھر میں ایک بھی دوسرا فرد موجود ہو تو نماز باجماعت ہوتی تھی۔اس طرح آپ کے بیٹے،بیٹیوں کو نماز باجماعت کا ثواب بھی میسر آجاتا تھا اور بچوں کی تربیت کا موقع بھی فراہم ہوجاتا تھا۔آپ خود اپنے کم عمر بیٹوں،پوتوں اور نواسوں کی اقتدا میں نماز ادا فرما کر اُن کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

امامتِ صلوٰۃ

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو نوعمری میں امامتِ صلوٰۃ کی سعادت نصیب ہوئی اور وقت کے ساتھ ساتھ اِس میں پختگی آ گئی۔ آپ ایک خوش الحان قاری تھے۔ اس لیے جلسہ سالانہ کے ایام میں، یا کسی دوسرے موقع پر آپ لاہور میں تشریف فرما ہوتے تو امیرِ اول مولٰینا محمد علیؒ صاحب اور امیر دوئم مولٰینا صدر الدین صاحب آپ کو امامتِ صلوٰۃ کا حکم فرماتے تھے، اور اِس طرح آپ کے اقتداء میں کئی بزرگ ہستیوں نے نماز ادا فرمائی۔

نمازِ فجر میں آپ ہر دو رکعت میں لمبی قرأت فرماتے تھے جو دِلوں میں گداز پیدا کرتی تھی اور سامعین کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والوں کی خواہش ہوتی تھی کہ آپ کی قرأت سے لطف اندوز ہونے کا زیادہ سے زیادہ موقع میسر آ سکے۔ کبھی کبھار جب آپ طبیعت کی کمزوری کے باعث نماز میں کچھ اختصار فرماتے تو احباب کچھ مایوس سے ہو کر پوچھتے کہ آپ نے نماز کیوں مختصر فرمائی؟

جمعہ کے روز نمازِ فجر میں، آپ اتباعِ رسول صلعم میں پہلی رکعت میں سورۃ السجدہ اور دوسری رکعت میں سورۃ الدھر (الانسان) تلاوت فرماتے تھے۔ نمازِ عیدین میں پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ کی تلاوت فرماتے تھے۔

ماہِ رمضان میں اور ایامِ جلسہ میں بالخصوص، اور دیگر ایام میں بالعموم، نمازِ فجر کے دوسرے رکوع کے بعد حالتِ قومہ میں آپ ادعیہ قرآن اور ادعیہِ مسنون بآوازِ بلند قرأت فرماتے تھے۔ اور ہر دُعا کے بعد مقتدی 'آمین' کہتے تھے۔ جس سے ایک خاص روحانی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہر دعا براہِ راست عرشِ معلیٰ کو چھو رہی ہے۔ اور عباد اللہ کی آمین میں فرشتوں کی آمین بھی شامل ہو رہی ہے۔ آپ سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد بھی بلند آواز "آمین" کہنے کی حوصلہ افزائی

فرماتے تھے۔نماز میں قرآنی آیات اور سورتوں کی تلاوت میں آپ ترتیل وترتیبِ قرآنی کو مدِّنظر رکھتے تھے، اور ترتیبِ قرآن میں جو آیات پہلے ہوں اُنہیں پہلی رکعت میں تلاوت فرماتے تھے۔اگر تلاوت میں ایسی آیات شامل ہوں جن میں 'سجدہ' کا حکم ہے تو آپ اُس مقام پر سجدہ فرماتے تھے، اور پھر کھڑے ہوکر بقایا تلاوت مکمل فرماتے تھے۔اسی طرح جن آیات میں اللہ کی تسبیح کا حکم ہے آپ اُس کی تلاوت کے بعد توقف فرماتے اور مقتدی بلند آواز میں تسبیح کے کلمات ادا کرتے تھے۔یعنی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی یا سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہتے تھے۔

نماز مکمل ہوجانے کے بعد، آپ اپنا رُخ مقتدیوں کی طرف پھیر کر بیٹھ جاتے اور زیرِ لب نماز کے بعد کے، مسنون اذکار میں مصروف ہوجاتے تھے۔کچھ توقف کے بعد کھڑے ہوجاتے مگر جامعہ سے باہر تشریف لے جانے میں عجلت نہ فرماتے تھے۔اِس طرح احبابِ جماعت سے مختصر سی ملاقات میں باہمی احوال پرسی کا موقع میسر آجاتا تھا۔

نمازِ تہجد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو نمازِ تہجد کی توفیق اور تاحیات اُس پر مداومت عطا فرمائی۔آپ کی تنہائی کی اِس نماز میں ایک خاص تضرع کا رنگ ہوتا تھا۔درحقیقت ایسی تضرع اور عاجزی صرف مخلوقِ خدا کی نظروں سے اوجھل، نیم تاریکی میں اپنے مولیٰ کے حضور ایستادہ ہونے سے ہی میسر آتی ہے اور فغانِ نیم شبی روح میں جو اضطراب پیدا کرتی ہے، اور اس حالت میں جو دُعائیں لب پر آتی ہیں تو اُن کی قبولیت بھی یقینی ہوجاتی ہے۔آپ اپنی جماعت اور دیگر مخلوق خدا کے لیے زیادہ تر تہجد میں دُعا فرماتے تھے، جس پر کسی دوسرے کو اطلاع نہ ہوتی تھی۔

حالتِ سفر میں آپ نماز قصر فرماتے تھے مگر تہجد بالالتزام ادا فرماتے تھے۔آپ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ مسافر کی دُعا کو قبولیت حاصل ہوتی ہے۔اِس لیے آپ کی دُعاؤں میں کمی واقع نہ

ہوتی تھی۔

ضعیف العمری میں بھی آپ نے صلوٰۃ تہجد ترک نہیں فرمائی۔ آپ صبح صادق سے گھنٹہ ڈیڑھ پہلے بیدار ہو جاتے تھے۔ وضو کے بعد کوئی ہلکی غذا، ایک یا دو بسکٹ، چند گھونٹ دودھ یا ایک آدھ کیلا نوش فرما لیتے تا کہ نماز میں نقاہت محسوس نہ ہو۔ پھر تہجد ادا فرماتے تھے۔ علالت اور نقاہت کے سبب قیام میسر نہ آتا تھا تو آپ بیٹھ کر یا اپنے بستر پر اُجلی چادر پر لیٹ کر نوافل ادا فرماتے تھے۔ اور نمازِ فجر (بذریعہ سپیکر) باجماعت ادا فرماتے تھے۔

ذکرِ الٰہی

حکمِ قرآنی "تم مجھے یاد کرتے رہو، میں تمہیں یاد رکھوں گا" کی تعمیل، ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی زندگی کے ہر عمل سے ظاہر تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر دِل سے اور زبان سے، بندگیٔ ذاتِ باری سے اور تبلیغِ حق سے، آپ کی زندگی کے معمولات میں سے تھے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہے تو وہ بھی اپنے بندے کو اُس کی مشکل گھڑیوں میں اور آرام و راحت میں تنہا نہیں چھوڑتا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا دل بھی صلوٰۃ و درود میں مصروف رہتا تھا اور لبوں پر بھی ثناء و تسبیح جاری رہتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی ثناء وحمد کے لیے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ آپ کے محبوب کلمات تھے۔ سورۃ الفاتحہ، درودِ ابراہیمی، قرآنی سورتیں اور استغفار آپ کے وردِ زبان رہتے تھے۔ اگر آپ کسی دوسرے کو غصے سے مغلوبیت کے عالم میں پاتے تو وضو کر کے ستر یا سو مرتبہ استغفار کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ وضو کا پانی غصے کی آگ کو ٹھنڈا کرتا ہے اور استغفار اظہارِ غیض وغضب کی تلافی کے لیے ہے۔ آپ کا یہ بھی فرمانا تھا کہ ستر یا سو، کسی گنتی کی تکمیل نہیں۔ یہ اعدادِ کامل ہیں اور مراد یہ ہے کہ متعدد مرتبہ یہ کلمات دُہرائے جائیں۔

آپ کے پاس ایک چھوٹی سی تسبیح ہوا کرتی تھی۔ آپ اسے نمائش کے لیے نہیں، بلکہ اِس لیے پاس رکھتے تھے کہ یہ آپ کو تسبیح الٰہی کی یاددہانی کراتی ہے۔ کیونکہ اِس کا ایک نام ذکر بھی ہے اور دورانِ ذکر توجہ کو بھی مرکوز رکھتی ہے۔

دُعا

نماز اول تا آخر ایک دعا ہے اور یہی وہ حالتِ بندگی ہے جو قُربِ الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے نماز کو مومن کی معراج کہا گیا ہے۔ دعا اُس تڑپ کا اظہار ہے جو ایک مومن کے دِل میں اپنے مالک کی قربت پانے کے لیے پیدا ہوتی ہے۔ اور قربِ الٰہی کی دُعا، ایک ایسی دُعا ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی رد نہیں فرماتا۔ اور ایسی ہی دُعا کا ذکر قرآنِ کریم میں کیا گیا ہے کہ میں دعا کرنے والے کی دُعا کو جب وہ مجھے پکارتا ہے قبول کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ حاکم الحاکمین ہے اور کسی دُعا کو قبول یا رد کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ مگر جن مومنین کا شمار مقربین الٰہی میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُن کی دعائیں سنتا بھی ہے اور وہ اُس سے جواب بھی پاتے ہیں۔ مگر دُعا کی قبولیت کے لیے سعی اور عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔

جب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی دُعا کی کیفیت کا ذکر ہوگا تو سینکڑوں بندگانِ خدا یہ گواہی دیں گے کہ اُن کی اجتماعی دُعاؤں میں، جو خلقِ خدا کے سامنے اور احبابِ جماعت کے ساتھ مِل کر کی جاتی تھیں، اُن میں ایک خاص تضرع کی کیفیت ہوتی تھی جو آپ کی رقت آمیز آواز میں نمایاں ہوتی تھی۔ اور دُعا میں شامل احباب کے دِل بھی اِس سے اثر پذیر ہوکر، اُسی رقت اور خضوع سے دُعا میں شامل ہوتے تھے۔ اس پر تصور کر کے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ آپ کی دُعائے خفی کی کیا کیفیت ہوگی، جو گوشۂ تنہائی میں، بندگانِ خدا سے پوشیدہ حالت میں مانگی جاتی تھی۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نماز کی مختلف حالتوں میں دُعا فرماتے تھے اور سوائے سجدہ اور

حالتِ رکوع کے عموماً آپ کلامِ الٰہی سے منتخب ادعیہ اور مسنون دُعاؤں کے الفاظ میں گذارشات فرماتے تھے۔ آپ اردو میں اور اپنی زبان ہندکو میں بھی دُعا فرمایا کرتے تھے۔ آپ دُعا کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے، ہاتھ اُٹھا کر بھی دُعا فرماتے تھے، جس میں سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد درودِ ابراہیمی شامل فرماتے اور اس کے بعد عرضِ مُدعا فرماتے تھے۔

احباب و خواتین، بچے اور بزرگ سبھی آپ کی خدمت میں دُعا کے لیے عرض کرتے تو آپ اُن کے لیے ضرور دُعا فرماتے تھے، اُس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ حاکم اور قادرِ مطلق ہے، اور دُعا قبول یا رد کرنے کا مختار ہے۔ اور دُعا سے مشکلات اور مصائب میں سے نکلنے کے راستے بھی خود متعین فرما سکتا ہے۔

کسی کو سفر پر روانہ فرماتے یا خود عازمِ سفر ہوتے تو سب کے ساتھ مل کر، ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرماتے تھے۔ جب کسی کی تعزیت کے لیے تشریف لے جاتے تو اپنے علاقائی دستور کے مطابق، لواحقینِ میت کے ہمراہ، ہاتھ اُٹھا کر دُعائے مغفرت فرماتے تھے۔

آپ کی ذاتی دُعا میں اولیت جماعتِ احمدیہ لاہور کی سربلندی اور عالمِ اسلام کے مسائل کو حاصل ہوتی تھی۔ اس کے بعد اہلِ خانہ، اولاد، احباب اور دیگر حاجات کے لیے درگاہِ الٰہی میں اپنی عرض گذارتے تھے۔

آپ کی نیکی، تقویٰ اور عبادت گذاری کی وجہ سے سب یہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دُعا قبول فرمائے گا، اور آپ سے دُعا کے لیے عرض کر دینے کے بعد ایک اطمینان سا محسوس کرتے تھے۔ مگر آپ کا یہ ذاتی دعویٰ کبھی نہیں رہا کہ آپ کی دُعا ضرور قبول ہوگی۔ دُعا کے لیے درخواست کرنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے اور تکالیف سے نکلنے کے لیے سعی اور عمل کی نصیحت فرماتے تھے۔

اجتماعی دُعا

اجتماعی دُعا ایک خاص تاثیر کی حامِل ہوتی ہے۔ جب متعدد افراد، ایک ہی وقت میں، ایک ہی استدعا، اپنے خالق و مولیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی التجا کا جواب اُس دُعا کی قبولیت کی صورت میں ظاہر فرماتا ہے اور بظاہر ناممکن امور کو ممکن بنا دیتا ہے۔

لاہور کے جلسہ سالانہ پر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اختتامی دُعا بے حد تضرع اور الحاح سے فرماتے تھے۔ جب شرکائے جلسہ کی طرف سے صدائے آمین اُس میں شامل ہوتی تو دِل گداز ہو جاتے تھے اور ایک ایسا روحانی ماحول پیدا ہو جاتا تھا کہ آنکھوں سے جاری اشک، دِلوں کا میل دھو ڈالتے تھے، اور شرکائے جلسہ ایک پاکیزہ اثر لے کر گھروں کو واپس لوٹتے تھے۔

اجتماعی دُعا کی قبولیت کی سینکڑوں مثالیں ہوں گی، مگر ایک ایسا واقعہ، جس کا تعلق ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی ذاتی زندگی سے ہے، صرف اُس کا ہی یہاں ذکر کر دینا کافی ہوگا۔

میں (صفیہ سعید) لگ بھگ چھ سال کی عمر میں گردوں کے ایک شدید عارضہ میں مبتلا تھی۔ کوئی علاج مئوثر ثابت نہ ہو رہا تھا۔ اور پھر ایک دِن ایسا بھی آیا کہ اس مرض سے میرے جان بر ہونے کے امکان معدوم نظر آنے لگے۔ میری ماں تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی کہ جان جی، (ڈاکٹر سعید احمد خان، میرے والد) کمرے میں داخل ہوئے، اور بتایا کہ وہ مانسہرہ ایک جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ سُن کر میری ماں کی زبان پر یہ لفظ آ ہی گئے: "اِسے اس طرح چھوڑ کر؟" جواب میں آپ نے فرمایا: "میں اِسے اللہ کے سپرد کر کے جاتا ہوں۔ وہاں سب احباب اور بزرگ جمع ہیں۔ سب مل کر دُعا کریں گے۔ اجتماعی دُعا خاص تاثیر رکھتی ہے۔" آپ نے گھر میں موجود سب کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: "گھنٹہ بھر میں سول سرجن صاحب ایبٹ آباد سے تشریف لا رہے ہیں۔ عبداللہ ڈاک بنگلہ میں اُن کا انتظار کریں گے اور اُنہیں اپنے ہمراہ یہاں لے آئیں گے۔ شاید وہ کوئی

علاج تجویز کر سکیں۔"

مانسہرہ میں بندگانِ خدا، ہاتھ اُٹھائے سعید احمد خان کی علیل بیٹی کے لیے گریہ وزاری کر رہے تھے، اور اِدھر ڈاڈر میں، ڈاکٹر گُپتا، اوزارِ جراحی کی مدد سے میرے پیٹ میں بھرے ہوئے سیال مادہ کے اخراج میں مصروف تھے۔ اس عمل سے میری سانس معتدل ہوگئی، اور چہرے پر زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔

رات کے کھانے کے بعد، جان جی کی ڈاکٹر صاحب موصوف سے میری صحت کے معاملے پر گفتگو ہوئی۔ اُنہوں نے پنسلین کے انجکشن بطورِ علاج تجویز کیے، جو اُس زمانے کی نئی دریافت تھی اور بہت کم دستیاب تھی۔ ڈاکٹر گپتا صاحب کی سینیٹوریم میں آمد کی غرض یہ تھی کہ وہ سینیٹوریم کے حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق، صاف ستھرے آپریشن روم کو ہزارہ کے برطانوی اسسٹنٹ کمشنر کی اہلیہ صاحبہ کی سرجری کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ آپ کی یہ گفتگو، یہ برطانوی جوڑا بھی سُن رہا تھا۔ میم صاحبہ فوراً بولیں: "جو پنسلین میرے لیے منگوائی گئی ہے اُس میں سے اگر زائد ہو تو وہ اِس بچی کے علاج کے لیے دے دیں۔" چنانچہ فوراً علاج کا آغاز ہوا۔ پھر مختلف شہروں میں آرڈر بھیج دیئے تو متواتر دوا پہنچتی رہی، اور تین ماہ کے علاج کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے مکمل شفا بخشی۔ جان جی اِس شفا کو اجتماعی دُعا کی تاثیر اور قبولیت کا معجزہ قرار دیتے تھے۔ اور واقعی یہ شفا ایک معجزہ ہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے عمدہ صحت کے ساتھ اب تک کی زندگی عطا فرمائی ہے۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ ، ثُمَّ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ۔

قرآن پاک سے محبت

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو قرآنِ مجید سے ایک خاص اُنس تھا۔ حفظِ قرآن اور علوم و معارفِ قرآن سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے آپ ہمیشہ کوشاں نظر آتے تھے۔ آپ کے والد محترم مولوی محمد یحییٰ صاحب خود حافظِ قرآن تھے اور علومِ دینیہ پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ ڈاکٹر سعید احمد

خان صاحب کی یہ لگن آپ کے والد صاحب ہی کی ودیعت کردہ تھی۔ اوائل عمر میں جس شوق کا بیج بویا گیا تھا، عمر کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا گیا، اور یہ کہنا کہ آپ کی زندگی کا محور یہی مقدس صحیفہ تھا، تو مبالغہ نہ ہوگا۔

جس دور میں عبدالکریم پاشا کنگ ایڈورڈ کالج کے طالب علم تھے تو اُن کے علم میں یہ بات آئی کہ ایک مصری طالب علم کے پاس کسی مشہور قاری کی قرأت کے ٹیپ ہیں اور وہ بمع ٹیپ ریکارڈر کے قیمتاً دینا چاہتا ہے۔ وہ اپنے والد کی قرآن سے محبت سے آشنا تھے۔ اُنہیں محسوس ہوا کہ وہ ضرور اِسے پسند فرمائیں گے۔ فوراً آپ کو اطلاع دی اور آپ نے بلا تامل اسے حاصل کرنے کی اجازت دے دی۔ اُس زمانے میں ایسی ریکارڈنگ عام نہ تھی اور ارزاں بھی نہ تھی۔ مگر آپ کی یہ آمادگی قرآن کی شدید محبت کے نتیجہ میں تھی۔ عرصہ تک آپ یہ قرأت روزانہ سنا کرتے تھے۔

آپ کی مسحور کُن اور پُرسوز تلاوتِ قرآن کی گواہ کئی تحریرات ہیں۔ مگر محترم عبدالغفور ثاقب صاحب کی تحریر آپ کے حُسنِ قرأت کی ایسی گواہ ہے کہ مزید ایک اور لفظ بڑھانے کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ محترم ثاقب صاحب کی تحریر سے اقتباس:

> ایک عہد ساز شخصیت، جان جی کی قرآن سے والہانہ محبت، اُن کی روح کی غذا تھی۔ اور خدا نے بھی اُنہیں لحنِ داؤدی سے نوازا تھا۔ یہاں میں اُن دِنوں کا ذکر کروں گا جن دِنوں میں انجمن کا جلسہ احمدیہ بلڈنگس کی مسجد میں ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جلسہ کے موقع پر جس کی صدارت جناب شیخ میاں محمد صاحب (ملز اونر) کر رہے تھے اور سٹیج پر جماعت کے چند اکابرین بھی بیٹھے ہوئے تھے، جناب صدر نے جان جی سے کہا کہ وہ تلاوت کریں۔ آپ نے وہ تلاوت غالباً دو یا تین منٹ کی ہوگی، لیکن وہ کیا تلاوت تھی۔ جلسہ گاہ میں مکمل سکوت تھا اور تمام حاضرین پر ایک وجد کی حالت طاری تھی۔ جب تلاوت ختم ہوئی تو جناب

میاں محمد صاحب مائیک پر آئے اور کہنے لگے کہ جب ڈاکٹر صاحب تلاوت کر رہے تھے تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے قرآن شریف اِس وقت آسمان سے نازل ہو رہا ہے۔(تحریر برائے حیاتِ سعید)

تلاوت وحفظِ قرآنِ کریم

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر:

بچپن میں، میں نے معروف چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کر لی تھیں جو عام طور پر پنجگانہ نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔عمر کے ساتھ ساتھ قرآن کریم حفظ کرنے کا شوق ہوا۔ یہ کسی حافظ یا قاری کے پاس بیٹھ کر بالاکتساب یادنہیں کیا، بلکہ زندگی میں ایسے موڑ آئے، کہ حفظ قرآن کی اہمیت وضرورت کا احساس ازخود فزوں تر ہوتا گیا۔اس طرح حفظ قرآن کریم کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

قیامِ قادیان کے دوران میرے ہم سبق دوست حافظ عزیز اللہ شاہ، میرے کلاس فیلو تھے۔ وہ قرآن کریم خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔ مجھے بھی شوق پیدا ہوا۔ اُن دنوں قرآن کریم کی سورۃ الکہف میں مذکور مضامین کے بارے میں بہت ذکر سننے میں آتا تھا۔ اوراس سورۃ شریفہ کی عظمت و اہمیت کا بیان اکثر سنا سنایا جاتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے دوست کی مدد سے تھوڑی تھوڑی کر کے یہ سورۃ حفظ کر لی۔حفظِ قرآن کا یہ سلسلہ آٹھویں جماعت سے شروع ہوا۔

ابھی میں دسویں جماعت میں ہی تھا کہ تعطیلات کے دوران میرا اپنے گاؤں جانا ہوا۔ وہاں ہماری مسجد تھی جہاں میرے والد صاحب قبلہ، امامت نماز فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ قبلہ والد صاحب نماز عصر میں بوجہ ضروری

مصروفیت مسجد میں نہ آئے تو بزرگ بوڑھوں نے مجھے ہی مصلیٰ پر کھڑا کر دیا۔ اور کہا کہ آپ نماز پڑھائیں۔ یہ پہلا دن تھا کہ میں کم سن لڑکا، بڑے بوڑھوں کی امامت کروا رہا تھا۔ میں نے نماز پڑھائی۔ نماز مغرب کا وقت آیا، تو لوگ مسجد میں آئے۔ ملک امیر اللہ نامی ایک بزرگ نے نماز عصر کے بارے میں حال بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس نے ہمیں آج عصر کی نماز بہت اچھی پڑھائی ہے۔ قبلہ والد صاحب نے سنا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس وقت شام کی نماز بھی یہی پڑھائے۔ چنانچہ مجھے مجبور کر کے آگے کر دیا۔ اور اس کے بعد انہوں نے حکم جاری کیا کہ جب تک یہ تعطیلات پر ہے، یہی نماز پڑھائے۔

چنانچہ چودہ سال کی عمر سے ہی نمازوں کی امامت میرے گلے پڑ گئی۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے قرآن کریم حفظ کرنے کی مزید تحریک ہوئی۔ کچھ سورتیں اور یاد کر لیں اور ان کو نمازوں میں پڑھنا شروع کر دیا۔

مجھے یاد ہے کہ جب میری عمر سولہ سال کی ہوئی تو میرے والد صاحب قبلہ نے مجھ سے عہد لیا کہ تم نمازوں کی پابندی کرو گے اور انہیں ترک نہ کرو گے۔ وہ دن اور آج کا دن۔ میں نے ان سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور مجھے یاد نہیں کہ میں نے کوئی نماز ترک کی ہو۔ الا ما شاء اللہ۔

ایم بی بی ایس پاس کرنے کے بعد میں صوبہ سرحد کے محکمہ صحت میں ملازم ہو گیا اور میری پہلی تقرری ایجرٹن ہسپتال پشاور میں ہوئی۔ میں نے رہائش کے لیے شہر میں ایک چوبارہ کرائے پر لے لیا۔ راستہ میں ایک دوکان تھی۔ وہاں پر ایک حافظ صاحب بچوں کو قرآن کریم پڑھایا کرتے تھے۔ میں آتے جاتے روزانہ

ان کو دیکھتا۔ میرے دل میں کئی بار خیال آیا کہ میں ان سے حفظ قرآن کرلوں۔ نوجوانی کا زمانہ تھا۔ کوٹ پتلون پہنتا تھا۔ ایک دن مجھ سے رہا نہ گیا۔ اور عرضِ حال ان سے کر ہی ڈالا۔ حافظ صاحب نے میری بات سن کر خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا: "بسم اللہ جی! اس سے بہتر کارِ خیر اور کیا ہوسکتا ہے"، اور اسی دن اور اسی وقت سے یہ سلسلہ شروع کر دیا۔ انہوں نے آخری پارہ سے یاد کروانا شروع کر دیا۔ میرا معمول ہو گیا کہ ہسپتال جاتے وقت ان سے سبق لیتا اور راستہ بھر آتے جاتے یاد کرتا رہتا اور حافظ صاحب کو سنا دیتا۔ حافظ صاحب مجھ سے بہت خوش تھے۔ اس لیے بھی کہ انگریزی خواں اور کوٹ پتلون والے نوجوان حفظ قرآن کے مخمصے میں کہاں پڑتے ہیں؟ اس لیے وہ مجھے بڑی توجہ، محبت اور شفقت سے پڑھاتے۔ اس طرح میں نے ان سے آخری پارہ اچھی طرح یاد کر لیا۔

میری تبدیلی نتھیا گلی ہو گئی۔ موسم گرما میں مرکزی دفاتر نتھیا گلی آجاتے تھے۔ انسپکٹر جنرل صحت صوبہ سرحد کا دفتر بھی انہی ایام میں نتھیا گلی منتقل ہو گیا تھا۔ وہ انگریز تھے۔ اور ان کے پی اے محمد حسن خان صاحب ہوا کرتے تھے۔ جو بعد میں خان بہادر بھی ہوئے۔ وہ میرے دوست بن گئے اور میرے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگے۔

نتھیا گلی، ملکہ کوہسار، مری کی گلیات کا ایک حصہ ہے۔ اور 'مری ہلز' کا تقریباً بلند ترین مقام ہے۔ صحت افزا مقام ہے۔ آب و ہوا خنک اور خوشگوار ہے۔ اس سحر آفریں ماحول میں مجھے قرآن کریم کے ان مقامات اور حصص کو یاد کرنے کا موقعہ مل گیا جو کائنات کی تخلیق اور اس کے جمال و حسن کاری سے متعلق ہیں۔

الفاظ قرآنی کے حفظ کرنے میں گویا یہاں کا سارا سراپا میری مدد کرتا۔

مجھے سرکاری کاموں کے سلسلہ میں یہاں سے ایبٹ آباد بھی جانا ہوتا تھا۔ آمدورفت کا سفر میں گھوڑے پر کیا کرتا تھا۔ راستہ میں ایک ڈاک بنگلہ ہے۔ رات میری وہیں گذرتی۔ میں اس سفر سے بہت محظوظ ہوا کرتا تھا۔ ان دنوں آمدورفت کے ذرائع اتنے آسان و آرام دہ نہ تھے۔ سڑکیں بھی نہ بنی تھیں۔ بس پگڈنڈیاں تھیں، جواوپر نیچے بل کھاتی، آتی جاتی تھیں۔ گردوپیش کے قدرتی مناظر میں گھوڑے پر سوار، میں اکثر قرآن کریم کی تلاوت کرتا جاتا۔ ان معمولات کے دوران اللہ تعالیٰ نے میری یاوری کی اور مجھے ایسے مواقع عطا فرمائے کہ مجھے حفظ قرآن کریم کی تحریک وتحریص ہوتی رہی۔

بعدازاں مجھے فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ کے قرآنی ارشاد کی بجا آوری کا بھی موقعہ ملا۔ اور ایسے مواقع اب تک اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مہربانی سے بار بار میسر آئے۔ دنیا کا بیشتر حصہ مجھے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ان سفروں میں بھی قرآنی مقامات کی یاد کرنے کی تحریک ہوئی۔ مثلاً بعض اوقات مجھے دوران سفر دیگر قسم کی مشکلات وتکالیف کا سامنا پڑا، تو مناسبِ حال وہ قرآنی حصص میری توجہ کا مرکز بن گئے۔ اسی طرح مسرت و انبساط اور رنج و ملال وغیرہ جیسے انسانی جذبے اور افراد واقوام کے بارے میں جملہ کیفیات گاہے گاہے میری طبیعت پر مُستوَلی ،تو ماحول وکیفیت سے متعلق مقامات قرآن میں یاد کرتا رہتا۔

پھر حفظ وتلاوتِ قرآن کریم کا ایک اور روح پرور ماحول مجھے ڈاڈر سینی ٹوریم کے عرصہ ملازمت کے دوران بھی میسر آیا۔ یہ نہایت خوبصورت اور صحت افزا پہاڑی مقام ہے۔ قدرتی دلآویزی، فطری کشش اور مناظرِ قدرت کی سحر کاری،

اس مقام کی خصوصیات میں سے ہے۔ میں نے اس حسین ماحول میں اپنی زندگی کے تقریباً ۲۵ سال گذارے اوراس معطر مشکبار فضا کی صبح وشام کے لمحات میں تلاوت وحفظِ قرآن کا شغل جاری رہا۔

اپنی قرآن کریم کی تلاوت کا مکمل ریکارڈ میرے پاس موجود ہے۔ جو کیسٹوں کی صورت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نیتوں اور ارادوں کو ہم آپ سے خوب تر اور زیادہ تر جانتا پہچانتا ہے۔ اس اہتمام میں میری ذاتی خواہش و کوشش کو قطعاً دخل نہیں ہے۔ یہ کیسٹیس میرے عزیز و اقارب اور بعض احباب جماعت کے پاس ہیں۔

جیسا کہ میں نے قبل ازیں کہا ہے کہ میں کسی مستند ادارے کا فارغ التحصیل نہیں ہوں۔ نہ اصولِ قرأت وتجوید وغیرہ کا پابند ہوں۔ ان کمزوریوں کے باوجود، بسا اوقات میری تلاوتِ قرآن کریم میں کسی دردِ پنہاں کے باعث ایسی ترتیل ہو جاتی ہے، جس کا میرے دل پر اثر ہوتا ہے اور اس کیفیت سے بعض سامعین بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اس موقعہ پر غالب کا یہ شعر یاد آتا ہے:

نالہ پابندِ نے نہیں ہے
رونے کی کوئی لے نہیں ہے

ریکارڈنگ کا پس منظر

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریر سے اقتباس:

تاہم میری تلاوت قرآن کریم کی ریکارڈنگ کا پس منظر یہ ہے کہ میں ۱۹۷۶ء میں انگلستان گیا تو ان دنوں میرا بیٹا عبدالکریم سعید المعروف پاشا ڈارٹ فورڈ

کینٹ کے ایک ہسپتال میں ڈاکٹر تھا۔ میں دو ماہ اس کے پاس رہا۔ وہ ان دنوں ازخود قرآن کریم حفظ کر رہا تھا۔ صحتِ حفظ اور قرآنی دور کی سماعت کے لیے اس کے پاس بظاہر کوئی ذریعہ امداد و سہولت نہ تھا۔ اس نے خواہش ظاہر کی کہ میں سارے قرآن کریم کی تلاوت اس کے لیے ریکارڈ کروں۔ چنانچہ ریکارڈنگ کا یہ کام وہیں شروع ہو گیا۔ اور پھر یہ سلسلہ کافی عرصہ تک ایبٹ آباد اور لاہور وغیرہ مقام پر جاری رہا۔ یہاں تک کہ بفضلہٖ تعالیٰ اس کی تکمیل ہو گئی۔

میرے بعض دیگر عزیزوں اور دوستوں نے، دیکھا دیکھی ان کیسٹوں میں دلچسپی لی۔ اور ان کے حصول کی خواہش کا اظہار کیا۔ میرے ایک عزیز دوست بریگیڈئر چوہدری عبداللطیف صاحب نے تو کچھ زیادہ ہی اصرار کیا کہ اس کی مزید کیسٹیں تیار کی جائیں تاکہ ان سے دوسرے لوگ بھی استفادہ کرسکیں۔ بیرون ملک بعض اصحاب کی طرف سے بھی ایسی فرمائشیں پہلے ہی ہو چکی تھیں۔

چنانچہ اس غرض کے لیے ضروری ہو گیا کہ ریکارڈنگ کی اصلاح کا کام ازسرنو کیا جائے۔ دوستوں کے تعاون نے ہی میرے اس مشکل کام کو سہل کر دیا۔ اور بالآخر ایسی کاپی تیار ہو گئی، جو امکانی حد تک غلطیوں سے پاک سمجھی گئی۔ کم از کم دو حافظ اور قاری حضرات نے اس کارِ خیر میں ہماری مدد کی اور پھر آخری بار ایک بہت مشاق، حافظ قرآن نے سب کیسٹوں کی اول تا آخر سماعت کی اور اس کی صحت کی تصدیق کی۔ اس طرح یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ پھر معروف ریکارڈنگ کمپنی، "شالیمار" سے یہ سیٹ تیار کروا لیے گئے۔

تلاوتِ قرآن کی مذکورہ ریکارڈنگ میں، باوجود اِس قدر احتیاط اور محنت کے مزید کام کی گنجائش باقی تھی۔ بریگیڈئر ناصر احمد سعید نے اپنی شدید علالت کے ایام میں بھی، بے حد محنت اور

کاوش سے، اس ریکارڈنگ پر کام کر کے اِس میں مزید خوبصورتی پیدا کرنے کی سعی فرمائی اور از سرِ نو ریکارڈنگ کی۔ ابتدائی ریکارڈنگ میں تلاوتِ قرآن میں بعض مقامات پر جو الفاظ کسی وجہ سے حذف ہو گئے تھے، اُنہوں نے اپنی آواز میں ریکارڈ کر دیئے تھے۔ یہی ریکارڈنگ اب کیسٹ کی بجائے سی ڈی (CD) پر کی گئی ہے۔ اور لاہور جماعتِ احمدیہ کی ویب سائٹ پر بھی موجود ہے۔ ناصر کو اللہ تعالیٰ نے بہت جلد اپنے پاس بُلا لیا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی مختصر زندگی میں ایک عظیم کام سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو اور جنت الفردوس میں بلند مقام پر فائز فرمائے۔ آمین۔





پچیسواں باب

حاملِ خُلقِ عظیم، صاحبِ صدق ویقین

پُرکشش شخصیت

ظاہر و باطن کے ایک دلکش امتزاج سے عبارت، ایک منفرد پر وقار شخصیت کے حامِل ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، ہر دور میں، ہر عمر کے افراد کے لیے ایک خاص جاذبیّت اور مقناطیسی کشش رکھتے تھے۔ آپ کی مردانہ وجاہت، متبسم اور مطمئن چہرہ، مزید برآں آپ کی خوش لباسی اور خود اعتمادی، ہر نگاہ کو اپنی طرف اُٹھنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ محترم چوہدری منصور احمد صاحب کی تحریر سے اقتباس:

> آسمان پر گہرے بادل منڈلا رہے تھے کہ ایک نوجوان نے محفوظ جگہ ڈھونڈنے کی کوشش کی تاکہ بارش سے بچا جاسکے جو کہ کسی بھی لمحے ممکن تھی۔ جوں ہی اس نوجوان نے نگاہیں اوپر اُٹھائیں اس کی نظر ایک متاثر کرنے والے درمیانی عمر کے شخص کے چہرے پر پڑی۔ اس چہرے میں اتنی دلکشی تھی کہ وہ لڑکا اپنی نگاہیں اس چہرے سے نہ ہٹا سکا۔ اس نوجوان نے اتنا پرسکون چہرہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
>
> تھوڑی ہی دیر میں بارش برسنا شروع ہوگئی، جس نے احمدیہ بلڈنگس میں جلسہ سالانہ کے موقعہ پر آئے ہوئے لوگوں میں پریشانی پھیلا دی۔ درحقیقت بہت سے لوگ کھلی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس موقع پر حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب

سٹیج پر تشریف لائے اور نہایت ہی دل موہ لینے والی آواز میں اعلان کیا: "مت گھبرائیے کیونکہ یہ بارش اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کی نشانی ہے۔" تمام لوگ نیچے بیٹھ گئے۔ جب اس نوجوان نے دوبارہ اوپر دیکھا تو اس نے اس چہرے پر ایک اعلیٰ مسکراہٹ دیکھی جو کہ خود مولانا محمد علیؒ کو دیکھ رہا تھا۔ بعد میں اس نوجوان کو معلوم ہوا کہ وہ عظیم شخص ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ہیں اور وہ نوجوان راقم الحروف تھا۔ میری ان سے دوبارہ ملاقات ۱۹۵۰ء میں ہوئی جب میں امریکہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد واپس آیا۔ ("بیادِ حضرت امیر مرحوم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب"، بشارات احمدیہ، شائع کردہ جماعت احمدیہ لاہور، امریکہ)۔

مسعود اختر صاحب کی تحریر "حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مرحوم ومغفور" سے اقتباس:

ماضی کی طرف جھانکتا ہوں تو بچپن کے زمانہ کے جلسہ سالانہ کی رونقیں ابھی تک ذہن پر منقش ہیں۔ اس زمانہ میں جہاں ہندوستان کے مختلف اطراف سے احباب وخواتین جلسہ سالانہ پر خاص اہتمام سے احمدیہ بلڈنگس میں رونق افروز ہوتے تھے، وہاں صوبہ سرحد سے اون کے چوغے اوڑھے حضرات کی ایک پارٹی اچھی خاصی تعداد میں شمولیت کرتی تھی۔ ریاست امب کے بادشاہ صاحب مرحوم کے اردگرد ایک ہالہ بنا رہتا تھا۔ مولوی عبدالہادی صاحب مع اپنے صاحبزادگان آتے تھے اور ہزارہ سے آنے والوں میں غلام ربانی خان صاحب، ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور قاضی عبدالرشید صاحب مع جماعت کچھی ہزارہ کے حضرات کے شامل ہوتے تھے۔ مجھے انجمن کی سلور جوبلی کا

جلسہ خاص طور پر یاد ہے۔ بہت ہی بارونق تھا۔ بادشاہ صاحب کے گرد تو ان کی زندگی کے حالات سننے والوں کا جمگھٹا رہتا تھا لیکن ہزارہ کے بزرگوں کی اپنی ایک علیحدہ طرز تھی۔ جناب غلام ربانی خان صاحب بات بھی کرتے تو اونچی آواز میں کرتے تھے۔ قاضی (عبدالرشید) صاحب کا اپنا ایک اسلوب تھا۔ دونوں پر پیشہ وکالت کا رنگ بات کرنے کے اسلوب میں غالب تھا۔ لیکن حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی طرزِ گفتگو اور ہی رنگ کی تھی۔ حلیمی ہر بات سے ٹپکتی تھی اور ایک نیم مسکراہٹ کی سی حالت چہرے پر ہر وقت موجود رہتی تھی۔ عمر کے اس حصہ میں جہاں میں تھا ایک بچے کو یہ سمجھ کہاں ہوتی ہے کہ کہنے والا جو بات کر رہا ہے اس میں کتنا فلسفہ یا گہرائی ہے۔ ہاں کوئی بات کس رنگ اور طرز میں کہہ رہا ہے اس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب مرحوم کی طرز گفتگو اگر منفرد تھی تو ایک اور بات بھی منفرد تھی جس کا نقش ابھی تک ذہن پر ہے کہ جہاں صوبہ سرحد کے بزرگان کی اکثریت اون کے رنگ کے چوغے زیب تن کیے ہوئے ہوتے تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے سفید رنگ کا چوغہ اوڑھ رکھا ہوتا۔

۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۹ء تک میں لاہور سے باہر رہا۔ ۱۹۴۹ء میں آیا تو اس کے بعد پھر جلسہ سالانہ میں شمولیت کا موقع ملتا رہا۔ ایک دو بار حضرت ڈاکٹر صاحب کی تقریر بھی سننے کا موقع ملا۔ حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب علیہ الرحمۃ کے پاس جس عقیدت سے ڈاکٹر صاحب کو جلسہ کے موقع پر اور ایک دو نجی ملاقاتوں میں ملتے دیکھا اور جس محبت سے حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمۃ حضرت ڈاکٹر صاحب کو ملتے، اس کے نقوش بھی ذہن میں ہمیشہ رہیں گے۔ یوں ہی کئی برس دور ہی دور سے ان کو دیکھتا رہا اور ان کے اخلاق جمیلہ سے متاثر ہوتا رہا۔

(پیغام صلح ۔نومبر،دسمبر ۱۹۹۸ء)۔

ڈاکٹر حامد رحمان صاحب کی انگریزی تحریر کے ایک اقتباس کا ترجمہ:

سعید احمد خان صاحب کی ابتدائی یادیں میرے بچپن کے اُس دور کی ہیں جب ہم لاہور میں رہائش پذیر تھے۔ اور جلسہ سالانہ میں شرکت کے لیے احمدیہ بلڈنگس جایا کرتے تھے۔کم عمری کی بنا پر جلسہ کی عالمانہ تقاریر سننے کی بجائے احمدیہ بلڈنگس کے گلی کوچوں میں اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھیلنے میں زیادہ دلچسپی ہوا کرتی تھی۔مگر اِس کے باوجود پاکستان کے ہر حصہ سے جلسہ پر تشریف لانے والے احباب میں سے دو شخصیات نے مجھے بے حد متاثر کیا۔اور وہ ہمیشہ میری توجہ کا مرکز بنی رہتی تھیں۔ اِن دونوں ہستیوں میں ایک خاص مشابہت تھی۔ گوری رنگت،نورانی چہرے، چھوٹی چھوٹی تراشیدہ داڑھیاں،اور ایک ہی طرح کے سفیدی مائل برطانوی طرز کے کوٹ زیب تن کیے ہوتے تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ دونوں جڑواں بھائی ہیں۔اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ دو انسان ایک دوسرے سے اتنے مشابہ کس طرح ہو سکتے ہیں۔اِن میں سے ایک تو جان جی اور دوسرے خان بہادر غلام ربانی خان صاحب تھے۔
(تحریر برائے حیات سعید)۔

اِن تحریرات میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے جس 'ظاہر' کی عکاسی نظر آتی ہے درحقیقت وہ آپ کے باطن کی آئینہ دار اور نفسِ مطمئنہ کا مظہر تھی۔اِس کے پس پردہ وہ صدق ویقین کارفرما تھا جو آپ کو اپنے خالق و پروردگار، خاتَم الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلعم کی ذات بابرکات سے اور امامِ زمان مرزا غلام احمدؒ قادیانی سے تھا۔ اسی صدق ویقین نے آپ کی عبادت کو ایک خاص امتیازی شان بخشی اور حُسنِ معاشرت میں ایک منفرد مقام عطا فرمایا۔آپ کی ذاتی وجاہت، تمکنت

اور پُروقار شخصیت سے متاثر ہونے والوں کو جب آپ کی قربت نصیب ہوئی تو آپ کو ہر حال میں ایک مومنانہ شان اور خلقِ عظیم سے آراستہ پایا۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب جہاں حقوق اللہ کی ادائیگی میں بے مثال تھے وہاں حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ آپ کے صبر وتحمل، استقامت واستقلال، عزم، حوصلہ اور جرأتِ ایمانی کے گواہ سانحاتِ ۱۹۷۴ء اور جماعتِ احمدیہ لاہور کے تاریخی واقعات ہیں۔ ان کا اعادہ کیے بغیر آپ کے اخلاقِ حسنہ کے چند دیگر پہلوؤں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

عجز وانکسار

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ جاہ وحشمت، عزت، مرتبہ اور حکومت کے عطا کردہ اعزازات و خطابات میں سے کسی چیز نے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے دِل میں نخوت، خود پسندی یا غرور پیدا نہیں کیا۔ ’خان صاحب‘ اور ’خان بہادر‘ کے خطابات سے علاقہ بھر میں آپ کی پہچان تھی اور پھر جب خدائے قادرِ مطلق نے آپ کو لاہور احمدیہ جماعت کی قیادت عطا کی تو آپ کا اعزازی نام ’حضرت امیر‘ بھی ہر زبان پر آیا۔ مگر آپ کی رواداری اور انکسار میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ امیر وغریب، حاکم وماتحت، عزیز اور دوست ہر ایک سے پُرتپاک مصافحہ فرماتے تھے۔ آپ کے ہر عمل میں ایک انکساری کا رنگ ہوتا تھا۔

حضرت امیر چہارم محترم ڈاکٹر اصغر حمیدؒ کی تحریر سے ایک اقتباس:

> حضرت امیر مرحوم سے ملاقات ہوتی۔ تو ہاتھ بڑی مضبوطی سے ملاتے اور بعض اوقات تو دیر تک پکڑے رکھتے تھے۔ مجھے اکثر اُن کی گرفت کی مضبوطی کا احساس ہوتا۔ (”حضرت امیر مرحوم و مغفور“۔ پیغام صلح، نومبر دسمبر ۱۹۹۷ء)۔

پروفیسر اعجاز احمد صاحب نے آپ کے عجز و انکسار کو مندرجہ ذیل خوبصورت الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

کبھی کبھی قدرت کا شاہکار ایسا بھی ہوتا ہے کہ جاہل بھی اعلیٰ بات سوچتے ہیں۔ خیال ہوا کہ اعلیٰ اخلاق کا منبع کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے اخلاق! اُن کا پتہ کیا ہے؟ قرآن پاک!! عملی نمونہ کہاں ہے؟ سنتِ پاک!

رسول ﷺ کسی صحابی کے گھر تشریف لے گئے اندر سے صحابی نے آواز لگائی کون؟ جواب ملا 'محمدؐ' (بغیر کسی لقب کے)۔ آدھی رات کو محترم غلام احمدؒ نے دُعا کے لیے اپنے ایک دوست کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پوچھا کون؟ جواب آیا 'غلام احمد'۔

جوانی یا لڑکپن کے دِن تھے۔ ہم کھیل رہے تھے۔ دروازہ کھٹکا۔ پوچھا 'کون؟' جواب آیا: 'میں ہوں۔ سعید احمد'۔ اور باہر ڈاکٹر سعید احمد، امیرِ جماعت کو دیکھ کر ہم شرم اور احترام سے مبہوت سے ہو کر رہ گئے۔ (تحریر برائے حیاتِ سعید)۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے عجز و انکسار سے متعلق ڈاکٹر زاہد عزیز صاحب کے مضمون سے ایک اقتباس:

۱۹۷۶ء کے اوائل میں جب میں نے آپ سے درخواست کی کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتا ہوں، تو آپ نے ارشاد فرمایا: "درحقیقت وہ شخص جس کے ہاتھ پر لوگ بیعت کرتے ہیں، روحانی لحاظ سے بہت اعلیٰ درجہ پر ہونے چاہئیں، جو کہ میں نہیں ہوں"۔ اِس پر میں نے کہا: "مگر ہم یقین رکھتے ہیں کہ

آپ ہیں"۔ یہ سُنتے ہی آپ پر عاجزی اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے کپکپی طاری ہو گئی اور آپ نے "استغفر اللہ" کہا۔ (پیغام صلح نومبر-دسمبر ۱۹۹۷ء)

عجز کا ایک واقعہ

دارالسعید ایبٹ آباد کے گٹر بند ہو گئے تھے۔ موسمِ گرما کی وجہ سے گھر میں کئی افراد موجود تھے، اور تمام مکینانِ دارالسعید کو سخت کوفت اور تکلیف کا سامنا تھا۔ عظیم نامی خاکروب کو گٹروں کی صفائی کا مشکل اور محنت طلب کام سونپا گیا تھا۔ وہ مسلسل کئی گھنٹوں سے اِس کام میں مصروف تھا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی نظر کلینک سے لوٹتے ہوئے، اُس پر پڑی تو وہیں اُس کے قریب جا کھڑے ہوئے، اور اُس وقت تک اُس کے ساتھ کھڑے رہے جب تک صفائی مکمل نہ ہو گئی۔ آپ گھر کے اندر تشریف لائے اور اپنی الماری سے ایک صاف ستھرا شلوار قمیض کا جوڑا نکالا۔ پھر اپنی اہلیہ سے تولیہ اور اچھا خوشبودار صابن لیا اور فرمانے لگے: "جو کام آج عظیم نے کیا ہے، نہایت دشوار تھا اور ہم میں سے کسی سے بھی نہ ہو پاتا"۔ اور پھر فرمایا: "عظیم واقعی عظیم ہے۔"

عفوودرگذر

ایک ایسا شخص جو ضبطِ نفس پر قادر ہو، اور ایسے انسان کی خطائیں بھی معاف فرمائے جس کے اعمال سے یا زبان سے اُس کی دلآزاری ہوئی ہو، ایسے ہی متقی انسان اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اور ایسے ہی متقی انسانوں کا ذکر قرآن پاک کی سورۃ الِ عمران کی آیت ۱۳۴ میں کیا گیا ہے:

وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳۴

(اور سخت غضب کو دبا لینے والے، اور لوگوں سے درگذر کرنے والے۔ اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

ڈاکٹر سعید احمد خان کے معمولات میں اس صفت کا اظہار اکثر اور بیشتر ہوتا رہتا تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کظمِ غیض پر حد درجہ کی قوت عطا فرما رکھی تھی۔ اور انتہائی درجہ کی دلآزاری اور ہتک آمیز گفتگو پر بھی اپنے غیض وغضب کو دبا لینے پر قدرت رکھتے تھے۔ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ جو شخص غضب کو روک لے درآنحالیکہ وہ اُس کے نکالنے پر قدرت رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ اُس کے پیٹ کو امن وامان سے بھر دیتا ہے۔

عزیزوں، دوستوں اور احبابِ جماعت کی طرف سے بھی آپ کی شان میں گستاخی، درشتی اور سخت کلامی کا مظاہرہ دیکھنے میں آتا رہا ہے۔ لیکن آپ کی بردباری بھی انتہا کی تھی۔ ضبطِ نفس سے کام لیتے ہوئے ماحول کی خوشگواری کو برقرار رکھنے کی سعی فرماتے تھے۔ فطرتِ انسان کی کمزوری کبھی طبیعت کو مضمحل بھی کر دیتی تو کئی کئی مرتبہ استغفار کرتے اور عفوودرگذر کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے تمام خطاؤں کو کالعدم قرار دیتے ہوئے اُس پر کوئی گرفت نہ کرتے اور نہ ہی کبھی کوئی انتقامی کارروائی کا دِل میں خیال تک لاتے۔ بلکہ ایسا معاف فرماتے کہ اُس کا تذکرہ بھی مناسب نہ سمجھتے

تھے۔

حضرت امیرؒ کی زندگی میں ایسے مواقع بھی آئے کہ تقاضاتِ بشریت، لمحاتی طور پر، عفو و درگذر کے تقاضوں پر غالب آتے ہوئے محسوس ہوئے، مگر آپ تھوڑی سی کوشش سے اِن جذبات کو دبانے میں کامیاب ہوگئے۔ بلکہ جب کبھی بھی آپ نے محسوس فرمایا کہ نادانستہ طور پر آپ سے کسی کی دلآزاری ہوگئی ہے تو معاملات کو سلجھانے میں پہل فرمائی۔

۱۹۸۴ء کے بیرونِ ملک سفر کا ایک واقعہ آپ کی ڈائری میں مذکور ہے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب جماعتی اختلافات کو سلجھانے کی کوشش میں ایک صاحب سے گفتگو فرما رہے تھے، اور جماعت کے مفاد کے لیے اپنی رائے کی وضاحت کی کوشش فرما رہے تھے۔ اُن ایام میں آپ کچھ علیل بھی تھے، مگر وہ صاحب جو آپ کے میزبان بھی تھے، کسی بات سے اتفاق نہ کرتے ہوئے زیادہ ہی بگڑ رہے تھے، اور لہجے میں خاصی تلخی تھی۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں:

> مجھے بھی اپنی طبیعت پر بوجہ علالت کے قابو نہ رہا اور میں نے چند فقرے ناراضگی کے کہے اور کہا کہ غصہ ہو جانا کس کو نہیں آتا اور میں بھی حساس آدمی ہوں، اس لیے آپ لوگوں سے بات کرنا بے سود ہے۔ یہ کہہ کر میں اُٹھ گیا اور کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی خیال آیا کہ میری اِس طرح کی ناراضگی کا اچھا اثر نہ ہوگا۔ مجھے صبر سے کام لینا چاہئے تھا۔ اِس طرح کام بگڑ جائے گا اور اِس غریب معذور انسان پر میری ناراضگی (دباؤ) stress اور مزید پریشانی کا موجب ہوگی اور پھر ہمارے پروگرام پر بھی برا اثر پڑے گا۔ پانچ منٹ کے اندر اندر میں نے استغفار پڑھتے ہوئے اور دُعا کے ساتھ بستر چھوڑا اور باہر چلا گیا۔ خاتونِ خانہ میز پر سر رکھے غالباً رو رہی تھی یا کم از کم رونے والی تھی اور صاحبِ خانہ کچن میں سامنے ٹہل رہا یا کچھ کام کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اور آواز

سنتے ہی دونوں کی خوشی قابل دید ہوگئی اور وہ خاتون معافیاں مانگنے لگی۔ میں نے تسلی دی اور پھر کمرے میں لوٹ آیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

قاضی عبدالاحد صاحب کی تحریر 'حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب'، پیغام صلح نومبر دسمبر ۱۹۹۷ء، سے ایک اقتباس:

> میرے لڑکے نے میٹرک اچھے نمبروں میں پاس کیا۔لیکن کالج میں داخلہ دلانے کی میری استطاعت نہ تھی۔ میں نے اپنے بچوں کے لیے کبھی بھی انجمن سے تعلیمی وظیفہ نہیں لیا اور نہ یہ گوارا تھا کہ کسی کو امداد کے لیے کہوں۔تو اس دوران جان جی نے کچھ ایسی بات کہی جس سے مجھے صدمہ ہوا، تو میں نے بذریعہ عریضہ انہیں اپنے صدمہ کی اطلاع کی اور مزید کہا: "کیا میرا خدا نہیں ہے جو میری بگڑی بنائے"۔ مجھے بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور لگے معافی مانگنے۔ وہ منظر جب بھی مجھے یاد آتا ہے تو بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں کہ اتنا عظیم انسان اور مجھ جیسے آدمی سے معافی۔ بعد ازاں کلمہ شریف تلاوت کیا اور کہنے لگے" خدا گواہ ہے کہ مجھے یاد نہیں۔ بوڑھا آدمی، تھکا ماندہ ہوتا ہوں۔ غیر ارادی طور پر ایسی بات زبان سے نکل گئی ہوگی"۔

آپ کی زندگی کے اِس طرح کے واقعات آپ کی اعلیٰ ظرفی کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔

قناعت واِستغناء

ڈاکٹر سعید احمد خان بے حد قناعت پسند تھے۔ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق آپ کو کبھی بھی محسوس نہیں ہوا کہ کم ہے۔ آپ نے اپنی ضروریات کو کبھی اُتنی وسعت نہیں دی کہ کبھی کسی چیز کی کمی کا احساس ہو۔ آپ نے اپنے اموال کا کسی سے تقابل کرتے ہوئے، اُس سے سبقت لے جانے کی خواہش میں کبھی اپنی صفتِ استغناء کو داؤ پر نہیں لگایا۔ اور نہ کبھی اپنا چین وسکون اس لیے برباد کیا کہ

اموالِ دُنیا کو اکٹھا کریں۔ اللہ نے جو دیا اُسے راہِ خدا میں دِل کھول کر خرچ فرمایا اور ہمیشہ اپنے والد کی اس نصیحت پر عمل پیرا رہے جو اس فارسی شعر کی صورت میں کی گئی تھی:

ے کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد
ہرچہ گیرید مختصر گیرید

(دُنیا کے کام تو کبھی کسی سے ختم نہیں ہو سکے۔ اس لیے جو (کام) بھی آپ لیں مختصر لیں (تاکہ مکمل ہو سکے)۔

اِس کے در پردہ یہی حقیقت پنہاں ہے کہ جو کام یا کاروبار اپنے گذر اوقات کے لیے ہاتھ میں لیا جائے، اسے اتنا طویل وعریض نہ بنا لیا جائے کہ زندگی اُسی میں صرف ہو جائے۔ اور زندگی کا اصلی مقصد ہی نگاہ سے اوجھل ہو جائے۔ اور یادِ خدا اور خوفِ خدا سے عاری ہو کر، متاعِ جہاں ہی زندگی کا مقصد بن جائے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے کبھی کسی سے تعلقِ رفاقت دُنیاوی مراعات کے حصول کے لیے نہیں بڑھایا اور استغناء کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۷۴ء کے سانحات کے بعد نہایت محدود وسائل میں گذر اوقات کی۔ اپنے کھیتوں کی عمدہ گندم میسر نہ رہی تو صبر وقناعت سے سرکاری ڈپو کا آٹا کھانے میں بھی راحت محسوس کی۔ مگر اپنی ضروریات کو کسی پر ظاہر کر کے بوجھ بننا پسند نہ فرمایا۔ آپ کا مطمحِ نظر اِس جہانِ رنگ و بو سے کہیں زیادہ بلند تھا، اور معمولی روزمرہ کی ضروریات، آپ کی نگاہ میں ہیچ تھیں۔ ان ضروریات کے حصول کی خاطر وہ قناعت واستغنا سے کسی طور پر دست بردار نہ ہونا چاہتے تھے۔

صلہ رحمی

ابتداء میں ایک انسان کا واسطہ صرف اپنے قریبیوں سے ہی ہوتا ہے۔ ماں باپ، بہن بھائی، عزیز رشتہ داروں سے محبت کے رشتے استوار ہوتے ہیں۔ قریبیوں کے حقوق کی نگہداشت اور

صلہ رحمی کے جذبات سے آشنا دِل سے ہی، رحم اور محبت کے وہ چشمے پھوٹتے ہیں جو نسلِ انسانی کو سیراب کر سکتے ہیں۔ مولوی محمد یحییٰ صاحب اپنے فرزند کو صلہ رحمی کا کچھ ایسا ہی درس دے رہے تھے، جب آپ کے سامنے ایک کوے اور کتے کا موازنہ پیش کیا۔ مولوی صاحب نے اپنے فرزند سعید سے فرمایا کہ کوا روٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی کہیں پڑا دیکھ لے تو 'کائیں کائیں' کر کے شور مچاتا ہے اور اپنی ساری برادری کو اکٹھا کر لیتا ہے۔ اُس کے مقابلے میں کُتے کو ایک ہڈی بھی مل جائے تو دور جا کر، چھپ کر بیٹھ کر اُسے چباتا ہے اور بعد میں مٹی میں چھپا دیتا ہے کہ شاید پھر کام آجائے۔ کوا صلہ رحم ہوتا ہے یعنی اپنی برادری کے ساتھ مِل بانٹ کر کھاتا ہے اور اس کی اِس صلہ رحمی کی وجہ سے، وہ کئی کئی سال جیتا ہے۔ مگر کُتا قطع رحمی کرتا ہے اور نو دس سال سے زیادہ عمر نہیں پاتا۔ صلہ رحمی ایک اچھا وصف ہے اور اللہ تعالیٰ صلہ رحم کی عمر میں برکت دیتا ہے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے والد کی نصیحت کو پلے باندھ لیا اور آپ کے رحم اور محبت بھرے سلوک سے قریبی اور غیر، سبھی فیض پاتے رہے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب جب دیبگراں تشریف لے جاتے تھے تو سب سے پہلے والد محترم کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوتے۔ پھر گھر کے اس حصے میں تشریف لے جاتے تھے جہاں آپ کی چچی صاحبہ محترمہ رہائش رکھتی تھیں۔ اور پھر اپنے مسکن کا رُخ کرتے۔ اسی طرح اپنے ننھیالی رشتہ داروں سے ملاقات فرماتے اور قبروں پر فاتحہ پڑھنے کے لیے اپنے آبائی قبرستان کے علاوہ دوسرے اُس قبرستان میں بھی جاتے تھے جہاں اُن کے نانا نانی اور دیگر ننھیالی عزیز مدفون ہیں۔

آپ کی ڈائری میں، جس میں ۱۹۴۴۔۱۹۴۵ء کے کچھ واقعات اور والد صاحب کی وفات کا ذکر ہے۔ ایک جگہ تحریر ہے:

> اس بات کی طرف توجہ ہوئی کہ محسن اور خلق اللہ کے ساتھ نیکی کرنے والے پر خدا کی رحمت ہوتی ہے تو یہ ارادہ کیا کہ:
>
> (۱) دورانِ قیام مدراس بھی کچھ ایسا کرنا ہے۔

(۲) مریضوں سے پہلے سے بڑھ کر رافت، محبت و برداشت سے پیش آنا اور حقیقی خدمت کرنا۔

(۳) ماتحتوں اور محتاجوں سے زیادہ انکساری اور ہمدردی کرنا۔

(۴) اقربا کے ساتھ پہلے سے زیادہ مروت کرنا۔۔۔ باللہ التوفیق۔

اس ڈائری کی ایک اور تحریر (والد صاحب کی وفات کے معاً بعد کے ایام میں):

۱۰ فروری کو مبارک[۱] سے پروگرام پوچھا تو اُس نے کہا: "جو حکم ہوگا"۔ میں اُس کے اِس جواب سے خوش ہوا اور ارادہ کیا کہ اپنے والد محترم کے اِس بہت پیارے سے حتی المقدور انتہائی مروت، اب میرے اِن فرائض میں شامل ہوگی جو والد مرحوم کی وفات سے مجھ پر آن پڑے ہیں۔ میں نے اس کے مانسہرہ میں کام کرنے کے پروگرام کو پسند کیا اور کچھ نصائح کے بعد اُسے تسکین ملی۔ خدا مجھے توفیق دے اور اُسے بہت کامران و بامراد کرے۔

۱: مبارک عبداللہ، سعید احمد خان صاحب کے خواہرزادے تھے۔

عبدالعزیز مبارک کی تحریر:

جان جی اپنے عزیزوں سے رحم دلی کرتے اور محبت سے پیش آتے تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں آپ سے بڑھ کر کوئی شفیق اور رحم دل انسان نہیں دیکھا۔ جن دِنوں میں میرے والد محترم (مبارک عبداللہ) آزاد کشمیر میں ملازمت کرتے تھے، اور ہم اپنی والدہ کے ہمراہ مانسہرہ میں رہتے تھے، جان جی ہر طرح سے ہماری سرپرستی فرماتے تھے، وہ ڈاڈر سے ایبٹ آباد یا ایبٹ آباد سے واپس لوٹتے ہوئے ہمارے گھر پر تشریف لا کر ہم سے ملاقات فرماتے

تھے۔ وہ شفقت سے ہم سب بہن بھائیوں کو باری باری اپنی گود میں بٹھا لیتے تھے اور والدہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے اور سب کا حال احوال دریافت فرماتے تھے۔ وہ کچھ وقت ہمارے ساتھ گذارتے تھے، اور جاتے ہوئے سب بہن بھائیوں کو ایک ایک روپیہ دیتے اور والدہ کو الگ کچھ رقم دیتے تھے۔ (تحریر برائے حیاتِ سعید)۔

بے سہارا اور یتامیٰ کی سر پرستی

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا مسکن، بے کس، بے سہارا اور یتامیٰ کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ تھا۔ آپ کی شفقت اور رحم و کرم صرف اپنوں یا شناساؤں تک محدود نہ تھا بلکہ اجنبی لوگ بھی آپ کے تحفظ میں آکر، آپ کی بے انتہا فیاضی اور سر پرستی سے فیض پاتے رہے ہیں۔ یہاں آپ کی زندگی سے منسلک چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مانسہرہ کے ہسپتال میں بطور اسسٹنٹ سرجن تعینات تھے۔ ایک قریب المرگ بے یارو مددگار مریضہ نے اپنی کم سن بیٹی کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھما دیا اور خود سکون سے موت کو لبیک کہا۔ آپ اس بے سہارا، لاوارث بچی کو گھر لے آئے۔ جلد ہی وہ گھر والوں سے مانوس ہوگئی۔ اچھی تعلیم و تربیت کے بعد ایک شریف النفس، تعلیم یافتہ برسرِ روزگار احمدی نوجوان سے اُس کی شادی کردی۔ آپ کا گھر ہی اُس خاتون کا میکہ تھا، جہاں وہ بلا جھجھک اپنے بچوں کے ہمراہ آتی جاتی رہتی تھیں، خصوصاً عید، تہوار پر تو ضرور تشریف لایا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اولاد کو ہر قسم کی عنایات سے نواز رکھا ہے۔

ایک مجرم کو سزائے موت کا حکم سنایا جاچکا تھا، اور وہ ایبٹ آباد کے ڈسٹرکٹ جیل میں زندگی کے آخری دِن کاٹ رہا تھا۔ اُس شخص نے جیل سپرنٹنڈنٹ سے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے

ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ اُس شخص نے اپنے دو کم عمر بیٹوں کی کفالت کی درخواست کی۔ آپ نے بخوشی یہ ذمہ داری قبول فرمائی اور دونوں لڑکوں کی عمدہ پرورش فرمائی۔

اپنے عزیزوں کے ہاتھوں ستم رسیدہ ایک بیوہ خاتون، اپنے دو معصوم بچوں کے ساتھ، کسی محفوظ پناہ گاہ کی تلاش میں نکل پڑیں۔ ایبٹ آباد کے ایک معزز گھرانے سے وہ متعارف تھیں، جو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی غریب پروری سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ ایسی بے سہارا خاتون کے لیے آپ کے گھر سے محفوظ پناہ گاہ کوئی دوسری نہ ہوگی۔ وہ اُن خاتون کو خود لے کر ڈاڈر سینیٹوریم پہنچے اور آپ کے سپرد کر دیا کہ سینیٹوریم میں کوئی ملازمت اُنہیں دلوا دیں۔ اُس وقت ہسپتال کے عملے میں کوئی جگہ خالی نہ تھی۔ وہ خاتون آپ کے گھریلو کام کاج کرنے پر بھی رضامند ہوگئیں۔ اگلے ہی روز اُن کے دونوں بچے، آپ کے اپنے بچوں کے ہمراہ سکول جانے لگے۔ چار پانچ سال تک وہ آپ کے گھر میں خدمات انجام دیتی رہیں۔ جب سرکاری ملازمت کے لیے ایک اسامی خالی ہوگئی، تو آپ نے اپنے گھر والوں کے سُکھ پر ان خاتون کے بہتر مستقبل کو ترجیح دیتے ہوئے، وہ ملازمت اُنہیں دے دی، اور وہ اپنے بچوں کے ہمراہ سرکاری رہائش گاہ میں منتقل ہوگئیں۔ اُن کے دونوں بچوں نے اچھی تعلیم حاصل کر لی اور زندگی میں اُن کو اللہ تعالیٰ نے ترقی کے اچھے مواقع عطا فرمائے۔

بزرگان واساتذہ کا احترام

بزرگوں کے ادب و احترام کو ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، بے حد اہمیت دیتے تھے۔ بزرگانِ خاندان و جماعتِ احمدیہ اور اپنے اساتذہ آپ کے لیے بہت محترم تھے۔ بزرگانِ جماعت نے ہمیشہ آپ سے محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا ہے، اور آپ بھی ایک خاص قرینۂ ادب سے اُن بزرگ ہستیوں کے سامنے بیٹھتے اور اُن سے مخاطب ہوتے تھے۔ مولٰنا نورالدین صاحبؒ، اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب سے آپ کو خصوصی طور پر بے حد لگاؤ تھا۔ مولٰنا نورالدین کا عزت واحترام

زمانۂ طالب علمی سے چلا آتا تھا۔ مگر مولٰنا محمد علی صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی صحبت سے آپ کو لاہور کی محافِل میں بھرپور طور پر فیض یاب ہونے کا موقع میسر آیا۔ یہ دونوں بزرگ آپ کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے اور آپ کے سر پر اِن کی شفقت کا ہاتھ رہتا تھا۔ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ آپ کی دو بیٹیاں اِن بزرگوں کے بیٹوں سے بیاہی گئیں اور محبت و احترام کا تعلق مضبوط رشتے میں بدل گیا۔

اپنے اُستادِ مکرم مولانا صدرالدینؒ صاحب، امیر دوم سے آپ نے تاحیات ادب و احترام کا رشتہ نبھایا۔ جماعتِ احمدیہ کے ایک صاحبِ کشف و الہام بزرگ قبلہ سید اسد اللہ شاہ صاحب تھے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو شاہ صاحب سے گہرا لگاؤ تھا اور آپ اُنہیں بمنزلہ والد بزرگوار سمجھتے تھے۔ اور قبلہ شاہ صاحب بھی آپ کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ محترم شاہ صاحب موسمِ گرما آپ کے ساتھ، اور آپ کے اہلِ خانہ کے ہمراہ خاندان کے ایک بزرگ کی حیثیت سے گذارتے تھے اور آپ کی غیر موجودگی میں بچوں کی تربیت کا خاص خیال فرماتے تھے۔ شاہ صاحب کی دُعائے نیم شبی میں ڈاکٹر سعید احمد صاحب اور اُن کے عیال کو اولیت حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے شاہ صاحب کو کثرت سے بشارات ہوئیں۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اُن کے الہامات محفوظ کر لیتے تھے اور تحریر پر اُن سے تصدیقی دستخط کروا لیتے تھے۔ اس طرح سینکڑوں الہامات ضبطِ تحریر میں لائے گئے جو دو تین جلدوں میں موجود ہیں۔

مولانا نورالدین صاحبؓ کے لیے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے جذبات کا اظہار آپ کے ایک مراسلہ، جو آپ نے حضرت مولانا کی دُخترِ نسبتی محترمہ امۃ الطیف، زوجہ عبدالوہاب صاحبہ کو تحریر فرمایا تھا، سے لگایا جا سکتا ہے۔ خط سے ایک اقتباس:

> اپنی تحریر میں میرے لیے نورالدین اعظم کے 'مخلص قدردان' کے الفاظ سے میری بے حد عزت افزائی فرمائی۔ میں درحقیقت اِس سے کہیں بڑھ کر اس عظیم

ہستی کے لیے جذبات رکھتا ہوں جنہیں اگر بیان کرسکوں تو ایک روح پرور داستان بن جائے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں اُن کی روحانی برکات اور فیوض سے دارین میں بہرہ مند فرمائے۔

نوٹ: محترمہ امت اللطیف طاہرہ عمر صاحبہ نے یہ خط مجھے اپنی وفات سے چند مہینے قبل عطا فرمایا تھا۔ (صفیہ سعید)۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے تین محترم اساتذہ، ایبٹ آباد کے علاقہ کیہال میں رہائش رکھتے تھے، اور اِن کی قیام گاہیں پہلو بہ پہلو تھیں۔ اِس طرح آپ ایک ہی وقت میں اپنے تین اساتذہ کی ملاقات سے مشرف ہو سکتے تھے، جو آپ کے لیے ایک باعثِ تسکین امر تھا۔ اِن تین ہستیوں میں سے اول شیخ محمد ابراہیم صاحب تھے، جو آپ کے مانسہرہ کے زمانۂ طالب علمی میں اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ دیگر دونوں اساتذہ پروفیسر منہاج الدین صاحب اور پروفیسر حسام الدین صاحب المعروف 'بابا جی' پشاور اسلامیہ کالج کے اُستاد تھے۔ اِن ہستیوں کی اولاد سے بھی آپ کے تعلقات دوستانہ رہے ہیں۔ آپ اپنے بچوں کے دوستوں کو بھی بے حد محترم سمجھتے تھے اور اُن سے اچھے مراسم قائم رکھتے تھے۔

دوست نوازی

ڈاکٹر سعید احمد خان حلقۂ احباب میں ہر دلعزیز اور مقبول تھے۔ آپ کے احباب، آپ کی دوستی پر فخر محسوس کرتے تھے اور خود آپ کی دوست نوازی بھی ایک اعلیٰ معیار کی تھی، جس کی بنیاد بے لوث محبت اور خلوص تھا۔

ے دوست مشمار آنکہ در نعمت زند
لافِ یاری و برادر خواندگی

دوست آں دانم کہ گیرد دستِ دوست
در پریشاں حالی و دَرماندگی

(اس کو دوست نہ گن جو عیش کے زمانہ میں دوستی اور بھائی بندی کی ڈینگیں مارے۔ میں اس کو دوست سمجھتا ہوں جو دوست کی عاجزی اور پریشانی کی حالت میں دستگیری کرے)۔

آپ کی دوستی کا معیار یہی تھا جو شیخ سعدی شیرازی کے اس شعر میں بیان ہوا ہے۔ آپ اپنے دوستوں کے دُکھ سُکھ کے ساتھی تھے۔ ہر مشکل اور کڑے وقت میں اُن کا ساتھ دیتے تھے اور اگر ضرورت ہوتو مقدور بھر اُن کی دست گیری بھی فرماتے تھے۔ مگر اپنی ذات کے لیے آپ نے کبھی کسی سے کوئی توقعات وابستہ نہیں رکھیں۔ خوشدلی سے تحفہ تحائف کا تبادلہ آپ پسند فرماتے تھے۔ مگر نمود ونمائش یا خاص مراعات حاصل کرنے کے لیے تحائف پیش کرنا یا قبول کرنا آپ کے لیے بارِ خاطر ہوتا تھا۔ آپ فرماتے تھے: "دوستوں کا حساب دِل میں ہوتا ہے۔ تحائف کا لین دین بطورِ رسم یا نمود، دوستی کے جذبات کو مجروح کرسکتا ہے"۔

اپنے رفقاء کے اِس دُنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد بھی آپ ان کے عیال کے ساتھ رشتہ استوار رکھتے اور اُن کی خبر گیری فرماتے اور مناسب طور پر سرپرستی بھی فرماتے تھے۔

آپ جب کسی ایسے مقام پر تشریف لے جاتے جہاں آپ کے دوستوں میں سے کوئی موجود ہو یا اُن کے اہل وعیال وہاں پر ہوں تو اُن کی قیام گاہوں پر تشریف لے جا کر ملاقات فرماتے تھے۔ جلسہ سالانہ پر آپ خاص اہتمام کے ساتھ علاقائی سوغات شہد، مکئی کا آٹا، اخروٹ اور ایسی دوسری لوازمات اپنے ہمراہ لاتے تھے اور اپنے رفقائے جماعت، عزیزوں اور رفقائے خاص کو بطورِ تحفہ پیش فرماتے تھے۔

آپ کی شفقت اور دوست نوازی، آپ کے بچوں کے دوستوں کو بھی میسر آتی رہی۔ ہر بچے کے دوست کو آپ محبت سے ملتے اور اُس کی خاطِر مدارت کا اہتمام فرماتے تھے۔

ایک موسم گرما میں، میاں رشید احمد صاحب نے اپنے بزرگوار والد صاحب کی روایت کو قائم رکھتے ہوئے، آپ کے لیے ملتان سے آم بطورِ سوغات بھجوائے۔ آپ نے حسب ضرورت گھر میں رکھ کر باقی آم عزیزوں کو بقدرِ حصہ بھجوانے کا حکم فرمایا اور خاص طور پر فرمایا: ”شاہین (میری دوست) کو حصہ ضرور بھجوا دینا۔ وہ بھی تو ہمارے گھر کی ہی بیٹی ہے۔“ (صفیعہ سعید)۔

آپ اپنے دوستوں کے کس حد تک قدردان تھے، اس کی مثال ایک خط سے عیاں ہے جو آپ نے محترمہ بیگم عبدالوہاب عمر صاحبہ کے نام تحریر فرمایا تھا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۴ نومبر ۱۹۹۳ء

عزیزہ محترمہ بیگم صاحبزادہ عبدالوہاب صاحبہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ اور آپ کی صاحبزادی تشریف لائیں تو ”اُمِ طاہر“ نام سے صحیح تعارف نہ ہو

سکا اور میں آپ سے ملاقات کا حق ادا نہ کر سکا۔ مجھے بے حد افسوس ہے۔ انشاء اللہ پھر ملاقات کا موقعہ نصیب ہوا تو تلافی ہو گی۔ پیارے محترم میاں عبدالوہاب صاحب کی محبت اور خلوص کی یاد بھی تازہ ہو گی۔

آپ کی تشریف آوری اور ہمدردی کا بہر حال شکر گذار ہوں۔

والسلام،

سعید احمد۔ دارالسلام۔

محترمہ بیگم صاحبہ، آپ کی زوجہ محترمہ والدہ محمد سعید کی وفات کی تعزیت کے لیے تشریف لائی تھیں۔ گھر میں صرف ملازم تھا، جسے محترمہ نے اپنا تعارف "اُم طاہر" بتایا۔ اور آپ اِس تعارف سے واقف نہ تھے جس کے لیے آپ نے اِس انداز میں معذرت فرمائی۔

نوٹ: یہ مراسلہ محترمہ مسز عبدالوہاب صاحبہ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل مجھے بطورِ یادگار دیا تھا۔ (صفیہ سعید)۔

بچوں سے محبت اور شفقت

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا دِل محبت کا ایک گہرا چشمہ تھا، اور اِس سے ہر ایک سیراب ہوتا تھا۔ بچوں کو آپ نازک کلیاں اور پھول سمجھتے تھے، جنہیں آپ ہر وقت سرسبز اور پھلتے پھولتے دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کی پُرسکون مسکراہٹ اور محبت سے لبریز دِل، بچوں کو خود بخود آپ کی طرف کھینچتا تھا۔ اجنبی بچے بھی بے خطر آپ کی طرف لپکتے تھے اور آپ کا ہاتھ پکڑتے تھے اور گود میں چڑھ بیٹھنے کے خواہاں ہوتے تھے۔ سال ۱۹۵۱ء کا کچھ حصہ آپ نے سویڈن میں گذارا تھا۔ وہاں کے ایک مقامی ڈاکٹر صاحب نے آپ کو اپنے یہاں مدعو کیا۔ اُن کی خوردسال بچی آپ کو دیکھ کر بے اختیار آپ کی طرف بڑھی، اور اپنی والدہ کی مداخلت کے باوجود، آپ کی گود میں چڑھ بیٹھی۔ آپ کے چہرے کو

غور سے دیکھا، پھر داڑھی کو ہاتھ سے چھوا تو بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور کہا "روزا" یعنی یہ تو پھول ہے۔

اپنے خاندان کے سبھی بچے آپ سے مانوس تھے۔ اور ہر بچہ اپنی دانست میں جان جی کو صرف اپنا جان جی مانتا تھا۔ آپ کے فرزند زاہد اور تقریباً اُن کے ہم عمر، محترم احمد صادق صاحب کے فرزند طارق احمد گھر کے آنگن میں کھیل رہے تھے۔ کھیلتے کھیلتے آپس میں اُلجھ پڑے۔ زاہد کا دعویٰ تھا کہ جان جی اُن کے ہیں اور طارق بے حد معصومیت سے کہہ رہے تھے کہ جان جی میرے ہیں، مجھے وہ اللہ میاں نے دیئے ہیں۔ دونوں اپنے اس حق سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھے۔ آخر محترمہ خورشید بی بی (بیگم پروفیسر خلیل الرحمان صاحبہ) نے مداخلت کر کے جھگڑا نمٹایا کہ جان جی آپ دونوں کے ہیں اور ہم سب کے بھی ہیں۔

آپ بچوں کو اُن کی معصوم شرارتوں پر یا شور وغُل مچانے پر، حتّٰی کہ اپنی چیزوں کو اُلٹ پلٹ کر دینے پر بھی نہ ٹوکتے تھے۔ آپ دوسروں کو بھی سمجھاتے تھے کہ ہر وقت کی روک ٹوک بچے کے ذہن پر اچھے اثرات مرتب نہیں کرتی۔ ایک مرتبہ آپ کے ایک دیرینہ دوست آپ سے ملاقات کے لیے تشریف لے آئے۔ دورانِ گفتگو اپنے نواسوں پوتوں سے سخت بیزاری کا اظہار کیا۔ وہ اُن کے شور وغُل سے نالاں تھے، جو اُن کے آرام میں خلل کا موجب ہوتا تھا۔ جب مہمان تشریف لے گئے تو آپ نے برسبیلِ تذکرہ گھر میں اُن کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بچوں کی معصوم شرارتوں سے میں کبھی اِس طرح بیزار نہیں ہوتا۔

جذبۂ ہمدردی ومروت

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا دل جذبۂ ہمدردی ومروت سے لبریز تھا۔ ہر ایک کا دُکھ سُکھ بانٹنے میں آپ کو سُکھ اور راحت ملتی تھی۔ یہ خوبصورت جذبات آپ کی شخصیت کا ایک اہم حصہ تھے۔

مریضوں کی مسیحائی تو آپ کے پیشۂ طبابت کا حصہ تھی، مگر کوئی بھی دُکھ میں ہوتا، اُس کا سہارا بن جاتے تھے۔ بیمار کی عیادت اور وفات یافتہ افراد کے لواحقین کے پاس تعزیت کے لیے تشریف لے جانے کو آپ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ لیکن اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہوتا تو بذریعہ خط یا فون حال ضرور دریافت فرماتے تھے۔ جب آپ لاہور منتقل ہو گئے اور دیگر اں کافی وقفے کے بعد جانا ہوتا تھا، تو اُس عرصہ میں فوت شدگان کے لواحقین کے پاس تعزیت کے لیے ضرور تشریف لے جاتے تھے۔

بعض اوقات آپ بیمار پُرسی یا تعزیت کے لیے دور دراز کا سفر بھی اختیار فرماتے تھے۔ آپ کے دوست میاں عطاء اللہ مرحوم، آپ کے زیرِ علاج بھی رہے تھے۔ اُن کی وفات سے چند گھنٹے قبل، اُن کی زوجہ محترمہ نے ایبٹ آباد میں آپ سے فون پر بات کی اور سخت پریشانی کی حالت میں فرمایا: "میاں صاحب بہت علیل ہیں۔ آپ کو یاد کرتے ہیں"۔ آپ نے فوراً رختِ سفر باندھا اور ملتان کے لیے روانہ ہو گئے۔ مگر آپ ابھی سفر ہی میں تھے کہ محترم میاں صاحب کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ ایک دو روز وہاں، اُن کے اہلِ خانہ کے ساتھ رہے اور حقِ دوستی اور مروت نبھایا۔

محترمہ بیگم محمد علی صاحبہ اور محترمہ بیگم غلام ربانی خان صاحبہ، کی جب وفات ہوئی تو آپ بیرون ملک تھے۔ واپس لوٹنے پر اُن کے لواحقین جس جس مقام پر تھے، آپ وہاں پہنچے اور اُن کے دُکھ میں شرکت فرمائی۔

جس گھر میں کسی کی وفات ہو جاتی تھی، تو آپ وہاں ایک یا دو وقت کا سادہ سا کھانا ضرور بھجواتے تھے۔ اس طرح غم زدہ اہلِ خانہ کو مہمان داری اور کام کاج کا بوجھ نہیں اُٹھانا پڑتا۔ اور یہ سُنتِ نبوی کے عین مطابق ہے۔ مگر پُر تکلف رسمی کھانوں کا اہتمام کرنا آپ کی نظر میں زیادہ پسندیدہ نہ تھا۔

سادہ طرزِ زندگی

آپ کی زندگی میں یا رہن سہن میں تکلف کا کوئی عنصر نہ تھا۔ ڈاڈر سینیٹوریم کے سرکاری بنگلہ میں، ایبٹ آباد میں دارالسعید یا دارالسلام لاہور کی آپ کی رہائش گاہ میں کبھی کوئی تکلف کا سامان یا اہتمام نہیں دیکھا گیا۔ آپ کی قیام گاہ پر ضروریات زندگی کے تمام سامان موجود تھے مگر غیر ضروری نمائشی قسم کی تزئین و آرائش اور رسمی تکلفات کو آپ پسند نہ فرماتے تھے۔ سادہ اور بے تکلف طرز زندگی اور خوشگوار ماحول کی وجہ سے آپ کی رہائش گاہ کے کمروں، برآمدوں اور صحن میں مِل ملا کر بیسیوں افراد کو سونے، بیٹھنے کی جگہ میسر آ ہی جاتی تھی۔ موسم گرما میں بالخصوص جب آپ کے بیٹے بیٹیاں، اُن کے بچے اور اُن کے علاوہ بھی مہمان تشریف فرما ہوتے تھے، تو ہر ایک کے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام بآسانی ہو جاتا تھا۔ اگر آپ کے رہن سہن میں ذرا بھر بھی تکلف کا کوئی عنصر ہوتا تو گھر میں اتنی رونق اور چہل پہل کبھی بھی نظر نہ آ سکتی تھی، جتنی کہ ہُوا کرتی تھی۔ گھر میں مہمانوں کی آمد کو آپ باعثِ رحمت خیال فرماتے تھے۔

مولوی عبداللہ صاحب (کیلیفورنیا) کا ایک مضمون "قصرِ امیر ایدہ اللہ تعالیٰ" کے عنوان سے پیغام صلح کے شمارہ ۵ اکتوبر ۱۹۸۳ء میں چھپا تھا۔ مولوی صاحب موصوف نے اِس مضمون کا عنوان غالباً ربوہ کے "قصر خلافت" سے تقابل کے لیے منتخب فرمایا ہوگا۔ مضمون کا ایک اقتباس:

> ربوہ بس سے اُترتے ہی میری ملاقات، ایک سفید ریش بزرگ سے ہوگئی۔ سلام علیک اور مختصر تعارف کے بعد اس بزرگ نے "قصر خلافت" کے دیکھنے کی دعوت دی۔ خاکسار نے فوراً جواب دیا: "جناب میں امریکہ سے آیا ہوں جہاں ہر جانب شاندار عمارتیں نظر آتی ہیں۔ میں یہاں آپ کی جماعت کے بزرگوں کی ملاقات کے لیے آیا ہوں نہ کہ عمارات کو دیکھنے کے لیے"۔ اس کے بعد وہ بزرگ مجھے سیکرٹری صاحب کے دفتر میں لے گئے اور سیکرٹری صاحب سے میرا

تعارف کرایا۔

مجھے "قصرِ خلافت" کے اندرونی حصہ کو دیکھنے کا موقعہ نصیب نہ ہو سکا لیکن دور سے یہ عمارت دوسرے مکانوں کے مقابلہ میں ممتاز دکھائی دیتی ہے۔لیکن اُس مکان میں جسے "قصر امیر" کے نام سے منسوب کیا گیا ہے اس میں مجھے قیام کرنے کا موقعہ بھی ملا ہے۔ یہ مکان پانچ چھ کمروں پر مشتمل ہے جن میں کچن ڈائننگ روم بھی شامل ہیں اور اسی سائز کا مکان اس سے ملحقہ بستی کے سپرنٹنڈنٹ کے لیے ہے۔ گویا کہ مکان کے لحاظ سے امیر جماعت اور سپرنٹنڈنٹ میں کوئی امتیاز پیدا نہ کر کے صحیح اسلامی تہذیب کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

خداوند کریم کا شکر ہے کہ ہماری جماعت کے بزرگ اور سربراہ حضرت مولانا نورالدینؒ، حضرت مولانا محمد علیؒ، حضرت مولانا صدرالدینؒ نے اپنی رہائش کے لیے انجمن سے کبھی عالیشان کوٹھیاں بنوانے کی خواہش ظاہر نہیں فرمائی۔ فقیرانہ زندگی اختیار کی اور نمائش و ظاہری شان وشوکت کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ یہی حالت موجودہ امیر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی ہے۔ اسی بستی دارالسلام میں عالیشان کوٹھیاں بن گئی ہیں اور بن رہی ہیں۔ آپ نے کبھی انجمن سے امیر جماعت کے لیے بڑی کوٹھی بنوانے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔ جو مکان رہائش کے لیے مل گیا۔ اسی کو غنیمت خیال فرمایا۔

نفاست پسندی

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ایک نفیس اور باذوق شخص تھے۔ آپ کی نفاست اور خوش ذوقی

آپ کے لباس اور آدابِ طعام میں نمایاں طور پر نظر آتی تھی۔ ہر لباس آپ کی شخصیت کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا تھا۔ برطانوی طرز کے پتلون کوٹ ہوں یا شلوار قمیض، موقع کی مناسبت سے جو لباس بھی آپ زیبِ تن فرماتے تھے، صاف سُتھرا اور بے شکن ہوتا تھا۔ کبھی کبھار آپ کے سر پر پگڑی بھی نظر آتی تھی مگر عام طور پر قراقلی یا اُونی ٹوپی اوڑھتے تھے۔ آپ کے پاپوش ہمیشہ پالش شدہ اور صاف ستھرے ہوتے تھے۔ عموماً بوٹ یا پشاوری چپل آپ کے پاؤں کی زینت بنتے تھے۔ عیدین پر شلوار قمیض کے ساتھ واسکٹ یا شیروانی پہننا آپ پسند فرماتے تھے۔

آپ کے آدابِ طعام کا معیار بھی بالکل الگ سا تھا۔ کھانا نکالنے میں نفاست، لقمہ بنانے اور مُنہ میں ڈالنے میں نفاست۔ کھانا ہاتھ سے کھائیں یا چھری کانٹے اور چمچ کا استعمال کریں۔ آپ کے ہاتھ ہر حال میں ہی صاف سُتھرے نظر آتے تھے۔ رکابی میں احتیاط سے تھوڑا سا کھانا نکالتے تھے تاکہ کھانا بچا نہ رہ جائے یا ادھر اُدھر رکابی میں لگا ہوا نظر نہ آئے۔

میز پر صاف ستھرے اور نفاست سے چُنے ہوئے برتن اور کھانا آپ کو بھلا لگتا تھا۔ اگر کسی کی کوتاہی سے کوئی گیلا برتن یا پھل میز پر آ جائے تو آپ کو اُلجھن محسوس ہوتی تھی، اور نرمی سے اِس کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ آپ ہر قسم کا کھانا پسند فرماتے تھے اور کھانے میں نقص نہیں نکالا کرتے تھے۔ دوپہر کے کھانے میں پھل اور رات کے کھانے کے ساتھ میٹھا آپ کی ترجیح تھا۔ پھلوں میں آپ کو آم بے حد مرغوب تھے۔ موسم سرما کے تُرش پھل بھی آپ شوق سے کھاتے تھے۔ آپ پھل بے حد نفیس انداز سے تراشتے تھے۔ چھلکا اُتار کر برابر کی قاشیں تراشتے تھے اور آم کاٹنے کا تو آپ کا اپنا ہی ایک انداز تھا۔ درمیان سے کاٹ کر دو الگ الگ کٹوریاں سی بن جاتی تھیں، اور گٹھلی الگ ہو جاتی تھی۔ اور پھر اِن کٹوریوں میں سے چمچ سے گودا نوش فرماتے تھے۔

آپ کی کتب اور لکھنے پڑھنے کے سامان، میز اور الماری میں رکھی چیزوں میں خاص ترتیب نظر آتی تھی۔ اور یہ کام وہ خود ہی اپنے ہاتھ سے سرانجام دیتے تھے۔

آپ کی نفاست پسندی اور اعلیٰ ذوق عموماً لوگوں کو متاثر کرتا تھا۔

مہمان نوازی

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا دسترخوان ہمیشہ وسیع رہا ہے۔ مہمان داری اور مہمان نوازی آپ کی روزمرہ زندگی کا ایک لازمی جزو تھا۔ آپ اور آپ کے اہلِ خانہ مہمانوں کی آمد پر کبھی چِین بَجبین نہیں ہوئے۔ بلکہ مہمانوں کے لیے آپ کا در ہمیشہ وا رہتا تھا۔ اور آپ کے گھر میں ہر آنے والے کا استقبال خندہ پیشانی سے ہوتا تھا۔

آپ کی مہمان نوازی میں 'ضیفِ ابراہیمی' کی جھلک نظر آتی تھی، اور ایسی ہی مہمان نوازی اخلاقِ انسانی کے کمال کا اظہار کرتی ہے۔ مہمان سے سوال کیے بغیر کہ کھانا کھائیں گے یا نہیں، یا کیا کھائیں گے یا پئیں گے، فوراً بہتر سے بہتر غذا جو سہولت سے مہیا ہو اور آپ کی مقدرت میں ہو، مہمان کے سامنے پیش کر دینا ہی حقیقی مہمان نوازی ہے۔ گویا کہ مہمان سے سوال کرنا بھی ایک طرح سے آدابِ مہمان نوازی میں ایک نقص ہے۔ پھر یہ ہی نہیں کہ ہر نوع کے کھانے مہمان کے سامنے چُن دیئے جائیں بلکہ خود پیش کرنا اور مہمان کو اِصرار سے کھلانا، آپ کی مہمان نوازی کے لوازم میں سے تھا۔

ایک دفعہ میاں عمر فاروق صاحب گھر میں تشریف فرما ہوئے۔ گھر میں کھانے کے ساتھ کڑہی تھی۔ میاں صاحب موصوف، صاحب ثروت ہیں۔ ہر نوع کے لوازمات اُن کے دسترخوان کی زینت بنتے ہوں گے، مگر آپ کے ساتھ مِل کر کھانے میں میاں صاحب نے کڑہی میں جو لذت محسوس کی، اُسے وہ اب بھی یاد فرماتے ہیں۔

گھر میں مہمان کی آمد کو آپ باعثِ برکت و رحمت تصور کرتے تھے۔ آپ یقین رکھتے تھے کہ مہمان کی قسمت کا رزق اللہ تعالیٰ خود عطا فرما دیتا ہے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی ڈائری کی ایک تحریر:

۷۵/۳۔ ماسٹر عبداللہ صاحب امریکہ سے ۴۳ سال کے بعد مع اپنی دُختر فریدہ کے آئے ہیں۔ ہوائی اڈہ پر بعض لوگوں نے اُن کا استقبال کیا۔ میں بھی گیا۔ دو دِن احمدیہ بلڈنگس گذارنے کے بعد میرے ہاں آ گئے اور میرے گھر پر ہی اقامت پذیر ہو گئے۔ اُن کی صاحبزادی نسرین گل صاحبہ کے گھر رہیں۔ میں نے اللہ کا احسان جانا کہ مجھ عاجز کو ہی ایک مسافر بھائی کی مہمانداری کے لیے، لاہور جیسے شہر میں، جہاں بیسیوں اُن کے دوست موجود ہیں، مجھے ہی منتخب فرمایا۔ میں اللہ کی بندہ نوازی کا کیسے شکر ادا کروں۔ اُسی روز یا دوسرے روز ایک سابقہ مریض (سلیم خان) ہری پور سے آیا اور ایک ٹین خالص گھی کا لایا۔ اور دو دیگر دُور دراز کے مریض چالیس روپے دے گئے۔ اپنے مہمان کا خرچہ اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی بھیج دیا۔ ویسے میں باقاعدہ مطب نہیں کرتا۔

عموماً گھر میں مہمان کی خاطر مدارت کے لیے ٹھنڈے مشروبات، پھل اور چائے کے لوازمات کچھ نہ کچھ تو موجود رہتے تھے۔ اور اگر مہمان کی آمد کی اطلاع پہلے سے ہو تو مزید اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔ مگر خاطر مدارات میں آپ غیر ضروری تاخیر کو پسند نہ فرماتے تھے اور اپنے کمرے کی الماری میں چند اشیائے خوردنی از قسم خشک میوہ، بسکٹ، ٹافیاں اور چاکلیٹ رکھ لیا کرتے تھے، اور خود مہمانوں کو پیش فرماتے تھے۔

آپ کی مہمان نوازی سے متعلق تاثرات بہت سی تحریرات میں موجود ہیں۔ اُن میں سے چند اقتباسات:

۱۔ میری چھوٹی بہن کو ٹی بی ہو گئی۔ اُس کو علاج کے لیے ڈاڈر سینیٹوریم لے جانا پڑا۔ تیمارداری کے لیے میری والدہ اور میری بہن کو ساتھ جانا پڑا۔ ڈاکٹر

صاحب کا اصرار تھا کہ وہ ان کے گھر اُن کے پاس رہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ میں نے تعلیم مکمل کر لی تھی اور اب لوگوں کے تشخص کا بخوبی مطالعہ کر سکتی تھی۔ میں ایبٹ آباد کے سکول میں بہن کی بیماری کے دوران پڑھانے لگی۔ لیکن ڈاڈر کا چکر لگتا رہتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا گھر جماعت کے بیماروں کے لیے گوشۂ عافیت تھا۔ صبح سے رات تک مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا۔ نہ اُن کے نوکر تھکتے نہ اہل خانہ کے ماتھے پر بل آتا۔ (”چند یادیں چند باتیں“، رضیہ مدد علی صاحبہ۔ پیغام صلح نومبر، دسمبر ۱۹۹۷ء)۔

۲۔ لاہور میں مجھے آپ کی جس خوبی کے مشاہدے اور اُس سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل ہوئی، وہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا ہر ایک سے ملنا، مہمان نوازی اور غیر رسمی رویہ تھا۔ جو بھی چاہتا، آپ سے کسی بھی وقت مل سکتا تھا اور بلا تکلف جا کر آپ کے پاس بیٹھ کر بات کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کی بیماری کے آخری تین برس میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا سوائے اُس وقت کے، جب آپ کو زیادہ آرام کی ضرورت محسوس ہوتی۔ آپ مہمان کی تواضع کے لیے کھانے پینے کی اشیاء لانے کو کہتے اور نہایت شفقت سے ہمارے سامنے رکھتے۔ بعض دفعہ آپ بذاتِ خود پھلوں کے چھلکے اُتارتے اور پھل ہماری پلیٹ میں رکھ دیتے۔ (”ہمارے شفیق رہنما اور ایک درخشندہ مثال“، ڈاکٹر زاہد عزیز، پیغام صلح نومبر، دسمبر ۱۹۹۷ء)۔

۳۔ ایبٹ آباد میں بھی عجیب وغریب نظارے میں نے دیکھے۔ لوگ دور دور سے نماز کے لیے آتے۔ آپ اُن کی کھانے اور چائے سے تواضع بھی فرماتے۔ (”ایک مجاہد اور عاشقِ قرآن کا ذکر“، راجہ محمد بیدار، پیغام صلح نومبر، دسمبر

۱۹۹۷ء)۔

۴۔ (ایبٹ آباد میں) یوم عید ہمارے لیے بے حد پُرمسرت ہوتا تھا۔ ہم عید کی نماز کے لیے مسجد میں جاتے تھے، جو آپ کے گھر سے ملحق تھی۔ ہم جان جی کے خوش کُن خطبے سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ، عید کی تقریب کے لیے، آپ کے گھر میں خاص طور پر تیار کردہ مٹھائیوں کا لطف بھی اُٹھاتے تھے۔ (ڈاکٹر حامد رحمان، تحریر برائے حیات سعید)۔

۵۔ مجھے ابھی تک وہ دِن یاد ہیں جب میں جان جی کے کمرے میں اُن کی معیت میں کھانا کھایا کرتی تھی۔ آپ خود میری پلیٹ میں مرغی کی بوٹی ڈال دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ خاص میری طرف سے، آپ کے لیے ہے۔ اگرچہ میں سیر ہو چکی ہوتی تھی مگر پھر بھی میں اسے کھانے سے کبھی انکار نہ کرتی تھی۔ (ثمینہ ملک، تحریر برائے حیاتِ سعید)۔

۶۔ میں اور میری والدہ ماجدہ ایک دفعہ دارالسلام میں حضرت امیرِ قوم سے ملنے اُن کے گھر گئے، تو اپنی بیٹی صفیہ باجی کو بلوایا اور پھر انتہائی محبت سے فرمایا کہ یہ ہمارے بہت پیارے اور مخلص لوگوں کی اولاد ہیں۔ اِن کی عزت، خدمت اور خاطر تواضع کریں۔ مجھے حضرت امیر قوم کا وہ انداز کبھی بھی نہ بھولے گا۔ ویسے عزت کرنے والے لوگ اب کم ہی نظر آتے ہیں۔ (آفتاب احمد، کچھی، تحریر برائے حیاتِ سعید)۔

ملازمین سے حُسنِ سلوک

گھریلو کام کاج میں مدد دینے کے لیے ایک وقت میں بعض اوقات کئی ملازم گھر میں موجود

ہوتے تھے۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اُن میں سے ہر ایک کے ساتھ شفقت سے پیش آتے تھے، اور آپ گھر کے باقی افراد کی طرح اُن کے بھی 'جان جی' تھے۔ آپ کے گھر میں اکثر ملازمین نے اپنی زندگیاں بسر کر دیں۔ نہ وہ آپ کو چھوڑنے کو تیار تھے، اور نہ آپ کسی کو کبھی بلا وجہ برطرف فرماتے تھے۔ چھوٹی موٹی غلطیوں کو درگذر فرماتے تھے اور اُن کی اخلاقی تربیت کی طرف بھی توجہ دیتے۔ نماز میں اپنے ساتھ شامل فرماتے اور اگر کسی ملازم نے قرآن ناظرہ بھی نہ پڑھا ہوا ہوتا، تو آپ ترغیب دلاتے کہ وہ قرآن پڑھنا سیکھ لے۔ کئی خادمائیں آپ کے گھر میں اپنے کم عمر بچوں کے ساتھ رہیں۔ آپ نے اُن کے بچوں کو بھی تعلیمی سہولیات مہیا کرنے کا بندوبست فرمایا۔ اور جب بچے بڑے ہو گئے اور اپنی قابلیت کے مطابق روزگار پر لگ گئے تو وہ اپنی ماؤں کو بھی ساتھ لے گئے۔ آپ نے اُنہیں خوشی سے رُخصت کر دیا۔ کم عمر لڑکیوں کے سنِ بلوغت پر پہنچنے پر بیاہ شادی کا انتظام آپ خود فرما دیتے تھے یا پھر وارثین کی خواہش کے مطابق بطورِ احسن رخصت فرما دیتے تھے۔

آپ ملازمین کو عزت سے بلاتے تھے اور اپنے بچوں کو بھی ایسی ہی ہدایت فرماتے تھے۔ اگر کسی ملازم کا کوئی بے معنی سا نام ہوتا، یا کوئی ناپسندیدہ نام اُسے بلانے کے لیے استعمال کیا گیا ہوتا تو آپ اُسے ناپسند فرماتے تھے، اور کوئی اچھا سا بامعنی نام اُسے دے دیتے تھے، تاکہ اُسے کوئی احساسِ کم تری نہ ہو۔

محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ کی تحریر سے ایک اقتباس:

> سادہ لباس و خوراک، صحیح مساوات کا نقشہ۔ اُن کے بچے مرد نوکروں کو عمر کے مطابق 'لالہ' یا 'کاکا' کہتے اور عورت ملازمہ کو 'ماسی' کہتے تھے۔ اُن کے بچے اور ملازمین کے بچے ایک ہی یونیفارم میں ڈاڈر کے پرائمری سکول میں پڑھتے تھے۔ ("چند باتیں چند یادیں"، پیغامِ صلح نومبر، دسمبر ۱۹۹۷ء)۔

محمد زمان لالہ جب آپ کے گھر ملازم ہوئے تو نوجوان تھے۔ شادی ہوئی اور بال بچوں

سمیت آپ کے ہی زیرِ سایہ رہے، یہاں تک کہ ۱۹۷۴ء میں جب دارالسعید بلوائیوں کے نرغہ میں تھا، وہ مسلسل دفاعی تدابیر میں شامل رہے۔ اسی طرح گھر کی ملازمہ سرور جان ماسی نے وفاداری سے اہلِ خانہ کا ساتھ دیا۔ بلکہ دفاعی کاروائی میں بھی شامل رہیں اور بندوق کے چھروں سے معمولی طور پر زخمی بھی ہوئیں۔ وقتِ ہجرت یہ دونوں جان نثار ملازم آپ کے ہمراہ لاہور آئے۔

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے اوصافِ حمیدہ کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر کے ضبطِ تحریر میں لانا اتنا سہل نہیں، کیونکہ آپ کے ہر ایک وصف میں کسی دوسرے وصف کی جھلک نظر آتی ہے۔ مگر انسانیت کے ہر وصف سے آراستہ پیکرِ خُلق، بالآخر صرف سعید احمد ہیں، ایک عاجز انسان۔





چھبیسواں باب

سب کے پیارے ہمارے جان جی

فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ

پھر اسے نسب والا اور سسرال والا بنایا۔ (الفرقان ۲۵: ۵۴)

نسب وصہر کے باہمی تعلق سے ایک نئے خاندان کی بنا پڑتی ہے۔ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے والے مرد وزن، اپنے اپنے گھرانوں کے ماحول اور تمدن کے باہمی امتزاج سے ایک نئی گرہستی کا آغاز کرتے ہیں۔ اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اولاد کی جسمانی اور روحانی پرورش پر نسب اور سسرال دونوں کسی نہ کسی رنگ میں اثر انداز ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے نکاح میں آنے والی دو پاک طِینت ہستیاں، ہر لحاظ سے آپ کی زوجیت کی اہل تھیں۔ یوں تو ؎ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است، مگر اعلیٰ ظرفی، رواداری، قناعت وغنا اِن کی اقدارِ مشترک تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اپنی ازدواجی زندگی کے بیشتر سال ان دو ہستیوں نے ایک ہی چھت کے نیچے رواداری اور خوش اسلوبی سے بسر کیے اور یہی اقدار اُن کی اولاد کی پرورش میں کارفرما رہیں۔

اِن اعلیٰ ظرف خواتین کی قناعت اور غنا کی واضح کیفیت ہجرتِ لاہور کے بعد اُس وقت سامنے آئی، جب اپنے بسے بسائے گھر بار اپنی آنکھوں کے سامنے خاک وخاکستر ہوتے دیکھے اور ایک بے سروسامانی کے عالم میں نئے سرے سے گھر گرہستی شروع کی۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے ایبٹ آباد کی جائیداد کا کچھ حصہ فروخت کر کے گذر

اوقات کے لیے کچھ سرمایہ مہیا کیا تھا۔ آپ نے اِس میں سے اپنی دونوں بیگمات کو بھی کچھ رقم پیش کی۔ اگرچہ دونوں سے علیحدگی میں بات ہوئی مگر دونوں کا جواب ایک دوسری سے مختلف نہ تھا۔ وہ یہ کہ ہماری ضروریات کے پہلے بھی آپ کفیل تھے، اور اب بھی آپ ہر ضرورت پوری کر رہے ہیں۔ علیحدہ یہ رقم ہم آپ سے کس لیے لیں گے اور وہ بھی آج کے ایسے حالات میں؟

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اپنے نسب وصہر کے تمام رشتوں کے قدردان تھے، اور تمام عمر سب کو ایک خاندان کی طرح ساتھ لے کر چلے۔ نسب کی طرف سے آپ کی اکلوتی ہمشیرہ کے علاوہ تین چچازاد بھائی تھے اور صہر کی جانب سے دو برادرانِ نسبتی، جو محبت و مروّت کے مضبوط رشتے میں آپ کے ساتھ ہمیشہ منسلک رہے، اور یوں آپ سب کے "جان جی" ہو گئے۔

"جان جی"! اِس اچھوتے اور دل پذیر لقب کی روایت بھی الگ سی ہے۔ آپ کی ہمشیرہ نے اپنے صاحبزادے مبارک عبداللہ کو آپ کو 'ماموں جان' کہہ کر بلانا سکھایا تھا۔ دیہات میں عموماً رشتے کے ساتھ 'جی' کہہ کر بلایا جاتا ہے۔ اس لیے اُنھوں نے ازخود ماموں جان کے ساتھ 'جی' کا اضافہ کر لیا اور 'ماموں جان جی' کہنے لگے۔ مگر جب آپ کی بھانجی رقیہ نے بولنا سیکھا تو 'ماموں' کا تکلف ہی برطرف کر دیا اور آپ کو "جان جی" بلانے لگیں۔ یہ چھوٹا سا محبت بھرا نام آپ کی شخصیت پر ایسا جچا اور ہر ایک کو اِس قدر بھا گیا کہ آپ گھر بھر کے جان جی ہو گئے۔ جس گھرانے میں جان جی کی پیدائش اور پرورش ہوئی وہ گنتی کے چند نفوس پر مشتمل تھا، اور اس سے قبل کی تین چار پشتوں میں بھی کوئی کثیر الاولاد شخص نظر نہیں آتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثیر اولاد عطا فرمائی۔ آپ کے دو لختِ جگر عبدالحئی (اول) اور عبدالکریم (اول) صِغَر سنی میں اپنی ماؤں کی گودیں سُونی کر گئے تھے۔ اِن کے علاوہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سات فرزند اور چھ بیٹیاں عطا فرمائیں، جن کی تربیت اور پرورش میں آپ نے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ آپ نے اپنی اولاد میں سے ہر ایک کو بہترین مروجہ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم فرمائے کہ یہ حصولِ روزگار اور باعزت معاشرتی زندگی کے لیے اہم ہیں۔ مگر با اخلاق و

باکردار انسان بنانے کے لیے دینی علوم سے آگاہی کی اہمیت کو آپ نے ہرگز نظر انداز نہیں کیا، اور بہترین سازگار و خوش گوار گھریلو ماحول میں اپنی اولاد کی دینی اور اخلاقی تربیت کی، جس کی بدولت آپ کی اولاد کو بالخصوص فرزندان کو حصولِ روزگار کے اچھے مواقع نصیب ہوئے اور عمدہ اخلاق اور کردار کی وجہ سے ہر جگہ باعزت اور نیک نام رہے۔ جان جی کے اعلیٰ اخلاق، ایمان داری اور صداقت کی شہرت ہر مقام پر مُسلَّم تھی اور عوام آپ کی اولاد کو بھی انہی اوصاف کا حامِل مانتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے فرزند اکرام سعید ایک ریونیو افسر کے سامنے بطورِ گواہ پیش ہوئے۔ اُس افسر نے مدعی کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے کہا کہ خان بہادر صاحب کے بیٹے کی گواہی کے بعد کسی دوسرے گواہ کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ یہ کئی ایسی مثالوں میں سے ایک ہے، جو آپ کی اپنی اور آپ کے خاندان کی نیک نامی کی دلیل ہیں۔

آپ کے بڑے صاحبزادے عبدالحئی بطور معالج بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے۔ امراضِ نظامِ تنفس کی تشخیص کے ایک آلہ کی ایجاد کا سہرا بھی ان کے سر ہے۔ جبکہ آپ کے چھوٹے فرزند زاہد کا شمار امراضِ معدہ کے چوٹی کے معالجین میں ہوتا ہے۔ اُنہوں نے معدہ میں اخراجِ خون کو فوری طور پر بند کرنے کا ایک آلہ 'سعید سِکس شُوٹر' (Saeed Six Shooter) کے نام سے عالمی سطح پر متعارف کروایا ہے۔ عبداللہ سعید بہترین عسکری خدمات سرانجام دینے کے علاوہ سفارت کے عہدے پر تعینات ہوئے۔ محمد سعید، اکرام اور ناصر بھی افواجِ پاکستان سے وابستہ رہے اور بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ تاہم احمدیت سے وابستگی، اُن کی اعلیٰ ترین عہدے پر ترقی کی راہ میں حائل رہی۔ عبدالکریم (پاشا) کے دستِ شفا کا اعتراف ضلع ہزارہ کے اُن باشندوں کو بھی کرنا پڑا، جو خود جان جی کی ناقدری کا ارتکاب کر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اِس فرزند کو (آپ کی وفات کے چھ سال بعد) جماعتِ احمدیہ لاہور کی امارت کا اعزاز بھی عطا فرمایا۔

جان جی نے اپنی سب بیٹیوں کو اپنے اپنے گھروں میں آباد اور خوش حال دیکھا۔ آپ نے

اپنی سب سے بڑی بیٹی عائشہ کو ڈاکٹری کی تعلیم دلوائی۔ اُس زمانے میں لڑکیوں کا قریب ترین میڈیکل کالج لدھیانہ (مشرقی پنجاب) میں تھا۔ آپ نے فاصلے اور اعتراضات کی پرواہ کیے بغیر اپنی بیٹی کو وہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ آپ کی اپنی بڑی بیٹی سے بہت سی توقعات وابستہ تھیں، بالخصوص یہ کہ وہ اپنی چھوٹی بہنوں کے لیے، جو اُن سے دس سے بیس سال تک چھوٹی تھیں ایک عمدہ مثال ثابت ہوں۔ بڑی آپا نے آپ کی اِس خواہش کا احترام کرتے ہوئے، اپنی زندگی بے حد سلیقے قرینے سے بسر کی۔ وہ کچھ عرصہ تک علامہ اقبال میڈیکل کالج میں بطورِ پروفیسر خدمات انجام دیتی رہیں۔ اُن کے رفقائے کار اور شاگرد اُنہیں بے حد احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپا اور اُن کے شوہر مرزا عبدالرحمان بیگ نے امریکہ کی شہریت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تو امریکہ روانگی سے قبل جان جی نے اپنا اناٹومی میں حاصل کردہ میڈل آپا کو بطورِ تحفہ پیش کیا جو باپ بیٹی دونوں کے لیے خوشی کا باعث ہوا۔ جان جی کی ڈائری سے اقتباس:

> میں نے اپنا اناٹومی کا (Beli Ram Lamont Medal) بیلی رام میڈل جو ۱۹۲۰ء میں ملا تھا اور یہی سال عائشہ کی پیدائش کا تھا اور مجھ سے پہلے کسی مسلم طالب علم کو نہ ملا تھا، عائشہ کو پیش کیا تو وہ اِس قدر خوش ہوئی کہ مجھ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ میری روح کو بڑی تسکین ملی اور میں بھی بہت رویا۔ اور اُن کے سفر اور نئے وطن میں سلامتی سے زندگی کی دُعا دِل سے نکلی۔ تریسٹھ سال کی یادیں عائشہ کے ساتھ کی ہیں۔

اولاد کی شادیوں سے نئے رشتے متعارف ہوئے اور قرابت داری کا سلسلہ کئی دوسرے خاندانوں سے جُڑ گیا۔ آپ نے اپنی بہوؤں اور داماد وں اور اُن کے خاندانوں کو محبت اور احترام کا مقام عطا کیا۔ اور اُنہیں اپنے خاندان کا ہی حصہ جانا۔ جب آپ کے تین بیٹوں، محمد سعید، پاشا اور ناصر کی نسبت ایک ہی سال میں، احمدی گھرانوں میں طے پا گئی تو آپ بے حد مسرور و مطمئن تھے۔

ایک دن آپ نے فرمایا (راقمہ کی موجودگی میں):

میں اپنے تصور میں دیکھتا ہوں کہ اذان کی آواز پر میری بہوؤں کے قدم مسجد کی طرف بڑھتے ہیں، اور جب گھر لوٹ کر آتی ہیں تو گھر کا آنگن خوشیوں سے بھر جاتا ہے۔ اس طرح گھر اور مسجد میں بڑھتی ہوئی رونق کا احساس اور تصور میرے لیے خوش کُن اور طمانیت کا باعث ہے۔

دُنیاوی خوشحالی یقیناً مسرور کُن ہوتی ہے مگر جان جی کی خوشی اور اطمینانِ قلب اپنی اولاد کی نیک شہرت، جرأتِ ایمانی اور احمدیت پر استقامت سے وابستہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضلِ خاص سے آپ کی اولاد نے آپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے، کسی معاشی، معاشرتی یا سماجی دباؤ کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے اور 'دین کو دُنیا پر مقدم' رکھنے کے عہد پر ثابت قدم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد کو کسی نہ کسی رنگ میں اپنے اپنے حالات اور استطاعت کے مطابق کچھ نہ کچھ خدمتِ دین کا موقع بھی نصیب فرمایا۔

جان جی نے جس روحانی چشمۂ شیریں سے اپنے گلستان کو سیراب فرمایا تھا، آپ نے اُس کے اثمار کی شیرینی کو بھی اپنی زندگی میں محسوس فرمایا۔ آپ کی اولاد آپ کی تابع فرمان رہی اور ہمیشہ اس بات کی خواہش مند رہی کہ اُن کے کسی فعل وقول سے آپ کے اُس اعتماد اور مان کو ٹھیس نہ پہنچے جو آپ کو اپنی اولاد پر تھا۔ آپ اپنی اولاد کو خوش حال، دین و دُنیا میں کامران اور باہمی تعلقاتِ مروت ومودت سے آراستہ دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کے تمام بیٹے بیٹیاں بھی اِس بات کے خواہاں تھے کہ جان جی کی رضا اُنہیں حاصل رہے۔ آپ کے اہل وعیال آپ کی زندگی میں ایک مالا میں پروئے ہوئے موتیوں کی طرح مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے۔ آپ اپنی تمام اولاد سے خوش تھے۔ اگرچہ آپ نے اپنی ذات کے لیے اُن سے کوئی توقعات وابستہ نہیں رکھی تھیں لیکن کبھی کسی نے کوئی حُسنِ سلوک کیا تو اُس کی قدر دانی ضرور فرمائی۔

جان جی کی ایک تحریر:

میں چاہتا ہوں کہ اپنے حافظے کی بنا پر اولاد کے احسان و مروت کی کچھ یاداشت ضبطِ تحریر میں لاؤں۔ حقیقی حساب اللہ کے پاس ہے اور اجر بھی اُس کے پاس ہے۔ میں اپنی سب اولاد سے خوش ہوں اور کسی سے کوئی شکایت نہیں۔ حالات اور طبائع کے اختلافات قانونِ الٰہی سے ہیں۔ میں نے آج تک کوشش کی ہے کہ اپنے سب بچوں سے محبت کروں، اور اُن پر حتی الوسع بوجھ نہ ڈالوں۔ تاہم اگر کچھ بوجھ اُن پر ناگزیر طور پر پڑے بھی، تو میں اُسے بُرا نہیں سمجھتا اور مجھے یقین ہے کہ اُن کے حق میں ہرگز بُرا نہ ہوگا۔ سب ہی مروت رکھتے ہیں، محبت اور اطاعت بھی کرتے ہیں۔ وَ اللّٰہُ عِنۡدَہٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ○۔ (اور اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ اس کے پاس بڑا اجر ہے) (التغابن ۱۵:۶۴)۔

جان جی کی زندگی میں آپ کے اہل وعیال میں سے چند قیمتی نفوس آپ کو داغِ مفارقت دے گئے تھے۔ اِن میں آپ کا جواں سال پوتا مظفر احمد سعید، میاں محمد احمد (داماد) عبداللہ سعید (فرزند)، بی بی اُم ِکلثوم (زوجہ)، بی بی زینب سعید (زوجہ)، فیروز عالم (داماد) اور انجم سعید (بہو) شامل ہیں۔ آپ نے اپنے پیاروں کی جُدائی پر صبرِ جمیل کا اعلیٰ ترین نمونہ دکھایا۔

جان جی کی زندگی میں آپ کی پوتیاں نواسے نواسیاں بھی صاحب اولاد ہو چکے تھے۔ آپ کی وفات کے وقت، ماشاء اللہ، آپ کا کُنبہ اتنا پھل پھول چکا تھا کہ اگر سب خاندان ایک ہی مقام پر رہائش پذیر ہوتا تو 'دارالسعید' ایک چھوٹی سی بستی کی صورت اختیار کر لیتا۔

جان جی نے اپنی زندگی میں ہم سب بہن بھائیوں کو صلہ رحمی، باہمی اتفاق، مروت وحسنِ سلوک کا درس دیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد ہمارے بڑے لالہ (عبدالحیٔ سعید) بھی اپنے بہن بھائیوں کو اسی طرح ایک دوسرے سے باہمی اتفاق کے ساتھ زندگی میں آگے بڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے، اور اسی قسم کی خواہشات کا اُنہوں نے اظہار بھی فرمایا۔ جان جی کی دائمی جدائی کے دو

چار روز بعد لالہ نے لاہور میں موجود تمام بہن بھائیوں کو جان جی کے کمرے میں بلوایا اور نہایت دھیمے اور محبت بھرے لہجے میں ہم سب سے مخاطب ہوئے:

> ہمارے والدین، ہمارے لیے ایک مرکز کی حیثیت رکھتے تھے اور ہم ہر حال میں اُن سے وابستہ رہتے تھے، اور اس طرح ایک دوسرے سے تعلق رکھنے کے مواقع بھی عام تھے۔ وہ اب ہم میں نہیں رہے، مگر ایک دوسرے سے حُسنِ سلوک اور مروت جیسی اقدار اب بھی ہم میں موجود ہیں۔ ایک دوسرے سے وابستگی کے لیے اِن اقدار کی پاسداری ہم سب کو کرنا ہوگی اور ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھنے کے لیے خط و کتابت، فون پر گفتگو، میل ملاقات کا سلسلہ، جس طرح بھی ممکن ہو سکے جاری رکھنا ہوگا۔

تمام بہن بھائی آبدیدہ، مہر بہ لب بھائی کی گفتگو سُن رہے تھے۔ اس سوگوار ماحول میں اللہ جانے مجھ میں یہ تابِ سُخن کہاں سے پیدا ہوگئی کہ میں گویا ہوئی:

> لالہ! مجھے بھی آپ سے کچھ عرض کرنا ہے۔ وقتِ رخصت جان جی مجھے اپنے گھر میں چھوڑ کر گئے ہیں، جو ہم سب کا گھر ہے۔ میں یہ سمجھتی ہوں کہ اب میں اس گھر میں رہوں یا کسی دوسرے مکان میں منتقل ہو جاؤں، وہ گھر جان جی کا ہی گھر تصور ہوگا اور ہم سب کا گھر ہوگا۔ میری خواہش ہے کہ میرے سب بہن بھائی اور عزیز اِس گھر میں اُسی طرح آئیں اور رہیں جیسا کہ جان جی کی زندگی میں سب کا دستور تھا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے سب بہن بھائیوں نے مجھ ناچیز کی اِس خواہش کا آج دِن تک احترام کیا ہے۔ لالہ نے جن توقعات اور خواہشات کی تمنا اپنے بہن بھائیوں سے کی تھی وہ اُن پر خود بھی عمل پیرا رہے۔ لالہ کے میرے نام دو خط، ایک جو اُنھوں نے جان جی کی وفات کے بعد، اور دوسرا اُن کی اپنی وفات سے کچھ پہلے مجھے لکھے، شامل ہیں:

پہلا خط۔ ۸ دسمبر ۱۹۹۶ء

میری پیاری صفیہ۔

ہمارے جان جی جیسا کوئی دوسرا کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔ آپ کی اولاد کے دلوں میں آپ کی یاد ہمیشہ زندہ رہے گی۔ اور وقت کے ساتھ کم ہرگز نہ ہو سکے گی۔ وہ سب کچھ جو جان جی نے ہم سب کے لیے کیا ہے اور جو خوشیاں آپ نے ہمیں باہم پہنچائی ہیں، وہی ہماری زندگی کا بہترین سرمایہ ہے۔ جانجی کی زندگی کے آخری چند برس آپ اُن کے ہمراہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔ میں اپنے سب بہن بھائیوں کو اپنے ساتھ ایک برابر تصور کرتا ہوں۔ اپنے وعدہ کے مطابق، میں سب سے اپنا رابطہ قائم رکھوں گا۔ اور سب کے دُکھ سُکھ میں شریک رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خوشیوں سے نوازے۔

تمہاری طرف سے اپنے ساتھ رابطہ رکھنے اور سب کے لیے مہمان نوازی کی پیشکش سے تمہارے جذبۂ مروت کا اظہار ہوتا ہے۔

عطیہ اور سلیمہ تمہیں سلام بھجواتی ہیں۔

ہمیشہ کی طرح تمہارا، لالہ (حیٔ) (انگریزی سے ترجمہ)

دوسرا خط۔ ۲۴ جون ۲۰۰۹ء

میری پیاری صفیہ،

اپنی واپسی کی اطلاع دینے کا شکریہ۔ کینیڈا میں وحید اور اہلِ خانہ کے ساتھ پُرلطف وقت گذرا ہوگا۔ تم ناصر کے غم کی گھڑیوں (اہلیہ کی وفات) میں اُس کے پاس تھیں اور اُس کے غم میں شریک رہیں۔ میں نے کئی مرتبہ اس سے فون

پر رابطہ کی کوشش کی ہے مگر کامیابی نہ ہوسکی۔

میرے ساتھ عطیہ بھی تمہیں بہترین خواہشات کا پیغام بھیج رہی ہیں۔

پیار کے ساتھ، لالہ (انگریزی سے ترجمہ)

جان جی کی پاکیزہ محبت اور روحانی فیوض کے چشمۂ رواں سے سیراب ہونے والے کسی ایک گھرانے، طبقے یا جغرافیائی حدود تک محدود نہ تھے۔ ذیل کی تحریرات آپ کے دلدادہ اور جی، جان سے آپ کو اپنا جان جی سمجھنے والوں نے راقمہ کی خواہش پر حیاتِ سعید کے لیے "میرے جان جی" کے عنوان سے قلم بند کیے ہیں۔ (جَزَاھمُ اللہ وَ اَحْسَنُ الْجَزَاء)۔

عبدالغفور ثاقب صاحب (چچازاد بھائی)

تیری صفات کس طرح کیسے عیاں کروں
کیا کیا ترے وجود کی برکت بیاں کروں

ایک دفعہ میں نے جان جی کو بتایا کہ گاؤں کی مسجد میں، اس دفعہ میں نے بھی کچھ نمازیں پڑھائی ہیں۔ اُنہوں نے مجھے گلے لگایا اور کہنے لگے ہمارے آباؤ اجداد صالحین میں سے تھے اور دیگر اس میں ہمارے بزرگوں کی اعلیٰ روایات ہیں اور ہمیں اِن روایات کو revive (زندہ) کرنا ہے۔

ایک دفعہ میں اور شیخ زادہ محمد اسماعیل جو پاس کے گاؤں شیخ آباد کا رہنے والا تھا، ہم دونوں پیدل ہم سفر ہو گئے۔ میرے ہاتھ میں کچھ رول کیے ہوئے کاغذات تھے۔ اُس کے استفسار پر میں نے اُسے بتایا کہ یہ کاغذات میرے آرٹ سے متعلقہ ہیں۔ اُس نے وہ دیکھنے کی خواہش کی۔ اِن کاغذات میں جان جی کا ایک پنسل سکیچ، جو کچھ دِن پہلے ہی میں نے بنایا تھا، وہ بھی شامل تھا۔ جب اُس نے جان جی کا سکیچ دیکھا تو بے ساختہ 'زندہ باد' کا نعرہ لگایا، اور کہنے لگا کہ ڈاکٹر صاحب کی میں

تعریف کرنے کے قابل تو نہیں لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر کسی انسان کو سجدہ کرنا روا ہوتا تو بخدا میں ان کو سجدہ کرتا۔

محسن ثاقب کو جب اپنے ایم بی بی ایس میں کامیابی کا پتہ چلا تو وہ فوری طور پر دارالسلام جان جی کو یہ خوش خبری سنانے گیا۔ جان جی نے اُسے گلے لگایا اور کہنے لگے کہ گذشتہ شب ہی میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ کسی جگہ بلند بالا بلڈنگز کے دامن میں کچھ لوگ جمع ہیں۔ میرے استفسار کرنے پر اُنہوں نے کہا کہ ہم محسن کو مبارک باد دینے آئے ہیں۔ جان جی محسن کی کامیابی کے لیے بہت دُعائیں کرتے تھے۔ اپنے آخری ایام میں ایک دفعہ اُنہوں نے محسن سے کہا کہ میرا دِل بہت چاہتا ہے کہ میں تمہیں اپنے بزرگوں کی قبروں پر لے جاؤں اور ایک ایک قبر کے بارے میں تمہیں بتاؤں۔ ایک شام جب ہم اُن کی عیادت کے لیے شیخ زید ہسپتال گئے تو اُنہوں نے پوچھا: "میرا دُعا گو نہیں آیا؟"

جان جی کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ ایک کشتی پھولوں سے لدی پھندی آسمان سے دارالسلام کے قبرستان میں اُتری ہے اور ایک مختصر وقت ٹھہرنے کے بعد پھر آسمان کی جانب روانہ ہوگئی۔ (یہ صاحب بھی جان جی کے لیے بہت دُعا کرتے تھے)

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

عبدالغفور ابن حکیم مولوی محمد یعقوب۔ سکنہ دیگراں

اِس تحریر کے ہمراہ، میرے ماموں عبدالغفور ثاقب نے مندرجہ ذیل نوٹ میرے نام لکھا تھا:

> اگر میرے تحریر کردہ اِن صادق واقعات میں کوئی واقعہ آپ کی نظر میں نامناسب ہو یا اِس کتاب کے معیار پر پورا نہ اُترتا ہو، تو آپ بے شک اِس کا

وہ حصہ شامل نہ کریں۔ یا اگر آپ اس تمام مضمون کو کسی وجہ سے موزوں نہ سمجھیں تو اُس کو یک قلم منسوخ کر دیں۔ یہ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر نہایت دیانت کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ اتنی محنت اور عرق ریزی سے لکھی گئی یہ سوانح حیات تمام تر شک وشبہات سے پاک ہو۔ آپ نے ایک عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا ہے، جو ہمارے تمام خاندان کے لیے عزت کا باعث ہو گا۔ اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بھی۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ وَمَا شَآءَ اللّٰہُ۔

عائشہ رحمان بیگ

نوٹ: عائشہ رحمان بیگ، جان جی کی بڑی صاحبزادی اِس دنیائے فانی میں اب نہیں ہیں۔ اُن کی دُختر زاہدہ بیگ نے اپنی والدہ سے شنید واقعات، انگریزی میں قلم بند کیے ہیں۔ یہ تحریر اِسی سے ماخوذ ہے۔

جان جی، میرے والد نے میری پرورش اور تربیت کچھ ایسے انداز میں فرمائی کہ اُن کی خوداعتمادی اور قوتِ ایمانی میری شخصیت پر نمایاں طور پر اثر انداز ہوئی۔ ہستیِ باری تعالیٰ کی پہچان اور اُس ذاتِ باصفات کی نہاں درنہاں، باریک تدابیر پر میرا یقین کامِل بھی، آپ ہی کی تربیت اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے۔ میرے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کو آپ نے کچھ اس خوبی سے اجاگر فرمایا کہ میرے دِل میں ڈاکٹر بننے کی لگن پیدا ہوگئی، جو وقت کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتی رہی اور بالآخر میں ایک کامیاب ڈاکٹر بن گئی۔

یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب جان جی تپِ دق کے موذی مرض میں مبتلا تھے۔ آپ آرام کی غرض سے پشاور سے رُخصت لے کر دیبگراں آ گئے۔ اور چند روز کے بعد گاؤں سے چند میل کے

فاصلے پر کوہِ بھینگڑہ کے چیڑھ کے گھنے جنگلات میں خیمے نصب کروا کر وہاں رہائش اختیار کر لی۔ میری والدہ، میرا چھوٹا بھائی عبدالحیٔ اور میں آپ کے ہمراہ گئے۔ یہ مقام نہایت پُرفضا اور خوش منظر ہونے کے ساتھ ساتھ خاصا پُرخطر بھی تھا۔ اسلحہ بردار ملازمین موجود رہتے تھے۔ اور اُنہی کی نگرانی میں ہم دونوں بہن بھائی گھومتے پھرتے رہتے تھے۔

یہ علاقہ دُنیا سے الگ تھلگ تھا۔ شاذ ہی کسی نے کسی ڈاکٹر سے علاج کروایا ہوگا۔ جانے کیسے یہ خبر وہاں پھیل گئی کہ ڈاکٹر سعید احمد خان اِس جنگل میں آن بسے ہیں۔ لوگ علاج معالجے کے لیے آنے لگے۔ جان جی حادثاتی ضروریات کے لیے ادویات ہمراہ لائے تھے، اس لیے مریض مایوس نہ لوٹتے تھے۔ ایک دن ایک شخص اپنے نابینا باپ کو کاندھے پر بٹھائے، ہمارے خیمے میں چلا آیا۔ وہ عرصہ سے موتیا کی وجہ سے بینائی کھو چکا تھا۔ بظاہر ایسا سامان کوئی نہ تھا جس سے جان جی اُس کا علاج فرماتے، مگر آپ نے اُسے مایوس نہ کیا اور جلد سامانِ جراحی، اپنے ذرائع سے منگوا لیا۔

ایک روز عبدالحیٔ اور میں اپنے معمول کے سیر سپاٹے سے واپس لوٹے تو جان جی نے مجھے، اپنی کم سن آٹھ نو سال کی بیٹی کو اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا:

> عائشہ، ایک نابینا شخص کا اپریشن کل ہوگا۔ اپنی معاونت کے لیے میں نے آپ کو منتخب کیا ہے۔ آپ کم عمر ضرور ہیں، مگر مجھے آپ کی صلاحیتوں پر مکمل اعتماد ہے۔ آپ یہ کام کر سکتی ہیں۔ بس ان تمام اوزاروں کو اچھی طرح دیکھ کر، پہچان کر ان کے نام سیکھ لیں۔ اپریشن کے دوران، جس اوزار کا میں نام لوں، آپ فوراً مجھے تھما دیں گی۔ تاخیر کی ایک لمحہ کی گنجائش نہ ہوگی۔ خون دیکھ کر آپ بالکل پریشان نہ ہوں، بلکہ پٹیوں کی مدد سے ساتھ ساتھ اِسے صاف بھی کرتی رہیں۔ انشاءاللہ اللہ تعالیٰ کامیاب اپریشن کرنے میں ہماری مدد فرمائے گا۔

اگلی صبح میں اپنے کام کے لیے تیار تھی۔ باپ بیٹی نے مِل کر دُعا مانگی۔ مریض کو ایک سیدھی

چٹان پر لٹایا گیا۔ میں جان جی کے ساتھ کھڑی تھی۔ ہر لمحے میرے دِل کی دھڑکن تیز تر ہوتی جا رہی تھی، مگر میں متزلزل نہیں ہوئی۔ مضبوطی سے جان جی کی ہدایات پر عمل کرتی گئی اور جان جی کی ماہرانہ صلاحیتوں سے مرعوب ہوتی چلی گئی۔ یہی وہ فیصلہ کُن لمحات تھے جب میں نے اپنے نصب العین کا تعین کر لیا تھا، کہ میں بھی اپنے والد کی طرح ڈاکٹر بنوں گی۔

چند دِن بعد پٹی کھولی گئی۔ برسوں کے نابینا کی بینائی لوٹ آئی تھی۔ وہ خوشی سے پھولے نہ سماتا تھا۔ کہنے لگا: "میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا تھا اور مجھے یقین کامل تھا کہ ایک دن غیب سے وہ میرے لیے کسی کو بھیجے گا جو میرا علاج کرے گا۔ لوگ مجھے دیوانہ قرار دیتے اور میرا مذاق اُڑاتے تھے۔ آج وہ اپنی آنکھوں سے اِس حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمہ کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گئے"۔

آج کل کے جدید آلات اور ادویہ اُس زمانے میں میسر نہ تھیں۔ اپریشن کی کامیابی کا انحصار سرجن کی ماہرانہ صلاحیتوں پر ہوتا تھا۔ اُن غیر معمولی حالات اور مشکلات کے باوجود اس قدر کامیاب اپریشن، جان جی کے دستِ شفا کا بیّن ثبوت تھا۔ اسی واقعہ نے میری زندگی کو ایک خاص واضح سمت عطا فرمائی۔ میں ایک اچھی اور ماہر ڈاکٹر ثابت ہوئی اور طبی تحقیقات میں خاص کامیابی مجھے نصیب ہوئی۔ اور ایک اعلیٰ معیار کی زندگی بسر کی۔

کرنل محمود شوکت

جان جی کے اور ہمارے خاندان کے مابین احمدیت کا گہرا رشتہ تھا۔ ہمارے اجی جی (خان بہادر غلام ربانی خان صاحب) اور جان جی صرف دوست ہی نہ تھے بلکہ سگے بھائیوں کی طرح تھے۔ اُن کی ایک دوسرے سے اتنی مشابہت تھی کہ کوئی اجنبی شخص یہ گمان بھی نہ کر سکتا تھا کہ یہ دونوں خان بہادر سگے بھائی نہیں ہیں۔

جب جان جی مانسہرہ سول ہسپتال میں تعینات تھے، اُس وقت میں ایک کم عمر لڑکا تھا۔ ا.جی جی نے اپنے گھر کے ساتھ، جماعت احمدیہ کے لیے ایک چھوٹی سی مسجد بنوا رکھی تھی۔ جان جی ہر روز مغرب کی نماز میں بمع اپنے بچوں کے شامِل ہوتے تھے۔ نماز کے بعد آپ ہمیں احادیث پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ اُسی زمانے میں، میں جان جی کے حُسنِ اخلاق کا گرویدہ ہو گیا تھا اور آپ کی شخصیت میں، میرے لیے وہ مثالی کردار موجود تھا، جس کے ہر عمل کو میں اپنانا چاہتا تھا۔ جان جی کی صحت اُس زمانہ میں کچھ زیادہ اچھی نہ تھی۔ وہ بیٹھ کر نماز ادا کرتے تھے۔ اُنہیں دیکھ کر میں بھی بیٹھ کر نماز پڑھنے لگا۔ ایک دِن 'با جی جی' (میرے دادا) نے مجھے بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھا تو میرے دونوں کانوں سے پکڑ کر مجھے اُٹھا کر کھڑا کر دیا اور فرمایا: "وہ تو بیمار ہے، اس لیے بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے۔ کیا ضروری ہے کہ ہر عمل میں تم اُس کی پیروی کرو؟"

وقت گذرتا گیا اور جان جی سے میری محبت اور عقیدت بڑھتی ہی گئی۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے اپنی فرزندی میں قبول فرمایا۔ اِس طرح آپ کے ساتھ میرا رشتہ اور تعلق قریب تر ہو گیا۔

جان جی اور ا.جی جی، جلسہ سالانہ کے لیے اکٹھے سفر فرمایا کرتے تھے، اور ہم بھی اکثر آپ کے ہم سفر ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہم ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے، تو راولپنڈی سے آگے کسی سٹیشن پر کچھ لوگ سوار ہوئے اور جان جی سے نشست اور سامان رکھنے کی جگہ کے لیے جھگڑنے لگے۔ جان جی حسب عادت تحمل سے کام لے رہے تھے، مگر ا.جی جی اپنے بھائی کے ساتھ ایسا برتاؤ برداشت نہ کر پائے اور فوراً سخت لہجے میں فرمایا: "خبردار جو اس سے اس طرح بات کی۔ یہ ولی اللہ ہے۔" یہ تھی ان دونوں کی باہمی محبت اور اخوت اور ایک دوسرے کے لیے احترام۔

جلسہ سالانہ پر اکثر بزرگانِ سلسلہ سے ملاقات کا موقعہ نصیب ہوتا تھا۔ محترم نصیر احمد فاروقی صاحب مجھے تلقین فرمایا کرتے تھے کہ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اپنا وقت دین کی

خدمت کے لیے وقف کر دینا۔ جان جی کی بھی مجھ سے ایسی ہی توقعات وابستہ تھیں۔ مگر اس بات کا فیصلہ میں اُس وقت کر سکا، جب میں ملازمت کے سلسلہ میں حیدرآباد میں مقیم تھا اور جان جی نے ہمارے ساتھ پورا ایک ماہ ہمارے گھر میں بسر کیا۔ دن رات نماز اور مذہبی گفتگو کا ساتھ رہا۔ آپ کی دین سے محبت اور خدمتِ دین کے لیے تڑپ نے میری روح کو ایسا سیراب کیا کہ میرے دِل میں بھی جذبۂ خدمتِ دین مستحکم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے لندن میں مجھے کچھ خدمت سرانجام دینے کا موقع میسر آیا۔ اور ابھی تک میرے دل میں یہ لگن قائم ہے کہ میں مزید کوئی خدمت سرانجام دے پاؤں۔

جان جی کی وفات کے چند دِن بعد میں نے آپ کو ایک رویا میں دیکھا۔ جان جی گھوڑے پر سوار تھے۔ کسی نے آپ کا تعارف کراتے ہوئے کہا: "یہ قطب ہے"۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ آپ کے روحانی درجات کی طرف اشارہ ہے۔

اکثر اوقات میں جان جی اور سید اسداللہ شاہ صاحب کو خواب میں دیکھتا ہوں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آپ ہمیشہ میرے ساتھ موجود رہتے ہیں۔ ایک خواب میں (جو مجھے بالکل واضح طور پر یاد ہے) میں نے دیکھا کہ میں عبادت میں مصروف ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہوں کہ اے مولیٰ! میری اتنی عمر گذر گئی، عبادت بھی بہت کی، مگر ابھی تک صراطِ مستقیم نظر نہیں آیا۔ عالمِ خواب ہی میں جان جی اور قبلہ شاہ صاحب تشریف لے آئے، اور میں نے آپ کو اپنا خواب سنایا تو آپ نے فرمایا: "یہ تمہارا خواب ہی تو صراط مستقیم ہے۔"

جان جی ہمیشہ مجھ سے دُعا کے لیے کہا کرتے تھے۔ آپ مجھے یاد بھی بہت آتے ہیں اور میں آپ کی بلندئ درجات کے لیے بہت دُعا بھی مانگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مجھے آپ کے نقشِ قدم پر، صراط مستقیم پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

چوہدری منصور احمد

اپنے نوجوانی کے دور میں، جلسہ سالانہ کے ایام میں، جان جی کی پاکیزہ شخصیت نے میرے دل و دماغ پر گہرے نقوش چھوڑے تھے، مگر مجھے آپ سے کوئی ذاتی تعارف نصیب نہ ہوا تھا۔ مجھے صرف یہ معلوم ہوسکا تھا کہ اس روح پرور شخصیت کا نام ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ہے۔

میں اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلا گیا۔ میری غیر موجودگی میں، میرے والدین نے جان جی کی دُختر خدیجہ کو میری زوجیت کے لیے پسند کیا اور ہماری نسبت طے پا گئی۔ اس طرح میرا اِس نیک ہستی سے ایک ذاتی رشتہ قائم ہوگیا، اور ایک ولی اللہ کو نہایت قریب سے دیکھنے اور پہچاننے اور آپ کی روحانیت سے مستفید ہونے کے بیشتر مواقع نصیب ہوئے۔ اس کے لیے میں اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کافی نہ ہوگا۔

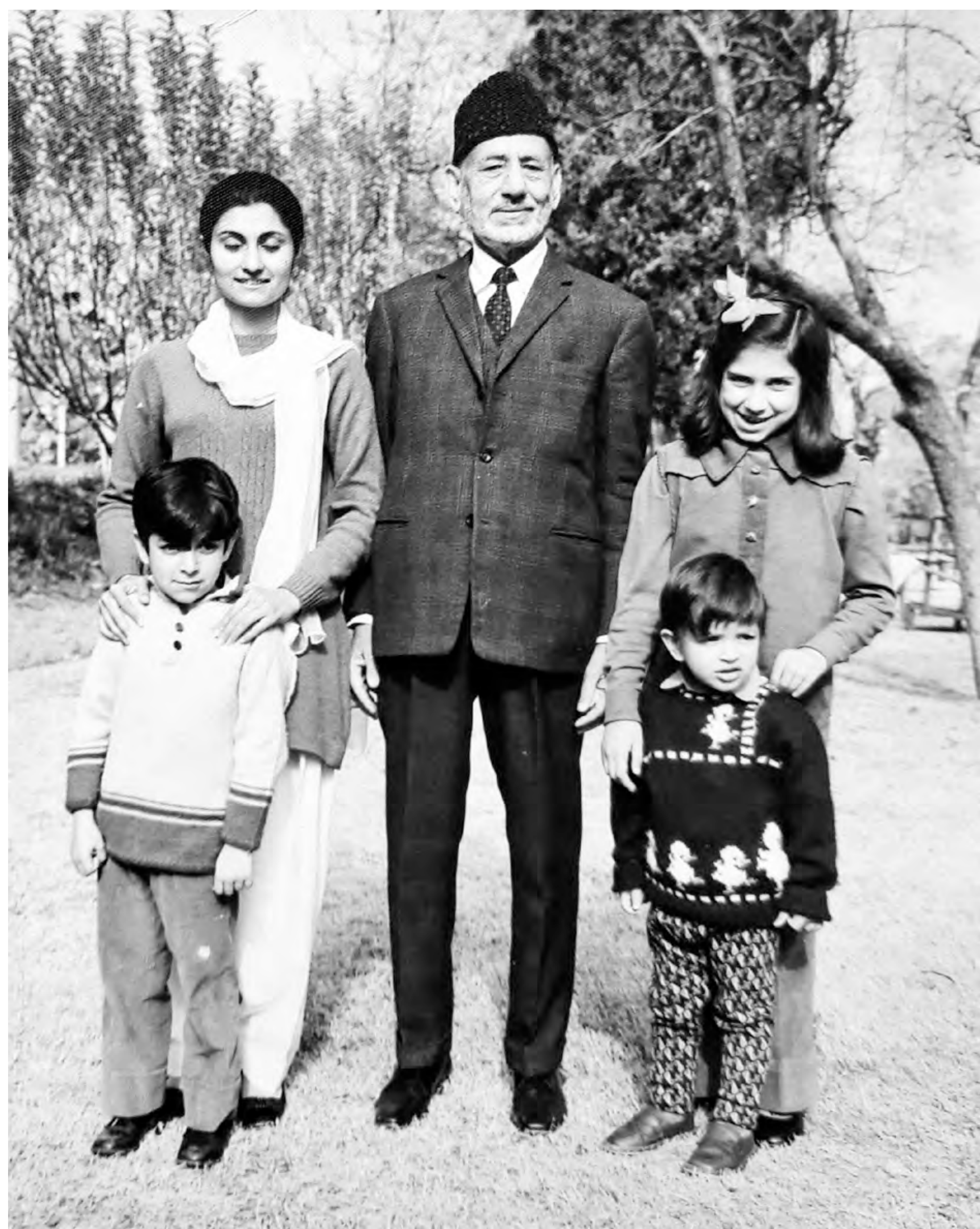
مجھے عبدالقادر جیلانی ؒ کی زندگی کا ایک واقعہ یاد ہے کہ کسی شخص نے آپ کے متقی اور مقرب الٰہی ہونے کا تذکرہ سُنا تو وہ آپ کی ملاقات کی غرض سے آپ کے پاس چلا گیا اور کئی روز تک آپ کے ساتھ بحیثیت مہمان ٹھہرا رہا۔ اِن ایام میں اسے کوئی ایسی کرامت نظر نہ آئی جس سے اُسے آپ کے مقرب الٰہی ہونے کا یقین ہوسکتا۔ وہ مایوس سا ہوگیا۔ اور آپ کے سامنے اپنا خیال بیان کیا۔ حضرت عبدالقادر جیلانی ؒ نے فرمایا کہ کیا اُس نے اُن کا کوئی عمل خلافِ شریعت یا خلافِ قرآن وسنت دیکھا ہے؟ اُس کا جواب نفی میں تھا۔ تو آپ نے فرمایا یہی دلیل ہے اُس شخص کی جس نے اللہ تعالیٰ کو پالیا ہے۔

جان جی کے ساتھ، آپ کی صحبت میں، آپ کے گھر میں رہنے کے کئی مواقع میسر آئے۔ میں نے آپ کو دُکھ اور سُکھ کی گھڑیوں میں بھی قریب سے دیکھا ہے اور پھر بطور جنرل سیکرٹری لاہور جماعتِ احمدیہ آپ سے اور بہت قریب ہوگیا اور پندرہ برس تک آپ کے ساتھ دِن رات کا ساتھ



ڈاکٹر سعید احمد خان اور اُن کے اہلِ خانہ



















محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ



حضرت سیّد اسداللہ شاہؒ

رہا۔ میں یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آپ کو، کوئی کام کبھی بھی، کسی موقع پر بھی خلافِ تعلیماتِ اسلام کرتے نہیں پایا۔

اسماء شوکت

جان جی ایک نیکوکار، باکردار اور متقی انسان تھے۔ آپ کی نیکیوں سے اپنے پرائے سب متاثر تھے۔ اور کون ایسا ہوگا جو آپ کو بُھلا سکے گا؟

ہر خاص و عام آپ کے حُسنِ سلوک کی بدولت آپ کا گرویدہ تھا۔ آپ کی اپنی اولاد کے لیے شفقت اور محبت کا بھی ایک خاص منفرد انداز تھا، اور تربیت کا بھی جداگانہ رنگ۔ ہمیشہ غلطیوں کو درگذر فرما کر نرمی سے صحیح اور غلط کا فرق سمجھاتے تھے۔ ہمارے دِلوں میں بھی اپنے شفیق باپ کے لیے خاص محبت تھی۔ ہم ہمیشہ ہر اُس بات اور کام سے گریز کرتے رہے جس کے متعلق ذرا سا بھی گمان ہو کہ شاید آپ پسند نہ فرمائیں گے۔

جان جی نے مجھے قرآن ناظرہ خود پڑھایا تھا۔ ہمارے بچپن کے زمانے میں ہم ڈاڈر سینیٹوریم میں رہتے تھے۔ جان جی مغرب اور عشاء کی نمازوں کے درمیان درسِ قرآن و حدیث دیتے تھے جو ہماری کردار سازی کے لیے بے حد مفید ثابت ہوا۔ کم عمری میں ہی دینی اور اخلاقی اقدار ہمارے کردار میں رچ بس گئیں، جو مستقبل میں ہماری رہنما ثابت ہوئیں۔

ملازمت کے سلسلہ میں میرے شوہر کرنل محمود شوکت صاحب کا تبادلہ مختلف مقامات پر ہوتا رہا۔ سال میں ایک دو مرتبہ ہم والدین کی ملاقات کے لیے ضرور آتے تھے، مگر جان جی کا ہمارے یہاں آنا کبھی کبھار ہی ہوتا تھا۔ البتہ جب ہم حیدرآباد میں تھے تو جان جی نے پورا ایک ماہ ہمارے ساتھ قیام فرمایا۔ یہ دن ہمارے لیے بے حد خاص تھے۔ صبح و شام گھر میں ایک روحانی فضا قائم رہتی تھی۔ صبح کی باجماعت نماز میں آپ کی روح پرور تلاوت اور پھر دن بھر شوکت اور جان جی کے

مابین مذہبی اور جماعتی امور پر تبادلۂ خیال، ایک خاص اثر کا حامل ہوتا تھا۔ یہ ایام ہماری زندگی کا وہ سرمایہ ہے جو ہمارے دلوں میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

جان جی کی وفات سے قبل لاہور میں چند ماہ آپ کے ساتھ گذارنے کا موقع نصیب ہوا۔ آپ کافی کمزور ہو چکے تھے۔ رات کو صفیہ آپ کے ساتھ رہتی تھی۔ صبح کے وقت میں آپ کے کمرے میں جا کر بیٹھ جاتی تھی۔ وہ عموماً فجر کی نماز کے بعد سو جاتے تھے۔ جب آپ کی آنکھ کھلتی تو مجھے دیکھ کر ایک دلکش مسکراہٹ اُن کے لبوں پر پھیل جاتی۔ ایک دِن فرمایا: "یہ میری کتنی اچھی بیٹی ہے۔ جب آنکھ کھلتی ہے تو مجھے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی نظر آتی ہے"۔ میں اکثر آپ کے پاؤں دباتی تھی اور آپ دھیمی آواز میں مجھ سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ مگر افسوس کہ یہ دور جلد ہی ختم ہو گیا۔ آپ کے وقتِ رحلت ہم سب بہن بھائی آپ کے ساتھ موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

خدیجہ منصور احمد

میرے پیارے جان جی، عظمتِ کردار میں بے مثال تھے۔ آپ نہایت فیاض اور شفیق انسان تھے۔ آپ کی شفقت اور فیاضی اپنے عزیزوں اور خاندان تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ہر کس و ناکس کے لیے عام تھی۔ اپنی اولاد کے لیے آپ کی محبت کی وسعت کو الفاظ میں بیان کرنا آسان نہ ہو گا۔ آپ اپنی تمام اولاد سے یکساں محبت کرتے تھے۔ اگرچہ ہر ایک اپنے دل میں یہی احساس رکھتا تھا کہ شاید وہی آپ کا پسندیدہ ہے۔

اولاد کی تربیت میں آپ نے سخت گیری کبھی روا نہیں رکھی۔ ہمیشہ نرم اور ملائم لہجے میں، موقع محل اور بچے کی سمجھ بوجھ کے مطابق اعلیٰ اخلاق اور ادب و آداب سے آراستہ فرمایا۔

یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب میں تقریباً پانچ سال کی تھی۔ ایک شام کو میں باہر چمن میں

کھیل رہی تھی کہ میں نے گل زمان لالہ کو آتے دیکھا تو فوراً بھاگتی ہوئی اندر گئی کہ جان جی کو اُن کے آنے کی خبر دوں۔ میں نے کہا: ''جان جی! باہر نائی آیا ہے''۔ جان جی مسکرائے اور پھر مجھے قریب بلا کر فرمایا: '' آپ اُن کو اس طرح بلائیں گی تو اُنہیں اچھا محسوس نہ ہوگا۔ آپ اُنہیں گل زمان لالہ کہا کریں وہ آپ سے بہت بڑے ہیں''۔ یہ نصیحت ایسی ذہن نشین ہوئی کہ میرے کردار کا حصہ بن گئی۔

جب ہمارے دادا با جی حیات تھے، تو میری والدہ زیادہ تر دیبگراں میں رہا کرتی تھیں۔ میں ڈاڈر سینیٹوریم کے اسکول میں پڑھتی تھی۔ ہر ہفتہ کی شام جان جی مجھے اپنے ہمراہ دیبگراں لے جایا کرتے تھے۔ مانسہرہ سے دیبگراں تک کے سفر میں گھوڑی پر، میں جان جی کے سامنے سوار ہوتی تھی۔ جان جی کے ساتھ ہم سفری کی یہ کیفیت اتنی سرور بخش ہوتی تھی کہ آج بھی میں اِس کی راحت کو محسوس کر سکتی ہوں، کیونکہ اِس میں والدہ سے ملنے کا شوق بھی شامل ہوتا تھا۔

جب میں ساتویں جماعت میں ہوئی تو مجھے ایبٹ آباد میں اپنی بہن اسماء کے ہمراہ بورڈنگ ہاؤس میں بھیج دیا اور نصیحت فرمائی اور سمجھایا کہ آپ دونوں کے آپس میں حُسنِ سلوک اور خوش اسلوبی سے وقت گذارنے سے، آپ کی گھر کی تربیت اور ماحول کی عکاسی ہوگی، اور آپ کی عزت کی جائے گی۔ ہم دونوں نے باہم بہت اچھا وقت گذارا اور آج دِن تک کبھی ہم دونوں میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

آپ نے اپنی اولاد کو زیورِ تعلیم اور اعلیٰ اخلاقی اقدار سے آراستہ فرمانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ نماز، روزہ اور دیگر دینی فرائض کی پابندی سکھائی۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور حُسنِ سلوک کا درس دیا۔ میری شادی پر مجھے بیان القرآن کا انمول تحفہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اس سے بہتر تحفہ میری نظر میں دوسرا نہیں۔ اسے سمجھ کر عمل کرنے کی کوشش کرتی رہنا۔

میری خوش نصیبی ہے کہ منصور احمد جیسے با کردار انسان میرے شریک حیات ہیں، جو جان جی سے بے حد محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ جان جی بھی منصور سے محبت کرتے تھے اور اُن پر بے

انتہا اعتماد بھی کرتے تھے۔ انجمن کے دفتری معاملات میں منصور کو آپ اپنا دستِ راست تصور فرماتے تھے۔ اس طرح ہم دونوں میاں بیوی کو آپ سے قربت کے مواقع نصیب ہوتے رہتے تھے۔ مجھے بھی آپ کی چھوٹی موٹی خدمت کا موقع میسر آ جاتا تھا۔ گھریلو قسم کے کئی انتظامی امور، بالخصوص بہن بھائیوں کے شادی بیاہ، لین دین کے معاملات میں، میں آپ کی مدد کر دیا کرتی تھی۔ آپ خوش ہو کر فرماتے تھے: "آپ تو میری وزیر، بیٹی ہیں۔"

زندگی بھر جان جی ہماری اخلاقی اقدار سنوارتے رہتے۔ بر سبیل تذکرہ میں نے کہہ دیا کہ فلاں عزیز ہم سے کبھی ملنے نہیں آتے۔ آپ نے فرمایا: "پھر بھی آپ اُن سے ملا کریں۔ صلہ رحمی اللہ کو پسند ہے"۔ آپ کی اِس نصیحت کا مجھے ہمیشہ خیال رہتا ہے۔

میرے شوہر منصور احمد نے جان جی کی نماز میں محویت اور خود سپردگی کا ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ بیان کیا تھا، کہ ایک مرتبہ آپ دونوں کار میں ہم سفر تھے۔ راستے میں ایک مقام پر گاڑی روک کر نماز ادا کی۔ نماز کے بعد جان جی ایک طرف الگ جا کر اپنی پتلون جھاڑنے لگے تو منصور نے دیکھا کہ آپ کی پنڈلی پر موٹی موٹی چیونٹیاں چڑھی ہوئی ہیں۔ وہ حیرت زدہ رہ گئے کہ ایسی حالت میں آپ نے کس اطمینان سے تمام نماز مکمل کی۔ ایک معمولی انسان کے لیے یہ ممکن نہ تھا۔

میرے بچوں نے بھی آپ کی صحبت پائی اور چاروں بہن بھائی اپنے نانا پر دل و جان سے فدا تھے۔ ہمیں آپ کی قبولیتِ دعا پر یقین تھا۔ آپ سے دُعا کی عرض کر کے ذہن ہر فکر سے آزاد ہو جاتا تھا۔ آپ کے چلے جانے سے ہم اس نعمت سے محروم ہو گئے ہیں۔ آپ کا وجود ایک سائبان کی طرح ہم پر سایہ فگن تھا، جس کے اُٹھ جانے سے اِس محرومی کا احساس بے حد بڑھ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کی ہر نعمت سے نوازے۔ آمین۔

مبارکہ فیروز عالم خان

میرے پیارے جان جی نہایت مہربان اور شفیق باپ تھے۔ آپ کی لاتعداد یادیں دِل میں بسی ہوئی ہیں۔ کیا لکھوں اور کیا چھوڑوں؟ آپ کو اپنے سب بچے بے حد عزیز تھے۔ مگر میں بہنوں میں سب سے چھوٹی ہوں اور سمجھتی تھی کہ شاید میں ہی آپ کی لاڈلی ہوں۔

ہم بہن بھائی اپنی والدہ کے ہمراہ ایبٹ آباد میں رہتے تھے۔ جان جی اتوار کی چھٹی ہمارے ساتھ گذارتے تھے۔ اس، ایک دِن میں، ہماری تعلیم و تربیت کی طرف مکمل توجہ دیتے تھے۔ ہر بچے کے مسائل سنتے، ضروریات کا پوچھتے اور ہر طرح سے ہماری تسلی فرماتے تھے۔ مجھے پڑھنے کا خاص شوق نہیں تھا۔ آپ نے مجھ پر کبھی کوئی دباؤ نہیں ڈالا بلکہ ہمیشہ میری دلجوئی اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، جب میں چوتھی جماعت میں پڑھتی تھی تو ایک سوموار کی صبح کو اپنا مکمل ہینڈ ورک اسکول میں پیش کرنا تھا اور میرا بہت سا کام نامکمل تھا۔ رات گئے تک میری والدہ اور گھر کی سب لڑکیاں میرا کام مکمل کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ ابھی صوفہ سیٹ اور پلنگ (گڑیا کے گھر کا) مکمل کرنا باقی تھا۔ جان جی نے دیکھا تو فرمایا: ”چلیں میں بھی کچھ مدد کروں۔ روئی تو بھر ہی سکتا ہوں“۔ اس طرح تمام چیزیں مکمل ہونے تک آپ ہمارے ساتھ مصروف رہے۔

شادی کے بعد جب میں اپنے گھر کی ہوگئی تو آپ مجھے محبت بھرے خط لکھا کرتے تھے، جن سے آپ سے دوری کا احساس کچھ کم ہو جاتا تھا۔ میں آپ کو اپنے قریب اور اپنے ساتھ محسوس کرتی تھی۔ میرے شوہر فیروز عالم خان، جان جی کی بے حد عزت اور احترام کرتے تھے۔ جان جی کئی معاملات میں فیروز عالم کی صلاح لیتے اور فرماتے آپ کا مشورہ ہمیشہ اچھا ثابت ہوتا ہے۔ اکثر فیروز عالم اور آپ حالاتِ حاضرہ پر گفتگو فرماتے تھے۔

فیروز عالم نے جب اپنی فوجی ملازمت ترک کر دی تو مستقل رہائش کے لیے لاہور کو اس لیے پسند کیا کہ میں اپنے والدین کے قریب رہوں، کیونکہ اُس وقت تک میرے والدین بھی لاہور

منتقل ہو چکے تھے۔

فیروز کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ جلد ہی ہمارا ساتھ چھوڑ گئے۔ جان جی ہمارے گھر تشریف لائے، تو میں نے آپ کی گود میں سر رکھ دیا اور روتی رہی۔ آپ میرے سر کو سہلاتے رہے۔ اور مجھے دلاسہ دیتے رہے۔ اور فرمایا: ”میری بیٹی اللہ کی رضا سے راضی ہو جاؤ، اور اپنے بچوں کے لیے صبر کی مضبوط مثال بن جاؤ۔ رونے والوں کے ساتھ کوئی نہیں روتا اور ہنسنے والوں کے ساتھ سب ہنستے ہیں“۔ آپ کی تسلی آمیز نصیحت نے مجھے حالات سے سمجھوتا کرنے کی قوت بخشی۔ جان جی جب ہمارا ساتھ چھوڑ گئے تو میں اپنے آپ کو بے حد تنہا محسوس کرنے لگی۔ آپ کی تسلی آمیز گفتگو اور دُعاؤں سے مجھے سہارا ملتا تھا۔ مگر اب آپ کی محبت بھری یادیں ہی میرے ساتھ رہ گئی ہیں۔ آپ کی نیکیاں اور خوبیاں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

محمد سعید

چھ سات سال کی عمر میں میرے ساتھ ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آیا جو میری زندگی کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ روایت کے مطابق ابتدائی تعلیم کے لیے میں ڈاڈر کے اسکول میں داخل ہوا۔ اور کچی، پکی، پہلی کے مراحل سے گزر کر دوسری جماعت میں پہنچ گیا۔ مگر اس دوران میں اپنے آپ کو اسکول کے ماحول میں نہ ڈھال پایا اور تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہی مجھ میں نہ پیدا ہوا۔ ظاہر ہے جان جی کے لیے یہ صورت حال تشویش کا باعث تھی۔ انہوں نے کوشش کر کے ایک پرانے ماہر استاد کا تبادلہ ڈاڈر کے اسکول میں کروایا۔ مگر وہ بھی مجھے تعلیم کی طرف مائل کرنے میں زیادہ کامیاب نہ ہوئے۔ آخر نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ ایک صبح میں نے اسکول جانے سے انکار کر دیا۔ بُوّ جی (میری والدہ) نے لاکھ کوشش کی مگر میں نہ مانا۔ جان جی کو بلایا گیا۔ پیار محبت سے بہت سمجھایا مگر میں بھی اپنی ضِد پر قائم رہا۔ جب جان جی نے تھوڑا سخت لہجہ اختیار کیا تو میں نے بھی غصے میں آ کر سامنے پڑے ہوئے ایک برتن کو زمین پر پٹخ دیا۔ یہ حرکت جان جی کی برداشت سے باہر تھی۔ انہوں نے مجھے پکڑ کر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا۔ ایک محبت

کرنے والے باپ سے یہ غیر متوقع ردِعمل مجھے راہِ راست پر لانے کے لیے کافی تھا۔ میں روتا ہوا ملازم کے ساتھ اسکول کے لیے روانہ ہو گیا۔

اس واقعہ، اور میرے محترم استاد کی رائے کہ اس بچے میں علم حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں، نے جان جی کو میری تعلیم کے کسی متبادل انتظام کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔ دوستوں سے مشورہ اور تحقیقات کے بعد ہمیں برن ہال ایبٹ آباد میں داخل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ داخلے سے پہلے بابو خورشید نے مجھے انگریزی کے حروفِ تہجی اور گنتی سکھائی۔ مجھے بھی پڑھائی اب کچھ دلچسپ لگنے لگی۔ داخلے کے دن پاشا اور میں نئے کپڑوں میں ملبوس، فادر شینکس (Father Shanks) کے سامنے پیش ہوئے۔ جان جی بتاتے تھے کہ اُس نے ہمیں دیکھتے ہی کہا: ”ان بچوں کی بہت عمدہ تربیت ہوئی ہے۔“(These children have been brought up very well)۔ جان جی کہتے تھے کہ یہ الفاظ سنتے ہی ہماری تعلیم کے متعلق اُن کی ساری پریشانی دور ہو گئی۔ پاشا مڈل کے جی اور میں ہائر کے جی میں داخل ہوا۔ پہلے ہی امتحان میں میری چھٹی پوزیشن آئی اور کارگردگی کو تسلی بخش قرار دیا گیا۔ اس کے بعد میری پوزیشن تدریجاً بہتر ہوتی گئی اور چند ہی سالوں میں جماعت میں اول پوزیشن حاصل کرنے لگا اور یہ سلسلہ میرے تمام تعلیمی دور میں جاری رہا۔

صبیحہ محمد سعید

جانجی کا نام لیتے ہی یادوں کا ایک بحر اُمنڈ آتا ہے۔ آپ تمام خاندان کا محور اور ہر فرد کے غمگسار تھے۔ آپ کے دل میں اتنی وسعت تھی کہ ہر ایک کی فکر، پریشانی، مشکل، اُلجھن اُس میں سما جاتی تھی۔ ایک تسلی اور تشفی کا ٹھاٹھیں مارتا دریا تھا۔

میرا اُن سے بہو کا نازک رشتہ تھا۔ مگر آپ بیٹیوں کی طرح لاڈ پیار کرتے تھے۔ ماشاءاللہ اتنے گھر کے افراد تھے مگر ہر ایک کی پسند ناپسند کا خیال رکھتے تھے۔ میں جب بیاہ کر آئی تو گھر میں تندور کی روٹی کھائی جاتی تھی۔ جانجی کو علم تھا کہ مجھے پھُلکا کھانے کی عادت ہے۔ گو میں نے کوئی

ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا مگر آپ نے خانسامہ محمد زمان سے کہا کہ بی بی کو پھُلکا پکا کر دیا کرو۔

لاہور میں آ کر کچھ کمزور طبیعت اور کچھ کام کی نوعیت کی وجہ سے جانجی زیادہ تر اپنے کمرے میں رہتے تھے۔ مگر ایبٹ آباد کے دنوں میں آپ رات کھانے کے بعد سب بال بچوں میں بیٹھ کر بڑی پُرلطف گفتگو کرتے اور گذرے ہوئے واقعات بے حد دلچسپ انداز میں بیان کرتے۔ وہ شامیں ہمیشہ یاد رہیں گی۔

کہنے کو تو بہت کچھ ہے مگر میں صرف جانجی کے دو جملوں کو بیان کرنے پر ہی اکتفا کروں گی جنہوں نے میرے دل و دماغ پر گہرا نقش چھوڑا ہے۔ ایک تو، جب میری دوسری بیٹی آمنہ پیدا ہوئی تو جانجی نے مجھے مبارک باد کا فون کیا اور کہا: "آپ جانتی ہیں نا کہ ہم بیٹیوں پر بہت خوش ہوتے ہیں"۔ اور واقعی آپ بیٹیوں کی بہت قدر کرتے تھے۔ جب آپ ایبٹ آباد سب کچھ چھوڑ کر لاہور آ گئے تو اُس زمانے میں تمام بیٹے شہر سے باہر نوکریوں پر تھے۔ بیٹیاں ہی تھیں جنہوں نے آپ کی ہر ممکن خدمت کی اور آپ کا خیال رکھا۔ کوئی صبح آ جاتی کوئی شام کو اور کوئی رات کو آ کر سو جاتی۔ ایک دن جانجی نے کہا: "اب سمجھ آتی ہے کہ بیٹیاں کتنی رحمت ہوتی ہیں۔"

دوسرا جملہ جو کہ میرے نزدیک میرا سرمایہ حیات ہے، وہ یہ ہے کہ آپ کی وفات سے چند روز پہلے میں ہسپتال میں آپ کے پاس کھڑی تھی کہ اچانک جانجی نے کہا: "آپ کو پتہ ہے کہ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں"۔ میرے منہ سے نکلا: "جی ہاں"۔ کئی دفعہ خیال آتا ہے کہ کیا وہ آپ نے مجھے تسلی دینے کو کہا اور میری کوتاہیوں پر پردہ ڈالنا چاہا یا اُس بے پناہ محبت سے لبریز دل میں میری کمزوریوں کے باوجود میرے لیے بھی اتنی جگہ تھی۔ وَاللہُ اَعْلَمُ۔

آپ کی بہت سی خوبیوں میں سے جس چیز نے مجھے بہت متاثر کیا وہ تھا آپ کا نیک گمان۔ آپ کا کوئی بھی کتنا مخالف کیوں نہ ہو، خاص طور پر جماعت کے معاملے میں، آپ اُس میں کوئی نہ کوئی خوبی ڈھونڈ لیتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے جانجی کے سامنے کسی صاحب سے ملنے جانے کا ذکر،

اپنے میاں سے کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ تو ہر وقت جانجی کو بُرا بھلا کہتا رہتا ہے۔ میں نہیں جاؤں گا۔ جانجی نے کہا ضرور جاؤ۔ ملنے ملانے سے کئی بار غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اور بہتری کی راہ نکل آتی ہے۔ خاندان میں بھی آپ رشتہ داروں کی کمزوریوں کو درگزر کر کے اُن کی خوبیوں پر نظر رکھتے تھے۔ یہ کہنا آسان مگر کرنا مشکل ہے۔ اگر جانجی کی بے پناہ صفات میں سے ہمارے حصے میں تھوڑا سا بھی کچھ آ جائے تو ہم اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھیں گے۔

عبدالکریم سعید پاشا

خاندان کے ایک کم سن بچے کے لبوں سے یہ اچھوتا سا لفظ "جان جی" جب پہلی بار سُنا گیا تو سبھی کے دِل کو بھا گیا۔ یہ اندازِ تخاطب آپ کی شخصیت سے ایسا ہم آہنگ ہے کہ دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے، آپ کی محبت کا دم بھرنے والوں نے اسی لفظ کو اپنا لیا اور آپ سب کے 'جان جی' ہو گئے ہیں۔ یہ ایک مختصر سا لفظ ہے مگر انتہا درجے کی اُس اپنایت اور چاہت کے احساسات کا ترجمان ہے جو آپ سے محبت کرنے والوں کے دِلوں میں آپ کے مثالی کردار اور پدرانہ شفقت سے پیدا ہوئے ہیں۔ آپ کو جان جی کہنے والے سبھی کا شمار آپ کے کنبے میں ہوتا ہے۔

ہر وہ شخص، جس نے آپ کی شخصیت کا یہ پہلو دیکھا آپ کا گرویدہ ہو گیا، اور یہی محسوس کرنے لگا کہ وہی آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہے۔ پورے یقین کے ساتھ میرے اپنے دِل میں بھی یہی احساس پنہاں تھا۔ بلکہ اب تک ہے کہ مجھے وہ سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ ہم دونوں باپ بیٹے میں ایک ہی پیشہ سے منسلک ہونے کی وجہ سے بھی ایک خاص گہرا تعلق تھا۔ ایک خاص قربت کا احساس ہمارے مابین ہمیشہ قائم رہا ہے۔

جان جی کی زندگی کے بے شمار پہلوؤں میں سے، اِس تحریر کے لیے میرا انتخاب، علم سے آپ کی محبت ہے۔ یہ ۱۹۵۷ء کا ذکر ہے، جب سَپُٹ نِک (Sputnik) نامی ایک مصنوعی سیارہ

فضا میں چھوڑا گیا تھا، جو ایبٹ آباد کی صاف و شفاف فضا میں، رات کے کسی پہر میں، ستاروں بھرے آسمان میں، اپنے مدار میں متحرک نظر آتا تھا۔ ہر ایک اس خوبصورت نظارہ سے لطف اندوز ہونے کا خواہش مند رہتا تھا۔ اس لیے یہ جسے بھی پہلے نظر آجاتا تھا تو وہ دوسروں کو اطلاع کر دیتا تھا۔ جان جی کی بھی اس میں دلچسپی تھی۔ اس لیے ایک مرتبہ میں نے آپ کو رات کے دو بجے نیند سے بیدار کر دیا، حالانکہ اُس رات آپ ایک لمبے سفر سے واپس آئے تھے، اور کچھ دیر قبل ہی سونے کے لیے اپنے کمرے میں تشریف لے گئے تھے۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ میرے اس طرح اپنے آرام میں مخل ہونے پر آپ نے بالکل کسی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا تھا۔

جان جی ایک شہرت یافتہ اور نامور ڈاکٹر تھے۔ آپ علاج معالجہ سے متعلق جدید اور تازہ تحقیقات سے آگاہ رہنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے تھے، اور کسی بھی طرح اِن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ فرماتے تھے۔ دوسروں سے نہایت انکساری سے اس کے متعلق دریافت فرماتے تھے اور اپنی معلومات بڑھاتے تھے۔ جب آپ کی عمر تریاسی برس کی تھی تو آپ نے ای سی جی (ECG) سے متعلق علم حاصل کیا اور اِس بات نے مجھے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا کہ کچھ ہی عرصے میں آپ ECG کے نتائج دیکھ کر بے حد مہارت کے ساتھ امراضِ قلب کی تشخیص کرنے لگے۔ نوے برس سے متجاوز عمر میں آپ نے دماغ کے برقی مشینی عکس (Brain Scan) سے فالج کی وجوہات سے متعلق علم حاصل کیا۔

لوگ آپ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ رکھتے تھے، اور دیگر ڈاکٹر صاحبان سے مشورے کے بعد، نسخہ آپ کو دکھانے کے بعد پوری تسلی حاصل کر کے ادویات کا استعمال شروع کرتے تھے۔ اگر نسخے میں تجویز کردہ ادویہ میں سے کسی کے بارے میں آپ کو علم نہ ہوتا تو مجھ سے فون پر رابطہ کر کے پوچھ لیتے تھے۔ اور پھر مشورہ دیتے تھے۔

اس عمر میں بھی، جب آپ کی عمر نوے کی دہائی میں تھی، آپ کے پاس مریض آجاتے تھے

اور آپ کسی کو مایوس نہ لوٹاتے تھے، اور تشخیص اور علاج دونوں کے بارے میں مطمئن فرما دیتے تھے۔ آپ نئی تحقیقات کے مطابق نئی ادویات اور اُن کے اثرات کے علم سے ہم آہنگ رہنے کے لیے مسلسل مطالعہ فرماتے رہتے تھے۔

زندگی کے آخری ایام تک آپ کے دِل مین علم سے لگن اور سیکھنے کی جستجو قائم رہی۔ میرے خیال میں آپ کا یہ عمل اور سوچ اس حدیثِ نبوی کے کہ مومن کو چاہیئے مہد سے لحد تک علم حاصل کرے کی مکمل پیروی تھی۔ علم کے متلاشی ہر انسان کے لیے آپ کی زندگی میں بہترین مثال موجود ہے۔ آپ علم کی جستجو میں بھی رہتے تھے اور اپنی دعاؤں میں قرآنی دُعا، رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا، کو بھی شامل رکھتے تھے۔ (انگریزی سے ترجمہ)

صبیحہ پاشا سعید

جان جی کا تعلق ہزارہ ڈویژن سے تھا۔ آپ نے اپنی تمام زندگی اپنے علاقے کے عوام کی ان تھک خدمت میں صرف کر دی، لیکن آپ کے احسانات کے صلہ میں جو سلوک آپ سے روا رکھا گیا، اُس کا بیان کرنا بھی تکلیف سے خالی نہیں۔ ۱۹۷۴ء میں آپ کی زندگی بھر کی جمع پونجی اور اپنی محنت کی کمائی سے تعمیر کردہ عمارات، آپ کی آنکھوں کے سامنے نذرِ آتش کر دی گئیں، اور وہ بھی اِس جرم کی پاداش میں کہ آپ نے احمدیت پر کاربند رہنے پر استقلال کا مظاہرہ فرمایا تھا۔ ہمارے جان جی اور ہمارے دیگر اہلِ خاندان نے اُف تک نہ کی اور صبر کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اِس قربانی کو قبولیت بخشی اور لاہور جماعتِ احمدیہ کی امارت کا اعزاز عطا فرمایا۔ آپ نے اپنی اِس ذمہ داری کو آخری دم تک نبھایا۔

جان جی ایک محبت بھرے دِل کے مالک تھے، خصوصاً بچوں سے آپ کی محبت بے مثال تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے آپ کے وجود میں ایک مقناطیسی قوت پنہاں ہے، جس کی طرف بچے

خود بخود کھچے چلے آتے ہیں۔ آپ انتہا کے صلہ رحم تھے۔ عزیزوں کی دست گیری یوں فرماتے کہ نہ کسی دوسرے کو خبر ہوتی تھی، اور نہ اُن عزیزوں کو ہی احساس ہوتا تھا۔

جان جی کی عبادت میں بھی ایک الگ سی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ آپ کو محوِ عبادت دیکھ کر دِل میں عجیب سا احساس پیدا ہوتا تھا۔ میں اپنی خوش نصیبی سمجھتی ہوں کہ جان جی نے انگلستان میں ہمارے ساتھ قیام فرمایا۔ پھر جب ۱۹۸۱ء میں ہم ایبٹ آباد آ گئے تو وہاں بھی ہر سال ہمارے ساتھ موسم گرما میں قیام فرما ہوتے۔ اُن کے اس قیام سے ہماری اولاد کی تربیت پر خاص اثر ہوا۔ اس کے لیے میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں۔ اُن کی دعاؤں کا اثر آج بھی ہم اپنی زندگیوں میں محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جنت میں آپ کے مقامات بلند فرمائے۔ آمین۔

اکرام سعید

میں اپنی اس تحریر میں، اُن بے شمار واقعات میں سے چند ایک کا ذکر کرنا چاہوں گا جو ایک تو جان جی کی شریف النفسی اور کمالاتِ روحانی کے آئینہ دار ہیں اور دوسرے میری کردار سازی اور اندازِ فکر پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں۔

بچپن کے زمانے میں میرے دِل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ جان جی کی طرح انجکشن لگانا سیکھوں، جس سے دوسرے کو درد کا احساس تک نہ ہوتا تھا۔ اس شوق کی تکمیل کے لیے میں نے جان جی کی سرِنج نکالی اور اُس میں پانی بھر کر انجیر کے درخت میں انجکشن لگانے کی مشق کرنے لگا۔ یہ بھی خیال تھا کہ اس پانی سے درخت میں مزید ہریالی پیدا ہو گی۔ سرِنج شیشے کی تھی۔ ذرا سے دباؤ سے ٹوٹ گئی۔ درآمد شدہ مہنگی سرنج یوں ضائع کر دینے کی وجہ سے میں دِل میں احساسِ جُرم اور خوف چھپائے جان جی کے ڈاڈر سے ایبٹ آباد آنے کے دِن کا منتظر تھا۔ میں نے جرأت سے کام لیا اور جان جی کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ جان جی کا ردِ عمل میری توقع کے بالکل برعکس نکلا۔

جان جی نے ہاتھ بڑھا کر مجھے اپنے سینے سے لگالیا اور چوما۔ آپ میری سچائی سے خوش تھے اور فرمایا کہ مجھے تمہاری سچائی پر فخر محسوس ہوتا ہے۔ اس کے بعد زندگی بھر مجھے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے جھجھک محسوس نہیں ہوئی۔ اور اس کے نتائج سے خوفزدہ ہونے کا احساس تک نہیں ہوا۔

ایک اور نصیحت آموز واقعہ اُس بھکارن کا ہے جسے ہمارے پالتو کتے نے کاٹ لیا تھا۔ اُس وقت تو وہ فوراً بھاگ کھڑی ہوئی۔ مگر چند روز بعد جب زخم بگڑ کر اُس میں کیڑے پڑ گئے، تو جان جی کے پاس شکایت لے کر آئی۔ آپ نے اُسے رہائش کے لیے جگہ دی۔ آپ صبح شام خود اپنے ہاتھوں سے اُس کی مرہم پٹی کرتے تھے، اور معاونت کے لیے ہم بچوں کو ساتھ لے جاتے تھے۔ آپ اسے اپنا ذاتی فرض سمجھتے تھے، اس لیے کلنک کے معاونین کی مدد نہ لیتے تھے۔ جلد ہی اُس عورت کے زخم مُندمِل ہو گئے، اور وہ خوب تندرست بھی ہوگئی۔ جان جی نے ایک مقررہ وظیفہ کے ساتھ، اُسے اِسی گھر میں رہنے کی پیشکش کی، مگر وہ اس پر راضی نہ ہوئی۔ وہ عادی بھکارن تھی، اور اس عادت کو ترک کر دینا اُس کے لیے آسان نہ تھا۔ جان جی کی خدمت گذاری اور ہمدردی کی اس مثال نے میری سوچ پر گہرے مثبت نقوش ثبت کیے ہیں۔

جب جان جی نے میرے دونوں بڑے بھائیوں کو گھڑیاں لا کر دیں، تو میں ابھی پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ مجھے بالکل احساس نہ ہوا تھا کہ میرے لیے گھڑی کیوں نہیں آئی۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ جس طرح بائیسکل دونوں بھائیوں کے بعد میرے لیے لی گئی تھی، گھڑی کی باری بھی اُسی طرح بعد میں آئے گی۔ مگر جان جی کو اللہ جانے کیوں ایسا لگا کہ میں اِس سے ناخوش ہوا ہوں۔ آپ نے مجھے اپنے پاس تنہائی میں بلایا اور محبت سے لبریز گفتگو فرماتے ہوئے نصیحت کی، کہ دوسروں کی کسی چیز کو دیکھ کر ایسا متاثر ہونا کہ اُسے فوراً حاصل کرنے کی خواہش دل میں پیدا ہو یا پھر دوسروں کے لیے حسد کے جذبات دِل میں رکھنا، اچھے اوصاف میں سے نہیں ہے۔ بلکہ جو اللہ تعالیٰ نے خود آپ کو عطا کر رکھا ہے، اُس کا شکر بجالانا آپ کا فرض ہے۔ اُس کے بعد آپ نے مجھے اپنی سونے کی

وہ بیش قیمت گھڑی دی جو آپ کو شاہ عبدالعزیز ابنِ سعود نے اپنے کامیاب علاج کے بعد بطورِ اظہارِ تشکر عطا کی تھی۔ پھر آپ نے مجھ سے کہا: "ابھی آپ چھوٹے ہیں، اس لیے اسے میں اپنے پاس بطور امانت رکھتا ہوں۔ جب بڑے ہو جائیں گے تو آپ کو مل جائے گی۔" یہ نصیحت میں کبھی فراموش نہیں کر پایا۔ اور کبھی لالچ اور دُنیاوی مال و دولت کی محبت میرے دل کو چُھو کر بھی نہیں گئی۔

میں برن ہال اسکول میں زیرِ تعلیم تھا۔ مگر تعلیمی معیار میں کچھ تھوڑی سی کمی کی وجہ سے پرنسپل صاحب نے میرا سینئر کیمبرج کے امتحان سے داخلہ روک دیا، جبکہ مجھ سے کم نمبر حاصل کرنے والے ایک آسٹریلین طالب علم کا نام امتحان کی فہرست میں شامل کر دیا۔ میرے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی۔ میں نے پرنسپل سے احتجاج بھی کیا، مگر شنوائی نہ ہوئی۔ جان جی کو جب تمام معاملے کی خبر ہوئی تو مجھے اپنے مضبوط بازوؤں کی گرفت میں لے کر فرمایا کہ امتحان پاس کرنے سے پہلے جتنی بار بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑے، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور کبھی یہ احساس دِل میں نہ لانا کہ تم میرے پیسے برباد کر رہے ہو۔ انسان ناکامیوں سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ مگر پرنسپل کے رویے سے میں بددل ہو چکا تھا۔ برن ہال اسکول میں دوبارہ اُسی جماعت میں پڑھنا میری اَنا کا مسئلہ بن گیا تھا۔ جان جی نے بخوشی مجھے ایبٹ آباد پبلک سکول میں داخلہ دلوا دیا۔ اور اُسی سال میں نے میٹرک کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کر لیا۔

۱۹۷۴ء کے دل خراش سانحات اور 'دارالسعید' کی آتش زدگی کے بعد جان جی بمع دیگر اہل خانہ، میرے بھائی عبداللہ سعید کی ملٹری اکیڈمی کی رہائش گاہ میں اُن کے ساتھ اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ میں اُس زمانے میں اپنی عسکری ملازمت کے سلسلہ میں کوئٹہ میں تعینات تھا۔ میں چند دِن کی رُخصت لے کر اپنے عزیزوں کی ملاقات کے لیے کاکول آیا۔ جان جی سے بغلگیر ہوا تو جذبات سے مغلوب تھا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں تھے۔ مگر جان جی کا سکون اور اطمینان برقرار رہا۔ آپ نے مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: "دنیاوی مال و متاع کے زیان پر آنسو بہانے کی بجائے

ہماری زبانوں پر کلمۂ شکر ہونا چاہئے، کہ ہم سب زندہ سلامت ہیں۔ اور ہماری ایک دوسرے سے ملاقات ہورہی ہے۔" جان جی کا بے مثال صبر، میرے لیے ایک ایسا نمونہ چھوڑ گیا کہ اُس کے بعد کسی بھی دُنیاوی نقصان پر میری آنکھ میں ایک بھی آنسو، کبھی نہیں آیا۔

جان جی کی بے شمار دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ کا عفوودرگذر بھی بے مثال تھا۔ بڑی بڑی خطائیں بلکہ جُرم تک آپ یوں معاف فرماتے کہ دِل میں رنجش تک نہ رہتی۔ بحیثیت باپ، یہ نہایت اعلیٰ مثال ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ کا شمار بلند مرتبہ نیک انسانوں اور اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔

اگرچہ میں اپنے آپ کو اِس قابل تو نہیں سمجھتا مگر آپ کا فرزند ہونا میرا افتخار ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ)

سعیدہ بیگم، دُختر خان بہادر غلام ربانی خان صاحب

جب سے میں نے ہوش سنبھالا، جان جی میری زندگی میں موجود تھے۔ میرے والد (ا.جی جی) اور جان جی ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ گھریلو تقریبات میں، سماجی اور مذہبی محافل میں، حتیٰ کہ سفرِ حج بھی آپ نے ایک ساتھ کیا۔ ہمارے علاوہ دیگر لوگ بھی یہی جانتے تھے کہ آپ دونوں بھائی ہیں۔ آپ دونوں کی شخصیات میں کچھ خاص مشابہت تھی، اور لباس بھی عموماً ایک جیسا زیب تن فرماتے تھے۔ ہمارے خاندان کے، جان جی کے خاندان سے پشت در پشت گہرے مراسم چلے آتے تھے۔ ہماری پرورش ایسے ہوئی کہ کبھی اندازہ ہی نہ ہوا کہ دونوں خاندان الگ الگ ہیں۔ ہم بہن بھائیوں میں سے کوئی بیمار پڑا تو فوراً جان جی کے سپرد ہو گیا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں بیمار ہوئی تو مجھے جان جی کے پاس ڈاڈر بھیج دیا گیا۔ گھر کے سب بڑے چھوٹے میرے اِردگرد رہتے، ہر بات کا دھیان کرتے، مگر میں ایسی ضد پکڑ بیٹھتی کہ جب تک جان جی ہسپتال سے نہ لوٹتے تھے، نہ کھانا کھاتی تھی اور نہ دوا ہی پیتی تھی۔ سب منت سماجت کر کے تھک ہار بیٹھتے تھے۔ جان جی آجاتے تو میرا

چہرہ خوشی سے کھِل جاتا، کھانا بھی کھاتی اور دوا بھی پیتی۔ میرے بھائی شوکت محمود، جانجی کی صاحبزادی اسماء سے بیاہے گئے۔ جب آپ کا پہلا بیٹا طارق احمد شوکت پیدا ہوا، تو جان جی نے فرمایا: "ہماری دوستی میں اب خون کا رشتہ بھی شامِل ہو گیا ہے"۔

ہم سب بہن بھائیوں کی اولاد بھی یہی جانتی تھی کہ اجی جی اور جان جی سگے بھائی ہیں۔ جب اجی جی کا انتقال ہوا تو جان جی پاکستان میں موجود نہ تھے۔ جنازہ اُٹھانے کا وقت آیا تو میری بیٹی عفت نے ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ جب تک اجی جی کا بھائی نہ آجائے، کوئی کیسے جنازہ اُٹھا سکتا ہے۔ بڑی مشکل سے اُسے قابو میں لائے اور دلاسہ دیا اور سمجھایا کہ جان جی اِس وقت انگلستان میں ہیں، فوراً نہیں پہنچ سکتے۔

جان جی کی محبت، شفقت اور اعلیٰ کردار اور اوصاف کو احاطۂ تحریر میں لانا بے حد دشوار ہے۔ بس اتنا لکھنا چاہوں گی کہ آپ سراپا محبت تھے۔ نرم خو، شیریں گفتار شفیق و مہربان سب کے پیارے جان جی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اپنے انعام واکرام سے نوازے۔ آمین۔

گل بی بی، دُختر سیّد عبدالعزیز شاہ صاحب

جان جی کے خاندان، اور میری ننھیال اور ددھیال کے بزرگوں میں باہمی رشتۂ اخوت کئی پشتوں سے چلا آرہا تھا اور ہماری نسل تک یہ سلسلہ محبت واخوت بدستور قائم رہا۔ ہم اسی تاثر کے ساتھ پلے بڑھے کہ اجی جی (خان بہادر غلام ربانی خان) اور جان جی (خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان) دونوں ہمارے ماموں ہیں اور جان جی کی اولاد بھی ہماری والدہ کو اپنی سگی پھوپھی تصور کرتی تھی۔

جان جی جب ایبٹ آباد سے لاہور منتقل ہو گئے تھے، تو میں اکثر آپ کی ملاقات کے لیے آپ کے پاس جاتی تھی۔ دورانِ گفتگو آپ اپنے بچپن کے واقعات بیان فرمایا کرتے تھے اور میری دادی جان کی مروت کا تذکرہ ضرور فرماتے تھے۔ آپ کے بچپن کے زمانہ میں دیگر اس میں کوئی

اسکول نہ تھا۔ جان جی کو آپ کے والد محترم نے داتہ کے پرائمری سکول میں، ہمارے بزرگوں کی زیرِ سرپرستی داخل کروا دیا تھا۔ جان جی فرماتے تھے کہ ہماری دادی جان، آپ سے بہت محبت سے پیش آتی تھیں۔ اپنے سامنے بٹھا کر کھانا کھلاتی تھیں۔ آپ زیادہ خوش خوراک نہ تھے۔ کھانے سے جلدی ہاتھ کھینچ لیتے تھے۔ وہ مزید کھانے پر اصرار کرتے ہوئے، بے حد محبت سے کہتی تھیں: "سعید احمد! تمہاری بھوک تو بس ایک چڑیا جیسی ہے۔ تھوڑا سا تو اور کھا لو"۔

ایک دن میں دارالسلام گئی تو میرا بیٹا وقار میرے ہمراہ تھا۔ جان جی اُس وقت اپنے کمرے میں تھے۔ آپ کے بستر پر سفید اُجلی چادر بچھی ہوئی تھی اور آپ نے خود بھی سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ آپ کے چہرے پر ایک ملکوتی تبسم تھا۔ لہجہ نرم و ملائم اور گفتگو میں ایک عجیب شیرینی تھی، جس سے میرا بیٹا بے حد متاثر ہوا۔ آپ سے رُخصت ہو کر باہر آئے تو وقار نے مجھ سے پوچھا: "امی جان! جان جی انسان ہیں یا فرشتہ؟" اور حقیقت یہی ہے کہ آپ ایک فرشتہ صفت انسان تھے۔ ایک پاکیزہ خلق سے آراستہ صاف دِل اور پروقار، آپ کی محبت شفقت اور مروت ہم بھلائے نہ بھول پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مقربین میں بلند مقام عطا فرمائے۔

ڈاکٹر حامد رحمان

ہم سب عزیزوں اور دوستوں کے جان جی، خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ہی وہ انقلاب آفرین ہستی ہیں، جس نے میری ذات پر گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔ میری پیدائش ۱۹۴۰ء کی دہائی کے وسط میں ہوئی۔ اور اس سے قبل کہ میں شعور کی عمر کو پہنچتا، جماعت احمدیہ لاہور کی سرکردہ روحانی ہستیاں اس جہاں سے رحلت فرما چکی تھیں۔ جس وقت مولٰینا محمد علیؒ ہم سے جدا ہوئے تھے، تو میں سات برس کا تھا۔ اُن کی دھندلی سی یاد اور سید اسداللہ شاہ صاحبؒ کی کچھ واضح یادیں ذہن میں ہیں۔ خوش قسمتی سے مولٰینا عبدالحق ودیارتھی کے خطبات سُننے نصیب ہوتے رہے۔ لیکن ان تمام بزرگان میں سے کسی سے مجھے وہ قربت نصیب نہ ہو سکی کہ اُن کی روحانیت سے میں ایسے اثر

پذیر ہوتا کہ میری ذات پر کوئی دیر پا نقش مرتب ہو پاتے۔ اسے میں اپنی خوش نصیبی کہوں گا کہ جان جی سے مجھے ایسا قرب حاصل ہوا کہ آپ کی روحانیت نے میری ذات پر گہرے نقوش ثبت کیے۔

ہمارا ابتدائی بچپن کا زمانہ لاہور میں گذرا۔ جلسہ سالانہ کے ایام میں اور اُس کے بعد نجی گھریلو تقریبات میں جان جی کو دیکھنا نصیب ہوتا تھا۔ مگر ۱۹۵۷ء میں جب میرے والد محترم جناب عبدالرحمان صاحب ایبٹ آباد پبلک اسکول کے پرنسپل مقرر ہوئے اور ہم ایبٹ آباد منتقل ہو گئے تو جان جی سے قریب تر ہونے کے مواقع بھی بڑھ گئے۔

میں برن ہال اسکول ایبٹ آباد میں زیرِ تعلیم تھا۔ میں اور میرے بہن بھائی اچھی طرح یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے جیسے متوسط گھرانے کے بچے، تبھی زندگی میں کوئی اچھا مقام حاصل کر پائیں گے، اگر وہ محنت اور لگن سے حصولِ تعلیم کی سعی کریں گے، اور ہمیں یہ بھی شعور تھا کہ محنت کا ثمر عطا کرنا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر منحصر ہے۔ اسی لیے ہر امتحان سے قبل جان جی سے دُعا کی درخواست کرتے تھے اور اُس کے بعد کمرۂ امتحان میں ایک خاص خود اعتمادی اور اطمینانِ قلب سے قدم رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایبٹ آباد پبلک اسکول کے اساتذہ نے میرے والد صاحب کے خلاف شکایت کر دی۔ وہ اُن کے نظم و ضبط سے ناخوش تھے۔ اُس کے نتیجہ میں حکومت کی طرف سے معاملہ کی چھان بین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میری والدہ محترمہ نے جان جی سے دُعا کی درخواست کی۔ میرے والد اس سلسلہ میں لاہور تشریف لے گئے تھے اور ہم ایبٹ آباد میں سخت پریشانی کے عالم میں تھے۔ ہمارے خاندان کے لیے یہ کڑی آزمائش کا وقت تھا۔ جان جی ڈاڈر جاتے ہوئے ہمارے پاس کچھ دیر کے لیے رُکے۔ آپ کا ہمارے ساتھ موجود ہونا، اور پھر تسلی آمیز گفتگو کرنا، ہمارے لیے جیسے ایک مرہم ثابت ہوا۔ ہمارے تفکرات و خدشات زائل ہو گئے۔

جان جی جیسی خوبصورت شخصیت کا احاطہ ایک مختصر سی تحریر میں کوئی کیوں کر کرے؟ آپ کی شخصیت ہر اُس انسان پر اثر انداز ہوئی ہے، جسے کبھی بھی آپ سے ملاقات کا شرف حاصِل ہوا ہو

گا۔ ایک زمانے میں جان جی صوبہ سرحد کے محکمہ صحت سے منسلک رہے تھے۔ جب میرا تبادلہ صوبہ سرحد (موجودہ خیبر پختون خواہ) کی سیکرٹریٹ میں ہوا، تو وہاں میری ملاقات کئی ایسے حضرات سے ہوئی جو جان جی سے محبت بھری عقیدت رکھتے تھے اور آپ کی یاد اُن کے دِلوں میں موجود تھی۔ جب میری آپ سے قرابت داری کا لوگوں کو پتہ چلتا تو میری قدرومنزلت کہیں زیادہ بڑھ جاتی۔ ایک واقعہ بالخصوص مجھے یاد ہے کہ میرے ایک سینئر افسر جو بعد میں چیف سیکرٹری کے عہدے پر بھی فائز رہے، جان جی کے بے حد عقیدت مند تھے۔ جب اُنہیں جان جی سے میری رشتہ داری کا علم ہوا، تو فوراً مجھ سے بغل گیر ہو گئے، اور یہ بتایا کہ اُن کے والد، جان جی کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ جس زمانہ میں جان جی پشاور میں تھے، تو اُن کے والد کا تبادلہ کسی دوسرے مقام پر ہو گیا۔ اُن کی غیر موجودگی میں جان جی نے اُن کا ایسے خیال رکھا جیسے کہ وہ آپ کے اپنے ہی گھر کے افراد ہیں، اور بہت اچھی طرح دیکھ بھال کی۔

جان جی کی محبت کچھ ایسی ہی تھی کہ ہر ملنے والا اپنے ساتھ یہی تاثر لے کر جاتا کہ جیسے وہی آپ کا سب سے زیادہ پسندیدہ ہو۔ بہت سے دوسرے افراد کی طرح میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ جانجی کے دِل میں میرے لیے ضرور ایک نرم گوشہ تھا۔

میں موسمِ خزاں کا وہ بدترین دِن کبھی بھی نہیں بھلا پاتا، جب ۱۵ نومبر کی شام کو میں یونیورسٹی سے گھر واپس لوٹا تو میری بیوی بے طرح رو رہی تھی۔ اُس نے مجھے یہ غم انگیز خبر سنائی کہ جان جی اب ہم میں نہیں ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ (انگریزی تحریر کا ترجمہ)

ارجمند بانو انور

جان جی کے متعلق کچھ کہنا یا لکھنا اُن کی خوبیوں اور کمالات کو کم کرنے کے مترادف ہے۔ یوں تو ہزاروں ایسی باتیں اور واقعات ہیں، لیکن اس تحریر کے لیے میں نے اپنی زندگی کا ایک ایسا

واقعہ منتخب کیا ہے جو میری طرح میری تمام بہنوں اور بزرگوں کے لیے مشعل راہ بن سکتا ہے۔ یہ ۱۹۸۱ء کا واقعہ ہے، جب یہ فیصلہ ہوا کہ انور مرحوم لندن جائیں اور یو کے (UK) مشن میں ذمہ داریاں سنبھالیں۔ مجھے بھی یہ شرف حاصل ہوا کہ میں اپنے مرحوم شہید خاوند کے ساتھ آئی۔ ہمارے آنے سے پہلے جان جی نے مجھے علیحدگی میں بلایا اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مجھ سے کہا: ”میں تم سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں۔ جس سفر پر تم اپنے خاوند کی ہم سفر ہونے والی ہو، وہ نہایت ہی مشکل اور کٹھن سفر ہے۔ اس زندگی میں کسی قسم کی دنیاوی آسائش اور آسانی ہرگز نہیں ہوگی۔ اور تمہیں طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ دنیاوی خواہشات اور آرام بالکل ناپید ہوگا۔ ایسے میں عموماً بیویاں اپنے خاوندوں پر اتنا دباؤ ڈالتی ہیں کہ چاہتے ہوئے بھی وہ مجبور ہو کر اپنا مشن جاری نہیں رکھ سکتے۔ لندن مشن کی کامیابی میری سب سے بڑی خواہش ہے۔ میں تم سے امید رکھتا ہوں اور وعدہ لیتا ہوں کہ تم ایسا ہرگز نہیں کروگی“۔ الحمد للہ کہ خدا نے مجھے اپنا وعدہ نبھانے کی ہمت اور حوصلہ دیا۔ اور انشاء اللہ مرتے دم تک میں اپنی پوری کوشش کروں گی۔ میری اپنی بہنوں سے بھی یہی استدعا ہے کہ وہ ہمارے جان جی اور سب کے پیارے مرحوم امیر کی اس نصیحت کا خیال رکھیں۔ اور اُس محبت کو جو اُنہیں جماعت کے مشن سے تھی، ہمیشہ زندہ رکھیں۔

جانجی کے ساتھ ہمارا ایک لمبا عرصہ گزرا اور اُن کی محبت اور شفقت ازل تک یاد رہے گی۔ خدا اُن کے درجات بہت ہی بلند فرمائے۔ آمین۔

ثمینہ ملک

جان جی سے مجھے بے انتہا محبت اور عقیدت تھی۔ آپ میرے روحانی باپ تھے۔ میں نے حافظ شیر محمد صاحب مرحوم سے آپ کا ذکرِ خیر اکثر سُنا تھا، مگر آپ سے پہلی ملاقات کا شرف ۱۹۸۱ء میں ہوا جب آپ بیرون ملک دورہ جات کے سلسلہ میں کینیڈا تشریف لائے اور ہمارے گھر پر قیام فرمایا۔ یہ ایام ہمارے لیے انتہائی پُرمسرت اور روحانی برکات کے حامل تھے۔

جان جی کی دعوت پر میں ۱۹۸۵ء کے جلسہ سالانہ میں پہلی مرتبہ شریک ہوئی۔ جان جی بہ نفسِ نفیس بمع اپنی دُختر زبیدہ محمد احمد صاحبہ اور محترم میاں فضل احمد صاحب، بیگم طاہرہ فضل احمد صاحبہ اور زکیہ شیخ صاحبہ مرحومہ کے میرے استقبال کے لیے ہوائی اڈے پر موجود تھے۔ میں اِن سب معزز ہستیوں، بالخصوص جان جی کو، رات کے دس بجے کے وقت، وہاں دیکھ کر حیران وششدر رہ گئی۔ میرے قیام کا بندوبست محترمہ مسز زبیدہ محمد احمد صاحبہ کی رہائش گاہ پر کیا گیا تھا۔مگر ہر صبح جان جی اپنا ڈرائیور بھیج کر مجھے دارالسلام بلوا لیتے تھے اور میں زیادہ وقت آپ کے اور آپ کے دیگر اہلِ خانہ کے ساتھ گذارتی تھی۔ جلسہ کا آغاز ہوا، تو اگلے ہی روز میں بیمار پڑ گئی۔ جان جی خود تشریف لائے اور میرے گلے کا معائنہ کرنے کے بعد فرمایا کہ تکلیف ایسی زیادہ نہیں جو آپ کی جلسہ میں شمولیت میں مانع ہو۔

ایک مرتبہ میں لاہور میں جان جی کے پاس بیٹھی تھی۔آپ نے اپنے فرزند عبدالکریم سعید پاشا سے فرمایا کہ آپ کی کتب میں سے حضرت مولٰینا محمد علیؒ صاحب کے انگریزی ترجمۃ القرآن کی ۱۹۱۷ء کے ایڈیشن کی جلد نکال کر لائیں۔ جان جی نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا: ”میری پیاری ثمینہ کے لیے“، اور وہ مجھے عطا کر دی۔ یہ میرے لیے ایک انمول تحفہ ہے جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ سب سے پہلے ایڈیشن کی جلد ہے اور دوسرے یہ کہ یہ جان جی کا مستعمل ہے۔آپ نے اپنے میڈیکل کے زمانۂ طالب علمی میں، اپنی جیب خرچ کی رقم میں سے ایک پونڈ، اس مقصد کے لیے بچایا تھا کہ اس ترجمۃ القرآن کو اپنے لیے حاصل کریں۔ دوسرا بیش بہا تحفہ جو مجھے آپ کی طرف سے عطا ہوا، وہ ایک پاکٹ سائز قرآن ہے، جو جان جی کے داماد مرزا عبدالرحمان بیگ نے جان جی کو بطورِ تحفہ دیا تھا۔اسے آپ ہمیشہ سفر میں اپنے ہمراہ رکھتے تھے اور اپنے قلم سے آپ نے اس پر کچھ نکات نوٹ بھی کیے ہوئے ہیں۔ جب آپ نے مجھے یہ تحفہ دیا تو یہ فرمایا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سفر کرتی رہتی ہیں۔ یہ آپ کے کام آئے گا۔

جان جی کی وفات سے تقریباً دو ماہ قبل میں لاہور میں آپ ہی کے گھر میں مقیم تھی کہ سخت

بیمار پڑ گئی۔ جان جی دِن میں کئی کئی بار بمع انوار احمد میری احوال پُرسی کے لیے تشریف لاتے تھے۔ اُنہی ایام میں آپ نے مجھ سے یہ وعدہ لیا کہ میں لاہور احمدیہ انجمن کے لیے کام کرنا ترک نہیں کروں گی اور یہ کہ برلن مسجد کی مرمت کا کام بھی جاری رکھوں گی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ دین کی راہ میں کام کرنے والوں کو مشکلات درپیش رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے ہوئے مستعدی سے کام کرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اخروی زندگی ہی بہترین زندگی ہے اور دُنیاوی زندگی محض ایک مختصر سا مسافرت کا زمانہ ہے۔ اسی موقعہ پر آپ نے ایک اور بے حد قیمتی نصیحت یہ کی کہ اگر کسی فرد میں کوئی خامی نظر بھی آئے، پھر بھی اُس کی خوبیوں پر نظر رکھنی چاہیئے۔ اور اگر اُس کی خوبیاں، اُس کی خامیوں سے بڑھ کر ہیں تو خامیوں کو یکسر نظر انداز کر دینا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کے اِس نیک بندے کی صفات کو احاطہِ تحریر میں لانا کوئی سہل امر نہیں۔ میں جان جی سے اپنی آخری ملاقات کا ذکر یہاں کرنا چاہوں گی۔ آپ کی شدید بیماری کی اطلاع ملنے پر میں آپ کی بیٹی خدیجہ اور داماد چوہدری منصور احمد کی ہمراہی میں لاہور پہنچی تو آپ کو بے حد نحیف اور کمزور پایا۔ آپ گفتگو بھی بہت کم فرماتے تھے۔ میں ہر روز آپ کی ملاقات کے لیے ہسپتال جایا کرتی تھی۔ ایک صبح کو میں منصور احمد صاحب کے ہمراہ وہاں پہنچی۔ منصور صاحب بستر کے قریب گئے اور میں اُن کے پیچھے قریب ہی کھڑی ہو گئی۔ جان جی نے پوچھا، آپ کے ہمراہ کون ہے؟ جب آپ کو بتایا گیا کہ ثمینہ ہے، تو آپ نے کوشش کی کہ اُٹھ کر بیٹھ جائیں۔ میں آگے بڑھی اور آپ کا ہاتھ تھام لیا۔ آپ نے فرمایا: ”ثمینہ نام کے معنی ہیں بیش قیمت“۔ ہمارے موجودہ امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید نے جان جی کو بتایا کہ ثمینہ روسی ترجمۃ القرآن کا ٹائپ سیٹ لے کر آئی ہیں تو اس قدر نقاہت کے باوجود، اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت عطا فرمائی اور آپ نے بلند آواز میں پانچ مرتبہ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہا۔

میں اللہ تعالیٰ کے اس مخلص اور مومن بندے کی کمی ہر دم محسوس کرتی ہوں۔ آپ ہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے ہمیں تراجمِ کتب کا کام سونپا اور ہمارے دلوں میں اشاعتِ اسلام کا ولولہ پیدا کیا۔ ہم

اس بندۂ خدا کو کیوں کر بھلا سکتے ہیں؟ آپ ہی نے بیرونِ پاکستان کی تمام جماعتوں کو لاہور احمدیہ انجمن کے کام کی اہمیت کا احساس دلایا اور تمام جماعتون کو مستحکم بنیادوں پر قائم فرمایا۔ آپ ہی کی قدآور روحانی اور صاحب کشف و الہام ہستی کی جہد مسلسل سے یہ سب ممکن ہو سکا ہے۔ میری اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(انگریزی سے ترجمہ)

عقیلہ سلام

جان جی کا شفقت بھرا ہاتھ ہمیشہ میرے سر پر رہا، شادی سے قبل بھی اور شادی کے بعد بھی جب میں دارالسلام میں رہنے لگی تو آپ نے ہر طرح سے میرا خیال رکھا۔ آپ میرے شوہر عبدالسلام صاحب سے بھی نہایت محبت بھرا سلوک کرتے تھے۔ آپ اُن پر بے حد اعتماد فرماتے تھے اور اپنے خاص خطوط اُن سے ٹائپ کروایا کرتے تھے۔ جان جی بے حد نیک دل اور صلہ رحم انسان تھے، اور اپنے تمام رشتہ داروں کی دیکھ بھال کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ ہم بہن بھائی والد صاحب کی شفقت سے محروم ہو چکے تھے۔ آپ نے ہم سب کی سرپرستی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی محبت اور نیکیوں کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

مولانا عبدالسلام صاحب

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ہماری جماعت کے تیسرے امیر تھے۔ آپ نہایت نیک دِل اور ہمدرد انسان تھے۔ ہم چار آدمی تھے جو اُن کے پاس اکثر شام کی چائے پیتے تھے۔ اس وقت ہم دو رہ گئے ہیں اور دو خدا تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں، جناب راجہ بیدار صاحب اور قاضی عبدالاحد صاحب۔ ایک تو میں ہوں عبدالسلام اور دوسرے سردار علی خان صاحب۔

ہمارا نام ”چہار درویش“ چھوٹے لالہ کی بیگم صاحبہ نے رکھا تھا جو کہ آخر وقت تک قائم رہا۔

جانچی خدا تعالیٰ کے حضور بہت گڑ گڑاتے تھے۔ میں ایک دفعہ ایبٹ آباد گیا ہوا تھا کہ ایک دن میں سحری کے وقت جاگ گیا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ خدا کے حضور کھڑے ہیں اور خدا تعالیٰ کے حضور رورو کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو اعلیٰ مقامِ جنت دے۔ آمین ثم آمین۔

ایک خط بنام عبدالسلام صاحب اور عقیلہ سلام صاحبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیز و محترم عبدالسلام، میری بہت اچھی بھتیجی عقیلہ۔

اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛

آپ کا عید کارڈ ہمیں عید کے موقعہ پر ملا۔ دلی خوشی ہوئی۔ اگرچہ یہ احساس بھی ساتھ ہوا کہ آپ نے تکلیف کی اور ایک ایسا خرچہ برداشت کیا جو اس قدر ضروری نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی محبت کے اس جذبہ کو قبول فرمائے اور آپ کو دین و دنیا کی برکات سے نوازے۔

اُمید ہے آپ دونوں کی صحت اچھی ہوگی۔ میں بھی بخیریت ہوں۔ ویسے آپ جانتے ہیں یہ زمانہ کس قدر امتحان اور آزمائش کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور وطن میں ہمارے سب عزیزوں، دوستوں اور جملہ احبابِ جماعت کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے اور ہمارے کاموں کا انجام اچھا کرے۔

والسلام۔

سعید احمد

مسعودہ بانو

جب میں نے اِس دنیا میں آنکھ کھولی تو جان جی میری زندگی میں موجود تھے۔ آپ سے ہمارا قرابت داری کا رشتہ تھا اور میں نے اپنے بچپن کی اولین یادوں میں جان جی کو اپنے بے حد قریب پایا اور اُن کی محبت اور شفقت کو محسوس کیا۔

رمضان کا مہینہ تھا اور میں ایبٹ آباد میں جان جی کے گھر میں بطور مہمان ٹھہری ہوئی تھی۔ میں دوسری منزل پر سویا کرتی تھی اور سحری کے لیے نچلی منزل میں جانا ہوتا تھا۔ جانجی مجھے جگانے کے لیے خود اوپر تشریف لاتے اور اپنے ساتھ لے کر چلتے۔ پاسِ ادب سے میں آپ سے پیچھے چلتی تھی۔ مجھے آپ اپنے آگے چلنے کو کہتے تاکہ میں اپنے آپ کو محفوظ محسوس کروں اور مجھے ڈر نہ لگے۔

آپ کی شفقت کا احساس اُس وقت کہیں زیادہ ہونے لگا جب ۱۹۷۰ء میں ہمارے والد محترم حبیب الرحمان صادق صاحب کا سایہ ہمارے سروں سے اُٹھ گیا۔ ہم سب بہن بھائی کم عمر تھے۔ اُس وقت آپ اس طرح ہمارے سروں پر سایہ فگن ہوئے کہ ہمیں کسی دوسرے کی سرپرستی کی حاجت ہی نہ رہی۔ میں وہ قیامت خیز گھڑی کبھی بھی فراموش نہیں کرسکتی جس دن میرے والد صاحب ہمیں دائمی جدائی کے ناقابلِ برداشت غم سے دوچار کر گئے تھے۔ میں اور میری والدہ غم سے نڈھال تھے۔ جان جی نے ہم دونوں کو اپنے پاس بٹھایا اور ہماری ڈھارس بندھائی۔ جن الفاظ میں آپ نے ہماری دلجوئی فرمائی وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”یہ آپ کا نہیں میرا غم ہے۔ آپ کے لیے تو میں ہوں، مگر میں تنہا رہ گیا ہوں۔ میرا بھائی مجھ سے بچھڑ گیا۔“ یہ الفاظ ہمارے لیے تقویت کا باعث تھے۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھوں سے دو پیالوں میں دہی نکالا اور فرمایا کہ میں یہ جانتا ہوں کہ ایسی حالت میں آپ کے لیے ایک نوالہ بھی حلق سے اُتارنا محال ہوگا، مگر پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ کھالیں۔ اتنا بڑا غم سہہ جانے کے لیے بھی کچھ توانائی کی ضرورت ہوگی۔

جان جی کی محبت سے اور بے پناہ شفقت سے عزیز، دوست اور سلسلۂ احمدیہ کے احباب سب کو حصہ ملا، اور ہر ایک آپ سے محبت میں قریب تر ہونے کا دعویدار ہے۔ میرا بھی کچھ ایسا ہی احساس ہے۔ شاید یہ معمہ میرے لیے کبھی بھی حل نہ ہونے پائے کہ درحقیقت آپ سے قریب ترین کون ہوگا۔

شادی کے بعد جب میں سعودی عرب چلی گئی تھی تو آپ مجھے محبت بھرے خطوط لکھا کرتے تھے۔ اُن میں سے دو خطوط سے مختصر اقتباس تحریر کرتی ہوں:

(الف)۔ آپ کو میرے ساتھ جو غیر معمولی محبت اور عقیدت ہے، وہ بغیر اثر کے ہرگز نہیں رہ سکتی۔ میرے دل میں بھی یقیناً آپ کے لیے عزت اور محبت کا مقام ہے۔ آپ نے مجھے کپڑا دیتے وقت اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں سلوا کر اسے پہنوں تو آپ خوش ہوں گی۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا ہے۔ میں آج کل اکثر وہی جوڑا پہن رہا ہوں اور آپ کی محبت کو یاد کرتا ہوں۔

(ب)۔ بہت ہی پیاری اور محبت کرنے والی مسعودہ سلامت رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے اور صدیقہ اور عبدالرحمان آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک رہیں۔

(ج)۔ آپ نے جو بیش قیمت تحائف بھیجے ہیں اُن کا پارسل ایک ہفتہ پہلے پہنچا تھا۔ پارسل کھولا تو اُس میں سے آپ کا پیارا خط بھی نکلا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کو اس خلوص کے جواب میں کیا لکھوں۔ آپ سے میرا دل تو ہمیشہ ہی بہت خوش ہے اور ایسا ہی رہے گا۔ لیکن آپ جس قدر خرچ ہمارے لیے کرتی ہیں اُس سے مجھے ذہنی تکلیف ہوتی ہے۔ بہر حال میری دُعا ہے کہ اللہ آپ سے راضی رہے۔

جان جی میرے شوہر صادق نور اور میرے دونوں بچوں سے بھی بے حد محبت کرتے تھے۔ اسے میں اپنا اچھا نصیب سمجھتی ہوں کہ ہم سب کو آپ کی دعائیں نصیب ہوئیں۔ جان جی کی رحلت سے میرے لیے جو خلاء رہ گئی ہے کوئی دوسرا اُسے پُر نہیں کرسکتا۔ نہ کوئی ایسی محبت دے سکتا ہے نہ کر سکتا ہے۔

؎ اب کہاں سے لائیں جو ہو تجھ سا کوئی

فائزہ نجیب صادق

اپنے والدین کے گھر میں، میں نے اپنے والد مرحوم (ڈاکٹر عبداللہ جان خلیل صاحب) سے ڈاکٹر سعید احمد خان کا ذکرِ خیر ہمیشہ سُنا تھا۔ میرے والد صاحب کو آپ سے گہری عقیدت تھی اور آپ کا ذکر وہ بے حد ادب واحترام سے فرمایا کرتے تھے۔ مگر میری اپنی آپ سے پہلی ملاقات اپنے جان جی کی حیثیت سے ہوئی، کیونکہ میرے شوہر نجیب صادق آپ کے بھتیجے ہیں۔ میرا رشتہ بھی آپ ہی کی وساطت سے طے پایا تھا۔ میں دسمبر ۱۹۹۴ء میں جلسہ سالانہ کے ایام میں لاہور گئی تھی اور آپ کے سلام کو حاضر ہوئی۔ جب میں اپنے شوہر نجیب کے ہمراہ آپ کے کمرے میں داخل ہوئی تو آپ نے محبت اور شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ دیر تک مجھ سے گفتگو فرمائی اور پھر نجیب سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”یہ بے حد معزز اور اعلیٰ مرتبہ گھرانے کی بچی ہے۔ اس کی بے حد قدر کرنا۔“ آپ مجھ سے مل کر اور ہماری شادی سے اس قدر خوش تھے کہ فرطِ جذبات سے آپ کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ اس مسرت بھری ملاقات کے لمحات مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے۔

میری دوسری ملاقات کے وقت جان جی شیخ زید ہسپتال لاہور میں زیرِ علاج تھے، اور تیسری جلسہ سالانہ ۱۹۹۵ء کے ایام میں ہوئی۔ اور آخری مرتبہ میں کینیڈا روانگی سے قبل اپنی خوش دامن صاحبہ (بیگم حبیب الرحمان صادق) کے ہمراہ آپ کو وداعی سلام کرنے کے لیے حاضر ہوئی

تھی۔ اُس وقت مجھے یہ اندازہ نہ تھا کہ یہ میری آپ سے آخری ملاقات ہوگی۔ آپ نے مجھے خاص دعاؤں کے ساتھ رُخصت فرمایا تھا۔

کہنے کو تو یہ دو چار ملاقاتیں ہیں، مگر جو مثبت اثرات میری زندگی پر ان محبت بھری دعاؤں اور گفتگو نے مرتب کیے ہیں، وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے جان جی جیسی نیک ہستی سے قرابت کا رشتہ اور آپ کی دعائیں نصیب ہوئیں۔ آپ کے اِس دُنیا سے چلے جانے کے بعد جو خلا پیدا ہوا ہے وہ شاید ہی کبھی پُر ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حق میں آپ کی دُعائیں قبول فرمائے اور ہمیں آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فقیر محمد (ریڈیوگرافر)

مجھے جان جی کے بہت قریب رہنے کو موقع نصیب ہوا ہے۔ میں کئی برس تک اپنی والدہ کے ہمراہ آپ کے گھر میں آپ کے زیرِ سایہ رہا۔ آپ نے مجھے اپنے خاندان کے افراد سے الگ کبھی نہیں سمجھا اور ہر طرح سے میری سرپرستی فرماتے رہے۔ آپ نے مجھے تعلیم دلوائی۔ اور اگر میں نے کبھی پڑھائی کے معاملے میں سُستی بھی برتی تو آپ نے محبت سے توجہ دلائی۔ اگر کبھی تعلیمی معیار میں کوئی کمی بھی رہ جاتی تو آپ ناراض نہ ہوتے بلکہ نہایت تحمل سے نصیحت فرما کر حوصلہ بڑھاتے۔ جتنا عرصہ میں آپ کے ساتھ رہا، مجھے یاد نہیں پڑتا کہ آپ نے کبھی بھی مجھے ڈانٹا ہوگا۔ آپ نے مجھے ریڈیوگرافی کی تربیت دلائی اور پھر اپنے زیرِ سایہ ڈاڈر سینیٹوریم ہی میں ملازمت دلوادی۔

آج میں جس مقام پر ہوں، اور اپنی اولاد کے ساتھ ایک خوش حال زندگی بسر کر رہا ہوں، وہ سب جان جی ہی کی بدولت نصیب ہوا ہے۔ آپ کے بلند اخلاق اور حُسنِ سلوک کو میں کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

دُرِّشہوار رانا

میرے والد محترم ومکرم قاضی محمد اعظم خان صاحب نے جب کبھی بھی اپنے احباب خاص کا ذکر گھر میں فرمایا تو اس میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا نام ہمیشہ شامل ہوتا تھا۔ یہ سال ۱۹۴۲ء کا ذکر ہے جب میری بڑی بہن طہورہ آپا کو تپ دق ہوگئی تھی۔ گھر بھر پریشانی کے عالم میں تھا کہ اب علاج کی کیا صورت ہو۔ میرے بڑے بھائی نے ڈاڈر سینیٹوریم کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ محترم ڈاکٹر سعید احمد خان سے رابطہ کیا اور آپ کو مشورہ کے لیے بلوایا۔ آپ تشریف لائے، آپا کا معائنہ کیا اور میرے والد صاحب کو تسلی دی اور اس بات پر راضی کرلیا کہ طہورہ کو سینیٹوریم میں داخل کروادیں تاکہ آپ اپنی نگرانی میں اُن کا علاج کرسکیں۔ اس طرح جلد صحت یابی متوقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم سے اور ڈاکٹر صاحب کی خصوصی توجہ سے آپا مکمل طور پر صحت یاب ہوگئیں۔ اس طرح ہمارے ان دونوں خاندانوں میں قربت بڑھ گئی۔

یہ میرے بچپن کا زمانہ تھا۔ قریباً سات سال بعد، جب ڈاکٹر صاحب کی صاحبزادی صفیہ اور میں گورنمنٹ ہائی اسکول میں زیرِ تعلیم تھیں تو ہماری آپس میں دوستی ہوگئی۔ اس محبت اور دوستی کے پروان چڑھنے اور مستحکم ہونے میں میری آپا کا کافی ہاتھ تھا۔ اس زمانے میں عام طور پر سہیلیوں، دوستوں کے گھروں میں آنے جانے کا دستور نہ تھا۔ مگر ہم دونوں دوستوں پر ایک دوسرے سے وقت بے وقت ملاقات پر کوئی روک ٹوک عائد نہیں تھی۔ جان جی، صفیہ کے والد کی حیثیت میرے چچا جیسی ہوگئی اور آپ میرے بھی جان جی ہوگئے۔ صفیہ کی والدہ بوجی بے حد شفیق تھیں۔ میری اپنی والدہ کا انتقال میرے بہت بچپن میں ہوگیا تھا۔ مجھے بوجی کی ذات میں اپنی ماں کا پیار نظر آتا تھا۔

ہمارے دوستانہ تعلقات آج بھی اُسی طرح قائم ہیں جس طرح آج سے ساٹھ سال قبل تھے۔ تین بیٹوں کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹی عطا فرمائی تو اُس کے لیے نام انتخاب کرنے کا مرحلہ درپیش ہوا، تو ہر طرف سے کئی پیارے پیارے نام موصول ہوئے اور ایک لمبی فہرست مرتب

ہو گئی۔ لیکن میرے شوہر اور خود میں نے جو نام منتخب کیا، وہ میری بہن صفیہ کا تجویز کردہ نام 'درثمین' ہے۔ جس کی ترتیب میں 'در' اور 'ثمین' دونوں قرآنی لفظ ہیں اور میرے اپنے نام دُرِّشہوار سے قریب تر ہے۔ 'دُرّی' کی مَن موہنی شخصیت پر یہ نام بے حد جچتا ہے۔

ایک مرتبہ میں درّی کو ایبٹ آباد جان جی کے کلنک میں لے گئی تھی۔ جب میں نے اُس کا نام 'درثمین' بتایا، تو جان جی نے مسرت آمیز تعجب سے پوچھا کہ یہ پیارا سا نام کس نے رکھا ہے؟' میں نے بتایا کہ اس کی صفیہ خالہ نے تو بے انتہا خوش ہوئے۔ جان جی کو یہ نام بہت اچھا لگا تھا۔

جان جی کی انتہائی خوبصورت یادیں میرے اور تمام اہل خانہ کے دلوں میں آج بھی محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ آپ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین

شاہین اجمل

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے میں گذشتہ صدی کی اَسّی کی دہائی کے اواخر میں پہلی مرتبہ متعارف ہوئی، تو میں نے اپنے دل میں ایک کسک سی محسوس کی کہ یہ اتفاق اس سے قبل کیوں نہ ہوا۔ آپ کی دُختر صفیہ اور میرے گذشتہ کئی برسوں سے دوستانہ مراسم چلے آرہے تھے اس لیے جس طرح جان جی اپنے بچوں اور عزیزوں کے جان جی تھے، اُسی طرح میرے بھی 'جان جی' تھے۔

پہلی ہی ملاقات میں آپ کے نورانی چہرے پر پھیلی ہوئی شفقت اور طمانیت کی جھلک نے مجھے بے حد متاثر اور مرعوب کر دیا تھا۔ آپ کی نرم گفتاری اور محبت آمیز گفتگو نے مجھے آپ کا تقابل اِس شور وغوغا سے بھرپور دُنیا کے مغرور اور خود پسند انسانوں سے کرنے پر مجبور کر دیا۔

دیگر بے شمار اوصافِ حمیدہ کے ساتھ ساتھ آپ کی خوداعتمادی، باطنی پاکیزگی اور روحانیت، دوسروں میں بھی خوداعتمادی اور قوت پیدا کر دیتی تھی۔ اُس پہلی ملاقات کے بعد اکثر میں آپ سے ملاقات کے لیے جایا کرتی تھی۔ بعض اوقات، قربانی، زکوٰۃ اور صدقات کے مسائل بھی

آپ سے پوچھ لیتی تھی، اور اکثر صرف آپ کی صحبت میں کچھ وقت گذارنے اور دُعائیں لینے کے لیے چلی آتی تھی۔

آپ چھوٹے بچوں کے لیے ایک خاص کشش رکھتے تھے۔ بچے خود بخود آپ کی طرف مائل ہوجاتے تھے۔ مجھے وہ دِن اچھی طرح یاد ہے، جب میں اپنے ایک سالہ بھتیجے کو آپ کی ملاقات کے لیے لے گئی تھی۔ جان جی کی طبیعت اُن ایام میں زیادہ اچھی نہ رہتی تھی۔ وہ اپنے پلنگ پر نیم دراز تھے۔حمزہ کو میں نے اپنی گود میں اُٹھا رکھا تھا۔ جیسے ہی اُس کی نظر جان جی پر پڑی وہ اپنے دونوں بازو پھیلا کر آپ کی طرف جُھک گیا۔ جان جی نے فوراً اُسے اپنے بازوؤں میں تھام لیا۔حمزہ اور قریب ہوگیا۔آپ کے چہرے کو دیکھا تو اُس کے ننھے ننھے ہونٹوں پر ایک خوبصورت مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر دونوں ہاتھوں سے آپ کی داڑھی کو چھو کر محسوس کیا، اور ایسے مسکرایا کہ جیسے کوئی نیا خزانہ اُس نے تلاش کرلیا ہے۔جان جی نے مزید کچھ وقت تک اُسے اپنے بازوؤں میں سمیٹے رکھا۔ پھر ایک کھلونا بطور تحفہ دیا جو خاص طور پر اُس کے لیے منگوا رکھا تھا۔

جان جی کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر میں صرف یہی لکھنا چاہوں گی کہ اِن تمام برسوں میں جب بے شمار مرتبہ میری آپ سے ملاقات ہوتی رہی میں نے آپ کو کسی سے بھی بلند آواز میں یا غصے سے بات کرتے ہوئے نہیں سنا۔شاید ایسی ہی ہستیوں کا شمار ’عباد الرحمان‘ میں ہوتا ہے۔

عبدالعزیز مبارک

جان جی ہمارے خاندان کے نہایت قابلِ احترام بزرگ اور فرشتہ سیرت انسان تھے۔ آپ ہر ایک سے محبت اور خلوص سے پیش آتے تھے،اس لیے آپ ہر خاص و عام کے لیے ایک محترم ہستی تھے۔آپ کی محبت اور شفقت جو میرے گھر والوں کے لیے اور میری ذات سے وابستہ رہی، اُس کا احساس مجھے اپنے بچپن سے تھا، مگر جب عملی زندگی میں قدم رکھا تو بے شمار ایسے لوگوں سے

ملاقات کا موقع ملا جو آپ کی نیکی کے معترف تھے اور کسی نہ کسی رنگ میں آپ کے ممنونِ احسان تھے۔

میں پشاور کالج میں زیرِتعلیم تھا۔ جان جی میری مالی اعانت بھی فرماتے تھے۔ ایک روز مجھے کالج کی انتظامیہ کی طرف سے اطلاع موصول ہوئی کہ میری فیس میں رعایت کر دی گئی ہے۔ میں حیران سا ہو گیا، کیونکہ میں نے ایسی کوئی درخواست نہ دی تھی۔ معلوم یہ ہوا کہ کالج کے پرنسپل صاحب کے علم میں یہ بات آئی تھی کہ میرا جان جی سے قریبی رشتہ ہے تو اُنہوں نے ازخود مجھے یہ رعایت دے دی تھی۔ محترم پرنسپل صاحب ذاتی طور پر جان جی کے ممنونِ احسان تھے اور آپ کے احسانات کے بدلے میں آپ کے لیے کچھ کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔

تعلیم کا مرحلہ گذرا تو ملازمت کے لیے بھی مجھے جان جی کے ہی سہارے کی ضرورت تھی۔ اس سلسلے میں آپ مجھے اپنے ہمراہ لے کر تربیلہ ڈیم کے چیف انجینئر شاہ نواز صاحب کے پاس گئے۔ جان جی شاہ نواز صاحب کی والدہ محترمہ کے معالج رہ چکے تھے۔ اُن کی والدہ خود بھی وہاں موجود تھیں۔ دونوں ماں بیٹا جان جی سے بے حد ادب و احترام سے پیش آئے۔ جان جی نے میری ملازمت کے سلسلہ میں بات کی تو اُنہوں نے فوراً کہا کہ وہ تو برسوں سے اس دن کے منتظر تھے کہ آپ کے زندگی بھر کے احسانات کے بدلے میں آپ کی کوئی معمولی خدمت ہی کر سکیں۔ جان جی مجھے شاہنواز صاحب کے سپرد کر کے لوٹ گئے اور اُنہوں نے مجھے ایک اچھی ملازمت پر متعین فرما دیا۔

میں نے اپنے والد محترم (مبارک عبداللہ) سے اپنے آباؤ اجداد کے واقعات سُن رکھے تھے۔ ان بزرگوں کی نیکی، تقویٰ اور خداترسی کی جھلک مجھے جان جی کی صورت میں دیکھنا نصیب ہوئی۔

ڈاکٹر محمد احمد

جب میں پلٹ کر اپنے ماضی پر نگاہ ڈالتا ہوں، تو اپنی زندگی کی تمام گذرگاہوں پر جان جی کے نقش پا نہایت واضح نظر آتے ہیں اور میں اپنے تصور میں قرآن کریم کی آیات وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴿۶۳﴾ (اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام)۔ (الفرقان ۲۵: ۶۳)۔ اور اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّ اَجْرٍ كَرِيْمٍ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ ۬ؕ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْۤ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴿۱۲﴾ (تو صرف اسے ڈرا سکتا ہے جو نصیحت کی پیروی کرتا ہے اور رحمٰن سے غیب میں ڈرتا ہے، سو اُسے مغفرت اور عزت والے رزق کی خوشخبری دے دو۔ ہم ہی مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ہم لکھ لیتے ہیں جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے نشان پیچھے رہ جاتے ہیں اور ہر ایک چیز کو ہم ایک کھلی کتاب میں محفوظ کر لیتے ہیں)۔ (یٰس ۳۶: ۱۱-۱۲) کی عملی صورت جان جی کے وجود میں موجود پاتا ہوں۔

جان جی کی قرآن سے محبت، آپ کا عجز وانکسار اور صلح جُو فطرت نے ہر اُس انسان کو متاثر کیا ہے جس کو کبھی بھی آپ کی ملاقات نصیب ہوئی ہوگی۔ آپ کی نرم خوئی، نرم گفتاری اور علمِ قرآن نے کئی مردہ روحوں کو از سرِ نو زندہ کیا ہے۔

جان جی کی بے شمار یادوں میں سے میری اولیں یاد، اُن چند ایام کی ہے، جو میں نے ڈاڈر سینیٹوریم میں آپ کے ساتھ بسر کیے۔ میں اُس وقت پانچ برس کا تھا۔ ہر شام کو چند لوگ آپ کے گھر آپ کے ساتھ نمازِ مغرب با جماعت ادا کرتے تھے۔ آپ سب سے پہلے وہاں موجود بچوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اس سے ہم چھوٹے چھوٹے بچوں کے دل میں یہ احساس ہوتا تھا کہ ہم اہم اور خاص بچے ہیں۔

درسِ قرآنِ کریم، جماعتِ احمدیہ لاہور کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ ایبٹ آباد میں سالہا سال جان جی نے اس روایت کو قائم رکھا۔ ابھی بھی اکثر میں اپنے تصور میں جان جی کو مغرب کی اذان سُنتے ہی کلنک سے مسجد کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھتے دیکھتا ہوں۔ نماز کے بعد آپ درسِ قرآن دیتے تھے۔ پھر دیگر ارکانِ جماعت میں سے کوئی حدیثِ نبوی صلعم اور ملفوظاتِ حضرت مسیح موعود پڑھ کر سُناتا تھا۔ اذان بچوں کے سپرد تھی، جس کے لیے باری مقرر تھی۔ اس طرح بچوں کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی اور اُن میں خود اعتمادی پیدا ہوتی تھی۔ آپ ہم سب کو قرآنی اور مسنون ادعیہ زبانی یاد کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ نے دُعائے استخارہ یاد کرنے کی خاص طور پر ہدایت فرمائی تھی تاکہ مستقبل کے فیصلوں میں ہم اس سے استفادہ کرسکیں۔ کئی برس بعد، جب میں امریکہ آنے کے لیے تیار ہوا، اور جان جی سے رُخصت ہونے کے لیے حاضر ہوا، تو آپ نے قلم سے لکھی ہوئی دعائے استخارہ میرے ہاتھ میں تھمادی، جس سے میں کئی برس تک فائدہ اُٹھاتا رہا۔

جان جی کو قرآنی اور مسنون ادعیہ سے خاص اُنس تھا۔ نمازِ فجر میں اِن ادعیہ کی پُرسوز قرأت، ایک روح پرور فضا پیدا کر دیتی تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلعم کے دُعا کے لیے منتخب کردہ الفاظ ایک خاص تاثیر کے حامل ہیں۔

'عبادالرحمان' کی خاص علامات میں ایک توکل علی اللہ ہے۔ جان جی میں یہ خصوصیت بے حد نمایاں تھی۔ ۱۹۷۴ء کے فرقہ وارانہ فسادات میں جامعہ ایبٹ آباد اور اس کے اردگرد بسنے والے چند احمدی نفوس کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی، وہ اُس ذات کے رحم و کرم کے خاص نشانات میں سے ہے۔ اس وقوعہ کے دو چار روز بعد میری جان جی سے فون پر گفتگو ہوئی۔ آپ کے استقلال اور 'دین کو دنیا پر مقدم' کرنے کے عہد پر استقامت اور اس پر قائم رہنے کا عزم، آپ کی آواز کی طمانیت سے عیاں تھا۔

ایک مرتبہ جب پروفیسر خلیل الرحمان صاحب، میرے چاچا جی شدید بیماری کی وجہ سے

ہسپتال میں داخل تھے، تو میں پاکستان گیا تھا۔ اِن ایام میں جب میری ملاقات جان جی سے ہوئی تو میں نے آپ سے یہ ذکر کیا کہ اس مرتبہ وینکوور میں منعقد ہونے والی احمدیہ کنونشن میں شرکت کا ارادہ کیا تھا، مگر چاچا جی کی علالت کی وجہ سے میں یہ پایۂ تکمیل تک پہنچا نہ پایا۔ تو آپ نے میری توجہ حضرت علیؓ کے اس قول کی طرف مبذول کروائی کہ آپؓ نے فرمایا تھا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے ارادوں کے ٹوٹ جانے سے پہچانا ہے۔

جان جی کے عجز وانکسار، استقلال واستقامت اور صدق ویقین نے کئی دوسروں کو حوصلہ اورعزم بخشا ہے۔ ضعیف العمری میں، جب آپ کی عمر اسی برس سے متواجز تھی، ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں آئے اور وہ بھی محض استحکامِ جماعت کے عزم کے ساتھ۔ اُس وقت میں امریکہ کی ریاست لوسیانا میں اپنے میڈیکل آفس میں بے حد مصروف تھا۔ جان جی نے مجھے فون کیا اور نہایت نرم وشیریں لہجے میں، مجھے کیلیفورنیا میں منعقد ہونے والی کنونشن میں شرکت کی دعوت دی۔ میں نے ہر قسم کی پس وپیش کی۔ میرے پاس کئی عذر موجود تھے۔ آفس میں بے حد مصروفیت اور متبادل ڈاکٹر کے لیے انتظام میں درپیش مشکلات اور کئی دیگر ایسی وجوہات جو اس میں مانع تھیں۔ میں نے فون بند کیا ہی تھا کہ مجھے احساس ہونے لگا کہ یہ ایک شخص، پیرانہ سالی اور ناتواں جسم وجان کے باوجود، ہزاروں میل کی مسافت، اس جذبے کے ساتھ طے کرکے آیا ہے کہ استحکام جماعت کے لیے کچھ کام کرے۔ اور میں یہاں پر موجود ہوں اور اس کارِخیر میں حصہ نہ لینے کے لیے حیلے بہانے ڈھونڈ رہا ہوں۔ آپ کے اس عزم اور جذبۂ ایثار کا خیال آتے ہی میں نے ہر کام کو پس پشت ڈال کر کنونشن میں شرکت کا ارادہ کرلیا۔

مجھے اس بات پر مکمل یقین اور اعتماد ہے اور میں بے حد پر امید بھی ہوں کہ جان جی جیسے 'عبادالرحمان' کی صفات جیسی ہستی کے ہاتھوں سے، رحمانیت کے جو بیج اِن دور دراز علاقوں میں بکھیرے گئے ہیں وہ ضرور پروان چڑھیں گے اور پھلے پھولیں گے اور قرآن کی صداقت ثابت ہو

کر رہے گی۔ (انگریزی سے ترجمہ)

زاہدہ بیگ

ہم کس قدر خوش نصیب ہیں کہ جان جی جیسی غیر معمولی صفات کی حامِل ہستی ہمارے نانا تھے۔ کبھی کبھار دل ہی دل میں جب میں دیگر خاندانوں کا موازنہ اپنے خاندان سے کرتی ہوں، تو اللہ تعالیٰ کے اِس احسان کے لیے میرا سراُس کے حضور جُھک جاتا ہے اور میں اُس ذاتِ پاک کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس عظیم ہستی سے ہمارا اِس قدر قریب کا رشتہ ہے۔ اور آپ کی ذاتی صفات اور اعلیٰ کردار کے مثبت نقوش، ہمارے قریبی اور دور ونزدیک کے تمام عزیزوں میں واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ جان جی کی توجہ اور مخصوص اندازِ تکلم سے میں ہمیشہ محسوس کرتی تھی کہ میں کوئی اہم شخصیت ہوں۔

اگرچہ میرے بچپن کا بیشتر حصہ واشنگٹن ڈی سی میں گذرا، لیکن آپ کی قربت کے جو بھی ایام مجھے نصیب ہوئے، ان کی خوبصورت یادیں میں نے اپنے دل میں بسا رکھی ہیں۔ ان قیمتی یادوں میں سے یہاں میں صرف دو کا ذکر کرنا چاہوں گی، جن میں سے ایک کا تعلق میرے بچپن سے ہے اور دوسری کا میرے عہدِ شباب سے، جب میں لاس اینجلس میں رہا کرتی تھی۔

ایک موسم گرما میں، ہم ڈاڈر میں جان جی کے پاس گئے ہوئے تھے۔ صبح سویرے، جب دیگر تمام بچے ابھی محوِ خواب ہوتے تھے کہ میں جلدی سے تیار ہوکر دروازے پر جا کر کھڑی ہو جاتی تھی اور انتظار کرتی کہ جان جی باہر نکلیں اور میں اُن کے ساتھ سینیٹوریم جاؤں۔ جب میں اُن کی انگلی تھام کر ساتھ ساتھ چلتی تھی تو بس میں آپ کے گھٹنوں تک پہنچتی تھی، اور میرا قد رَوِش کے دونوں جانب کھلے ہوئے پھولوں کے برابر تھا۔ میری عمر غالباً تین ساڑھے تین سال کے لگ بھگ تھی۔ ایک ہاتھ سے آپ کی اُنگلی تھامے، اور دوسرے کو لہرا لہرا کر جانے میں کیا کیا قصے آپ کو سُنایا کرتی تھی۔

آپ خاموشی سے سُنتے ،مسکراتے ہوئے ،نظریں جھکا کر مجھے دیکھتے اورحسبِ ضرورت جواب دیتے ۔ میری خاطر آپ دھیمی رفتار سے چلا کرتے تھے ۔

جان جی بے داغ اور بےشکن لباس میں ملبوس ہوتے تھے ۔ ہلکے رنگ کی قمیض پر ٹائی اور سفید کوٹ آپ کی شخصیت میں ایک نکھار سا پیدا کر دیتا تھا۔جس کی پاکیزہ مہک ابھی تک میرے دماغ میں اُسی طرح بسی ہوئی ہے ۔ جان جی کی خوش لباسی مجھے اس قدر بھاتی تھی کہ میں اپنی امی سے اصرار کرتی تھی کہ مجھے بھی اچھے سے اچھے لباس پہنائیں ۔ آخر میں بھی تو جان جی کے ساتھ دفتر جاتی ہوں ۔

دفتر میں جانجی مجھے اپنے سامنے بٹھاتے ،آپ کو چائے پیش کی جاتی اور میرے لیے دودھ اوراولٹین منگوائی جاتی ۔ جان جی ڈاکٹروں اور عملے کے دیگر افراد کو ہدایات دیتے ۔ میں بڑے فخریہ انداز میں بیٹھ کر یہ ہدایات سُنتی ،گویا کہ میں بھی آپ کے سٹاف میں شامِل ہوں ۔ دفتر کے ایک دراز قد کارکن مجھے گھر واپس لانے پر مامور تھے ۔ اولٹین ختم ہوتی ،تو مجھے اُن کے حوالے کر دیا جاتا ۔ چنانچہ وہ مجھے اپنے کاندھوں پر بٹھا لیتے ۔ میں اس سواری سے بہت محظوظ ہوتی تھی ۔ بالکل اسی طرح جس طرح لوگ ڈزنی لینڈ کی سواریوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں ۔ مجھے نیچے نظر آنے والی ہر چیز خوبصورت دکھائی دیتی تھی ۔

صبح کا میرا یہ معمول کئی روز تک جاری رہا۔جان جی کے ساتھ اِن تجربات اورآپ کی محبت نے میرے اندر، میرے اپنے وجود کی اہمیت کو اجاگر کیااور ایسی خوداعتمادی بخشی کہ مجھے کبھی بھی، کسی موقعہ پر اظہارِ خیال میں کوئی بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی ۔ اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں بارہا اعلیٰ تعلیم یافتہ اورتجربہ کار شخصیات سے تبادلۂ خیال کا موقع میسر آتا رہااور مجھے اپنی رائے ، برملا پیش کرنے اور مضبوطی سے اُس پر قائم رہنے میں کبھی کوئی دِقت پیش نہیں آئی ۔

بچپن کے اس دور کے بعد، جان جی کی قربت میں مزید کچھ قیمتی لمحات گذارنے کا موقعہ

مجھے کیلیفورنیا امریکہ میں میسر آیا۔ جب آپ پہلی مرتبہ ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم بیورلی ہلز (Beverly Hills) میں ایک اپارٹمنٹ میں رہتے تھے۔ اُس وقت ہم ایک تعمیر شدہ، نیا مکان خریدنے کے خواہش مند تھے۔ ہماری شادی کو ابھی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا، کاروبار بھی نیا شروع کیا تھا، بینک میں کوئی خاص سرمایہ نہ تھا اور نہ ہی کوئی کاروباری ساکھ تھی۔ ایسے حالات میں گھر خریدنے کے لیے بینک سے سرمایہ حاصل کر لینا، خیالِ خام ہی لگتا ہے۔ اِس گھر کو خریدنے کی خواہش کے در پردہ میرا وہ گہرا لگاؤ تھا جو مجھے اپنے وطن سے ہے۔ یہ علاقہ ڈاڈر اور ایبٹ آباد جیسا تھا، جہاں چیڑھ کے گھنے درخت بھی تھے اور گہری گھاٹیاں اور تنگ گذرگاہیں بھی تھیں۔ میں جان جی کو وہ گھر دکھانے کے لیے لے گئی۔ نئے تعمیر شدہ مکان کے گرداگرد کوڑے کے ڈھیر اور کیچڑ ہی کیچڑ تھا۔ میری خواہش پر، جان جی نے اُسی مقام پر کھڑے ہوکر یہ دُعا مانگی کہ یہ گھر میرے نصیب میں ہو۔ یہ ہفتے کا روز تھا۔ سوموار کی صبح کو بینک کی طرف سے یہ ناقابلِ یقین مژدہ مجھے ملا کہ میری قرضے کی درخواست منظور ہوگئی ہے۔ یہ جان جی کی دُعا کی قبولیت کا نشان تھا۔ سبھی حیرت زدہ تھے، کیونکہ وہ میرے جانجی کو جانتے ہی کہاں تھے۔

دو سال کے بعد جان جی دوبارہ کیلیفورنیا آئے تو ہم اُس گھر میں آباد ہو چکے تھے۔ آپ نے ہفتہ بھر میرے ساتھ قیام فرمایا۔ میرے اَب جی اور امی بھی وہیں آ گئے۔ میرے لیے یہ دِن بے حد خاص تھے۔ اپنے گھر کے خوبصورت چمن میں ہری ہری گھاس پر میں گدے بچھا کر اوپر تکیے لگا دیتی تھی۔ چمن میں خوش رنگ گلاب کھلے ہوئے تھے۔ نارنگی کا پیڑ پھل سے لدا ہوا تھا۔ شگوفے الگ اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ سامنے ڈھلوان پر دور دور تک سرسبز گھاس تھی۔ اور صنوبر کے درختوں میں ہَرکَش (finch) اپنے گھونسلے بناتی اور چہچہاتی تھیں۔ میں نے اتنی سُریلی آواز میں ننھے مُنے چہچہاتے پرندے، اس سے قبل کبھی نہ دیکھے تھے۔ وہیں باہر بیٹھ کر ہم شام کی چائے پیتے، مہکتی فضا اور پرندوں کے ترنم سے لطف اندوز ہوتے اور پھر باجماعت، مغرب کی نماز ادا کرتے تھے۔

جان جی اور اپنے والدین کے ساتھ بیتے ہوئے یہ خوبصورت لمحات، میں کبھی بھی نہیں بھول پاؤں گی۔ یہ لمحات اور یادیں میری زندگی کا ایک قیمتی اثاثہ ہیں۔

منیرہ رحمان

مجھے اپنی اس خوش نصیبی پر بجا ناز ہے کہ میری نسبت ایک ایسی ہستی سے ہے جس کے ہاتھوں نے حضرت مرزا غلام احمدؑ کے ہاتھوں کو تھاما اور اُن کے لمس سے ہزاروں برکات حاصل کیں۔ وہ نیک نصیب ہستی، میرے نانا ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ہیں۔ جب میں اپنے ماضی پر نظر ڈالتی ہوں تو اپنی زندگی پر اپنے پیارے نانا یعنی اپنے جان جی کی ذات کا گہرا اثر محسوس کرتی ہوں۔ میں کس قدر خوش قسمت ہوں کہ جب میں نے ہوش سنبھالا تو اپنی زندگی میں جان جی کو موجود پایا، اور ایک غیر محسوس سے انداز میں، میرے مافی الضمیر پر آپ کے پاکیزہ اخلاق کے گہرے اثرات و نقوش مرتب ہوتے چلے گئے۔ میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ میری زندگی میں اگر کوئی ایک ذرہ بھی کسی خوبی کا ہے تو وہ جان جی کی مثبت سوچ اور مثالی کردار و اخلاق کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

جان جی نے اپنی تمام زندگی بنی نوعِ انسان کی خدمت میں گذار دی، چاہے وہ آپ کی طبی خدمات ہوں یا خدماتِ دین۔ آپ کی قدر و منزلت کا اندازہ انسان کو اس وقت ہوتا ہے، جب آپ بالکل انجان لوگوں کے سروں کو آپ کی عقیدت میں جھکے ہوئے دیکھتے ہیں، اور یہ جانتے ہیں کہ جان جی کس طرح سے لوگوں کے دِلوں میں بستے ہیں۔ حامد کی ملازمت کے سلسہ میں ہم پشاور میں تھے کہ میں خاصی بیمار ہوگئی۔ حامد مجھے ایک مشہور ڈاکٹر صاحب کے پاس معائنہ کے لیے لے گئے۔ دورانِ گفتگو حامد نے کسی سلسلے میں جان جی کا ذکر کر دیا۔ آپ کا نام سُن کر ڈاکٹر صاحب جذباتِ عقیدت سے اس قدر مغلوب ہو گئے کہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر جھکا دیا۔ اُن کے چہرے کا رنگ ہی متغیر ہو گیا اور فرمانے لگے: "یہ آپ نے کس ہستی کا نام لے لیا۔" اُن کے پاس اپنی عقیدت کے اظہار کے لیے الفاظ ہی نہ تھے۔

جان جی کو، میرے شوہر حامد، ہمارے بچے اور میں سب ہی بے حد عزیز تھے۔ آپ ہمیں بے حد محبت بھرے خطوط لکھا کرتے تھے۔ ایک خط میں آپ نے تحریر فرمایا: "یہ چھوٹا سا گھرانہ میرے دِل کے بہت قریب ہے۔ ان کے حق میں بے ساختہ منہ سے دُعا نکلتی ہے۔ اللہ اسے اپنا قرب عطا فرمائے۔"

اللہ کرے کہ جان جی کی جو امید ہم سے وابستہ تھی، ہم اُس پر پورے اتر سکیں۔ میری طرح میرے بچوں کی بھی یہ خوش بختی ہے کہ اُنہوں نے بھی آپ سے کچھ نہ کچھ فیض پایا اور اُنہیں بھی مختصر سا وقت آپ کی صحبت میں گذارنے کا موقع نصیب ہوا۔ ہم میں سے ہر ایک یہی احساس رکھتا ہے کہ جان جی اُسی کے جان جی تھے۔

جان جی کے بچپن کے زمانے کا ایک واقعہ ہے کہ جب آپ کے والد محترم نے جان جی کو حضرت صاحب سے متعارف کروایا تھا تو کہا تھا: "حضور یہ آپ کا غلام زادہ ہے"۔ واقعی جان جی نے حضرت صاحب کا غلام زادہ ہونے کے لقب کو نبھایا اور تمام عمر خدمتِ دین میں بسر کر دی۔

سلیمہ آغا

اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص عطیات ایسے ہوتے ہیں کہ ہم اُن پر اپنا حق سمجھتے ہوئے محسوس ہی نہیں کر پاتے کہ وہ کس قدر انمول ہیں۔ یہ حقیقت کہ میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی پوتی ہوں، میرے لیے ایک بیش بہا عطیہ ہے۔

بچپن کی یادیں انسان کے لیے بے حد مقدس ہوا کرتی ہیں، اور زندگی کے تار و پُود میں ایک خوبصورت عکس کی طرح محفوظ ہو جاتی ہیں۔ جان جی کی یادوں میں سے میری سب سے پہلی وہ خوبصورت یاد ہے جب گاڑی حویلیاں کے سٹیشن پر رُکی اور میں نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا تو جان جی کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔ آپ کی آنکھوں میں خوشی کی ایک نمایاں چمک تھی اور چہرے پر ایک

مخصوص مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ جان جی کا یہ متبسم چہرہ میری زندگی کی ہر یاد میں میرے ساتھ موجود رہتا ہے۔ جان جی جیسی ہمہ گیر، قدرآور شخصیت کے اوصاف وخصائل کا بیان الفاظ میں اتنا آسان نہ ہوگا۔

جان جی صرف اپنے وقت کے بہترین سرجن ہی نہ تھے بلکہ آپ جسمانی اور روحانی ہر قسم کے دکھوں کے مداوا کی صلاحیت رکھتے تھے۔ جس انداز سے آپ اپنے مریضوں کا علاج فرماتے تھے، اُسے دیکھ کر اس حیرت انگیز حقیقت کا ادراک ہوتا تھا، کہ جب ایک انسان اپنی فطری کمزوریوں کو پیچھے چھوڑ کر، اپنی ذات کی نفی کرتے ہوئے، کچھ کرگذرنے کا عزم اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے، تو اُس کی ذات میں ایسی ایسی صلاحیتیں اجاگر ہوسکتی ہیں، کہ پھر کیا ایسا ہوگا جو وہ نہ کر سکے گا۔

جان جی اور میں ایک دوسرے کے ساتھ بالکل دو دوستوں کی طرح تھے۔ آپ دورِ جدید کے انسان تھے۔ حالاتِ حاضرہ اور نئے دور کے تقاضوں کے مطابق بات کرتے تھے۔ آپ کی اِس انقلاب آفرین شخصیت کی گفتگو کو ماضی تک محدود کر دینا آسان نہ تھا۔

جان جی کی چند خاص باتیں، جو اب میری زندگی کا حصہ بن چکی ہیں، اُن کو یاد کرتے ہوئے مجھے آپ کی آواز صاف سُنائی دیتی ہے۔ اُن میں سے ایک اُس تلخ حقیقت اور اُس وقت کی یاد ہے جب میرا اکلوتا بھائی مجھے اپنی دائمی مفارقت کا داغ دے گیا تھا۔ جان جی نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے الگ ایک طرف لے گئے۔ اور مجھ سے کہا: "میں آپ کی طرح مضبوط نہیں ہوں"۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے، آپ کی آنکھوں سے آنسو، بارش کی طرح برس رہے تھے اور آنسوؤں کی برسات سے آپ کا چہرہ دُھل رہا تھا۔ میں نے اپنا سر آپ کی گود میں رکھ دیا اور جی بھر کر روئی۔

میری زندگی کا ایک اور اذیت ناک واقعہ میرے والد کے اغوا کا ہے۔ جان جی اور میں، ہر روز ایک دوسرے سے بات کرتے تھے۔ اور یہ جان جی کی وہ اندرونی قوت تھی، جس نے مجھے وہ طاقت اور مضبوطی عطا کی کہ چھیالیس رات اور دن کے الم ناک لمحات کا میں مقابلہ کر پائی۔

جان جی کی یادیں تو ان گنت ہیں۔ مگر اپنی سب سے پسندیدہ یاد کا یہاں ذکر کرنا چاہوں گی۔ میں اپنی چودہ سال کی بیٹی کو انگلستان کے ایک خاص بورڈنگ اسکول میں بھیجنا چاہتی تھی اور میرے سامنے مخالفت کا ایک طوفان کھڑا تھا، جس سے میں بے طرح ہراساں تھی۔ ایسے میں، میں جان جی کے پاس چلی گئی۔ جان جی نے میرے لیے فروٹ کیک اور میکنٹاش ٹافیاں نکالیں اور بے حد اصرار سے چائے کی ایک پیالی پلائی۔ جب میں پُرسکون ہوگئی تو آپ نے فرمایا: ”مجھے آپ پر فخر ہے۔ جو لوگ باہر کے ممالک میں رہتے ہیں، اُن کے لیے اپنے بچوں کو ایسی تعلیم کے مواقع فراہم کرنا کوئی خاص بات نہیں، مگر جو آپ کر رہی ہیں یہ ایک خاص بات ہے۔ تعلیم حاصل کرنا نہایت اہم ہے۔ آپ معترضین کی بالکل پرواہ نہ کریں۔ اور اپنے ارادہ پر قائم رہیں“۔ میں نے اپنے دادا کے مشورہ پر عمل کیا۔

مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جان جی ایک فرشتہ تھے جو ہمارے ساتھ رہنے کے لیے آئے تھے۔ اور میں محسوس کرتی ہوں کہ وہ اب بھی یہیں ہمارے ساتھ ہیں۔ (انگریزی سے ترجمہ)

نصیرہ احمد

میں پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتی ہوں کہ میرا اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین اور ایمان اپنے بزرگوں کے نیک نمونہ کو دیکھ کر ہوا ہے۔ بالخصوص اپنے نانا کی عظیم شخصیت کے عملی نمونہ سے۔ یہ ہمارے لیے خوش قسمتی کی بات تھی کہ ہمیں اپنے بچپن کے زمانہ سے ہی صحبتِ صالحین نصیب ہوئی۔ دِل میں یہ خیال بار بار پیدا ہوتا ہے کہ کاش ہمارے بچوں کے سامنے بھی ہمارے جان جی جیسی کسی ہستی کا عمدہ نمونہ ہوتا۔

اپنے بچپن میں ہم اپنی موسمِ گرما کی تعطیلات ایبٹ آباد میں جان جی کے زیرِ سایہ گذارتے تھے۔ جہاں ہر روز بعد از نمازِ مغرب درسِ قرآن کریم سے مستفیض ہونے کا موقعہ میسر آتا تھا۔ اپنی

مصروف ترین زندگی میں آپ ذکرِ الٰہی سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔ میں ابھی کافی چھوٹی تھی، جب ایک مرتبہ جان جی کے ساتھ کار میں سفر کا موقع نصیب ہوا۔ آپ راستہ بھر نہایت خوش الحانی سے قرآنِ پاک کی قرأت فرماتے رہے۔ میں اس سے ابھی مانوس نہ تھی، اور نہ سمجھ پائی کہ آپ قرآنِ پاک کی قرأت فرمارہے ہیں۔ میں نے اپنی امی سے معصومیت سے پوچھا: "جان جی کار میں بیٹھ کر کیا گا رہے تھے؟" ذرا سیانی ہوگئی تو اس بات کا دِل پر گہرا اثر محسوس کیا اور اب جب بھی میں کار میں کہیں آتی جاتی ہوں تو قرآنی آیات یا دُعائیں زیرِ لب دُہراتی رہتی ہوں۔

ایک مرتبہ جب ابھی میں بچی ہی تھی، کہ بیمار پڑ گئی تھی۔ جان جی میری عیادت کے لیے تشریف لائے اور مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے اور مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: "اس طرح کی تکالیف جب انسان کو پہنچتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اُس کی قدرتوں پر ایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے۔"

آپ کی محبت اور شفقت کا فیض ہر ایک کے لیے تھا۔ مگر بچوں سے آپ کی محبت کا انداز بالکل منفرد تھا۔ وہ آپ کی خاص توجہ کا مرکز رہتے تھے۔ ایک مرتبہ میری ایک سہیلی کا کوئی ذکر ہوا تو جان جی نے فرمایا: "وہ آپ کی دوست ہے اس لیے ہمیں بھی بے حد عزیز ہے"۔ آپ کی بے لوث محبت کا کوئی بدل نہیں۔ میں اپنی زندگی میں اس کی کمی کو بے حد محسوس کرتی ہوں۔

جان جی کو بنی نوع انسان سے محبت تھی۔ آپ کے دل میں ان کے لیے خاص درد تھا۔ آپ کے دِل میں ان کے لیے کچھ کرنے کی خاص تمنا تھی اور یہی جذبہ آپ کی اِس تمنا کے پسِ پردہ بھی کارفرما تھا کہ اسلام کا پیغام تمام دُنیا میں پھیلے اور ہر انسان تک آپ اسے پہنچا سکیں۔

میری خاص آرزو یہ تھی کہ میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں تعلیم حاصل کروں، جس کی وجہ یہ تھی کہ جان جی نے اسی کالج سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے میری یہ خواہش پوری کر دی۔ کالج کے (Anatomy) اناٹومی ہال میں ایک بورڈ پر اُن تمام طالب علموں کے نام درج ہیں، جو اِس مضمون میں اول رہے اور سر بیلی رام میڈل حاصل کیا۔ ایک طویل فہرست دیگر مذاہب کے طلباء

کی ہے، اور پھر اُس میں مسلمانوں میں یہ اعزاز حاصل کرنے والوں میں پہلا نام جان جی کا ہے۔ اور میں بجا طور پر اس پر فخر محسوس کرتی تھی۔

اپنی شادی کے بعد جب میں پہلی مرتبہ امریکہ کے لیے روانہ ہو رہی تھی تو جان جی نے مجھ سے فرمایا: ”دورانِ سفر دُعا کرتی رہنا۔ مسافرت میں کی گئی دُعا قبولیت کا درجہ رکھتی ہے۔“ اور مزید فرمایا: ”قرآن پاک کی تلاوت اپنے روز کے معمولات میں شامل رکھنا، اگر زیادہ نہیں تو ایک رکوع ہی ضرور پڑھ لیا کرنا۔“

میری جان جی سے آخری ملاقات اُس وقت ہوئی تھی، جب آپ کافی کمزور ہو چکے تھے اور زیادہ تر اپنے کمرے ہی میں استراحت فرماتے تھے۔ لیکن مجھے رُخصت کرنے کے لیے دروازے تک میرے ساتھ آئے۔

اللہ تعالیٰ جان جی کو جنت میں بلند مقام عطا فرمائے اور ہمیں اپنے عظیم المرتبت نانا کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ارشد رانا

میرے دل میں جان جی کی بے حد خوبصورت یادیں ابھی تک موجود ہیں۔ میں ابھی چھوٹا سا تھا تو مجھے کالی کھانسی ہو گئی تھی۔ میری امی (دُرِشہوار رانا) مجھے جان جی کے پاس علاج کے لیے لے گئی تھیں۔ پھر چند برس کے بعد، مجھے دوسری بار آپ سے ملاقات کا موقعہ اُس وقت ملا، جب میری چھوٹی بہن، دُرّی کو کتے نے کاٹ لیا تھا۔ میں نے آپ کو، ان دونوں موقعوں پر بے حد قریب سے دیکھا اور میں نے یہ محسوس کیا کہ آپ اپنے مریضوں کا معائنہ بے حد تسلی سے کرتے ہیں، اور ہر بات کو مکمل طور پر سمجھنے کے بعد علاج تجویز فرماتے ہیں۔ آپ کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو مریض کو مکمل آرام پہنچے اور اُس کی تکلیف دور کرنے کی طرف اُس وقت تک متوجہ رہتے تھے جب تک مریض شفایاب نہ ہو جائے۔

آپ ایک نفع رسان اور مہربان شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے انسانیت کی خدمت میں ایک بے مثال کردار ادا کیا ہے۔

اعجاز احمد

۱۶ اپریل کی پہلی ساعت سن ۲۰۱۳ء۔ اچانک آنکھ کھلنے کے لمحے بعد۔ زندگی فانی ہے۔ اللہ لافانی ہے۔ محسن کے خُلق کی تحریر لکھنے سے اللہ کے حسن کا نہایت ہی مختصر لشکارا لپکتا ہے۔ الحمدللہ۔ ایسے جیسے راتوں کو چل چل کے تھک جانے والا، ایک ٹوٹا دیا یا آسمان پہ چمکنے والی روشنی، جنگل کی کوٹھڑی دکھلا دے۔

والدہ ماجدہ کی دوشیزگی کا دور تھا۔ ڈاڈر سینیٹوریم کا دبدبہ تھا۔ اپریشن کرنے کے لیے بے ہوشی دینے والے ٹیکے نہ ہوتے تھے۔ پھیپھڑوں تک رسائی کے لیے پسلیاں توڑی جاتی تھیں۔ مقامی طور پر سُن کرنے والی دوائی کے اثر سے درد تو نہ ہوتا تھا۔ لیکن پسلی ٹوٹنے کی پرہول آواز کو دبانے کے لیے جانجی کے پہلو میں کھڑا ملازم کمال وقت کی مطابقت کے ساتھ سٹین لیس سٹیل کی کٹوری فرش پر پھینکتا تھا کہ چھن چھنا چھن۔ مریض پسلی ٹوٹنے کی دہشت سے محفوظ رہ سکے۔ والدہ ماجدہ اپنے آپریشن کے لمبے صبر آزما لمحوں میں بار بار پکارتی تھیں: ”میرے جان جی، میرے جان جی“۔ جس کا جواب اپریشن کرتے ہوئے جان جی ہر بار جی، جی کی صورت میں دیتے رہے۔

بچپن کا نخرہ کمال درجہ کا ہوتا ہے۔ بچہ اپنی ہی دنیا کا بادشاہ ہوتا ہے، لیکن جان جی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی دلپذیر کشش عنایت فرمائی تھی کہ بڑے تو بڑے، بچے بھی آپ سے نہایت مؤدّب ہوتے۔ ایبٹ آباد میں ہمارے گھر سے جان جی کا گھر اور مسجد سات آٹھ منٹ کی پیدل مسافت پر تھا۔ مغرب کی نماز اکثر ہم بھائی جانجی کے ساتھ مسجد میں ادا کرتے۔ اس چھوٹی سی عمر میں جان جی سے ہاتھ ملانا ہمارے لیے باعث فخر ہوتا۔ آپ کے کلینک میں ایک دروازہ سے کلینک میں جا دھمکتے۔

باوجود اس کے کہ آپ مریضوں میں مشغول ہوتے، ہمیں چیک کرتے اور دوائی بھی اپنے پاس سے دیتے۔ اس زمانہ میں ایک اور پرکشش بات جان جی کا عیدی دینا ہوتا۔ اب شاید ماں باپ بہت نیک بزرگ ہوگئے ہیں یا بچے بہت لائق ہوگئے ہیں۔ ہم تو کچی پکی سے سولھویں تک دعاؤں سے ہی پاس ہوتے رہے ہیں۔ زیرِ ہدایت والد ماجد پیپر والے دن صبح اندھیرے جان جی کے دروازہ پر دستک۔ محمد زمان لالہ جان جی کے کمرہ تک لے جاتے۔ جان جی نہایت گرمجوشی سے ملتے۔ کیسے آئے ہو؟ جان جی! آج میرا پرچہ ہے۔ آپ نے دعا کرنی ہے۔ کبھی کبھی ایسا دورہ پڑتا کہ ہر دوسرے تیسرے دن پرچوں کی دعا کے لیے آپ کے در پر پہنچ جاتے۔

بچپن کی خوبصورتی کا کوئی نعم البدل نہیں۔ اور اگر بچپن کی یادوں میں عجیب وغریب پیارے بھی شامل ہوجائیں تو وہ بچپن بھی عجیب خوبصورت ہوجاتا ہے۔ ماسٹر عبدالرؤف ڈنڈا کے ساتھ مانسہرہ سے (غالباً پیدل) ایبٹ آباد جمعہ پڑھنے آتے تھے۔ نصیرالدین صاحب حویلیاں سے جمعہ کے لیے ایبٹ آباد آتے تھے۔ والد بزرگوارم، احمد صادق صاحب، الٰہی بخش پپا صاحب دکانیں بند کرکے جمعہ پر حاضر ہوتے۔ پروفیسر خلیل صاحب کی جہاں نوکری ہوتی، جمعہ پر موجود ہوتے۔ پھر قاضی عبدالاحد صاحب کی ہمہ گیر شخصیت، سب بزرگوں کی اہل واولاد بھی جمعہ کے لیے پابند تھی۔ جان جی کا خطبہ اور جمعہ کی نماز کی قرأت بچپن کی یادوں کو بہت دلپذیر بنادیتا ہے۔ باہر سے آئے یہ چند نمازی ہر جمعہ کو جان جی کے دسترخوان کے مہمان بھی ہوتے تھے۔

اس احقر کو اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان نے شفقتِ پدری سے عین لڑکپن کے اختتام پر موٹر سائیکل تھمادی۔ الحمدللہ۔ موٹر سائیکل تو عام سی چیز ہے، مگر یہ موٹر سائیکل بسا اوقات اس ناچیز کو خوشی سے لبریز کردیتی۔ سکون قرۃ عینی بن جاتا۔ جان جی کا بلاوا آتا۔ فرماتے آپ کے پاس وقت ہو تو مجھے احمد پارک چھوڑ دیں۔ یا کبھی گلبرگ کا قصد ہوتا۔ جان جی کے لمس کے حصار میں موٹر سائیکل بھی خوب چلتی۔ خدائی جماعتوں کے راہنما بےلوثی اور عجز وانکسار کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ لگ بھگ ۸۰

سال میں ایسی بےنفسی وسادگی۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

آج ۱۷ اپریل کی گھڑیاں والد ماجد کی برسی پر ٹک ٹک کر رہی ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْہُ وَارْحَمْہُ وَادْخِلْہُ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ کَمَا قَرَبْتَکَ جَانْجِیْ۔

والد ماجد کی زندگی کا ایک طویل حصہ جان جی کی قربت میں گذرا۔ والد صاحب کی وفات پر جان جی کو بہت رنجیدہ دیکھا گیا۔

اقبال احمد

جان جی میری والدہ کے ماموں تھے، اور آپ ہی کے زیرِ سایہ اُن کی پرورش ہوئی تھی۔ قربت کے اِس تعلق کی وجہ سے ہم سب بھائیوں کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ پیدائش کے بعد آپ نے ہم میں سے ہر ایک کے کان میں اذان دی، اور ہمیں ہمارے نام عطا کیے۔

ہماری پرورش اور کردار کی نشوونما پر جان جی کی شخصیت کا گہرا اثر ہے۔ ایبٹ آباد میں ہم آپ کے بہت قریب رہتے تھے اور ۱۹۷۴ء میں آپ کے ہمراہ ہجرت کی اور دارالسلام میں بھی آپ کے قریب ہی سکونت اختیار کی۔ اس طرح بچپن سے جوانی تک آپ کی شفقت کا سایہ نصیب ہوا۔

سینکڑوں واقعات ہیں جو میری یادوں میں بسے ہوئے ہیں۔ مگر اس مختصر تحریر کے لیے ایک خاص واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔

یہ سالانہ دعائیہ ۱۹۹۰ء کا ذکر ہے۔ اُن ایام میں جلسہ کی اکثر کارروائی آپ بذریعہ سپیکر اپنے کمرے میں سُنا کرتے تھے۔ میرے بھائی اعجاز احمد نے جلسہ میں تقریر کی اور پھر فوراً جان جی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور دُعاؤں کے تحفہ کے ساتھ اپنا قلم بطورِ انعام اُسے عطا کیا۔ اعجاز فخر کے ساتھ یہ قلم سب کو دکھاتا پھر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں بھی شوق

پیدا ہوا کہ میں بھی اچھی تقریر کروں۔ خوب تیاری کی اور اگلے ہی روز تقریر کا موقعہ نصیب ہو گیا۔ جان جی سے انعام پانے کے اشتیاق میں بلا تاخیر آپ کی خدمت میں جا پہنچا۔ آپ خوش ہوئے اور قیمتی دُعاؤں سے نوازا۔ مگر میں مطمئن نہ ہوا، اور انعام کے انتظار میں وہیں بیٹھا رہا۔ جان جی آرام فرمانا چاہتے تھے اور فرمایا: "اب میں آرام کرنا چاہوں گا۔ آپ جا سکتے ہیں"۔ میں بادلِ ناخواستہ اُٹھا اور باہر نکل گیا۔ مگر مجھے اطمینان کہاں؟ فوراً واپس لوٹا اور حرفِ مدعا بیان کر ہی دیا۔ آپ نے فرمایا: "آپ کیا لینا چاہیں گے"۔ میں نے ادھر اُدھر کمرے میں نظر دوڑائی۔ اچانک میری نظر اُس چھوٹی سی تسبیح پر پڑی، جو مجھے اکثر آپ کے دستِ مبارک میں نظر آیا کرتی تھی۔ میں نے آپ سے وہی مانگ لی، اور آپ کی اجازت سے اُٹھالی اور بلا توقف دروازے کی طرف بڑھا۔ مگر اس سے قبل کہ میں باہر قدم رکھتا جان جی نے فرمایا: "اس تسبیح کو پھرنے کی عادت ہے، اِسے پھیرتے رہنا۔"

زندگی کے تینتیس (۳۳) برس تک مجھے جان جی کی قربت نصیب ہوئی۔ آپ آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہیں۔ آپ کی یاد میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے اور یہی میری زندگی کی رہنما ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

بنا شوکت

جان جی کی حیثیت اور اہمیت ہر ایک کے لیے جداگانہ ہے۔ میرے لیے آپ ایک بے انتہا محبت کرنے والے اور دل و جان سے چاہنے والے دادا تھے۔

میرے ذہن میں جان جی کی ابتدائی یادیں آپ کے ایبٹ آباد کی کلینک سے وابستہ ہیں۔ ہم اپنی تعطیلات آپ کے ساتھ ایبٹ آباد میں گذارا کرتے تھے اور میں ہر روز آپ سے ملاقات کے لیے کلینک میں چلی جایا کرتی تھی۔ اگرچہ آپ بے حد مصروف ہوتے تھے، اور میرا وہاں جانا آپ کے کام میں خلل اندازی کا سبب ہوتا تھا، مگر آپ نے مجھے کبھی ایسا محسوس نہیں ہونے دیا۔ آپ ہمیشہ میرے ہاتھ میں کچھ روپے تھما دیتے کہ میں قریبی دکانوں سے اپنی پسندیدہ چیزیں خرید کر اُن سے لطف اُٹھاؤں۔

جب میں کچھ بڑی ہوئی، تو جان جی سے میرا تعلق ایک ہم راز اور معتمد دوست کا سا ہو گیا۔ جب میں کوئی شرارت کر بیٹھتی اور یہ خدشہ ہوتا کہ اب امّی اچھی طرح خبر لیں گی تو میں جان جی سے تمام احوال بتا کر امّی سے سفارش کرنے کو کہتی۔ آپ ضرور سفارش کر کے صلح صفائی سے معاملہ سلجھا دیتے تھے۔

جان جی کی زندگی کے کئی پہلو میرے لیے کافی حیرت انگیز تھے۔ کوئٹہ کا ایک واقعہ مجھے یاد ہے۔ آپ میرے کمرے میں آئے، تو دیکھا کہ میرے کمرے کی سب دیواروں پر اُس زمانے کے نوجوانوں کے پسندیدہ سنگیت کاروں کی بڑی بڑی تصاویر لگی ہوئی ہیں۔ آپ اُن تمام فنکاروں کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔ خاصی دیر تک آپ کی اور میری بیٹلز (Beatles) اور اُن کی موسیقی اور گلوکاری پر بات ہوتی رہی۔

میرے اور جان جی کے درمیان ایک اور بندھن، آپ کے حسِ مزاح اور ظرافتِ طبع کے سبب تھا۔ جن ایام میں آپ ہمارے ساتھ کوئٹہ میں قیام فرما ہوتے تھے تو ہم ہر سہ پہر کو ایک دوسرے کو لطائف سُنا کر لطف اندوز ہوتے تھے۔ اگر چہ میرے لطائف خاصے احمقانہ سے بھی ہوتے تھے مگر آپ اُنہیں سُن کر ضرور دِل کھول کر ہنستے تھے اور کبھی کبھار آخر میں ''استغفر اللہ'' کہہ دیتے تھے۔

۱۹۷۸ء میں ہم پاکستان سے باہر منتقل ہو گئے تو جان جی سے ملاقاتوں کا سلسلہ بھی محدود ہو گیا۔ مگر ہمارا باہمی رابطہ ابتداء میں خط و کتابت سے اور بعد میں فون پر گفتگو سے ہمیشہ قائم رہا۔ آپ کا نرم و ملائم لہجہ اور خلیق اندازِ گفتگو اور نصائح ہمیشہ باعثِ تسکین ہوتے۔ بالخصوص اُن برسوں میں، جب ہمارے ابو ہم سے جدا ہو گئے تھے۔ میں اچھی طرح جانتی تھی کہ ابو کی جدائی کا غم اور حزن ہم دونوں کا مشترک ہے اور مجھے اِس بات کی قطعی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی، کہ مضبوط اور بہادر بننے کا دکھاوا کروں، جیسا کہ مجھے امی، یحییٰ اور محمد علی کے معاملہ میں کرنا پڑتا تھا۔

آپ کے وجود سے میری زندگی کو مثبت توانائی حاصل ہوتی تھی۔ میں نے آپ سے جو سیکھا، وہ محض وعظ و نصائح سے نہیں سیکھا بلکہ آپ کے عملی نمونہ سے سیکھا ہے۔ آپ سے جو سیکھا، وہ سب آج تک

میری رہنمائی کرتا ہے اور آپ کی عطا کردہ رہنمائی پر میں ہمیشہ عمل پیرا رہتی ہوں۔

نسرین صادق

بزرگوں کی شفقت اور محبت کو محسوس کرنا ایک الگ بات ہے اور اُن احساسات کو الفاظ میں ڈھالنا اور ضبطِ تحریر میں لانا ایک الگ اور دشوار امر ہے۔ پھر بھی کچھ یادیں سپردِ قلم کرنے کی جسارت کر رہی ہوں۔

جان جی کی محبت اور محبت بھرا سلوک روزِ اول سے نصیب ہوتا رہا، مگر جب میں اپنی امی کے ہمراہ مسلسل ایک سال تک آپ کے مہربان سائے تلے رہی، تو اس میں کچھ اور ہی رنگ پایا اور کہیں زیادہ آپ کی شفقت کو محسوس کیا۔ وہ خوبصورت ایام جو آپ کی محبت کی بارش میں گذرے میں کیسے بھلا سکتی ہوں۔

۳۰ مارچ ۱۹۸۷ء کی شام کو کنیرڈ کالج کے جلسہ تقسیم اسناد سے میں اپنی بی اے کی سند لے کر گھر پہنچی تو جان جی میرے منتظر تھے۔ آپ نے خاص طور پر دارالسلام میں موجود ایک شخص کو بلوا رکھا تھا جس کے پاس اچھا کیمرہ تھا، تا کہ میری زندگی کے اس خاص دِن کی تصویر کھینچی جائے۔ آپ کا یہ خیال کہ اپنے اُس وقت کے حالات کی وجہ سے یہ کمی ہم، یعنی میں اور میری امّی، محسوس نہ کریں، ہمارے لیے کتنا خوش کُن تھا کہ اُسے الفاظ میں بیان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دوسروں کی دلجوئی اور خوشی کا ایسا خیال کرنے والا دُنیا میں دوسرا کوئی نظر نہیں آتا۔

میری رُخصتی سے دو برس قبل میرا نکاح جان جی کے برادر نسبتی اور رفیقِ صادق، حبیب الرحمان صادق صاحب کے فرزند وحید صادق کے ساتھ، خود جان جی ہی نے پڑھا تھا۔ آپ کے گھر سے رُخصت ہونا بھی اللہ تعالیٰ نے میرے اچھے نصیبوں میں لکھ رکھا تھا۔ رُخصتی کے وقت آپ کے یہ دُعائیہ الفاظ: "میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، کیونکہ اللہ کے سپرد کی گئی امانت کبھی ضائع نہیں

جاتی" ہمیشہ ایک سائبان کی طرح میرے ساتھ رہتے ہیں اور میں اپنے آپ کو ہمیشہ اس کے حصار میں محفوظ پاتی ہوں۔

شادی کے چند ہفتوں بعد میں جدہ چلی گئی۔ میری امی نے مجھے اسلام آباد سے رُخصت کیا۔ جس شام کو وہ واپس لاہور پہنچیں، تو شاہین آپا اُن سے ملنے آئیں۔ وہ امی کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ مسجد سے لوٹتے ہوئے جان جی کی نظر اُن پر پڑی تو فرمایا: "شاہین کتنا اچھا ہوا کہ آپ آج آ گئیں۔ میں بے حد فکر مند تھا کہ صفیہ کی آج کی شام کس طرح گذرے گی۔"

میرے دونوں بچے لاہور میں پیدا ہوئے۔ میرے بیٹے کے کان میں آپ نے اذان دی اور اُس کے لیے 'منیب' نام پسند فرمایا اور بیٹی کا نام 'نوشین' رکھا۔ خوش نصیبی سے میرے دونوں بچوں نے آپ کی گود کی برکات پائیں۔ جب میں بچوں کے ساتھ جدہ سے لاہور آتی تو آپ مجھے اور بچوں کو دیکھ کر بے حد خوش اور مطمئن ہو جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر خوشی اور سُکھ سے نواز رکھا ہے۔ منیب ابھی گھٹنیوں چلتا تھا، جب آپ کو دیکھتا کہ اپنے کمرے کی طرف جا رہے ہیں تو آپ کے آگے آگے چلتا ہوا آپ سے پہلے دروازے تک پہنچ جاتا۔ آپ مسکرا کر فرماتے: "منیب مجھے میرے کمرے کا رستہ دکھا رہا ہے"۔ وہ آپ کے کمرے کی چیزوں کو اُلٹ پلٹ کرتا رہتا۔ آپ منع نہ فرماتے تھے اور نہ مجھے ہی روکنے دیتے۔ آپ کا کہنا تھا کہ بے جا روک ٹوک بچوں کی ذہنی صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ ابھی میں زیادہ بڑی نہ تھی، جب اچانک میرا پاؤں سیڑھی سے ٹکرا گیا، اور ناخن اُکھڑ گیا۔ جان جی نے ناخن اس طرح اپنے نرم ہاتھوں سے الگ کر دیا کہ درد کا احساس تک نہ ہوا۔ پھر مرہم لگا کر پٹی باندھ دی۔ اور جب تک زخم مکمل طور پر بھر نہ گیا آپ خود اسے صاف کر کے پٹی بدل دیا کرتے تھے۔

آپ کی محبت، شفقت اور حُسنِ سلوک زندگی کی بہترین یادوں میں سے ہیں، جو میرے

دل میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ آپ کی وفات کے وقت میں کینیڈا میں تھی۔ میں آپ کے آخری دیدار سے محروم رہی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

اکرم احمد

میری محبوب ترین شخصیت جان جی، میرے نانا تھے۔ اپنے اس رشتے کی بنا پر مجھے آپ کے قرب کے بے شمار مواقع نصیب ہوتے رہے۔ اگرچہ میں اپنے آپ کو جان جی کا ادنیٰ چاکر ہونے کے قابل بھی نہیں پاتا، مگر اپنے اس قریبی مشاہدے سے جو مجھے میسر آتا رہا، میں یہ بات بلا شک وشبہ کہہ سکتا ہوں کہ جان جی کے ولی اللہ ہونے پر مجھے مکمل یقین ہے۔

جان جی جیسی روحانی ہستی کی پہچان سے ہی میں نے جماعتِ احمدیہ کے بزرگوں کی روحانی کیفیات کو سمجھا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اور ارفع ہوں گی کہ جن کی صحبت اور قدموں میں بیٹھ کر آپ نے ایسے روحانی کمالات حاصل فرمائے ہیں۔ جان جی پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان کیا کہ آپ نے بحیثیت امیرِ جماعتِ احمدیہ لاہور، مسیح موعودؑ کی صحیح تعلیمات کو دوسروں تک پہنچانے کی اور جماعت میں احمدیت کا صحیح رنگ پیدا کرنے کی گراں بہا خدمات سرانجام دیں۔ جان جی اکثر اپنی تقاریر میں، حضرت مسیح موعودؑ کے فارسی اشعار پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے یہ شعر پڑھا تھا۔

ہر کسے چوں مہربانی مے کُنی
از زمینی آسمانی مے کُنی

(جس کسی پر بھی تو (اللہ تعالیٰ) مہربانی فرماتا ہے تو وہ زمینی سے آسمانی بن جاتا ہے)

جان جی کے دِل میں ہمیشہ یہ تمنا رہتی تھی کہ جماعتِ احمدیہ کے افراد دُنیاوی معاملات کو ہی اپنا مطمحِ نظر نہ بنائیں، بلکہ روحانی ترقی کی طرف قدم بڑھائیں۔

ایک مرتبہ جان جی، حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر فرما رہے تھے۔ آپ نے حضرت مسیح موعود کو اپنے بچپن میں بے حد قریب سے دیکھا تھا۔ آپ نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا: "جس نے بھی حضرت صاحب کو قریب سے دیکھا، بس وہ اُن کا ہوگیا۔ بلکہ اُن کا ہی ہوجانا چاہئے۔" آپ نے مزید فرمایا: "حضرت صاحب کی خدمت میں بیٹھنے کے جو مواقع مجھے جی بھر کر نصیب ہوئے ہیں، وہی میری زندگی کا اثاثہ ہے"۔ پھر آپ نے فارسی کا یہ شعر پڑھا:

ے آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بوَد کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(وہ جو اپنی ایک نظر سے مٹی کو سونا بنا سکتے ہیں۔ کیا ہماری بھی ایسی خوش قسمتی ہو گی کہ وہ اپنی آنکھ کے گوشے سے ہی ہماری طرف دیکھ لیں)۔

بستی قادیان میں اپنے قیام اور ان تجربات کا ذکر کرتے ہوئے جان جی کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔

جان جی کی دستِ شفا کو شہرتِ عام حاصل تھی۔ اپنے مریضوں سے آپ کا سلوک اور نرمی سے گفتگو ہی مریض کو آدھی شفا بخش دیتی تھی۔ آپ کمال خوبی سے مریض کے تفکرات رفع فرما دیتے تھے اور مریض اِس یقین سے اپنا علاج کرواتا تھا کہ شفا اب اُس کا نصیب بن چکی ہے۔ انجکشن لگانے میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی۔ آپ اس انداز سے انجکشن لگاتے تھے کہ سوئی کی چبھن تک محسوس نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ میرے والد صاحب (چوہدری منصور احمد) کو جان جی نے انجکشن لگایا۔ وہ دوسری طرف منہ پھیرے انتظار میں تھے کہ جان جی کب انجکشن لگاتے ہیں۔ کچھ وقت یونہی گذر جانے کے بعد اُنہوں نے جان جی سے پوچھا: "کیا آپ ابھی کچھ دیر بعد انجکشن لگائیں گے؟" جان جی نے مسکرا کر فرمایا: "انجکشن تو لگ چکا ہے"۔ میرا اپنا بھی کچھ ایسا ہی تجربہ ہے کہ آپ کے انجکشن سے کوئی تکلیف محسوس نہ ہوتی تھی۔

جان جی کی شخصیت کا تصور مجھے ایک سویڈش مفکر Soren Kierkegad (سورن کیر کیگیڈ) کے قول کی یاد دلاتا ہے کہ:

We learn about God by sitting in the presence of those who know God. (اُن لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے ہم خدا کو پہنچانتے ہیں جو خدا کو پہچان چکے ہیں)۔

کاش جان جی آج زندہ ہوتے تو میں اپنی اہلیہ اور بچوں سمیت آپ کی خدمت میں آپ کے سامنے فرش پر بیٹھتا، مگر اب یہ سعادت ہمارے نصیب میں کہاں؟ اللہ تعالیٰ آپ کے روحانی درجات بلند فرمائے اور میرے جیسے احقر بندوں کو آپ کی تابندہ زندگی سے نور حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نوٹ

حیاتِ سعید کے لیے اپنے جذبات کو تحریر کی صورت میں ڈھال کر مجھ تک پہنچانے والوں میں، میرا پیارا بیٹا اکرم سب پر سبقت لے گیا۔ اکرم نے یہ تحریر ۲۰ فروری ۲۰۰۵ء کو میرے ہاتھ میں مندرجہ ذیل نوٹ کے ساتھ تھما دی تھی:

> اپنے کچھ خیالات قلم بند کر کے اپنی پیاری خالہ صفیہ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اگر وہ محسوس کریں کہ اِس تحریر میں کسی پڑھنے والے کا کوئی فائدہ ہوسکتا ہے تو اسے ضرور حیاتِ سعید میں شامل کر لیں ورنہ میرے خیالات بھی میری طرح خس و خاشاک سے بڑھ کر ہرگز نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس طرح مجھے اپنے محبوب سے متعلق کچھ تاثرات اور یادوں کو تازہ کرنے کا موقع فراہم ہو گیا۔ الحمدللہ رب العالمین۔

رفیعہ عالم خان

جان جی کے ساتھ گذارے ہوئے تمام لمحات ہی میرے لیے بے حد قیمتی ہیں، خاص طور پر بچپن کے زمانے کی یادیں، جن میں وہ یادیں بھی شامل ہیں، جب ہم ایبٹ آباد آپ کے ساتھ وقت گذارنے کے لیے جایا کرتے تھے، اور وہ بھی جب ہم لاہور میں آپ کے ساتھ کچھ عرصہ تک دارالسلام میں مقیم رہے تھے۔

ایبٹ آباد میں جان جی میرے لیے چاکلیٹ اور ٹافیاں لایا کرتے تھے۔ وہ سب کی سب میں اُسی دِن کھا کر ختم کر دیتی تھی، اور اگلے روز پھر اور لینے کو تیار۔ ایک دِن جان جی نے فرمایا کہ اب آپ کو ہر روز مقررہ راشن ملے گا۔ پھر یہ معمول ہو گیا کہ میں مٹھائی لینے کی خاطر صبح سویرے اُٹھ بیٹھتی تھی کہ اگر جان جی کلنک چلے گئے تو پھر دوپہر تک انتظار کرنا پڑے گا۔ بستر سے اُٹھتے ہی سیدھی جان جی کے کمرے میں چلی جاتی اور کہتی: "جان جی! راشن" اور راشن لے کر جلدی سے باہر آ جاتی تھی۔

جان جی ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ بچے جھوٹ نہیں بولتے، ہمیشہ سچ کہتے ہیں۔ ایک دِن جان جی نے مجھے اپنے ساتھ مسجد میں نماز کے لیے چلنے کو کہا۔ میں نے فوراً بہانہ تراش لیا کہ ابو نے منع کیا ہے۔ جان جی تھوڑے حیرت زدہ تھے، مگر مجھ سے کچھ نہیں کہا کہ تم نے جھوٹ کہا ہے یا سچ۔ حالانکہ ابو نے کبھی کوئی ایسی بات نہ کہی تھی۔ مگر میں نے جان جی کے اِس یقین کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ بعد میں امی، ابو کی صفائی پیش کرتی رہیں۔

جب ہم لاہور دارالسلام میں جان جی کے گھر میں کچھ عرصہ رہے تھے اور وہیں سے اسکول جاتے تھے تو صبح کے وقت جب امی ہمیں اسکول کے لیے تیار کرواتی تھیں، تو میرا بھائی عمر، جان جی کے کمرے میں جا کر چھپنے کی کوشش کرتا تھا اور یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ امی مجھے ڈانٹتی ہیں، یا مجھے مارا ہے۔ جان جی کو یہ بالکل پسند نہ تھا کہ بچوں کی ڈانٹ ڈپٹ کی جائے۔ عمر اس بات کا فائدہ اٹھاتا تھا

اور جان جی امی کو سمجھاتے تھے کہ بچوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ ہم سب جان جی کے اس یقین کا فائدہ اٹھاتے تھے کہ بچے جھوٹ نہیں بولتے۔

جان جی ہم سب سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہماری آپ جیسی عظیم ہستی سے نسبت ہے۔ اور ہمیں آپ کی محبت اور شفقت سے ہمیشہ حصہ ملتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

یحییٰ سعید

اگرچہ میری اپنے بچپن کی اکثر یادیں میرے ذہن سے محو ہو چکی ہیں، مگر جان جی کی میکسیکو میں آمد اور ہمارے ساتھ قیام کے چند لمحات ناقابلِ فراموش ہیں۔

جان جی کا ایک خطبۂ جمعہ مجھے نہایت واضح طور پر یاد ہے، جیسے کہ ایک ایک لفظ اُسی طرح نقش ہو۔ اِس خطبہ کے اختتام پر آپ نے اِس بات کو بہت زوردار طریقے سے ذہن نشین کرا دیا تھا کہ اپنی خطاؤں کے لیے ہر وقت استغفار کرتے رہنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سے انسان سب سے بڑھ کر خطا کار ہے۔ انسان بلند سے بلند تر روحانی درجات پر بھی پہنچ جائے پھر بھی گناہوں سے معافی اور خطاؤں سے درگذر کے لیے استغفار اور دُعا کی ضرورت اُسی طرح قائم رہتی ہے۔ انسان سے بار بار خطائیں سرزد ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر بار، توبہ اور استغفار کرنے والوں کی خطائیں معاف فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بار بار معاف فرما دینے کے فلسفہ کا رُخ، ایک نہایت خوبصورت انداز میں انسان کے باہمی معاشرتی تعلقات کی طرف موڑتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا کہ نہ صرف عزیز داری اور قرابت داری کے معاملات میں، بلکہ دوستوں، شرکائے کار اور اجنبی لوگوں سے بھی معاملات میں ایک دوسرے کی خطاؤں کو درگذر کر دینا اور چشم پوشی سے کام لینا بے حد اہم ہے۔ باہمی تعلقات

استوار رکھنے کے لیے ہر قسم کی زیادتیوں پر، چاہے چھوٹی ہوں یا بڑی، صبر وتحمل اور بردباری سے کام لیتے ہوئے دوسروں کی خطاؤں کو درگذر کر دینے سے رشتوں اور تعلقات میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ جان جی کی بے حد پیاری دیگر یادوں کے ساتھ ساتھ، ایک عمدہ زندگی گذارنے کا یہ بہترین اصول مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ (انگریزی سے ترجمہ)

سمیرہ اظہر الدین

نانا جان (جان جی) سے میرا تعارف جلسہ سالانہ ۱۹۷۴ء میں ہوا۔ میرے نانا جان، ڈاکٹر مرزا رفیق بیگ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور ایک ہستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: "آپ جانتی ہیں یہ کون ہیں؟" میں فوراً بولی: "جی ہاں! یہ ڈاکٹر صاحب ہیں"۔ نانا جان میرے اس جواب سے نہ تو خوش ہوئے اور نہ مطمئن ہی ہوئے۔ فرمانے لگے: "ڈاکٹر صاحب تو ہیں، مگر آپ کے لیے وہ نانا جان ہیں۔ بالکل اُسی طرح جیسے کہ میں ہوں۔ وہ میرے عزیز دوست بھی ہیں اور بھائی بھی"۔ نانا جان کے اس تعارف سے جان جی سے میرا جو رشتہ قائم ہوا، وہ ہمیشہ کے لیے تھا۔ میں نے نہ کبھی آپ کو جان جی کہہ کر مخاطب کیا اور نہ حضرت امیر، اور میں اس بات پر فخر محسوس کرتی ہوں کہ آپ کو نانا جان کہنے والی، دُنیا بھر میں، ایک میں ہی ہوں۔ آپ کے سب نواسے نواسیاں، عزیز رشتہ دار آپ کو جان جی کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ اِس پہلے تعارف کے بعد، میرا آپ کے گھر آنا جانا لگا رہتا۔ ہر قسم کے مسئلے مسائل لیے جا پہنچتی اور بغیر سانس لیے تمام بات گوش گذار کرتی۔ آپ تحمل سے سُنتے اور پھر مسئلہ کا حل بھی نکال لیتے۔ ہاتھ میں مٹھائی، ٹافی یا بسکٹ تھما کر رُخصت فرماتے۔

میرا اسکول میں داخلے کا مسئلہ درپیش تھا۔ پیدائشی سرٹیفکیٹ کہیں کھو گیا تھا۔ اب کیا ہو؟ نانا جان کے پاس جا پہنچی۔ آپ نے خود اپنی مہر کے ساتھ سرٹیفکیٹ بنا دیا۔ سات برس کی ہوئی، دودھ کا دانت ٹوٹنے کو تھا۔ نانا جان کے پاس جا دھمکی اور آپ نے نہایت احتیاط سے نکال کر ننھا سا دانت میرے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ ذرا بھر بھی تکلیف کا احساس نہ ہوا، اور پھر اخروٹ کی مٹھائی کھانے کو ملی۔

نہ جانے یہ مٹھائی کی لذت تھی یا نانا جان کی محبت کی مٹھاس، مجھے وہ ذائقہ آج تک یاد ہے۔

میں نانا جان کو ہر عید پر عید کارڈ بھیجتی تھی اور آپ بھی مجھے عید کارڈ بھیجنا کبھی نہ بھولتے۔ میرے نانا جان، میرے دوست بھی تھے۔ ہر دُکھ سُکھ میں مجھے سہارا دیا۔ میرے والد محترم کی وفات کے بعد آپ نے ہمیشہ ہماری خبر گیری کی۔ آپ اکثر قبرستان جایا کرتے تھے، لوٹتے ہوئے ہمارے گھر پر رُک جاتے، صحن میں بچھی چارپائی پر بے تکلف تشریف فرما ہوتے تھے اور نہایت تسلی آمیز گفتگو فرماتے تھے۔ اپنی عمر کے آخری ایام تک بھی آپ نے اپنا یہ معمول برقرار رکھا۔

جب میری شادی ہوئی تو آپ علیل تھے، شریک نہ ہو پائے۔ میری والدہ نے چاہا بھی کہ شادی کی یہ تاریخ آگے بڑھا دیں، مگر آپ نے اجازت نہ دی۔ شادی کے بعد میں اپنے شوہر اظہر الدین کے ہمراہ، آپ کی عیادت کے لیے شیخ زید ہسپتال گئی۔ میرا معمول ہوا کرتا تھا کہ اپنے صحن کی کیاری سے ایک گلاب کا پھول توڑ کر آپ کو پیش کیا کرتی تھی۔ اُس روز بھی میں ایک ہی پھول لے کر گئی۔ آپ مسکرائے اور پھول لے کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ پھر پاشا ماموں (موجودہ حضرت امیر) سے فرمایا: "سومی کو میری طرف سے سلامی دے دیں"۔ اس علالت میں بھی آپ نے اپنے رکھ رکھاؤ کا چلن نہیں بھلایا۔ آپ کی یہ مروت میرے لیے بے حد عزت افزائی کا موجب تھی۔

میں اپنے پیارے نانا جان اور اپنے باہمی رشتے کے حوالے سے کیا لکھوں اور کیا چھوڑوں۔ وہ سراپا محبت و شفقت تھے۔ آپ بحیثیت نانا جان بہترین تھے اور بحیثیت امیر جماعت لاجواب و بے نظیر۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فردوسِ بریں میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

فضیل خان

بے شمار انسان ایسے ہوتے ہیں جن کے بچپن کے واقعات و تجربات، اُن کے مستقبل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ میرا اپنا تجربہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ یہ ۱۹۸۱ء کا ذکر ہے۔ جب جان جی مغربی

کرۂ ارض میں قائم جماعتِ احمدیہ لاہور کی شاخوں کا دورہ کرنے آئے تھے۔ اسی سلسلہ میں وہ وینکوور کینیڈا بھی تشریف لائے تھے اور ہمارے ساتھ ہمارے گھر میں قیام فرمایا تھا۔ میری عمر اُس وقت دس برس کی تھی۔ مگر مجھے اس بات کا مکمل شعور تھا کہ جان جی ایک غیر معمولی انسان ہیں اور آپ کی شخصیت ہر لحاظ سے منفرد ہے۔ مجھے جان جی کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ میسر آتا رہا۔ میں نے آپ کو بطورِ امیرِ جماعت، اراکین جماعت سے خطاب کرتے، عام تقریبات میں غیر رسمی گفتگو کرتے اور فارغ اوقات میں استراحت فرماتے ہوئے دیکھا۔ آپ کی ذات میں ایک مکمل توازن تھا۔ آپ ایک دانش مند، پُرعزم و پُر استقلال قائد بھی تھے اور محبت کرنے والے مہربان اور شفیق دوست بھی۔ آپ مجسم عجز و انکسار تھے۔ تکبر اور نخوت کا کوئی شائبہ تک آپ کی ذات میں موجود نہ تھا، اور آپ نہایت پُرخلوص اور ملنسار تھے۔

ایک روز جان جی ہمارے گھر کے عقبی برآمدے میں نیم دراز کوئی کتاب مطالعہ فرما رہے تھے۔ میں آپ کے قریب ہی اپنے طور پر مصروف تھا۔ اچانک جان جی نے مجھ سے استفسار کیا: "آپ کا کیا خیال ہے ہم نماز کیوں پڑھتے ہیں؟" اپنی سمجھ کے مطابق میں نے خیال کیا کہ شاید یہ کسی قسم کا امتحان ہے۔ اس لیے جواب ضرور درست ہونا چاہئے۔ میں نے جواب دیا: "یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے"۔ آپ نے پھر استفسار فرمایا: "کیا اُس وقت آپ کا کھیلنے کو جی نہیں چاہے گا، یا کوئی اور دوسرا کام کرنے کو؟" میں نے جواب دیا: "ہمیں اللہ کا حکم ماننا چاہئے۔" آپ مسکرانے لگے، اور میں سمجھ گیا کہ اب سوالات کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ مگر میرے لیے یہ اس سلسلہ کی ابتداء تھی، اور میں خود اپنے آپ سے یہ سوال کرتا چلا گیا، اور اب تک یہ سلسلہ تسلسل سے جاری ہے۔ میں خود اپنے آپ سے سوال کرتا رہا ہوں اور غور و فکر سے جواب تلاش کرتا رہا ہوں۔ اور بالآخر یہ عقدہ مجھ پر وا ہوا ہے کہ نماز کو رسمی طور پر ادا کرنا بے مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہماری نماز کی حاجت نہیں، وہ بے نیاز ہے۔ ہماری اپنی روحانی ارتقاء کے لیے اور اپنے نفس میں ایک انقلابی تبدیلی پیدا کرنے کے لیے ہمیں نماز کی حاجت ہے۔ یقیناً جان جی کا استفسار یہ جاننے کے لیے تھا کہ میری عمر کا بچہ اس حقیقت سے کہاں

تک آ گاہ ہوسکتا ہے۔ اگر آپ چاہتے تو سادہ الفاظ میں خود مجھے یہ سب سمجھا دیتے۔ مگر آپ نے اپنے اس عمل سے میرے دل میں جستجو کا ایک بیج بو دیا اور مجھے اپنے غور وفکر سے یہ ادارک ہوا کہ عقائد، اعمال اور تمام متعلقہ امور پر غور وفکر کے بعد جو حقائق کھلیں گے، وہی ہمارے اعمال کی سمت کا تعین کریں گے، اور اسی جستجو اور آ گاہی اور پھر عملِ پیہم سے شاید وہ مقام بھی نصیب ہو جائے جو تمام اعمالِ صالحہ کا حقیقی مقصد ہے۔

اُس وقت اِس واقعہ کو میں نے سرسری انداز میں ہی لیا ہوگا، مگر غیر شعوری طور پر یہی میری زندگی کا رہنما اصول بن گیا۔ اور اُس کے بعد میں نے اپنی جستجو سے عقائد اور عمل کی حقیقت کو سمجھا اور اپنے اعمال کو اُسی رنگ میں ڈھالا۔

اللہ تعالیٰ جان جی کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آپ کے اعلیٰ کردار اور پُرکشش شخصیت نے سینکڑوں دلوں پر گہرے نقوش مرتب کیے ہیں۔ آپ اپنی عظیم المرتبت یادوں کے ساتھ اُن تمام لوگوں کے دِلوں میں زندہ رہیں گے۔ (انگریزی سے ترجمہ)

مجاہد احمد سعید

جان جی۔ اپنے محترم ومحبوب دادا کی تسکین آمیز یادوں کا ایک بحرِ بیکراں ہے، جو میں نے اپنے دل میں سمیٹ رکھا ہے۔ میری اپنی ذات پر آپ کی شخصیت کے گہرے نقش ثبت ہیں، اور میں بغیر کسی مبالغہ کے یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ میری زندگی کا ہر قدم کسی نہ کسی رنگ میں آپ ہی کی رہنمائی کے تابع ہوتا ہے۔

میرے دل میں جان جی کی لازوال محبت کی خوش کن یادیں بھی اُسی طرح زندہ ہیں، جس طرح وہ انتہائی دردانگیز واندوہناک لمحات، جب آپ اس دارِفانی سے رُخصت ہوئے۔ جان جی کی تدفین کے بعد جب میں نے قبرستان دارالسلام کے صدر دروازے سے باہر قدم رکھا تو شدتِ غم اور

دلی اضطراب نے صبر کے تمام بند توڑ ڈالے۔ مجھے اپنے جذبات پر قابو نہ رہا۔ میری آنکھوں سے اشک رواں تھے اور لبوں پر غیر اختیاری طور پر یہ الفاظ جاری تھے: "اب کون میرے لیے دُعا کرے گا۔"

احمدیہ انجمن لاہور کے سالانہ اجلاس میں جو شخص کبھی بھی شریک ہوا ہوگا، وہ اُس خاص کیفیتِ روحانی کا گواہ ہے کہ اُس موقعہ پر جان جی کی دُعائیں کوئی عام طرز کی معمولی دُعائیں نہ ہوا کرتی تھیں۔ بلکہ ایک خاص ایسا رنگ رکھتی تھیں کہ تمام ماحول میں ایک روحانی اثر پیدا ہو جاتا تھا۔ آپ ایک عالمِ بےخودی میں، قلبِ مطمئن کے ساتھ، مجسم عجز و انکسار بنے، اپنے پروردگار کے حضور اپنی التجائیں اور آرزوئیں عرض فرماتے تھے، اور سامعین محسوس کرتے تھے کہ گویا یہ التجائیں براہِ راست اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں عرض کی جارہی ہیں، اور آپ اُس ذاتِ بابرکات کو دیکھ رہے ہیں۔ اپنے قریبی مشاہدہ میں مجھے ابھی تک کوئی اور ہستی، عشقِ الٰہی میں اس قدر مخمور نظر نہیں آئی، جس کا تقابل جان جی سے کیا جاسکے۔

جان جی مجھ سے اکثر فرماتے تھے کہ میرے لیے دُعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو۔ آپ کی ادائیگیِ صلوٰۃ کی کیفیت بھی جداگانہ تھی اور اس بات پر آپ کو بجا فخر تھا کہ نوعمری میں اپنے والد محترم سے پابندیٔ صلوٰۃ کا جو وعدہ کیا تھا، اُس کو تاحیات نبھایا۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ۔

نماز باجماعت کو آپ بے حد اہمیت دیتے تھے۔ جب آپ ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے تو آپ جامعہ دارالسلام میں قائم ہونے والی نماز باجماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے، جس کے لیے آپ کے کمرے میں سپیکر کے ذریعہ رابطہ قائم تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت آپ کے طویل قیام و سجود کی کیفیت سے عیاں ہوتی تھی۔

میرے بچپن کا زمانہ تھا۔ جان جی کے ساتھ ایبٹ آباد میں میرا کافی وقت گذرتا تھا۔ جب نماز کا وقت قریب ہوتا تو میں آپ کے پاس جا کر کہتا تھا: "جان جی نماز کا وقت قریب ہے۔ اب مسجد

میں چلیں"۔ آپ بے حد فخر سے سب سے کہا کرتے تھے: "مجاہد میری نماز کے اوقات کا محافظ ہے"۔

جان جی کو قرآن سے عشق تھا۔ اب سے دو دہائیاں قبل جماعت احمدیہ لاہور کے سالانہ تربیتی کورس منعقدہ جولائی ۱۹۹۳ء میں، میں اول رہا۔ مجھ ناچیز کے لیے جان جی کا بہترین انتخاب قرآن پاک کے علاوہ دوسرا کیا ہوسکتا تھا۔ آپ نے مجھے "بیان القرآن" کا خصوصی عمدہ ایڈیشن، مندرجہ ذیل دُعائیہ تحریر کے ساتھ عطا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میرے علم میں، بالخصوص علم قرآن میں اضافہ فرمائے۔ جان جی کی تحریر:

> عزیزم مجاہد احمد سعید کی دینی علوم کے حصول کے لیے میری چشم دید چھ ہفتہ کی شب و روز محنت اور کاوش اور بالآخر تربیتی کورس کی پچاس ساٹھ کی کلاس میں اول پوزیشن کے حصول کی یادگار اور انعام کے طور پر بیان القرآن کی خصوصی ایڈیشن ہر دو جلدیں مبارک باد اور دُعاؤں خصوصاً اپنی اس دُعا کے ساتھ پیش کرتا ہوں:
>
> اَللّٰھمَّ زِدْ مُجاہِدْ عِلْماً عَلَی الْخُصُوْصًَ فِیْ عَلُوْمُ الْقُرْآن۔ آمین
>
> داراسلام، لاہور، ۳۱ جولائی ۱۹۹۳ء سعید احمد

احمدیہ انجمن لاہور کی منظور شدہ مخصوص ویب سائٹ، اے اے آئی آئی ایل ڈاٹ آرگ (www.aaiil.org) کا آغاز کرنے اور اُسے ایک اعلیٰ معیار پر برقرار رکھنے کے اپنے تیرہ سالہ (۱۹۹۹ء تا ۲۰۱۲) مجاہدہ اور کاوش کا انتساب میں اپنے پیارے جان جی کی اعلی اور ارفع یادوں کے نام کرتا ہوں۔ جب میں نے اپنی اِس خواہش کا اظہار جان جی سے پہلی مرتبہ کیا کہ میں حضرت مسیح موعود کی کتب کو کمپیوٹر پر منتقل کرنا چاہتا ہوں تو آپ نے اِس ارادہ کو بے حد پسند فرمایا اور میری حوصلہ افزائی کے لیے آپ نے ٹیچنگز آف اسلام (Teachings of Islam) کی اپنی ذاتی جلد مندرجہ ذیل تحریر کے ساتھ مجھے عطا فرمائی کہ اِس مبارک کام کی ابتداء اس کتاب سے کروں:

۶ جون ۱۹۹۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے پیارے مجاہد۔

تمہارا خط ملنے پر مجھے بے حد خوشی ہوئی، جس کا مجھے انتظار تھا۔ اور آپ کے امتحان کے شاندار نتیجہ کا بھی بے حد انتظار تھا۔

آپ کے حضرت صاحب کی کتب کا کمپیوٹر پر منتقل کرنے کا خیال نہایت مبارک اور خوش آئند ہے۔ میں اس عمدہ خیال کے لیے 'نہ' کس طرح کہہ سکتا ہوں۔ میں ذاتی طور پر اس کی منظوری دیتا ہوں اور دریں اثناء اِس کے لیے استخارہ بھی کروں گا۔

میری تجویز ہے کہ آزمائشی طور پر آپ حضرت صاحب کی مشہور تحریر جس کا مولٰنا محمد علیؒ نے "ٹیچنگز آف اسلام" کے نام سے ترجمہ کیا ہے، سے اپنے کام کی ابتداء کریں۔ یہ ایک تجرباتی کوشش ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ہر قدم پر رہنمائی فرمائے۔

مجاہد! میرے لیے دُعا کرتے رہیں۔ مجھے بے شمار مسائل درپیش ہیں۔ میری طرف سے اویس اور عبید اللہ کو پیار اور اپنی والدہ کو سلام عرض کرنا۔

آپ سے محبت کرنے والا۔ جان جی۔

(انگریزی سے ترجمہ)

اپنے گھر میں، میں سب سے زیادہ باتونی مشہور تھا۔ جان جی کی علالت کے زمانہ میں، گھر

کے بزرگوں نے مجھے یہ فریضہ سونپ رکھا تھا کہ میں جان جی کے بستر کے قریب بیٹھ کر اُن سے باتیں کر کے اُن کے لیے تسکین کا سامان کروں۔

۱۹۷۴ء میں جان جی کی رہائش گاہ کی آتشزدگی اور اُس کے نتیجے میں 'ہجرت لاہور' کے موقعہ پر آپ کے صبر و استقامت کا ایک عالم گواہ ہے۔ مگر ذاتی طور پر مجھے اس کا تجربہ اُس وقت ہوا جب آپ کے فرزند، میرے تایا جان میجر جنرل عبداللہ سعید اِس دارِ فانی سے رخصت ہوئے، اور دوسری مرتبہ اُس وقت جب میری دادی جان (ببو جی) کا انتقال ہوا۔ کسی ایک موقعہ پر بھی آپ کی زبان پر حرفِ شکایت نہیں آیا۔

بطور امیرِ جماعت، جب آپ لاہور میں اقامت رکھتے تھے، تو آپ کی خواب گاہ میں ایک الماری میں طرح طرح کی مٹھائیاں اور چاکلیٹ رکھے ہوتے تھے۔ ان میں وہ عمدہ مٹھائیاں بھی ہوتی تھیں جو دیگر علاقوں سے آنے والے مہمان آپ کے لیے بطورِ تحفہ لایا کرتے تھے۔ آپ بچوں کی نفسیات کو جانتے تھے کہ یہ مٹھائیاں اُن کے چہروں پر خوشی کے کون کون سے رنگ بکھیریں گی اور چہرے یک دم کھل اُٹھیں گے۔ اس لیے وہ یہ سب، ہم بچوں کے لیے سنبھال کر رکھتے تھے۔ اور پھر اُس مخصوص الماری سے نکال کر ہمیں دیا کرتے تھے۔

میں اپنی بیداری کے اکثر لمحات میں آپ کی خوبصورت یادوں میں محو رہتا ہوں، اور کبھی عالمِ خواب میں بھی آپ کا دیدار نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ لمحات میری روح کو شاداب کر دیتے ہیں اور آپ کی بے پناہ محبت اور چاہت کی کمی سے دِل میں ایک کسک سی پیدا ہو جاتی ہے اور میرا دل اور روح گداز ہو کر پگھلنے لگتے ہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب میرا اور میرے جان جی کا تعلق اس دُعا سے قائم ہے، جو میں باقاعدہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے جان جی سے راضی ہو۔

عائشہ وکیع سعید

میرے والد محترم بریگیڈئر عبدالطیف شہید کو جان جی سے بے پناہ عقیدت تھی۔ اور جان جی بھی اُنہیں اپنے خاص عزیزوں میں شمار کرتے تھے۔ ایبٹ آباد تشریف لے جاتے ہوئے آپ راولپنڈی میں ہمارے ہاں قیام فرماتے تھے۔ مگر مجھے جلسہ سالانہ کے ایام میں اپنی بچپن کی ملاقاتیں زیادہ یاد ہیں۔

اکثر اوقات جان جی کے کندھوں پر چترالی چوغہ ہوتا تھا اور سر پر جناح کیپ۔ آپ کی مسکراہٹ ہم بچوں کو اپنی طرف ایک جادوئی کشش سے مائل کرتی تھی۔ بچوں سے آپ کی محبت بے مثال تھی۔ جب ہم آپ سے ملاقات کے لیے جاتے تھے، تو آپ ہماری طرف خاص طور پر متوجہ رہتے تھے، اور ہماری پوری بات سُنتے تھے اور محبت سے جواب دیتے تھے۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ہم آپ سے ملاقات کے لیے گئے ہوں تو خالی ہاتھ لوٹے ہوں۔ آپ کے پاس ہمارے لیے کچھ نہ کچھ ضرور رکھا ہوا ہوتا تھا۔ چینی چڑھے ہوئے اخروٹ پہلی مرتبہ میں نے جان جی کے ہاتھ ہی سے کھائے تھے۔ اب جب کبھی بھی میں ایسے اخروٹ کھاتی ہوں تو جان جی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

میرے والد اور جان جی کے درمیان گہرا لگاؤ ہونے کی وجہ سے آپ کے خاندان سے ہمارے مراسم ہمیشہ قائم رہے۔ میں اپنے آپ کو بے حد خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ میں آپ کے بیٹے بریگیڈئر ناصر احمد مرحوم کی بہو بنی اور مجھ سے چھوٹی میری بہن ملیحہ آپ کے نواسے طارق احمد سے بیاہی گئی، اور محبت اور دوستی کا یہ تعلق مضبوط خاندانی رشتوں میں بدل گیا۔ اللہ تعالیٰ جان جی کو جنت الفردوس میں بلند مرتبہ عطا فرمائے۔ آمین۔

نصیرہ سعداللہ جان

جان جی کا ذکرِ خیر اپنے گھر میں اپنے والد محترم (عبدالباری صاحب ایڈووکیٹ پشاور)

سے اپنے بچپن سے سنتی آئی تھی۔ مگر دسمبر ۱۹۹۵ء سے قبل مجھے آپ سے روبرو ملاقات کا موقع کبھی نصیب نہ ہوسکا تھا۔ یہ جان جی کی زندگی کا آخری جلسہ تھا، اور آپ جلسہ گاہ میں (wheel chair) وہیل چیئر میں تشریف لائے تھے۔ میرے تایازاد بھائی، فاروق کی بیگم صاحبہ ساجدہ بھابھی (دُختر سردار علی خان صاحب) اور میں بیعت کرنے کی خواہش لے کر حاضر ہوئے۔ ہم دونوں نے وضو کیا۔ اور پھر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنے دِلوں میں آپ کے لیے بے حد عقیدت اور محبت کے جذبات محسوس کیے۔

اپنی اس چند گھنٹوں کی ملاقات میں مجھے یہ محسوس ہوا کہ آپ بے حد محبت کرنے والے، نرم خو اور شفیق ہستی تھے۔ اللہ تعالیٰ جان جی کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حلیمہ سعید

اپنے بچپن کی ابتدائی یادوں میں جان جی سے میرا تعلق بس اتنا سا تھا کہ جب ہم لاہور پہنچتے تھے تو بھاگتے ہوئے آپ کے کمرے میں جا پہنچتے اور پھر آپ کو سلام کرنے کے بعد اس انتظار میں ہوتے کہ آپ ہمیں اپنی اُس مخصوص الماری سے مٹھائی نکال کر دیں۔ جس کے متعلق میرا اپنا یہ پختہ یقین تھا کہ اس کے اندر ٹافیوں کی کوئی فیکٹری لگی ہوئی ہے۔ شاید اسی لیے ہر وقت مٹھائی موجود ہوتی ہے اور کبھی ختم نہیں ہوتی۔ مٹھائی ملی، اور بس نکل کر اپنے کھیل کود میں مصروف ہو گئے۔ اب سوچتی ہوں کہ کاش! جان جی کے علم اور روحانیت کی مٹھاس سے بھی فائدہ اُٹھایا ہوتا۔

جب جان جی زندہ تھے تو میں اپنے اندر ایک خاص تقویت اور خود اعتمادی محسوس کرتی تھی کہ جان جی کی دُعا سے ہر کام بہترین ہوگا۔ کھیلوں کا مقابلہ ہو، کسی مباحثہ میں حصہ لینا ہو یا اسکول کا امتحان۔ جان جی سے فون پر دُعا کی درخواست کرتی تھی۔ ہر بار آپ کی تسلی آمیز آواز ’اللہ تعالیٰ آپ

کو شاندار کامیابی عطا فرمائے‘ سُن کر دِل مطمئن ہو جاتا کہ اب تو فکر کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ کامیابی میرا مقدر بن چکی ہے۔ جان جی کی وفات کے بعد جب پہلی مرتبہ، میں کمرۂ امتحان میں داخل ہوئی تو عجیب ذہنی کشمکش اور خوف کی سی کیفیت محسوس کر رہی تھی کہ اب تو اللہ تعالیٰ سے ہمارا براہِ راست رابطہ کٹ چکا ہے۔ معلوم نہیں کیا ہوگا؟

جان جی یہ تمنا رکھتے تھے کہ ہم سب اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور آپ کی دُعا سے میں آغا خان میڈیکل کالج کراچی میں داخلے کے امتحان میں کامیاب ہوگئی۔ یہ خبر سُن کر آپ بے حد خوش ہوئے تھے۔ جان جی نے فرمایا کہ مجھے یہ شعبہ اس لیے پسند ہے کہ اس میں خدمتِ خلق کا بہترین موقعہ نصیب ہوتا ہے۔ اسے عبادت سمجھ کر کرنا چاہیے۔ اگر جان جی کی زندگی پر نگاہ دوڑائیں تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے خدمتِ خلق عبادت سمجھ کر ہی کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسی خلوصِ نیت کے سبب آپ کو دستِ شفا عطا فرمایا۔ میں نے یہ بھی سُن رکھا ہے کہ آپ اپریشن روم میں جانے سے قبل دو نفل ادا کر کے مریض کی شفا کے لیے دُعا فرمایا کرتے تھے۔ میں اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دُعا مانگتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے دِل میں انسانیت کی ایسی محبت اور خدمت کا جذبہ پیدا فرما دے کہ میں جان جی کے سامنے سُرخرو ہو جاؤں۔

ایک مرتبہ میں نے جان جی سے ہستئ باری تعالیٰ سے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے سمجھایا کہ ایمان کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اپنے اردگرد موجود انسانوں کی روحانیت کو محسوس کرنے سے، اللہ تعالیٰ کی ہستی نظر آتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اپنے وجود کے اندر اللہ تعالیٰ کی ہستی اور موجودگی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگوں کے دِلوں میں جان جی کی شخصیت کے مشاہدہ سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو پانے کی جستجو اور کشش پیدا ہوئی ہے۔

اویس احمد سعید

دُنیا میں ایسے خوش نصیب کم ہی ہوتے ہیں جنہیں اپنے بزرگوں کا ساتھ بچپن سے اُس عمر تک نصیب ہو جب وہ جوانی کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں اور بزرگوں کی رہنمائی کی اشد ضرورت ہوتی ہے، اور اُن کی بہترین دعاؤں کے ساتھ ساتھ اُن کی تربیت میں بھی اُن کا نمایاں کردار ہوتا ہے۔

وہ تمام لمحات میری یادوں میں محفوظ ہیں، جب جان جی کسی نہ کسی رنگ میں، مجھے ایک بہتر انسان بنانے کے لیے میری تربیت فرما رہے ہوتے تھے۔ اپنی زندگی کے اُن بیس سالوں میں جب جان جی ہمارے ساتھ موجود تھے، اور مجھے آپ کی صحبت میں وقت گذارنے کا موقعہ میسر آتا رہا، میں نے آپ کو کبھی بھی بے مقصد گفتگو کرتے ہوئے نہیں سنا۔ جب میں یہ دیکھتا کہ جان جی کے پاس کچھ فرصت کے لمحات ہیں، تو میرے دِل میں ایک خاص اطمینان پیدا ہو جاتا کہ اب اس وقت میرے پیارے دادا میرے لیے دُعا فرمانے میں مصروف ہوں گے۔

میری ملاقات بہت سے لوگوں سے ہوتی رہتی ہے جو جان جی سے کسی نہ کسی حیثیت میں متعارف ہیں۔ مگر آج دِن تک مجھے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جو یہ کہہ سکے کہ ڈاکٹر سعید احمد خان کی ذات سے اُسے کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہے۔ اسی لیے تو آپ پر یہ محبت بھرا لقب خوب جچتا تھا۔ اور حقیقتاً آپ اِس پیارے نام "جان جی" کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔ (انگریزی سے ترجمہ)

آمنہ سعید

میرے بچپن کی سب سے پہلی یادوں میں میرے دادا ابو موجود ہیں۔ مجھے چھوٹی عمر سے ہی لگتا تھا کہ ضرور اُن میں کوئی خاص بات ہے جو باقی لوگوں میں نہیں اور اِس بات کا احساس مجھے

بڑے ہو کر بھی رہا۔

جب میں چھ سال کی تھی تو ابو کی پوسٹنگ راولپنڈی ہوئی اور دادا ابو اپنے علاج کی غرض سے ہمارے گھر آئے۔ آپ کے آنے سے ہمارے گھر میں ایک عجیب طرح کی رونق آ گئی۔ ہر وقت اُن سے ملنے، کوئی نہ کوئی موجود ہوتا اور مجھے یقین ہو گیا کہ ضرور اُن کے پاس کوئی خاص جادو ہے جس کی کشش سے وہ لوگ ہمارے گھر کھنچے چلے آتے ہیں، جن سے ہماری ملاقات بس عید بقرعید پر ہی ہوا کرتی تھی۔ دادا ابو کے پاس ایک اور بھی چیز تھی جس سے مجھے اُن کی طلسماتی طاقت کا یقین ہو گیا تھا۔ ہم بچے جب بھی اُن سے ملاقات کے لیے جاتے تو آپ اپنی کریم رنگ کی الماری سے ہمیں ضرور چاکلیٹ نکال کر دیتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک الماری سے ہر بچے کے لیے ہر وقت چاکلیٹ نکل آئے! میں نے تو ایسی باتیں صرف سینٹا (santa) کے بارے میں سوچی تھیں۔

کالج کے زمانے میں جب میں نے آپ کے پاس زیادہ وقت گزارا تو مجھے آپ کی شفقت اور مہمان نوازی کا صحیح احساس ہوا۔ آپ کا دروازہ ہر وقت ہر کسی کے لیے کھلا رہتا تھا۔ آپ سب سے ملتے تو آپ کے چہرے پر ہر وقت ایک نور اور مسکراہٹ ہوتی۔ آپ کی آنکھوں میں ہر ملنے والے کے لیے واقعتاً دلچسپی ہوتی اور سب سے اُن کے گھر، خاندان، پڑھائی اور کام وغیرہ کے بارے میں پوچھتے۔ یوں تو آپ کے پاس مہمان ہر وقت آتے رہتے تھے مگر شام کی چائے کے لیے ہر روز آپ کے چار خاص مہمان ہوتے جن کو آپ محبت سے اپنے درویش کہتے تھے۔

جیسے جیسے میں بڑی ہوئی تو میں آپ کی بیش بہا خوبیوں کی معترف ہوتی چلی گئی، جیسے کہ آپ کی روحانیت، بصیرت، جدت پسند سوچ اور سادگی۔ مگر میرے نزدیک ان میں سے سب سے زیادہ جس چیز نے ہر چھوٹے بڑے کو آپ کا گرویدہ بنایا وہ وہی محبت اور شفقت تھی جو آپ کی شخصیت کا خاصہ تھی اور جس کو میں نے بچپن سے ہمیشہ آپ کے گرد ایک ہالے کو طور پر دیکھا اور محسوس کیا۔ اسی لیے میں بچپن میں سمجھتی تھی کہ میں دادا ابو کی چہیتی ہوں۔ لیکن جب بڑی ہوئی تو پتہ چلا کہ سب ہی اُن

کے اُتنے ہی چہیتے تھے۔ آج بھی آپ ہر وقت ہمیں یاد آتے ہیں۔

سارہ احمد

یہ کہنا درست ہوگا کہ حضرت امیر سے میرا تعلق روحانی تھا۔ کیونکہ دارالسلام میں رہنے کے باوجود ہم ان سے ملاقات کے لیے سال میں دو یا تین دفعہ سے زیادہ نہ جاتے تھے۔ اس میں کچھ ہماری کوتاہی کا دخل تھا اور کچھ یہ خیال تھا کہ ہم حضرت امیر کے آرام میں خلل نہ ڈالیں۔ مگر دل کو ہر وقت یہ تسلی رہتی تھی کہ حضرت امیر موجود ہیں اور ہمارا جب جی چاہے ان سے جا کر مل سکتے ہیں۔ میں دراصل یہ بتانا چاہتی ہوں کہ حضرت امیر کی روحانیت اس قدر تھی کہ وہ اپنے سے دور دور تک لوگوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتی تھی۔

دارالسلام میں آپ کے وجود سے بہت رونق تھی۔ رات کو جب میں اپنی امی اور بہن کے ساتھ سیر کر رہی ہوتی تو حضرت امیر کی روشن کھڑکی کو دیکھ کر لگتا تھا کہ ہم آپ کے قریب ہیں۔ کئی ایک دفعہ میں اور میری بہن جان بوجھ کر اس وقت دارالسلام جاتے، جس وقت حضرت امیر سیر کر رہے ہوتے تھے تا کہ ان سے مل لیں۔ آپ کی تلاوت میں بہت سوز تھا اور کمزور آواز میں تقریر کا حیرت انگیز اثر تھا۔ جب آپ سالانہ دعائیہ کے موقعہ پر دعا کرواتے تو آپ اصرار کرتے تھے کہ سب بلند آواز میں آمین کہیں۔ یوں دعا میں بہت درد پیدا ہو جاتا تھا اور ہر کوئی ایسے دعا کرتا، جیسے واقعی خدا کے حضور حاضر ہے۔

میری ایک سہیلی جس کا تعلق ربوہ جماعت سے ہے، اپنے خلیفہ صاحب کو "حضور" کہتی ہے۔ حضرت امیر سے ہماری محبت نے ہمیں انفارمل کر دیا ہے۔ اس لیے حضرت امیر، جماعت کے کثیر حصے کے لیے "جان جی" تھے۔ ہم اپنے پیارے جان جی کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ ان کی کمی کو پورا کرنا بہت مشکل ہے مگر ہماری یہ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں ان کے بعد بھی حضرت مسیح موعود کے مشن پر

قائم رکھے اور جس طرح انہوں نے ساری زندگی دین کو دنیا پر مقدم کیا، ہمیں بھی ایسا کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔ (پیغام صلح۔نومبر دسمبر ۱۹۹۷ء)

عائشہ رحمان

جان جی! جان جی کی ہستی میری قوت وطمانیت کا سرچشمہ تھی۔ اگرچہ میں امریکہ میں پلی بڑھی اور میرے بے حد پیارے پڑ نانا کے اور میرے درمیان نہ صرف تین نسلوں کا بلکہ سات ہزار میل کا فاصلہ بھی حائل تھا، مگر پھر بھی آپ کے ساتھ چند ملاقاتیں اور کچھ قیمتی لمحات گذارنے کا موقع مجھے نصیب ہوا۔ میری اپنی ان خاص یادوں میں، میری تین، چھ، نو، گیارہ اور پندرہ سال کی عمر کے چند ناقابلِ فراموش لمحات شامل ہیں۔

ان قیمتی لمحات میں تین سال کی عمر میں میرا جان جی کو اپنا ڈانس دکھانا، چھ سال کی عمر میں آپ کے ساتھ کھانا کھانا، گیارہ سال کی عمر میں پاکستان میں تعلیم حاصل کرنے کے زمانہ میں، جبکہ میرے والدین امریکہ میں تھے، آپ کی تسلی آمیز گفتگو اور حوصلہ افزائی اور پندرہ سال کی عمر میں، میری آپ سے آخری ملاقات، آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور آپ کا، مجھے اپنی چھاتی سے لگا کر الوداع کہنا شامل ہیں۔

میرے اندر پنہاں ایک خاص طمانیت اور میری شخصیت پر جان جی کے روحانی اثرات کسی طور پر بھی، صرف ان چند ملاقاتوں کے مرہونِ منت نہیں ہیں۔ مجھے آپ کی ہر ملاقات کا ایک ایک لمحہ اور گفتگو کا ایک ایک حرف یاد ہے، اور میں اسے اپنی زندگی کا سرمایہ سمجھتی ہوں۔ جوں جوں میں بڑی ہوتی چلی گئی اور زیادہ باشعور ہوگئی تو مجھے یہ احساس ہوا کہ میری بے حد پیاری، خوبصورت اور منفرد یادیں صرف میری ذات سے ہی وابستہ نہیں، بلکہ ایسی اور بھی آپ کی بے حد محبوب ہستیاں ہیں، جن کے دِلوں میں ایسے ہی احساسات موجود ہیں کہ جیسے وہی آپ کے لیے خاص اور سب سے

پیارے ہیں۔

جان جی کی محبوب ترین یادوں میں سے ایک واقعہ میری نو سال کی عمر کا ہے، جس نے مجھے بے حد معتبر بنا دیا۔ ہوا یوں کہ اُس زمانے میں لاہور احمدیہ انجمن کی امریکہ کی شاخ کے ممبران، جماعت احمدیہ لاہور کی طبع شدہ، نماز کی کتاب، The Muslim Prayer Book (دی مسلم پریئر بک)، کی از سرِ نو امریکہ میں طباعت کروا رہے تھے۔ اس کے لیے وہ پاکستان سے تصاویر کھینچ کر لائے تھے۔ امریکہ پہنچ کر اُنہیں معلوم ہوا کہ مستورات کی ادائیگی ارکانِ نماز کی تصاویر معیار کے مطابق نہیں ہیں۔ اُنہوں نے جان جی سے بات کی تو آپ نے اُن سے فرمایا: "آپ عائشہ کی تصاویر کیوں نہیں کھینچ لیتے، عائشہ بہت اچھی لڑکی ہے"۔ جب میری امی نے مجھے جان جی کی کہی ہوئی یہ بات بتائی تھی تو ساتھ یہ بھی کہا کہ عائشہ تم کبھی کچھ ایسا نہ کرنا کہ جان جی تمہارے لیے اس کے برعکس کچھ سوچیں۔ جان جی دِلوں میں ولولے اور جوش پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ آپ کی اِس ولولہ انگیز شخصیت کے قائم کردہ، اس معیار پر پورا اُترنے کی لگن، کاوش اور عمل کی صلاحیت بھی آپ ہی سے عطا ہوتی تھی۔ اپنی زندگی کے ہر کٹھن اور دشوار موڑ پر، جان جی کے مثالی کردار پر میری نظر رہتی ہے۔ آپ کی ناپسندیدگی کا احساس میری خطاؤں اور میرے درمیان ایک مضبوط روک بن کر حائل رہتا ہے۔

میری ذات پر جان جی کی شخصیت کے گہرے نقوش ثبت ہیں اور آپ کی محبت بھری ہدایات میری زندگی میں رہنما اصول کی طرح ہر وقت شامل رہتی ہیں۔ (انگریزی تحریر کا ترجمہ)۔

صدیقہ صادق

جان جی جیسی محبت کرنے والے اور شفیق لوگ دُنیا میں شاذ ہی ہوتے ہوں گے۔ آپ سے میری کئی محبت بھری یادیں وابستہ ہیں، مگر اُن جذبات کو الفاظ کی صورت میں ڈھالنا نہایت ہی مشکل

کام ہے۔ جان جی کا متبسم چہرہ، انکساری اور نرم گفتاری میری زندگی کی بہترین یادوں میں شامل ہیں۔

میرے بچپن کا زمانہ تھا جب میں ایک دفعہ لاہور میں جان جی کے گھر گئی تھی۔ ببو جی نے میرے وہاں جانے سے پہلے ہی میرے کھیلنے کے لیے ایک چھوٹا سا بہت خوبصورت چائے کے برتنوں کا سیٹ لے کر رکھا ہوا تھا۔ جب میں نے یہ برتن کھولے تو میں نے کہا کہ سب سے پہلے میں اپنے برتنوں میں جان جی کو چائے پلاؤں گی۔ اُس سے چند لمحے قبل، جان جی اپنے کمرے کی طرف آرام کی غرض سے گئے تھے۔ وہاں موجود لوگوں میں سے کسی نے کہا کہ اب تو جان جی کے آرام کا وقت ہے وہ تو اپنے کمرے میں چلے گئے ہیں۔ جان جی ابھی کمرے کے اندر غالباً نہیں گئے تھے۔ میری آواز اُن کے کانوں تک پہنچ گئی اور وہ واپس لوٹ کر آ گئے، اور فرمایا: ”میں پہلے صدیقہ کے ہاتھ کی چائے پیئوں گا اور پھر آرام کروں گا“۔ اور مجھ سے کہا: ”چلیں اب آپ مجھے چائے بنا کر دیں“۔ یہ میرے لیے ایک بے حد خاص بات ہے۔ بچوں کی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو اہمیت دینا، کوئی معمولی سی بات نہیں۔ کچھ ایسی ہی خوبیاں تھیں ہمارے جان جی میں، جو بچوں کو بے حد پُرکشش لگتی تھیں، اور وہ اُن کی طرف کھچے چلے آتے تھے۔ یہ واقعہ میرے لیے بے حد قابلِ قدر ہے۔ اب میں اُتنی ہی، عمر کی بیٹی کی ماں ہوں۔ میری بیٹی عائشہ، جب بھی چائے کے برتنوں سے کھیلتی ہے، اور سب کے لیے چائے بناتی ہے تو مجھے ہمیشہ اپنا یہ واقعہ یاد آ جاتا ہے۔

میرے لیے ایک اور اہم اور گراں قدر بات یہ ہے کہ جان جی نے میرا، میرے بھائی اور خالہ زاد بہن کے نام ہمارے نانا جان کی نسبت سے رکھے ہیں۔ میرے نانا جان کا نام حبیب الرحمان صادق تھا۔ اس مبارک نام کا پہلا لفظ ’حبیب‘ میری خالہ زاد حبیبہ کو نصیب ہوا، اور میرے چھوٹے بھائی عبدالرحمان کے نام میں ’الرحمان‘ شامل ہوا، اور نام کے آخری حصہ ’صادق‘ کی مناسبت سے میں صدیقہ ہوگئی۔

عبیداللہ سعید

جان جی کے ساتھ میرے بچپن کے ہی چند سال گذرے ہیں۔لیکن اُن لمحات میں جو محبت مجھے میسر آئی، وہ نا قابلِ فراموش ہے۔عمر میں اتنا زیادہ فرق ہونے کے باوجود، آپ مجھے ہمیشہ اپنے دوست ہی لگے۔آپ کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی۔ بچے ہمیشہ اپنی شرارتوں پر بڑوں سے ڈانٹ کھاتے ہیں، مگر جان جی نے کبھی ہم سے اونچی آواز میں بات نہیں کی۔ جب بھی ہمیں کوئی بات سمجھانا ہوتی تو نہایت نرم لہجے میں گفتگو فرماتے۔

میری اسکول کی کارکردگی کے متعلق دلچسپی سے پوچھتے تھے۔اور ہمیشہ ایسی دُعا دیتے کہ تمام فکر دور ہو جاتی اور میرا اعتماد بہت بڑھ جاتا۔ گویا کہ ایک بچے کو بھی آپ کی دُعاؤں کی قبولیت پر یقین تھا۔میری نظر ہمیشہ آپ کی الماری پر ہوتی کہ کب چاکلیٹ یا ٹافیاں ملیں گی۔

میرے خیال میں جان جی کے متعلق دیگر تمام بچوں کے تاثرات بھی کچھ ایسے ہی ہوں گے۔مگر یہاں میں ایک خاص بات کا ذکر کرنا چاہوں گا،جس کا ذکر صرف میری اپنی ذات سے ہے۔ نماز کی ادائیگی میں حالت قعدہ میں بیٹھنے کا جو خاص انداز ہے، میں کوشش کے باوجود، اُس طرح نہ بیٹھ پاتا تھا۔ میں کسی بھی صورت میں اپنے پاؤں اُس طرح نہ موڑ سکتا تھا۔ میں نے جان جی سے رہنمائی چاہی۔آپ نے مجھے کئی بار مشق کروائی۔مگر مجھے کامیابی نہ ہوسکی۔ بے حد فکرمند تھا کہ شاید میری نماز قبول نہ ہوگی۔ جان جی سے اپنی فکرمندی کا اظہار کیا تو آپ نے مجھ سے پوچھا:”جس طرح تم نماز میں بیٹھتے ہو، اس سے تمہیں کیا مسئلہ ہے۔تم کیوں یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری نماز قبول نہ ہو گی؟“ اِس سوال کے جواب کی تلاش نے میرا ذہن کھول دیا اور دو باتیں نہایت واضح طور پر میری سمجھ میں آئیں۔ایک یہ کہ دین میں کوئی سختی نہیں اور دوسرے یہ کہ اپنی جان کو تکلیف میں ڈال کر صرف اس لیے اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش نہ کی جائے کہ دوسروں کی نگاہوں میں پسندیدہ ٹھہرے۔ بلکہ وہ کرنا چاہیئے جو آسانی سے کیا جا سکے اور جس سے انسان کی اپنی روح مطمئن رہے۔

جمیلہ و نبیلہ سلام

جان جی ہم سب کو بے حد پیارے تھے۔ اُن کی بے مثال شفقت بچپن سے ہمیں نصیب ہوئی۔ ہر شام کو ہمارا معمول تھا کہ عصر اور مغرب کے درمیانی وقت میں، ہم جان جی کے سلام کی غرض سے اُن کے کمرے میں چلے جاتے تھے اور ہر مرتبہ وہ ہمیں کوئی نہ کوئی چیز کھانے کے لیے دیا کرتے تھے۔ ہم بڑے شوق سے اُن کی ٹانگیں دباتی تھیں اور آپ ہمیں بہت سی دُعاؤں سے نوازتے تھے۔

جب کبھی بچوں کی تقاریر کا مقابلہ ہوتا، اور ہم دونوں کی تقاریر اچھی ہو جایا کرتی تھیں، تو ہم خوشی خوشی جان جی کو بتانے کے لیے جاتے تھے اور وہ ہمیں انعام دیا کرتے تھے۔

جان جی اپنی آخری علالت کے ایام میں شیخ زید ہسپتال میں داخل تھے۔ ہم دونوں بھی آپ سے ملنا چاہتے تھے، اور ابو سے ضد کر کے ایک شام وہاں گئے۔ جان جی نے ہمارے ہاتھ پکڑے اور فرمایا: "آپ لوگ فجی جا رہے ہیں۔ اچھی طرح دِل لگا کر پڑھنا"۔ ہماری یہ ملاقات، جان جی سے آخری ملاقات تھی۔ ہم یقین سے یہ کہہ سکتی ہیں کہ آج ہم جو بھی ہیں اور جس مقام پر ہیں، اس میں جان جی کی دُعائیں شامل ہیں۔

فاطمہ رحمان

جان جی اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود اپنے پیاروں کے لیے وقت نکال لیا کرتے تھے۔ میں آپ کو خط لکھا کرتی تھی، اور آپ فوراً ہی خط کا جواب اپنے ہاتھوں سے لکھ کر بھیج دیتے تھے۔ آپ کے قلم سے لکھے ہوئے یہ تمام خطوط میرے پاس محفوظ ہیں اور میرے لیے یہ ایک انمول خزانہ ہے، جسے میں کبھی ضائع کرنا نہ چاہوں گی۔

جب اپنے والدین، بہن اور بھائی کے ہمراہ میں آپ کی ملاقات کے لیے جاتی، تو وہ ضرور ہمارے لیے وقت نکالتے تھے۔ اور ہم سے بے حد توجہ اور محبت سے گفتگو فرماتے تھے۔ مجھے ایسا

محسوس ہوا کرتا تھا کہ جیسے آپ کی محبت بھری مسکراہٹ سے تمام کمرے میں ایک نور پھیل گیا ہے۔ اِن خوبصورت نورانی لمحات کی یاد میرے دِل میں بسی ہوئی ہے۔(انگریزی تحریر کا ترجمہ)۔

بشارت احمد سعید

اپنی نوعمری کے زمانہ میں مجھے تیزی سے ترقی پذیر اِس دُنیا میں اپنے مقام اور طرزِ عمل کے تعین کے لیے رہنمائی کی جستجو تھی، جب مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ میرے بچپن میں جان جی کا وجود میرے لیے ایک روحانی پناہ گاہ اور روشنی کا ایک رہنما مینار تھا۔ یہ وہ وقت تھا، جب میری ذات کی چٹیل زمین میں نئے تصورات وخیالات کے بیج بوئے جا رہے تھے اور جان جی ایک غیر محسوس سے انداز میں طمانیت اور روحانیت کی ایک ہلکی پھوار کی طرح اُسے سیراب کرتے چلے جا رہے تھے۔

گو اپنی کم عمری کے سبب میں آپ سے کوئی معنی خیز گفتگو تو نہ کر پاتا تھا، مگر میں آپ کی ذاتی کشش اور ہمہ گیر محبت کو ایک فرزند کے احترام وتکریم، ایک دُختر کی بے لوث محبت اور ایک شریک سفر کے اعتنا اور اور التفات میں محسوس کر سکتا تھا۔ یہ جذبۂ احترام ومحبت صرف بیٹے، بیٹیوں یا شریکۂ حیات تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ ایک عالم ایسے ہی جذبات سے سرشار تھا اور یہی عوامل، جان جی کے لیے میرے جذبۂ احترام کے محرک تھے۔ وہ تمام لوگ جو میرے لیے بے انتہاء قابلِ قدر اور قابلِ تحسین تھے، وہ خود جان جی کو اس سے کہیں زیادہ بلند واعلیٰ مقام پر دیکھتے تھے، اور اپنے ارادوں اور خواہشات کی تکمیل کے فیصلے آپ کے سپرد کر دیتے تھے، اور اپنے فیصلوں پر آپ کے فیصلوں کو مقدم رکھتے تھے۔ یہ عزت وتکریم اور اعتماد کا جذبہ بسا اوقات ایک گیارہ سالہ بچے کی سمجھ بوجھ سے بالاتر ہوتا تھا۔

اب جبکہ میں خود بالغ ہوں اور مذہب پر برملا گفتگو کرتا ہوں اور اپنے نقطۂ نظر میں کسی لچک کا بھی روادار نہیں، تو اُن تمام لوگوں سے ایک رشک سا محسوس کرتا ہوں، جو چائے کی پیالی ہاتھ میں تھامے، آپ کے روبرو بیٹھ کر آپ کی اُس عظمت ووقار سے لطف اندوز ہوتے تھے، جو آپ کو خدمتِ دین اور خدمتِ خلق کے لیے اپنی زندگی وقف کر دینے سے حاصل ہوئے تھے۔

جان جی کی تمام زندگی اِن احسن عوامِل کی ایک زندہ مثال ہے۔

اختتامی تحریر

نذرانۂ محبت اور عقیدت کے جو گلدستے جان جی کو، بصورتِ تحریر پیش کیے گئے ہیں، انہیں پڑھتے، ترجمہ کرتے اور پھر ضبط تحریر میں لاتے ہوئے میرے دل میں یہی احساس موجود رہا ہے کہ جو جس نے لکھا وہ سبھی میرے دل میں تھا۔ جان جی سے اپنی ذاتی وابستگی کو کیا نام دوں؟ یہ جستجو باقی رہے گی۔ اگر جذبات کو صفحۂ قرطاس پر بکھیرنے کی جرأت کروں تو یہ احساس ہوتا ہے کہ میری یہ جسارت خودستائی پر معمول نہ سمجھی جائے۔

جان جی کی ہی زبان سے یہ سُنا تھا کہ میری ولادت اذانِ فجر کے ساتھ ہوئی۔ آپ نے ادائیگی نمازِ فجر کا ارادہ کیا، تو ذہن میں آیت قرآنی وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ (اور لڑکا اس لڑکی کی طرح نہیں) (ال عمران ۳:۳۶) کا خیال پیدا ہوا اور آپ کا دِل میرے لیے محبت اور مسرت و انبساط کے جذبات سے بھر گیا۔

میرے لیے وہ لمحات بھی نا قابلِ فراموش ہیں، جب میری اذیت ناک علالت کے سبب، مجھ سے محبت کرنے والے میرے باپ کے شب و روز میری دوا اور دُعا کے گرد گھومتے تھے۔ مجھے بہلانے کے لیے گراموفون کا تحفہ اور پُرخطر حالات میں، میری تبدیلی آب و ہوا کے خیال سے کشمیر کا سفر کوئی معمولی سا اظہارِ محبت نہیں ہے۔

میں جان جی کی پانچویں بیٹی اور سب بہن بھائیوں کے بالکل درمیان میں ہوں۔ آپ کی تمام اولاد میں سے آپ کے ساتھ سب سے زیادہ وقت گذارنا میرے نصیب میں تھا۔ مگر یہ الگ بات ہے کہ اپنی ہی کوتاہیوں کی بدولت نہ تو کماحقہٗ، حقِ خدمت ادا ہوا اور نہ اُس چشمہ فیضِ روحانی سے اِس طرح سیراب ہو سکی جس طرح دوسرے ہوئے۔ مگر اتنا میں یقین کامل کے ساتھ کہہ سکتی

ہوں کہ میری تمام کوتاہیوں اور خطاؤں کو، جان جی نے ہمیشہ درگذر فرما دیا اور آپ مجھ سے راضی تھے۔ کبھی کوئی نا قابلِ ذکر، معمولی سی بھی خدمت انجام دے پائی، تو آپ نے نہایت فیاضی سے دُعاؤں کے قیمتی موتیوں سے میرا دامن بھر دیا۔

میری زندگی کے کئی نشیب وفراز جان جی کے درپئے آزار رہے، مگر ہر دُکھ کو آپ نے اپنے دِل میں سمولیا اور مجھے اپنی رأفت والفت کی بارش سے ٹھنڈک اور سکون بخشتے رہے اور میرے ہر دُکھ کو سُکھ میں بدل دیا۔ میں آپ کی وہ خوش نصیب اولاد ہوں جسے آپ نے اپنے ایک خط میں اس اظہارِ محبت سے نوازا تھا کہ:

For more then one reason you are my dearest child.

(آپ کے، میری چہیتی اولاد ہونے کی ایک سے زیادہ وجوہ ہیں)

جان جی کی دوررس نگاہیں، مستقبل میں بہت دور دور تک دیکھتی تھیں اور مجھ جیسے کوتاہ نظر، صرف اپنے اردگرد تک ہی نگاہ دوڑا پاتے ہیں۔ یہ اُن ایام کا ذکر ہے جب جان جی ملک سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اور میں مڈل اسکول کے امتحان کی تیاری کر رہی تھی۔ اغلباً اپنے تعلیمی معیار کی کمی کا جواز تلاش کرتے ہوئے میں نے جان جی کو خط میں لکھا کہ بچوں (میرے بھائی) کی، آجکل تعطیلات چل رہی ہیں۔ گھر میں ہر وقت اودھم مچا رکھتے ہیں اور میں بالکل نہیں پڑھ پاتی۔ جان جی نے جواب لکھ بھیجا: ”آپ کے بھائی ابھی بہت چھوٹے ہیں، جب بڑے ہو جائیں گے تو آپ سے بے حد محبت کریں گے اور آپ کا خیال رکھیں گے۔“ جان جی کے اِن الفاظ کی صداقت مجھ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ واقعتاً میرے بہن بھائی مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور اُن کا، میرے لیے عزت واحترام بے حد خاص ہے۔

ایک اور واقعہ، میری تعلیم کے لیے مضامین کے انتخاب کا ہے۔ جان جی نے فارسی زبان کو

میرے لیے بطور اختیاری مضمون یہ کہہ کر پسند فرمایا کہ فارسی سیکھیں گی تو حضرت صاحب کے فارسی کلام کے معارف سمجھ پائیں گی۔ میں یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتی کہ اِس ضمن میں، میں اب تک کوئی خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکی ہوں، لیکن اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ زبان و بیان اور تدریس وتحریر میں، میری 'فارسی دانی' میری معاون رہی ہے۔

جان جی کی زندگی کے آخری عشرہ میں مجھے مسلسل آپ کے وجود کی ٹھنڈی چھاؤں نصیب ہوئی۔ یہ اُسی دور کا ذکر ہے کہ، طبعاً حساس اور زود رنج ہونے کے سبب ایک دن میں قدرے آزردہ خاطر تھی، جس نے میرے جان جی کو بھی رنجیدہ کر دیا تھا۔ مجھے تسلی دیتے ہوئے آپ کی آنکھوں میں نمی تھی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: "آپ کو شاید اندازہ نہیں کہ اس گھر میں آپ کا وجود میرے لیے کیا معنی رکھتا ہے۔ آپ میرے سفید و سیاہ کی مالک ہیں، جو چاہیں کریں اور جیسا چاہیں کریں۔ بس معمولی معمولی باتوں کو دِل پر نہ لیا کریں۔ اس سے مجھے رنج ہوتا ہے۔"

جان جی کو میری اس کمزوری کا ہر دم احساس رہتا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد باجی گل (اسماء شوکت) نے مجھے بتایا کہ جان جی نے اُن سے فرمایا تھا کہ صفیہ بے حد حساس ہے۔ اِس بات کا بہت خیال رکھا کریں کہ وہ کبھی آزردہ نہ ہو۔

"بنت سعید"، ہونا میرا اعزاز ہے۔ اور میرے جان جی مجھے ایک ایسی بستی میں بسا گئے ہیں جس کی ہر گذرگاہ، آپ کے قدموں سے آشنا ہے۔ اور جب اِن گذرگاہوں پر میرے قدم پڑتے ہیں، تو میری طرف اُٹھنے والی ہر نگاہ میں محبت اور احترام کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ ہی کی اس نسبت سے یہ مقام اور عزت آج مجھے نصیب ہوا ہے۔

جان جی کے دِل میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ایک سمندر تھا۔ جس کی ایک لہر ساحِل کے ذرے ذرے کو سیراب کر دیتی تھی۔ اور ہر ذرہ اپنی ذات میں معتبر کہ وہی سب سے زیادہ سیراب ہے۔

یہ تحریرات حرف آخر نہیں۔ جان جی کے کئی محب اور محبوب ایسے ہوں گے جو اپنے نوکِ قلم سے دریا بہا دینے یا دریا کو کوزے میں بند کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں گے۔

ع دعوتِ عام ہے محبان و مہرباناں کے لیے

صفیہ بنت سعید



ستائیسواں باب

گل ہائے عقیدت

؎ خوش تر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

علامہ اقبال

(مفہوم: یہ بہتر ہے کہ اپنی محبوب ہستیوں کی دلبری کا راز دوسروں کی زبان سے بیان ہو)۔

پروفیسر ڈاکٹر ناصرالدین اعظم خان، پرنسپل (ریٹائرڈ) خیبر میڈیکل کالج پشاور

خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا شمار پاکستان کے چوٹی کے معالجین اور مرضِ تپ دق کے ماہرین میں ہوتا تھا۔ آپ کے علاج کی صلاحیت آپ کے مریضوں پر طلسماتی طور پر اثر انداز ہوتی تھی۔ اسی لیے ملک کے ہر علاقے کے علاج کے متلاشی باشندے، آپ سے علاج کروانے کی خواہش رکھتے تھے اور آپ کی خدمات حاصل کرتے تھے۔ آپ کے ذاتی حسنِ اخلاق کی بدولت، دوست و دشمن یکساں طور پر آپ کے مداح تھے۔ بطور ایک معالج آپ بے پناہ خوبیوں کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی ذات میں بہترین انتظامی صلاحیتیں بھی موجود تھیں۔

آپ بے حد نرم گفتار تھے۔ آپ کے دِل میں مریضوں اور دُکھی انسانیت کے لیے بے مثال محبت اور شفقت تھی۔ اور آپ تمام انسانوں کو برابری کی بنیاد پر اپنی خدمات سے نوازتے

تھے۔

اگرچہ آپ انتقال فرما گئے ہیں، مگر ہمارے لیے ایک زرین مثال قائم کرنے کے علاوہ قابلِ ستائش ورثاء بھی چھوڑ کر گئے ہیں۔ (تحریر برائے حیاتِ سعید۔ انگریزی سے ترجمہ)

ڈاکٹر رونق زمان صاحب (ایبٹ آباد)

کام اگرچہ نہایت مشکل ہے اور تکلیف دہ بھی کہ مرحوم ڈاکٹر خان بہادر سعید احمد خان صاحب پر کچھ لکھا جائے اور یہ کہنا بھی غیر مناسب نہ ہوگا کہ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود بھی شاید میرا ذہن یا قلم مرحوم جیسی ہمہ گیر اور باکردار شخصیت کے ساتھ کچھ انصاف کر سکے۔

مرحوم میرے خاندانی معالج تھے۔ مجھے بذاتِ خود (۹) نو سال کی عمر میں اُن کو نہایت قریب سے دیکھنے کا موقع اُس وقت ملا، جب دسمبر ۱۹۴۹ء میں میری مرحومہ خالہ اُن کے زیرِ علاج تھیں اور میں اُن کے ہمراہ تقریباً چھ ماہ تک ڈاڈر سینیٹوریم میں رہا۔ اور بعد میں تقریباً چھ سال تک بحیثیت ڈاکٹر مجھے ڈاڈر سینیٹوریم میں کام کرنے کا بھی موقع ملا۔ اس طرح مجھے ڈاڈر سینیٹوریم کے ابتدائی دور کے حالات سے اور آپ کی ریٹائرمنٹ کے بعد کے حالات کا عینی مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا۔

مرحوم ایک عبادت گذار شخص تھے۔ نماز پنجگانہ کے پابند تھے۔ سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو جانے کے بعد اپنے گھر پر مریضوں کا معائنہ کرتے تھے۔ فیس وغیرہ کی کوئی پابندی نہ تھی اور نہ ہی کوئی فیس مقرر تھی۔ جو جس نے دیا شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا۔

اگرچہ قلم رُکنا نہیں چاہتا، اور اپنے اخلاص اور مرحوم کی عظمت کے باعث خود بخود رواں ہے، تاہم مضمون کا اختتام قرآن کی مندرجہ ذیل آیت پر نہایت مناسب ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط

(جو اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا۔ اللہ اُس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا رستہ پیدا کر دیتا ہے، اور اُس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جدھر اس کا گمان بھی نہیں جاتا)۔ (الطلاق ۶۵:۲۔۳)

مرحوم نے بڑی ہی صاف ستھری اور متقیانہ زندگی گذاری جس کی برکات آج اُن کی اولاد پر برس رہی ہیں۔ اور سب کو اللہ نے عزت اور برکت سے نوازا ہے۔ (ڈاکٹر رونق زمان صاحب کی طویل تحریر سے اقتباس)

ڈاکٹر غلام نبی باجوہ، لاہور

کیپٹن عبدالسلام خان کی زبانی خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی وفات کی خبر سُنی ۔ مجھے آپ سے ذاتی تعارف اُس وقت سے حاصل تھا، جب میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں آپ کے فرزند ڈاکٹر عبدالحئ سعید کا ہم جماعت تھا، اور اُن کے ہمراہ کئی مرتبہ ڈاڈر سینیٹوریم جانے کا اتفاق ہوا اور خان بہادر صاحب مرحوم کو گھریلو ماحول میں اور بطور ڈاکٹر قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ آپ ہمارے لیے ایک رول ماڈل تھے۔ (زبانی خراج عقیدت ۔تحریر صفیہ سعید)۔

عبدالواجد رضوی، ایبٹ آباد

خان بہادر سعید احمد خان صاحب ۔ ایک انسان، ایک فرشتہ ۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ

ع آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

لیکن آدمی جب خود کو برائیوں سے پاک کر لیتا ہے، اور اُس میں نوعِ انسان کے لیے محبت، غریبوں کے لیے سخاوت، دوستوں کے لیے مروت اور بیماروں کے لیے شفقت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں تو وہ انسان بن جاتا ہے۔ اور ایسے انسانوں میں جب فرشتوں کی صفات آجاتی ہیں تو وہ خان بہادر سعید احمد خان کی سی صورتوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور اللہ کے بے بس و بے کس، بیمار و

مجبور بندوں کے دلوں میں اُتر جاتے ہیں۔

نہ معلوم خان بہادر صاحب اللہ کے کتنے بندوں کے دلوں میں اُترے ہوئے تھے اور آج بھی کتنے بندوں کے دِلوں میں موجود ہیں؟ (تحریر برائے حیاتِ سعید)

آفتاب احمد، کچھی

حضرت امیر مرحوم جماعتِ احمدیہ لاہور، جناب خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی کچھ یادیں:

ایبٹ آباد سے تقریباً بیس میل دور شیروان نام کا قصبہ ہے۔ جماعت قادیان کے لوگوں کو پتہ چلا کہ وہاں ایک شخص رہتا ہے جو اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے۔ چند قادیانی دوست اُن سے ملاقات کے لیے چلے گئے۔ تو اُنہوں نے یہ بتایا: ”میں شدید بیمار تھا اور میرا پُرسانِ حال کوئی نہ تھا۔ میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے پاس چلا گیا۔ عرصہ دراز تک میرا علاج فرماتے رہے، اور آنے جانے کے اخراجات اور دوا بھی مفت دیتے رہے۔ میرے نزدیک اِس سے بہتر مسلمان اور کوئی نہیں ہوسکتا، جو اس طرح غریبوں اور مریضوں پر مہربان ہو۔ اگر ڈاکٹر سعید احمد میں یہ تمام خوبیاں ہیں اور وہ احمدی ہیں تو اللہ کے فضل سے میں بھی احمدی ہوں۔“

دارالسعید ایبٹ آباد کے کلنک کا ایک حصہ ۱۹۷۴ء کی آتش زدگی کے بعد عرصہ دراز تک اُسی طرح جلا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ کچھ حصہ مرمت ہو چکا تھا۔ اور ڈاکٹر عبدالکریم سعید (موجود امیر) وہاں پر پریکٹس کرتے تھے۔ جب میں وہاں گیا تو چند مریض آپ کے منتظر بیٹھے تھے۔ اُن میں ایک اجنبی شخص بھی تھا۔ اُس نے سوال کیا کہ یہ عمارت کیسے جلی؟ وہاں پر موجود، ملک پورہ کے ایک شخص نے جواب دیا: ”ہم لوگوں نے ۱۹۷۴ء میں ایک ولی اللہ کو جلانے کی کوشش کی تھی اور اب اُس کی سزا ڈاکٹروں کی بھاری فیسوں کی صورت میں بھگت رہے ہیں“۔

سالانہ دُعائیہ پر ہمارے ساتھ ہمارے گاؤں کا ایک غیر احمدی اکثر آتا تھا۔ ایک دفعہ کسی نے اُس سے سوال کیا کہ لاہور میں آپ کو کیا نظر آتا ہے؟ اُس کا جواب مجھے اچھی طرح یاد ہے: ”میں کچھ اور دیکھوں یا نہ دیکھوں لیکن خان بہادر صاحب کی صبح کی نماز کی تلاوت مجھے لاہور لے جاتی ہے۔ اور خان بہادر صاحب کے چہرے کو دیکھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ کسی عام آدمی کا چہرہ نہیں یہ کسی ولی اللہ کا چہرہ ہے۔ بس یہی چہرہ مجھے لاہور لے جاتا ہے“۔

جنرل عبداللہ سعید اور ڈاکٹر عبدالحئی سعید کے بیٹے کی وفات پر آپ کو جس طرح صابر پایا ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ یہ لوگ نہیں مرتے بلکہ زندہ رہتے ہیں تو ایسے لوگوں کو زندہ قومیں ہمیشہ یاد رکھتی ہیں بھولتی نہیں۔ اگر وہ قومیں بھول جائیں تو وہ زندہ نہیں رہ سکتیں۔ میری اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زندہ قوموں کی طرح زندہ رکھے کہ ہم اُن لوگوں کو بھولنے نہ پائیں کہ یہی احمدیت کی زندگی ہے۔ (تحریر برائے حیاتِ سعید)

محترمہ بشریٰ علوی صاحبہ اور محترم ارشد علوی صاحب

ع خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

دارالسلام کالونی میں رہائش کے دوران ہمیں جن بزرگوں کی صحبت میں وقت گذارنے کا موقع ملا اُن میں سے ایک بہت ہی محترم اور نیک شخصیت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی ذات مبارکہ تھی۔ مامور من اللہ کی جانب سے نیک اور مبارک نام پایا، آپ اسم بامسمّٰی تھے۔

سلسلہ احمدیہ کے ساتھ آپ کی گہری محبت، لازوال وفاداری اور قلبی وابستگی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ احمدیت سے متعلق حکومتی فیصلے کے بعد بہت سرد اور گرم حالات دیکھے مگر کسی بھی موقع پر آپ کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ آپ کی رقت آمیز تلاوتِ قرآن پاک اور حد درجہ انکساری سے ہم

ذاتی طور پر بہت متاثر تھے۔ آپ کے چہرے کی معصوم مسکراہٹ ہمیں ہمیشہ اچھی لگتی تھی۔

آپ ایک شفیق باپ کی طرح تھے۔ آپ جماعت کے ہر فرد کے بارے میں مکمل معلومات رکھتے اور اُن کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوتے تھے۔ افرادِ جماعت کے ساتھ آپ کا لگاؤ بے مثال تھا۔ بچوں سے خصوصی لگاؤ رکھتے تھے۔ نوجوانوں کو تہجد اور نماز باجماعت کی تلقین فرماتے تھے۔

قرآن سے گہرا عشق رکھتے تھے۔ آپ تقویٰ، پرہیزگاری، صبر اور غم گساری میں اپنی مثال آپ تھے۔ افرادِ جماعت کے ہر کام کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ ہم خود بھی آپ کی حوصلہ افزائی سے آگے بڑھتے رہے اور آپ کی دعائیں سمیٹتے رہے۔ وہ دعائیں ہم آج بھی اپنے ساتھ محسوس کرتے ہیں۔

آپ ایک خوش قسمت انسان تھے کہ وفات کے بعد بھی آپ کی وراثت نیک اولاد کی صورت میں موجود ہے۔ آپ کے گھرانے کا ہر فرد نیکی اور انکساری کا اعلیٰ نمونہ اور جماعت کا سچا وفادار ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کے مشن کو آگے بڑھانے میں ہمہ تن مصروف ہے۔ نیک اولاد ہی وہ صدقہ جاریہ ہوتی ہے جس کا ثواب والدین کو وفات کے بعد بھی پہنچتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے: "ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں اور اُن کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے"۔ (یٰس ۳۶:۱۲)

ہم آپ کے آخری دیدار سے محروم رہے جس کا ہمیں دِلی رنج ہوا تھا۔ مگر آپ ہماری دُعاؤں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

(تحریر برائے حیاتِ سعید)۔

احمد نواز صاحب، امریکہ

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ایک ملنسار اور خوش اخلاق انسان تھے۔ محبت، شفقت، انکساری اور نرم مزاجی جیسی خاص صفات کے سبب آپ بے حد مقبول اور محترم تھے۔

جن ایام میں، میں پاکستان فضائیہ سے منسلک تھا اور بڈبیر پشاور میں بطور گروپ کیپٹن متعین تھا، ایک مرتبہ حضرت امیر ایک شادی کی تقریب کے سلسلہ میں پشاور تشریف لائے تھے۔ مقامی دستور کے مطابق، فرشی نشست کا انتظام تھا۔ میں حضرت امیر کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ دورانِ طعام آپ کی ساری توجہ میری خورد ونوش پر رہی، اور اپنی پلیٹ سے گوشت کی بوٹیاں اُٹھا کر، میری پلیٹ میں ڈال دیں۔ کئی دوسرے احمدی نوجوانوں کی طرح میں بھی آپ کے حُسنِ سلوک اور دلپذیر شخصیت سے بے حد متاثر تھا، اور اسی بنا پر جماعت کے ساتھ میری وابستگی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

فضائیہ کی ملازمت سے سبک دوشی کے بعد اور امریکہ روانگی سے قبل، میں نے کچھ عرصہ دارالسلام لاہور میں گذارا۔ اِس عرصہ میں مجھے حضرت امیرؒ کی قربت حاصل رہی۔ ہر روز نمازِ فجر کے بعد آپ سیر فرماتے تھے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیتا تھا۔ میری رہنمائی کے لیے آپ کوئی نہ کوئی نصیحت فرماتے رہتے تھے۔ آپ کے اندازِ گفتگو سے ہر بات دل میں اُتر جاتی تھی۔ امریکہ میں میری منزل سان فرانسسکو تھا۔ آپ نے مجھ سے خاص طور پر یہ فرمایا کہ سان فرانسسکو میں ہمارا مرکز اور مسجد ہے۔ بدقسمتی سے وہاں کے اراکین کے انتظامی معاملات پر اختلافات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ آپ غیر جانبدارانہ طور پر مرکز سے منسلک رہیں۔ اوک لینڈ مسجد میں جایا کریں اور وہاں کے حالات کی بہتری کے لیے کوشش کرتے رہیں۔ امریکہ آتے ہوئے حضرت امیر کی یہ نصیحت اپنے پلے باندھ کر لایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حتی المقدور اِس پر عمل کی کوشش میں لگا رہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے درجات بلند فرمائے۔ اور ہمیں آپ

کے نقشِ قدم پر احمدیت پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(تحریر برائے حیاتِ سعید)

ظفر عبداللہ صاحب، سان فرانسسکو، امریکہ

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب جنہیں ہم 'جان جی' کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے، پہلی مرتبہ ۱۹۷۷ء میں امریکہ تشریف لائے تھے، اور ہیورڈ (سان فرانسسکو) میں ہمیں آپ کی میزبانی کا موقعہ نصیب ہوا۔ میری بیوی زکیہ نے آپ کے قیام کے دوران ہر ممکنہ طور پر آپ کو آرام پہنچانے کے لیے ہر قسم کے انتظامات کیے اور آپ بھی ہمارے ساتھ اس طرح گھل مل کر قیام پذیر رہے، جیسے کہ آپ اِسی گھر کے فرد ہوں۔ ہمارے درمیان کسی قسم کا کوئی تکلف حائل نہ تھا۔ ہمارے بچے فیروز اور ریاض اُس وقت خاصے چھوٹے تھے۔ وہ بھی آپ سے بہت جلد مانوس ہو گئے تھے۔ آپ دونوں بچوں کو باری باری اور کبھی دونوں کو ایک ساتھ بھی اپنی گود میں بٹھا لیا کرتے تھے۔ آپ نے ہمیں بھی یہ نصیحت فرمائی تھی کہ بچوں کی بہتر پرورش کے لیے اُن سے نرمی اور محبت کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔

حضرت امیر کی سان فرانسسکو تشریف آوری کا مقصد یہاں پر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (یو۔ ایس۔ اے) کی باقاعدہ رجسٹریشن اور اوک لینڈ میں جماعت کے لیے حاصل کردہ عمارت میں انجمن کے مرکز اور مسجد کا افتتاح تھا۔ اُس زمانے میں، میں جماعت کا صدر تھا، اور جماعت کے ممبران کے تعاون سے ایک شاندار جلسہ کا انتظام کیا گیا تھا، جس میں جماعت کے تمام اراکین، غیر از جماعت مسلمان اور بڑی تعداد میں غیر مسلم امریکی اور غیر ملکی افراد مدعو تھے۔ آپ کی تقریر نے حیرت انگیز طور پر سب کو متاثر کیا۔ اور اراکینِ جماعت نے نئے ولولے اور جذبہ کے ساتھ تبلیغِ دین کو بڑھانے اور مستحکم کرنے کا عزم کیا۔

حضرت امیر، اس کے بعد دو مرتبہ مزید یہاں تشریف لائے۔ ۱۹۷۹ء میں آپ سرینام کی گولڈن جوبلی کے بعد یہاں تشریف لائے تھے، جس میں شرکت کے لیے میں بمع اپنی اہلیہ اور بچوں کے آپ کے ہمراہ تھا۔ وہاں پر بھی میں نے آپ کی ولولہ انگیز قیادت کے روح پرور نظارے دیکھے تھے۔ سان فرانسسکو کی کنونشن میں شرکت کے لیے آپ نے ذاتی طور پر اکثر ممبرانِ جماعت کو مدعو فرمایا تھا، اور امریکہ کی دیگر ریاستوں سے ممبران نے بھرپور شرکت فرمائی، اور آپ کی پرجوش اپیل پر گراں قدر رقم کے عطیات دیئے گئے، بالخصوص تراجم قرآن و کتب کے لیے اور لندن میں مرکز کی خریداری کے لیے۔ اِس موقعہ پر، جلسہ میں جمع شدہ رقم، پینتیس ہزار ڈالر کا چیک میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیا، جو ممبرانِ جماعت نے خاص طور پر اِس مقصد کے لیے عطا کیا تھا۔ یہ آپ کی ذاتی روحانی کشش ہی کی بدولت تھا، جس سے انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ دِلوں میں پیدا ہوتا تھا۔

آپ جماعت کو ہمیشہ ایک ہی مرکز پر جمع رہنے کی آرزو دِل میں رکھتے تھے۔ آپ نے بار بار یہ نصیحت فرمائی کہ تمام تقریبات کا انعقاد اور ادائیگی نماز جماعت کے اوک لینڈ کے مرکز اور مسجد میں ہوں۔

آپ جماعت کے لیے کام کرنے والوں کی بے حد حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ آپ کی ذات بزرگوں، خواتین و حضرات اور بچوں کے لیے یکساں طور پر ولولہ انگیز تھی۔ اگرچہ آپ کی پہلی مرتبہ آمد پر ہمارے بچے چھوٹے تھے، اور وہ زیادہ سمجھ نہ رکھتے تھے، مگر دوسری اور تیسری مرتبہ آپ کی تشریف آوری پر آپ کی روحانی تاثیر سے وہ بھی کچھ نہ کچھ فیض اُٹھا سکے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ (تحریر برائے حیاتِ سعید۔ انگریزی تحریر سے ماخوذ)

اقتباس از خبر نامہ احمدیہ انجمن لاہور۔ جنوری، فروری ۱۹۹۷ء

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان ۱۵ نومبر ۱۹۹۶ء کو اس دارِفانی سے رحلت فرما گئے۔ اُن کی نماز جنازہ اُن کے قریب ترین ساتھی محترم راجہ محمد بیدار صاحب نے پڑھائی۔ محترم راجہ صاحب، قاضی عبدالاحد صاحب، محترم سردار علی خان صاحب اور ماسٹر عبدالسلام صاحب کا معمول تھا کہ وہ روزانہ نماز عصر کے بعد حضرت امیر کی عیادت کے لیے ان کے گھر جاتے۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب تیس سال تک ٹی بی کے ایک معروف معالج کی حیثیت سے ڈاڈر سینی ٹوریم اور اپنے آبائی شہر ایبٹ آباد میں دکھی انسانیت کی بےلوث خدمت کرتے رہے۔ لیکن ۱۹۷۴ء کے انتہائی اندوہناک فسادات کے بعد وہ لاہور تشریف لے آئے اور مستقل طور پر دارالسلام کالونی میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں انہوں نے ڈاکٹری کے پیشے کو بالکل خیر باد کہہ دیا اور اپنی زندگی کے بقیہ ۲۲ سال تحریک احمدیت کی خدمت کے لیے نہایت جرأت اور استقلال سے وقف کر دیئے۔

حضرت مولانا صدرالدین صاحب کی وفات پر امیرِ جماعت منتخب ہونے کے بعد آپ نے پاکستان اور بیرونِ پاکستان جماعتوں کی تنظیم نو کی طرف خاص توجہ دی۔ آپ نے امریکہ، کینیڈا، ٹرینیڈاڈ، گیانا اور سرینام کے تفصیلی دورے کیے اور انگلستان، ہالینڈ اور جرمنی کئی بار تشریف لے گئے تاکہ ان جگہوں پر جماعتوں کو تحریک کی نئی ذمہ داریاں سنبھالنے کی طرف توجہ دلائیں۔

پاکستان کی قومی اسمبلی نے جب احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا اور اس کے بعد جو قوانین وضع کیے گئے ان کے پیش نظر یہ ضروری ہو گیا کہ بیرونی جماعتیں تحریک کی مزید ذمہ داریوں کو سنبھالیں تاکہ ان مشکلات کا مقابلہ کیا جا سکے جو حکومت پاکستان کی پابندیوں کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھیں۔ اس سے پیشتر بیرونی جماعتیں مختلف ناموں کے تحت کام کر رہی تھیں لیکن ۱۹۷۴ء کے بعد یہ

ضروری ہو گیا کہ لاہور تحریک کے خیالات اور مقاصد کو اجاگر کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنے بیرونی دوروں میں تمام بیرونی جماعتوں کو ہدایت دی کہ وہ اپنے آپ کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی ایک شاخ کے طور پر رجسٹر کرائیں۔ انہی کی ہدایت کے پیش نظر ٹرینیڈاڈ، گیانا اور سرینام کی جماعتوں نے اپنی سرگرمیوں کو احمدیہ انجمن لاہور کی شاخ کے طور پر نئے سرے سے منظم کیا اور آج ہم فخر سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جارج ٹاؤن (گیانا) اور پاراماریبو (سرینام) کی خوبصورت مساجد جن کو مسلم ممالک میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے وہ لاہور احمدیہ انجمن کی بین الاقوامی جماعتوں کا شاندار کارنامہ ہے۔ آج بیرونی ممالک میں تیس کے قریب شاخیں انگلستان، امریکہ، کینیڈا، ٹرینیڈاڈ، گیانا، سرینام، آسٹریلیا، فجی، انڈونیشیا اور ہندوستان میں کام کر رہی ہیں۔ تنظیم نو کے اس کام میں ذیل کے احباب نے بھرپور تعاون کیا۔ انگلستان میں محترمہ جمیلہ خان صاحبہ اور ڈاکٹر زاہد عزیز صاحب۔ امریکہ میں محترمہ ثمینہ ساہو خان صاحبہ، ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک، ڈاکٹر عبداللہ جان اور مسعود اختر صاحب۔ جرمنی میں امام سعید احمد چوہدری صاحب۔ ہالینڈ میں ڈاکٹر کرامت علی صاحب، جناب اے ایس سنتو صاحب اور محترم مولانا عبدالرحیم جگُّو صاحب اور ہندوستان میں محترم عبدالرزاق صاحب اور فجی کے محترم شوکت اے علی صاحب۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان تمام احباب کے لیے حضرت ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی مضبوط شخصیت اور ان کی دعائیں بڑی قوت کا باعث تھیں۔

گذشتہ دو سال سے حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب بیمار تھے، لیکن پھر بھی وہ انجمن کے اہم امور کی نگرانی فرماتے رہے۔ وہ نہایت عمدہ یادداشت کے مالک تھے اور کام کرنے کی قابلِ رشک ہمت رکھتے تھے۔ ایک خاص قابل ذکر بات ان کے متعلق یہ تھی کہ وہ انجمن کے کارکنوں اور ممبران سے ذاتی تعلق قائم رکھنے کی کوشش فرماتے اور احباب کو خطوط اردو میں ہوں یا انگریزی میں خود تحریر فرماتے۔ ان کی اس غیر معمولی قوت کا راز، ان کی تقویٰ شعاری اور زندگی کے معاملات میں باقاعدگی تھی۔ بیماری کے دوران کمزوری کے باوجود آپ نے پنجگانہ نمازیں، نماز تہجد

اور شام کی سیر میں کمی نہ کی۔ شام کے وقت گھر سے دارالسلام کے دوسرے کونے تک سیر کے دوران ہر ایک کو مسکرا مسکرا کر سلام کرنا اور خیریت پوچھنا آپ کا معمول تھا۔

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تحریک پر ان کے صاحبزادے جنرل عبداللہ سعید صاحب مرحوم نے تراجمِ قرآن کے پراجیکٹ میں دلچسپی لینی شروع کی۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی یہ تجویز پیش کی کہ اس کام کے لیے باہر سے غیر زبانوں کے سکالر اور ماہرین کی خدمات حاصل کی جائیں۔ اس نئی تجویز کے تحت سب سے پہلے ہسپانوی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ شائع ہوا۔ اس نہایت بیش قیمت خدمت کے لیے نہ صرف جنرل صاحب مرحوم ہی ہماری تعریف اور قدرشناسی کے مستحق ہیں بلکہ ان کے والد ماجد بھی جن کی تحریک سے یہ کام ممکن ہوا اور اب آگے بڑھ رہا ہے۔ روسی، چینی، جرمن اور ڈچ تراجم کے کام انہی خطوط پر ہو رہے ہیں جن کی نشاندہی جنرل عبداللہ سعید صاحب نے کی تھی۔

ابھی حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے اپنی زندگی کے ۹۷ ویں سال میں قدم رکھا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ۱۵ نومبر ۹۶ء کو، انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ اللہ تعالیٰ اس سعید روح پر اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

اقتباسات بحوالہ پیغامِ صلح، نومبر دسمبر ۱۹۹۷ء (خاص نمبر)

حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب، امیرِ چہارم

فروری ۱۹۷۹ء میں میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوا اور دو تین ماہ بعد ہی دارالسلام میں منتقل ہو گیا اور ابھی تک یہیں ہوں۔ یہاں رہائش اختیار کرنے کے بعد حضرت امیر مرحوم سے ملاقات کے مواقع بہت بڑھ گئے۔ سب سے زیادہ یہ کہ پانچوں نمازوں میں ملاقات ہوتی۔ حضرت امیر مرحوم چونکہ خود بھی نماز پڑھاتے رہتے تھے اس لیے اکثر ان کی منفرد قرأت سننے کا موقع ملتا تھا۔

حضرت امیر مرحوم سے ملاقات ہوتی تو ہاتھ بڑی مضبوطی سے ملاتے اور بعض اوقات تو دیر تک پکڑے رکھتے اور مجھے اکثر ان کی گرفت کی مضبوطی کا احساس ہوتا۔کبھی کبھی شام کی سیر بھی ہم اکٹھے کر لیتے تھے لیکن اس میں باقاعدگی نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ حافظ شیر محمد مرحوم بھی لاہور آئے ہوئے تھے۔ چندروز وہ بھی سیر میں شریک ہوئے۔ڈاکٹر صاحب تو کبھی کبھی صبح کی سیر بھی شاید کرتے تھے لیکن میں کبھی صبح کی سیر کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر سکا۔کبھی کبھی جامع میں موٹی سی کاپی لے کر آتے تھے۔ آپ کے پاس کئی ایک کاپیاں تھیں۔ ان میں زیادہ سید اسداللہ شاہ صاحب مرحوم کے الہامات، پیشن گوئیاں اور دیگر واقعات، اپنے بزرگوں کے واقعات بھی ہوتے تھے اور بعض اولیائے کرام کا فارسی کلام بھی۔ ان میں سے کہیں کہیں سے ہمیں پڑھ کر سناتے تھے۔ سید اسداللہ شاہ صاحب کا ذکر تو بہت ہوتا تھا۔

ڈاکٹری کے حوالے سے بھی امیر مرحوم کا وجود بہت نافع الناس تھا۔ دارالسلام میں کوئی بھی بیمار ہو آپ سے مدد ملتی تھی۔ مجھے اور میرے گھر والوں کو تو ان سے اکثر بہت فائدے پہنچے۔ ضرورت ہوتی تو کسی باہر کے ڈاکٹر سے بھی خود رابطہ قائم کرتے۔ اس کا اجر سوائے اللہ تعالیٰ کے کون دے سکتا ہے۔

مرحوم اپنی بیماری کے آخری دور میں بہت کمزور ہو گئے تو میں نے جانا اور ملنا بہت کم کر دیا تاکہ ان پر بوجھ نہ پڑے۔ انوار احمد مجھ سے اکثر کہتے تھے کہ آپ آ جائیں آپ کے ملنے سے وہ خوش ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود میں کم جاتا تھا کیونکہ یہ میری کمزوری ہے کہ زیادہ نقاہت اور بیماری کی حالت میں کسی کو دیکھنا مجھے بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس کا ازالہ میں دعا مانگ کر کرتا رہتا۔ اللہ قبول فرمائے۔ آپ کے درجے بلند کرے۔ انہیں صالحین کے گروہ میں داخل کرے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ

ڈاکٹر سعید احمد صاحب سے ہمارے خاندانی تعلق کا آغاز میرے والد حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم اور ان کے والد حکیم محمد یحییٰ صاحب کے دوستانہ تعلق سے ہوا۔ میرے والد ہر سال، جب سے میں نے آنکھ کھولی، گرمیوں میں بمع اہل وعیال دو مہینے کے لیے ایبٹ آباد جاتے۔ وہاں صوبہ سرحد کے احمدیوں کا ہمارے ہاں آنا جانا رہتا۔ وہاں میں اکثر حکیم محمد یحییٰ صاحب اور ان کے ڈاکٹری میں زیر تعلیم بیٹے سعید احمد کا ذکر سنتی رہی لیکن دونوں خاندانوں کی خواتین کا آپس میں کوئی رابطہ نہ تھا۔

میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد میرے بھائی مرزا عبدالرحمن بیگ کا رشتہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی بڑی بیٹی عائشہ سے طے پایا اور اس طرح دونوں خاندانوں کی قربت میں اضافہ ہوا۔ میری والدہ ڈاکٹر صاحب سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتیں۔ جلسہ سالانہ کے ایام میں پوری فیملی کا قیام ہمارے گھر پر ہوتا۔ محبت وخلوص کی ناقابل فراموش یادیں۔ دونوں خاندانوں کا تصنع وبناوٹ سے پاک خلوص اور رشتہ ومہمان نوازی کی قدریں مشترک تھیں۔ میری والدہ بے بے جی اور بوبو جی کو اپنی بیٹیاں اور ڈاکٹر صاحب کو اپنا حقیقی بیٹا سمجھتی تھیں۔ اس لیے میں ڈاکٹر صاحب کو ہمیشہ اپنا بھائی، بے بے جی اور بوبو جی کو بہن کہتی۔

محترمہ طاہرہ فضل احمد صاحبہ

میرے پاس تو ایسے الفاظ نہیں جن سے میں ان کی خوبیوں کو بیان کرسکوں۔ ان کی زندگی کا ہر پہلو آفتاب کی مانند روشن اور تابناک تھا۔ بہرحال ہمیں تو اب اس بیش قیمت چراغ کی لو کو روشن رکھنا ہے۔ ان کی شخصیت کیا تھی؟ وہ صرف اپنے خون کے رشتہ داروں کے لیے ہی شفیق ہستی نہ تھے بلکہ پوری جماعت کے مشفق تھے۔ ہر چھوٹا بڑا سمجھتا تھا کہ وہ اسی سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ کوئی

دکھ، تکلیف یا پریشانی ہوتو فوراً 'جان جی' کو دعا کے لیے عرض کیا اور اپنا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اب کون کون سی باتوں کو یاد کریں۔ ہم کو چاہیئے کہ اس عظیم الشان ہستی کی زندگی سے ایک چھوٹا سا ذرہ ہی چن لیں تو بہت ہے۔ وہ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔

اگر انہیں کوئی خراج عقیدت پیش کرنا ہے تو ان کی روح کو خوش کرنے کے لیے، سلسلے میں پوری لگن، اتحاد اور خلوصِ دل کے ساتھ کام کریں۔ انہوں نے سب کچھ سہا اور اس کام کو ترجیح دی تو ہمیں چاہیئے کہ ہم بھی اپنی پوری کوشش اس راستے پر لگا دیں۔ ان کی دعائیں اور ان کی بتائی ہوئی راہیں ہمارے سامنے ہیں۔ ہم میں سے ہر مرد اور عورت اور ہر چھوٹا اور بڑا یہ عزم کرے کہ ہمارے بزرگ جو قربانیاں دے گئے ہیں وہ ضائع نہ جائیں۔ جب ہم احمدی کہلاتے ہیں تو لِلّٰہ وہی طور طریق اختیار کریں جو ایک احمدی کے شایان ہے۔ اللہ تعالیٰ دل سے کام کرنے والوں کی کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔ اگر ہم ہر معاملہ میں یہ سوچیں کہ ہمارے بزرگوں نے کس طرح عمل کیا تو یقیناً ہماری کوششیں ضائع نہ ہوں گی۔

ماہ جبین یوسف، امریکہ

مجھے ٹرینیڈاڈ سے زرینہ بہن نے حضرت امیر کی وفات کی خبر دی۔ مجھے اکثر ۱۹۷۳ء میں جلسہ سالانہ پر ایبٹ آباد کا سفر یاد آتا ہے۔ جب ہم سب اکٹھے دارالسلام لاہور سے مختلف جگہوں سے ہوتے ہوئے ایبٹ آباد پہنچے جہاں ہماری ملاقات آج سے کافی عرصہ پہلے حضرت امیر سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور اس مشکل وقت میں آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

میاں فخر الدین احمد صاحب

مجھے پانچ چھ سال حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کے قریب اور ان کے ساتھ مرکز میں کام کرنے کا موقعہ ملا۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب اور میرے والد بزرگوار میں دیرینہ تعلقات اخوت تھے۔

مولانا مرحوم جب بھی راولپنڈی آتے یا لاہور جا رہے ہوتے تو ہمارے گھر ضرور آتے۔ ان تعلقات کو حضرت ڈاکٹر صاحب نے زندہ رکھا اور اپنی خاندانی روایات کو فروغ دیا۔ میں دارالسلام میں آیا تو اپنے پڑوس میں میری رہائش کا انتظام کیا۔ بارہا میرے گھر تشریف لاتے اور دینی امور کے بارے میں پند و نصائح فرمایا کرتے۔ میری ناچیز خدمت پر خوش ہوتے اور قدر کرتے۔ جماعت کے واعظین کی کارگذاری کی رپورٹوں پر انہیں مفید مشورے دیتے۔ احباب جماعت کے خطوط کا جواب التزام سے دیتے اور دعا کی درخواست بھیجنے والوں کو تسکین اور محبت آمیز خط اپنے قلم سے لکھتے۔ ان کا حلقہ احباب وسیع تھا۔ اس میں ربوہ کے اصحاب بھی شامل تھے۔ وہ بھی آپ سے نیازمندانہ تعلقات رکھتے تھے۔

یہ خداوند کریم کا فضل اور لطف و کرم ہے کہ ہمیں ایسے قائد ملتے رہے جو خدا کی قدرت کا مظہر تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان برگزیدہ نفوس کی معیّت کی توفیق عطا فرمائے۔ قادر و توانا خدا کا ہر وعدہ برحق ہے اور یہ آسمانی، روحانی اور ربانی سلسلہ قائم رہے گا اور خدائے برتر و توانا کا وعدہ جو اس نے اپنے مامور سے ان الفاظ میں آج سے سو سال پہلے کیا تھا: "میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا" ہمیشہ ایفا ہوتا رہے گا۔ ۱۵ نومبر ۱۹۰۶ء کو الہام بھی ہوا تھا: "تیری دعا قبول کی گئی۔"

راجہ محمد بیدار صاحب

مجھے حضرت ڈاکٹر صاحب کو سب سے پہلے ۱۹۵۰ء میں دیکھنے کا موقعہ ملا۔ مانسہرہ میں آپ نے نماز جمعہ پڑھائی۔ ان کی قرآن کریم کی تلاوت سن کر میں حیران رہ گیا۔ پھر دوسری بار لاہور میں ۱۹۵۲ء میں صبح کی نماز میں سورہ قمر کی تلاوت آپ نے جس پیارے انداز میں فرمائی مجھے تاحیات یاد رہے گی۔



ڈاکٹر سعید احمد خان اور اُن کے اہلِ خانہ









فرخ (بِنّا) اور محمد شوکت کی شادی

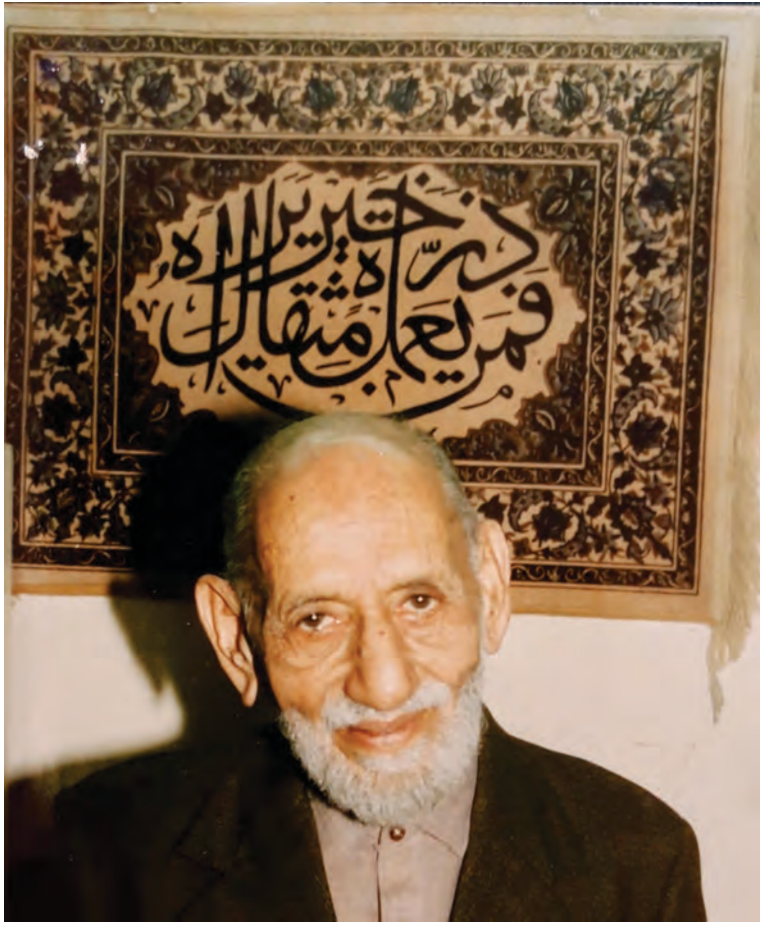








نسرین اور وحید صادق کے نکاح کی تقریب





حج سے واپسی پر استقبال

آبائی قبرستان



پریشانی کے عالم میں ہم آپ سے دعا کے لیے عرض کرتے تو ایک سکون ملتا کہ آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا اور بیشتر دفعہ ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے سکون بخشا۔ الحمدللہ۔ محبت اور شفقت کا یہ عالم تھا کہ بچوں سے لے کر بڑوں تک سب کے لیے آپ شفیق باپ کی طرح تھے۔ ہماری موجودگی میں کئی دفعہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ انہیں ٹافیاں اور چاکلیٹ دیتے جو ان کے لیے ہمیشہ پہلے سے اپنے پاس رکھتے۔ جو بھی آپ سے ملنے آتا وہ مسکراہٹ اور نور آپ کے چہرے پر پاتا۔ گفتگو ایسی پُرتاثیر ہوتی تھی کہ سننے والا ہر کوئی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے پر اپنی نعمتوں کی بارش فرمائی۔ عزت و مرتبہ، نیک سیرت اولاد، جماعت احمدیہ جیسی عظیم جماعت کی سربراہی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک لمبی عمر عطا فرمائی جو آپ نے عبادت اور اس کے بندوں کی خدمت میں گذار دی۔

ڈاکٹر زاہد عزیز صاحب

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب بہت سی ایسی خوبیوں کے مالک تھے جن کا نہ صرف ایک حقیقی مسلمان راہنما میں، بلکہ کسی بھی تحریک کے انتظامی سربراہ میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی اور اللہ کی خاص نعمت تھی کہ ایسی ہستی ہم میں موجود تھی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہماری جماعت نے آپ کو راہنما منتخب کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے ہمارے نصب العین کے حصول کے لیے ہر ممکن کوشش کی اور اپنے دل و دماغ کی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو اس کے لیے وقف کر دیا۔ جب سے میں آپ کو جانتا ہوں، آپ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس جماعت کی ترقی کے لیے ہی وقف کیا۔

آپ ہم سب کے لیے تقویت اور تحفظ کا سرچشمہ تھے۔ قرآن کریم کی ایک تمثیل کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ہمارے لیے ایک مضبوط درخت کی مانند تھے جس کی گہری اور

مستحکم جڑیں اور بلند شاخیں ہوتی ہیں اور جس کے سائے تلے ہم نے ایک عرصہ تک محفوظ اور آرام دہ پناہ حاصل کی۔ آپ اس وقت اللہ کے حضور گریہ و زاری کرتے جبکہ ہم اس احساس کے ساتھ پرسکون نیند سوئے ہوتے تھے کہ آپ موجود ہیں۔ اب جبکہ آپ نے اپنا فرض پورا کر کے ہمارے لیے نمونہ قائم کر دیا اور رخصت ہو گئے ہیں تو ذمہ داری ہمارے کاندھوں پر آن پڑی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝٢٦ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝٢٧

(سب جو اس کے اوپر ہیں، فنا ہونے والے ہیں۔ اور تیرے رب کی ذات باقی رہتی ہے جو جلال اور عزت والا ہے) (الرحمٰن ۵۵:۲۶۔۲۷)۔

سردار عبد القادر، فرینکفرٹ

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی زندگی ایک باخدا انسان کی زندگی تھی۔ قلم تو ان باتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ وہ ہر وقت ایک کھلی کتاب تھے جس سے فیض حاصل کیا جا سکتا تھا۔ بحیثیت ڈاکٹر کے میں نے انہیں قریب سے دیکھا۔ جب بھی کوئی مریض آپ کے پاس سے جاتا تو اس کے چہرہ پر رونق آ جاتی۔ اسی طرح آپ کے کلام میں برکت تھی کہ درس قرآن اور حدیث کے لیے کھڑے ہو جاتے تو کمزور دلوں میں نئی حرکت پیدا ہو جاتی۔ ایسے پیارے وجود کی جدائی خاص طور پر جماعت احمدیہ کے پیاروں کے لیے بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا۔ مگر یہ قدرت کا نظام ہے ہم سبھی اسی گاڑی کے سوار ہیں جو کہ اپنی رفتار میں چلتی چلی جا رہی ہے مگر منزل وقت کا کسی کو علم نہیں۔ جب وقت آ جاتا ہے تو رخصت ہونے والا ہمیشہ کے لیے اپنی منزل کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ خدا کرے حضرت ڈاکٹر صاحب کے لیے منزل، پیارے محبوب آنحضرتؐ کے قدموں میں ہو۔ آمین۔

بشیر احمد صاحب، ڈی ایس پی

یہ سال ۱۹۶۶ء۔ ۶۷ء کا واقعہ ہے کہ میں ایبٹ آباد کالج میں گریجویشن کر رہا تھا اور اپنے عزیزوں کے گھر میں رہائش پذیر تھا۔ آپ کسی کام سے وہاں تشریف لائے۔ جگہ کا اندازہ کیا اور نہایت شفقت سے کہا کہ تم میرے پاس آ جاؤ۔ یہ جگہ تنگ ہے۔ میں تو نہ جا سکا لیکن اس بات کا اثر اب تک میرے دل پر ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ دو آدمیوں کی زندگی قابل رشک ہے۔ ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ مال دے۔ پھر وہ اس مال کو راہ حق میں خرچ کرے۔ اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ علم دے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کی تعلیم دے۔ کس قدر قابل رشک ہے وہ زندگی جسے ان دونوں باتوں کی توفیق ملی۔ یعنی وہ اپنے مال کو بھی راہ حق میں خرچ کرے اور اپنے علم سے بھی دنیا کو فائدہ پہنچائے۔ ایسی ہی زندگی حضرت ڈاکٹر صاحب کو نصیب ہوئی۔

آپ بڑے فراخ دل اور مہمان نواز تھے۔ ایبٹ آباد میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے لوگ آس پاس کے گاؤں سے تشریف لاتے۔ چونکہ مسجد آپ کے گھر کا ہی ایک حصہ ہے، نماز جمعہ کے بعد مسجد میں یا گھر میں مہمانوں کے لیے دسترخوان بچھ جاتا۔ آپ مہمانوں کو کھانے اور چائے سے نوازتے اور اپنے ہاتھوں سے مہمانوں کی خدمت کرتے۔

ہم اپنے اس محسن عظیم، انسانیت اور شرافت کے پیکر کے لیے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آپ کی روح پر فتوح پر بے حساب رحمتیں نازل فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین۔

وائے گل چیں یہ کیا تجھ سے نادانی ہوئی
پھول وہ توڑا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی

طوالت کے ڈر سے اپنے مضمون کو اِن آیات پر ختم کرتا ہوں:

> وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ مت خیال کرو۔ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔(آل عمران ۳:۱۶۹)

رسول اللہؐ سے پوچھا گیا کہ شہید کون ہے، تو آپؐ نے فرمایا: اور وہ بھی شہید ہے جو اللہ کے راستے میں جنگ کرتا ہوا مارا جائے اور وہ بھی جو خدا کے رستہ میں کام کرتا ہوا مارا جائے خواہ وہ موت طبعی موت ہو۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ نے وَ جَاهِدْهُم بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا، یعنی قرآن کی خدمت کرتے، ان کے تراجم کرواتے، اور بلادِ غیر میں پہنچاتے ہوئے جان جان آفرین کے حوالے کر دی اور یوں زندہ جاوید ہو گئے۔ بقول سبحانہٗ تعالیٰ:

> وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جان پیش کریں یہ مت سمجھو کہ وہ مر گئے ہیں بلکہ وہ زندہ رہتے ہیں تم ہی موت اور زندگی کے اس راز سے واقف نہیں۔ (البقرہ ۲:۱۵۴)

زرینہ محمد، ٹرینیڈاڈ

حضرت امیر کی شخصیت ایسی تھی کہ وہ جماعت کے تمام افراد کے درمیان نہ صرف ایک مضبوط رابطہ تھی بلکہ ہم سب کے لیے ایمان کی مضبوطی کا باعث بھی تھی۔ اس لیے تمام جماعت کے لیے ان کی وفات سے ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعت کے تمام افراد اور ان کے اہل خاندان کو اس عظیم صدمہ کو برداشت کرنے کا حوصلہ فرمائے اور یہ کہ جو دین کا اہم کام ان کے ذریعہ ہو رہا تھا وہ جاری رہے اور جماعت کی راہنمائی کا ذریعہ بھی جاری رہے۔

راجہ ذوق اختر خان صاحب

ڈاڈر سینیٹوریم سے بہت قریب واقع وادی سرن کی جاگیردار سوسائٹی سے میرا تعلق ہے جو سمجھتے ہیں کہ ہمچوں ما دیگرے نیست۔ یہ میری بڑی خوش قسمتی تھی کہ میں کاروباری زندگی میں ڈاڈر سینیٹوریم کا ٹھیکیدار ہو گیا۔ یہ سلسلہ یکم مئی ۱۹۴۵ء سے لے کر ۱۹۶۲ء تک جاری رہا۔ اس دوران میں نے جناب ڈاکٹر خان بہادر سعید احمد صاحب سے بہت کچھ سیکھا ہے اور ان کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔

ڈاکٹر صاحب تہجد گذار پابند صوم وصلوٰۃ، غریب پرور، دوست نواز اور فطرتاً مہمان نواز تھے۔ ایک دفعہ جب ون یونٹ بننے پر ڈائریکٹر ہو کر پشاور گئے تو ڈاڈر میں کہرام مچ گیا۔ کیا ملازم اور کیا مریض اور علاقہ بھر کے غریب عوام نے رونا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں دوبارہ ڈاکٹر صاحب کو واپس ڈاڈر بھیجا گیا۔ خان بہادر صاحب کے سامنے دولت کوئی معیار نہ تھا۔ وہ حسن اخلاق کو اسلام کا طرۂ امتیاز سمجھتے تھے۔ اسی لیے بچے سے لے کر بوڑھے تک، خاکروب سے لے کر گورنر تک ہر شخص کو وہ اخلاق کے پیمانہ سے ماپتے تھے۔ نظم ونسق کی یہ حالت تھی کہ ڈاڈر میں معمولی سا واقعہ بھی اگر ہو جاتا تو وہ ان کے نوٹس میں فوراً آ جاتا۔ اس عرصہ میں ڈاڈر میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا کہ تھانے تک نوبت پہنچی ہو۔

میں ان کے بہت نزدیک رہا ہوں اور اگر میں یہ کہوں کہ عملی اسلام میں نے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے سیکھا ہے تو مبالغہ آرائی نہ ہو گی۔

خان بہادر صاحب ایک فرد نہ تھے بلکہ ان کی شخصیت کے کئی پہلو تھے۔ وہ ڈاکٹر بھی تھے اور عالم بھی، علم و ادب سے بھی گہرا تعلق تھا۔ میرے دوست نسیم حجازی مرحوم جن کے تاریخی ناول پاکستان اور بیرون پاکستان پھیلے ہوئے ہیں، اکثر خان بہادر صاحب سے ملتے۔ وہ ان کے حسن

اخلاق کے پرستار تھے۔

خان بہادر صاحب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے افراد میں سے تھے جو ہر طرح سے حضور صلعم کی پیروی کرتے تھے۔ بحیثیت خاوند، بحیثیت باپ، بحیثیت رشتہ دار اور بحیثیت دوست آپ حضور صلعم کی پیروی میں بے مثال تھے۔ اور یہ سب کچھ اعجاز تھا نبی کریم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے گا۔

ملک سعید احمد صاحب

موت نے چھینا ہے ہم سے جسم خاکی بالیقین
چھین لے وہ ہم سے تری یاد یہ ممکن نہیں

اگرچہ کچھ عرصہ سے آپ بیمار چلے آتے تھے لیکن یہ خیال نہیں تھا کہ اب وہ جلد ہی ہمیں داغ مفارقت دینے والے ہیں۔ ۹۶-۱۱-۱۶ کی صبح روزنامہ جنگ کے آخری صفحہ پر ان کی وفات کی روح فرسا خبر نے میری ساری توانائی چھین لی۔ صبح ۹ بجے دارالسلام پہنچ گیا اور سارا دن ان کی جدائی کے غم میں بلکتے ہوئے گزرا۔ بالآخر حضرت مسیح موعود کی یہ آخری نشانی ہماری آہ و بکا میں منوں مٹی کے نیچے دفن کر دی گئی اور میں بالکل بے نیل و مرام اپنے گھر لوٹ آیا۔

حضرت امیر مرحوم اب ہمارے پاس وہ آخری نشانی تھے جنہوں نے حضرت اقدس کے مبارک ہاتھوں میں ہاتھ دیا اور ان سے روحانی فیض پایا۔ حضرت امیر مرحوم سے دلی محبت اور عقیدت نے مجھے مجبور کیا کہ احباب کی خدمت میں چند باتیں عرض کروں کہ حضرت امیر مرحوم کس بلند پایہ ہستی کے مالک تھے اور کس طرح ہزاروں لاکھوں لوگ ان کے حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ حضرت بانی سلسلہ کے مبارک ہاتھوں میں ہاتھ دینے والے جن سعادت مندوں نے دل کی گہرائیوں سے اور پورے اخلاص سے آپ کے قدموں میں سر رکھا، اس دنیا میں بھی عزت و وقار کے

بلند ترین مقامات پر پہنچ گئے۔ حسب استطاعت اس دنیا میں سیم وزر سے نوازے گئے۔ اگلی زندگی میں تو یقیناً بڑے بلند مقام پر جنت الفردوس میں حضرت بانی سلسلہ کے ہمراہ، رسالتؐ ماب سراجاً منیرا کا نظارہ کر رہے ہوں گے۔

میں اس لیے مغموم نہیں کہ حضرت امیر مرحوم ڈاکٹر سعید احمد خاں وفات پا گئے بلکہ دکھ اس بات کا ہے کہ اب ہم اس روشن اور پاک چہرے کو دیکھنے اور راحت وسکون واطمینان پانے سے محروم ہو گئے ہیں۔ حضرت امیر مرحوم کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود کی کچھ جھلک آنکھوں کے سامنے آ جاتی تھی۔

قاضی عبد الاحد صاحب

اس ناچیز کا جان جی سے تعلق کم وبیش چوبیس پچیس سال تک رہا اور یہ میری زندگی کا بہت ہی خوشگوار حصہ تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم ایک مومن اور باخدا انسان تھے اور جو اوصاف ایک مومن کے قرآن کریم بیان فرماتا ہے آپ اس کے مصداق تھے۔ گو پیشہ کے لحاظ سے سینہ کے امراض کے ایک قابل ڈاکٹر تھے مگر دینی تعلیم میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔ ایبٹ آباد میں روزمرہ کا معمول تھا کہ بعد از نماز مغرب تا نماز عشاء درس قرآن، درس بخاری شریف اور ملفوظات حضرت بانی سلسلہ ہوتا تھا، جس میں سب حضرات شرکت کیا کرتے تھے اور ایک مجلس ہم دونوں کی ہوا کرتی تھی، جس میں عربی کتب حضرت مسیح موعود، میں انہیں پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ ان کی معیت میں مجھے ذاتی طور پر یہ فائدہ ہوا کہ میرے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا اور یہ بڑی دولت تھی جو ان کی وجہ سے نصیب ہوئی۔

بزرگوار جان جی اور ان کے والد مرحوم کے عظیم کارناموں کو یاد کرنے کے لیے مجھے تھوڑا سا پیچھے جانا پڑے گا۔ ریاست دیر یا چترال کی طرح ایک ریاست اَمب تھی۔ میرا خاندان وہاں قاضی خاندان کہلاتا ہے۔ میرے چچا قاضی محمد اسحاق سلسلہ احمدیت کا دشمن، جیسا محمد حسین بٹالوی تھا

بلکہ اس سے کچھ زیادہ۔ کیونکہ وہ قاضی القضات تھے اور اپنے حکم کو نافذ کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ یہ دور فرید خان کے دور حکومت کا تھا اور قاضی صاحب اس کے مقرب تھے۔ اس قاضی صاحب نے احمدیوں پر بڑے بڑے مظالم کیے۔ نکاح فسخ کیے، طرح طرح کی اذیتیں دلائیں۔ پھر ان کو ریاست بدر کیا۔ سمندر خان صاحب کا خاندان جو کئی گھرانوں پر مشتمل تھا، ان کو ریاست بدر کیا تو پھر اس باپ اور بیٹے نے انصار کا کردار ادا کیا۔ کچھ لوگوں کو دیب گراں میں آباد کیا اور کچھ کو ڈاڈر میں۔ ان لوگوں کی یہ ہجرت بڑی ہی مفید ثابت ہوئی۔ اور ان کی اولادیں پڑھ کر بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو گئیں۔ جبکہ ریاست میں تعلیم کا کوئی بندوبست نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ اس نے مجھے اس گند سے نکالا اور خدا کا یہ بھی فضل ہوا کہ میرے بچے بھی اچھی تعلیم حاصل کر کے باعزت روزی کماتے ہیں۔ الحمدللہ۔ جان جی کی یاد زندگی بھر رہے گی۔

عزیز کشمیری، ایڈیٹر روزنامہ 'روشنی' سرینگر

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نیک، ملنسار اور شریف النفس تھے۔ کئی خطوط ان کے میرے پاس موجود ہیں۔ جن کے ایک ایک لفظ سے محبت وانکسار، ہمدردی وشفقت اور روحانیت کا اظہار ہو رہا ہے۔ تقسیم ہند سے قبل جب سرینگر آئے تھے تو نماز جمعہ راقم ہی کے سابقہ مکان میں باجماعت ادا کی گئی اور مجھے تاکید کی تھی کہ جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لیے ہزارہ سے آیا کریں تاکہ وہاں سے اکٹھے چلا کریں۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت نے مسجد کی بنیاد ڈالنے کے بعد میرے غریب خانہ پر آ کر ملاقات واعزاز کا شرف بخشا تھا اور حضرت مولانا صدرالدین صاحب قیام کشمیر کے دوران، ہر جمعہ راقم کے پاس کچھ وقت ٹھہرا کرتے تھے۔ یہی شرافت نفسی دلوں میں گھر کر جاتی ہے اور روحانی ہستیاں زندہ جاوید ہو جاتی ہیں۔

عامر عزیز صاحب

یادوں کا ایک سمندر امڈتا چلا آرہا ہے اور ہر یاد کے ساتھ آنسوؤں کا ایک سیلاب ہے جو کہ رکنے نہیں پاتا۔ ہر لمحہ حضرت امیر مرحوم کی لاتعداد خصوصیات وصفات یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہیں کہ اب کہاں سے لائیں جو تجھ سا کوئی ہو۔ مگر قرآن مجید کے اس حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ ہر نفس جس نے اس فانی دنیا میں قدم رکھا آخر کار اس نے اس بے ثبات دنیا کو چھوڑنا ہے۔ مگر کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے چلے جانے سے ایسا خلا پیدا ہوتا ہے جو کہ مدتوں بعد بھی پورا نہیں ہوتا۔ لیکن ایسی ہستیوں کے کِھلائے ہوئے پھول مدتوں بعد بھی اپنی خوشبو سے اس جہانِ آب وگل کو معطر رکھتے ہیں۔ ایسی ہی ہستیوں میں ہمارے پیارے حضرت امیر (مرحوم) جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا شمار ہوتا ہے۔

اگر نرمی، حلیمی، بردباری، شفقت، تقویٰ، خلوص، محبت، ایثار، قربانی، اعلیٰ ظرفی، سادگی، نرم گفتاری اور حکمت کا آمیزہ تیار کیا جائے تو اس سے جو شخصیت بنے گی وہ ہمارے امیر مرحوم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی ہوگی۔

بے شمار انسان ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں اپنی خاطر جیتے ہیں اور اپنی خاطر سوچتے ہیں مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسروں کی خاطر جیتے اور دوسروں کی خاطر کام کرتے ہیں۔ ہمارے امیر مرحوم کا شمار ان دوسرے لوگوں کی صف میں ہوتا ہے۔ آپ کی زندگی لوگوں کی مسیحائی کرتے اور جماعت احمدیہ کی خدمت کرتے گذر گئی۔ آپ نے جماعت احمدیہ لاہور کی ناؤ کو اس وقت سنبھالا دیا جب اس ملکِ عزیز میں احمدیوں کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور مسیح موعود کی جماعت کو اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ اب وہ بھنور میں نہیں بلکہ کنارے تک پہنچ چکی ہے۔

ہائے افسوس کہ وہ دیپ جو دیب گراں سے روشن ہوا تھا وہ اپنی روشنی کی کرنیں بکھیرتا ہوا

انسانیت کوعلم کی روشنی سے منور کرتا ہوا، لوگوں کی دکھ بھری زندگیوں میں خوشیاں بانٹتا ہوا، انہیں مایوسیوں کی دلدل سے نکال کر امید کی کرنیں دکھاتا ہوا، دلوں میں دین کی لگن پیدا کرتا ہوا دارالسلام کی بستی میں بجھ گیا۔

مگر نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ وہ انسان تو مر کر بھی زندہ ہو گیا کیونکہ ایسی عظیم ہستیاں مرتی نہیں امر ہو جاتی ہیں۔ ان کی دی ہوئی سوچ، ان کے افکار، ان کا پیغام وہ تو زندہ اور قائم ہے اور اسی پیغام کے ساتھ وہ بھی زندہ ہیں۔ ہاں مگر ہم شعور نہیں رکھتے۔ اے اللہ تو ہمارے پیارے حضرت امیر مرحوم کو ان لوگوں میں داخل کر جن کے بارے میں تیرا اپنا وعدہ ہے **اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ**۔ آمین۔

ممتاز احمد باجوہ صاحب

وہ عظیم اور تاریخ ساز لوگ جو دیدہ ور ہوتے ہیں، اپنے قرب و جوار پر اثر انداز ہوتے ہیں، اپنی جماعت اور ملک کے لیے قابل فخر ہوتے ہیں، ان کی زندگی اپنے ہمعصروں کے لیے نمونہ اور ان کی موت ہم جیسوں کے لیے مشعل راہ ہوتی ہے۔

حضرت امیر مرحوم ثالث کے ساتھ میرا ذاتی تعلق بذریعہ محترم شیخ غلام قادر صاحب مرحوم ۱۹۵۴ء میں قائم ہوا۔ جبکہ میں ٹی بی کے موذی مرض میں مبتلا ہو کر ان کے پاس حاضر ہوا۔ چھ ماہ تک میرا علاج ہوتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی دواؤں اور دعاؤں سے بفضل تعالیٰ چھ ماہ بعد صحت مند ہو کر واپس آیا۔

اس واقعہ سے جو ذاتی تعلق پیدا ہوا، وہ مرتے دم تک قائم رہا۔ میں نے ان سے آخری ملاقات وفات سے ایک ماہ قبل ۱۶ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو کی۔ ان کے پلنگ پر ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے دس پندرہ منٹ تک بیٹھا رہا۔ کچھ اپنی بیماری کے متعلق اور کچھ دعاؤں کے ساتھ ساتھ نصیحتیں فرماتے

رہے۔

۱۹۶۳ء میں میری درخواست پر میرا نکاح بھی انہوں نے احمدیہ بلڈنگس میں پڑھا۔ ۱۹۶۴ء میں میری رخصتی میں بھی بنفس نفیس شرکت فرما کر میرے لیے ایک بہت بڑے اعزاز کا موقعہ عطا فرمایا جس کی یاد آج تک اور ہمیشہ میرے قلب و ذہن میں موجود رہے گی۔ اس کے بعد ایک دو دفعہ میری بیوی سے ملے۔ سلام و پیار کے بعد فرماتے: "تمہیں یاد ہے کہ میں نے تمہارا نکاح پڑھایا تھا"۔ یہ بھی محبت و پیار کا ایک انداز تھا۔

ان حوالوں سے مجھے ان سے بے حد عقیدت، محبت اور احترام تھا۔ وہ میرے جسم کے معالج تھے اور میں نے روحانی فیض بھی ان سے ہی حاصل کیا۔ وہ خود بھی مجھ حقیر پر تقصیر سے بہت پیار فرماتے تھے۔ عندالملاقات گھر والوں، عزیز و اقارب اور جماعت بدوملہی کے احباب کے متعلق فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر استفسار فرماتے اور اکثر ملتے جلتے رہنے کی تلقین فرماتے۔

خورشید عالم ترین صاحب

حضرت امیر مرحوم جناب ڈاکٹر صاحب ورع و تقویٰ اور قربانی و ایثار کے لحاظ سے بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ موجودہ قحط الرجال میں ایسے متقی، متشرح اور مدبر پیشوا عنقا ہیں۔ احمدیوں کے خلاف تشدد اور نفرت کے خلاف آپ نے جس عزم، استقامت اور استقلال، ہمت اور یقین کامل کے ساتھ جماعت کی رہبری کی اس سے دشمن زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکے۔ آپ نے جماعت کی تاریخ پر ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو منعم علیہم بندوں کے ساتھ جوار رحمت میں جگہ دے۔ آپ کے پسماندگان اور لواحقین کو آپ کی جدائی برداشت کرنے کے لیے ہمت اور صبر جمیل عطا کرے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ جماعت کو آپ کا نعم البدل دے کر اس مقدس مشن کو

مستحکم بنائے جو مجدد دوران نے ہمیں سونپا ہے۔ آمین۔

عثمان سائڈو۔ کیپ ٹاؤن، جنوبی افریقہ

مجھے حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی وفات کی خبر سن کر بے حد صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ وہ صحیح معنوں میں اسلام کے خادم تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا ان کو نصیب ہو۔ میرے اہل خاندان اور جماعت کے دیگر احباب جن کا حضرت امیر سے گہرا تعلق تھا اس صدمہ میں آپ کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

پرل شاعرہ دین، ٹرینیڈاڈ

ہم اس لحاظ سے خوش قسمت تھے کہ حضرت امیر مرحوم پاکستان، انگلستان اور دیگر ممالک کی طرح ٹرینیڈاڈ کے لوگوں سے بے حد محبت اور شفقت رکھتے تھے اور جب کبھی ان سے ملنے کا موقعہ ملا تو ہمیں ایک روحانی قوت نصیب ہوتی تھی۔ وہ ایک نہایت اچھے دوست، بھائی اور ممتاز رہنما تھے اور لاہور اور بیرون ملک تمام جماعت کے احباب ان سے عقیدت رکھتے تھے اور وہ ان کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ تھے۔

اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی نعماء سے نوازے اور ان کو بے لوث دینی خدمات کا اجر عطا فرمائے جو انہوں نے اسلام اور مخلوق خدا کی خدمت کے لیے سرانجام دیں۔

عبدالسنٹو، نیدرلینڈ

اگرچہ ہمارے پیارے حضرت امیر گذشتہ ۱۲ سالوں سے بیرونی دوروں پر نہ جا سکے تھے، لیکن مجھے علم ہے کہ وہ ذاتی طور پر تمام جماعت کے لوگوں سے رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ ہالینڈ کی جماعت کے سرکردہ ممبران کو اچھی طرح یاد ہے کہ ان کی نیک اور متوازن شخصیت تمام لوگوں پر گہرا

اثر چھوڑتی تھی۔ ہم تمام مشکل لمحات میں دعا اور رہنمائی کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ہمیں اس بات کا بھی علم ہے کہ ہالینڈ کے لوگوں کے لیے ان کے دل میں خاص محبت تھی۔ ستر کی دہائی میں جب پاکستان میں جماعت کو سخت مشکلات کا سامنا تھا یہاں ہالینڈ میں ایک شہر کے بعد دوسرے شہر میں جماعتیں بنتی چلی جا رہی تھیں۔ حضرت امیر کا پرعزم چہرہ ہر موقع پر ہمارے لیے تقویت اور جذبہ ایمانی کا سرچشمہ ہوتا تھا۔ ان کے ساتھ اکثر موقعوں پر حافظ شیر محمد صاحب بھی ہوتے تھے۔ ہالینڈ کے لوگوں کے دلوں میں ان کی یاد ہمیشہ زندہ رہے گی۔

ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک، اوہائیو، امریکہ

ہم نہایت گہرے دکھ اور غم کے ساتھ حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ ان کی وفات ہمارے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ حالیہ سالوں میں جماعت میں ترقی ان کی دعاؤں اور روحانی اور اخلاقی رہنمائی کی وجہ سے ہوئی۔ ان کی پوری زندگی دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی عمدہ مثال تھی۔

حضرت امیر مرحوم کو امریکہ جماعت کے ساتھ گہرا لگاؤ تھا اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم ایک شفیق اور جہاندیدہ رہنما سے محروم ہو گئے ہیں۔ ان کی دعائیں ہمارے لیے بڑی تقویت کا باعث تھیں اور ہم ان کی ایمان افروز موجودگی کی کمی کو ہمیشہ محسوس کریں گے۔ ہم انشاء اللہ زیادہ جوش و جذبہ سے اس مشن کو جاری رکھنے کی کوشش کریں گے جو مرحوم کے نزدیک سب سے عزیز اور اہم تھا۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے حضرت امیر مرحوم کو جنت میں مومنین کی معیت نصیب فرمائے اور ان کے اہل خاندان کو اس صدمہ کو برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے۔

اے اطمینان پانے والی جان! اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

(الفجر ۸۹: ۲۷-۳۰)۔

رشید پیر خان صاحب، صدر احمدیہ انجمن، سرینام، جنوبی امریکہ

اپنے روحانی رہنما حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی وفات کی خبر سن کر بے حد صدمہ اور غم ہوا۔ ہم یہ کبھی نہ بھولیں گے کہ انتہائی ظلم و تشدد اور مخالفت کے وقت میں انہوں نے بڑے استقلال اور مضبوط قوت ارادی سے جماعت کی رہنمائی فرمائی۔ ان کی ذات تمام جماعت کے لوگوں کے لیے روحانی تحریک کا باعث تھی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی خاص جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے اہل خاندان کو اس صدمہ کو برداشت کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔

اے اطمینان پانے والی جان! اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

(الفجر ۸۹: ۲۷-۳۰)۔

محمد یعقوب، چک نمبر ۲۳، تحصیل وہاڑی

میری ذاتی طور پر ان سے کوئی خاص خط و کتابت نہیں رہی لیکن میں ان کو امیر جماعت بننے سے پہلے حضرت امیر مرحوم مولانا صدرالدین صاحب کے زمانے سے دیکھتا اور سنتا آ رہا ہوں۔ آپ ہر پہلو سے ایک اعلیٰ نمونہ اور بابرکت ہستی تھے۔ آپ نہایت شیریں سخن، نرم مزاج اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ اس کے ساتھ آپ بلند عزم اور پختہ ارادہ کے مالک بھی تھے۔ آپ ملنسار ایسے کہ جب کسی سے ہاتھ ملاتے تو دیر تک ہاتھ نہ چھوڑتے۔ آپ پہلے ہاتھ کبھی نہ چھوڑتے جب تک

دوسرا ہاتھ نہ کھینچتا۔ ہمیں زیادہ تر جلسہ سالانہ پر ہی ان سے ملنے کا اتفاق ہوتا۔ آپ لمبی تقریر کے قائل نہ تھے۔ آپ کی تقریر مختصر لیکن معنی خیز اور موقع محل کے لحاظ سے دل میں اتر جانے والی ہوتی۔ خاص طور پر فجر کی نماز کی دعاؤں سے اور جلسہ کی افتتاحی اور اختتامی دعاؤں سے آپ کی نرم خوئی، عجز و انکساری اور نرم دلی کا بخوبی پتہ چلتا تھا۔ ایجی ٹیشن کے وقت جب مخالفت کا طوفان اٹھا، آپ کے گھر پر حملہ بھی ہوا۔ اس سے آپ کے عزم و استقلال اور پختہ ارادہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کو کئی لوگوں نے سلسلہ احمدیت چھوڑنے کا اعلان کرنے کو کہا کہ خطرہ بہت ہے۔ آپ نے سختی سے ان لوگوں کو کہا کہ مجھے ایسا کوئی مشورہ مت دیں۔ میں کبھی ایسا کوئی اعلان نہیں کروں گا، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ آپ مصائب اور مشکلات سے کبھی نہیں گھبرائے۔ آپ ہر پہلو سے فائدہ مند، نفع رساں اور کامل نمونہ تھے۔ آپ سلسلہ احمدیت کے لیے بابرکت وجود تھے۔ آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ نے اپنی اولاد کو اعلیٰ پائے کی دینی تربیت دی اور اعلیٰ پائے کی دنیاوی تعلیم بھی دی جو ہم سب کے سامنے ہے۔ ہم جب جلسہ سالانہ سے واپسی پر ان کی نصیحت افروز تقریریں اور دعائیں سمیٹ کر لاتے تو ہمارے دل ان کی دعاؤں کے اثر سے ایسے اطمینان اور یقین سے بھر جاتے کہ ہم ایسا محسوس کرتے کہ آئندہ سال کے لیے گردش اور مصائب سے محفوظ ہو جائیں گے۔ بلکہ ہم جب تک زندہ ہیں ان کی دعاؤں کا اثر ہم پر رہے گا۔ (۱۴ دسمبر ۱۹۹۶ء)

شاہد عزیز، انگلستان

حضرت امیر ایک عظیم شخصیت تھے۔ مشکل حالات میں جماعت کے لیے مضبوط چٹان ثابت ہوئے تھے۔ بیرونی جماعتیں خاص طور پر انگلستان کی جماعت حضرت امیر کی بے حد ممنون ہے۔ انہیں کی کوشش سے جماعت کو مرکز کے لیے عمارت نصیب ہوئی۔ اور پھر ان کی اپیل پر گراں قدر عطیہ جات اکٹھے ہوئے جن کے ذریعہ قرض کی ادائیگی ممکن ہوئی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی روح کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔

حمید چوہدری، سرے، انگلستان

ہمارے امیر جماعت حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب، ایک مرتبہ جب آپ بیرونی دوروں کے سلسلہ میں لندن آئے تو دو دن کے لیے مجھے بھی شرف میزبانی بخشا اور مجھ سے فرمانے لگے کہ مجھے ان کے گھروں میں لے جاؤ جو آپ کو معلوم ہیں اور جماعتی سرگرمیوں سے دور ہیں۔ میں انہیں ہر اس گھر میں لے کر گیا جس کا مجھے علم تھا۔ آپ نے ہر ایک کو جماعت کی تحریک میں حصہ لینے کے لیے دعوت دی اور اشاعت قرآن کے لیے چندہ بھی اکٹھا کیا۔ آپ نے فرمایا خواہ مجھے ایک پنس ہی دو میں نے امام وقت کے مشن کو چلانا ہے۔ آپ کے اس دورہ نے بیرون پاکستان جماعتوں میں ایک نئی روح پھونک دی تھی اور ان سے جماعت کو تقویت پہنچی۔ آپ جماعت میں اتحاد اور یگانگت چاہتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ آپس کی نفرتیں اور کدورتیں دور ہوں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اجر عظیم عطا فرمائے اور جماعت کو صحیح نعم البدل سے نوازے۔ آمین۔

مسعود اختر صاحب

حضرت ڈاکٹر صاحب میں بہت سی ذاتی اخلاقی خصوصیات تھیں جو ان کو جماعت کے باقی اصحاب سے ممتاز کیے ہوئے تھیں جو احباب کو ان کا گرویدہ بھی بناتی تھیں۔ ان میں انکساری، حیا، غریب پروری، سادگی و درگزر کرنے کی عادت کے علاوہ محبت، ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آنا، ہر ایک سے ہمدردی کرنا، دوسروں کے جذبات کا خیال رکھنا، سب ہی خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ یہی تمام خوبیاں تو انسان کو عظمت بخشتی ہیں۔

میری طرح ان کے سینکڑوں دیگر عقیدت مند، ان کی ذاتی خوبیوں سے ہی ان کے گرویدہ ہوئے تھے۔ ہماری یہ عقیدت ان کے امیر منتخب ہونے سے پہلے زمانہ سے چلی آ رہی تھی۔ یہ ایک ذاتی عقیدت تھی جس کے وہ مستحق تھے۔ ہمارے نزدیک امارت نے ان کو کوئی سرخاب کے پر نہ لگا

دیئے تھے، بلکہ ان کی ذمہ داریوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ امیر ایک روحانی پیشوا ہوتا ہے اور امارت اسے ہی زیب دیتی ہے جس میں روحانیت بھی ہو اور قیادت کی اہلیت بھی ہو۔ ان کو اللہ کے فضل سے یہ دونوں مقام ہی حاصل تھے۔ امیر بننے سے پہلے ان کا مقام میرے دل میں ایک روحانی باپ کا تھا۔ امیر ہونے کے بعد وہ میرے روحانی قائد و پیشوا بھی ہو گئے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب علیہ الرحمتہ کے امارت کے زمانہ میں تحریک احمدیہ لاہور نہایت نامساعد حالات کے باوجود ترقی پذیر ہوئی۔ وہ کام جو اب تک فروگذاشت کا شکار تھے ان کو ایک بار پھر، نہ صرف اہمیت دی گئی بلکہ عملی اقدام ان کو کرنے کے، شروع کیے گئے۔ ایک لہر نئی زندگی کی تمام جماعتوں میں محسوس کی گئی۔ ہندوستان جس سے ہماری تحریک کے بنیادی تعلقات تھے تقریباً بھلا ہی دیا گیا تھا۔ وہاں تراجم قرآن اور اشاعت اسلام کے لیے تبلیغی لٹریچر کی اشاعت کا کام نہایت مستعدی کے ساتھ شروع کیا گیا جو روز بروز ترقی پذیر ہے۔ یہ سب اپنے قائد اور اس کی قائدانہ صلاحیتوں پر اعتماد کی وجہ سے ہی ممکن ہوا۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحبؒ اپنا فرض احسن طریق پر نبھا کر اپنے خالق حقیقی کے حضور تشریف لے گئے۔ جماعت کے انحطاط کا عمل رک گیا بلکہ ترقی کی طرف قدم بڑھنے لگے۔ ایسے امیر، ایسے قائد کو کوئی کیسے بھلا سکتا ہے۔ احمدیت کی تاریخ میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔ مورخین کے نزدیک ان کی امارت کا زمانہ احمدیت کی تاریخ کا ایک روشن باب ہوگا۔

تحریر از کتاب ”لاہور میں مشاہیر کے مدفون“

خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان (ستارہ خدمت)

خان بہادر سعید احمد خان ۹ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو ضلع ہزارہ (صوبہ سرحد) کے ایک گاؤں دیبگراں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان میں زیرِ تعلیم رہے۔ ایف

ایس سی اسلامیہ کالج پشاور اور ڈاکٹری کی تعلیم لاہور کے کنگ ایڈورڈ کالج سے ۱۹۲۴ء میں مکمل کی۔

آپ صوبہ سرحد میں مختلف مقامات پر تعینات رہے۔ اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں آپ نے کبھی کسی قسم کا دباؤ قبول نہیں کیا جس کے اعتراف میں آپ کو حکومت برطانیہ کی طرف سے خان صاحب اور خان بہادر اور حکومت پاکستان کی طرف سے ستارہ خدمت کا اعزاز ملا۔

۱۹۵۰ء میں سعودی عرب کے شاہ عبدالعزیز بن سعود نے آپ کو اپنے علاج کے لیے، حج کے موقع پر، سعودی عرب آنے کی دعوت دی اور پھر بطور شاہی طبیب تقرری کی پیشکش کی۔ آپ نے اپنے اہل وطن کی خدمت گزاری کو ترجیح دی اور یہ پیشکش قبول نہ فرمائی۔ ۱۹۵۶ء میں آپ کو ترقی دے کر محکمہ صحت میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز کیا گیا اور وہاں سے سبکدوشی کے بعد ملازمت میں توسیع کر کے دوبارہ ڈاڈر سینیٹوریم بھیج دیا گیا۔ جہاں سے آپ ۱۹۶۴ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور اپنے گھر "دارالسعید" ایبٹ آباد میں واقع کلینک میں پریکٹس شروع کر دی۔

۱۹۸۱ء میں آپ احمدیہ انجمن لاہور کے امیر منتخب ہوئے۔ پیرانہ سالی کے باوجود، قوت و استعداد بڑھتی رہی اور آپ کی زیر قیادت جماعت ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ آپ کے دور امارت میں قرآن کریم اور دوسری کتب کے تراجم کئی زبانوں میں ہوئے جن میں ہسپانوی، جرمن، ڈچ، فرانسیسی، روسی اور چینی تراجم قابل ذکر ہیں۔

۱۵ نومبر ۱۹۹۶ء کو اس دار فانی سے رخصت ہو کر دارالسلام گارڈن ٹاؤن لاہور میں واقع قبرستان میں مدفون ہوئے۔ مرقد پختہ ہے۔ (تحریر و تحقیق: ایم شاہد۔ جنگ پبلشرز، ۳۳ سر آغا خان روڈ۔ لاہور (صفحہ ۳۸۴)۔



نظم از محمد اعظم علوی صاحب

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی مراجعتِ وطن

۲۸ نومبر ۱۹۷۶ء

یاس و غم، بے بس و لاچار نظر آتے ہیں
زندگی بخش کچھ آثار نظر آتے ہیں

ولولے شوق جو بے کار نظر آتے تھے
اب وہی مونس و غم خوار نظر آتے ہیں

اک خدا ترس خود آگاہ مجاہد کے طفیل
چند بوٹے تھے جو گلزار نظر آتے ہیں

اُس کی ہمت ہے کہ سہمے ہوئے اب چند نفوس
شاملِ زمرۂ ابرار نظر آتے ہیں

مدتوں حق کے لیے برسرِ پیکار تھے جو
اب بھی وہ برسرِ پیکار نظر آتے ہیں

مفتیٔ شہر نے جنہیں کافر و ملحد سمجھا
دین کے وہ قافلہ سالار نظر آتے ہیں

ہیں تیری نیم شبی آہِ رسا کے اثرات
جو بھی غافل تھے وہ بیدار نظر آتے ہیں

تیری فطرت میں سعادت ہے، تو ہے خود بھی سعید
تیری نسبت ہی سے ہم انوار نظر آتے ہیں

نونہالانِ چمن خیر ہو رکھوالے کی
نخلِ اُمید کے اشجار نظر آتے ہیں

نظم از صالح نور صاحب (دمام، ۲۶ جولائی ۱۹۷۷ء)

ایک مسافر کا پیغام، محترم ڈاکٹر سعید احمد خان کے نام

دین کو دنیا پر مقدم یوں سدا کرتے رہیں
دین کی خدمت آپ از فضلِ خدا کرتے رہیں
آسمانی نور عالم کو عطا کرتے رہیں
ہے دعا اس عہد پر تا مرگ ہم قائم رہیں
دین کو جب بھی ہو ضرورت اپنی جان و مال کی
ہم بتوفیقِ خدا اس پر فدا کرتے رہیں
کیا صداقت اک ولی اللہ نے فرمائی ہے
وہ خدا اب بھی بناتا ہے انہیں بے شک کلیم
ہر عمل سے جذب جو اس کی رضا کرتے رہیں
رات کو پچھلے پہر تنہائیوں کے وقت میں
آپ کو جب بھی ملے موقعہ دعائے خاص کا
بارگاہِ ایزدی میں یہ صدا کرتے رہیں
یا الٰہی ان غریبوں کو ہی تو کر لے قبول
ان کو دے توفیق تو اپنی جناب خاص سے
نصرتِ دینِ خدا صبح و مسا کرتے رہیں

لاکھ سر پھوڑو مگر حق پر کہاں چلتے ہیں لوگ
اہلِ حق کے ساتھ کیا کیا کچھ نہیں کرتے ہیں لوگ
ان کے جو بھی جی میں آئے اشتہار کرتے رہیں

جب بھی نکلو گے علم لے کر کہیں اسلام کا
اہلِ طائف سے کہیں تو سامنا ہو جائے گا
لوگ مانیں یا نہ مانیں لا الہ کرتے رہیں

آندھیوں میں پھُولتا پھلتا ہے نیکی کا شجر
بادلوں کی اوٹ میں ہی چاند بنتا ہے قمر
خلق کا ہے فرض خالق سے وفا کرتے رہیں

ظلم کو بھی ظلم کہنے سے یہاں ڈرتے ہیں لوگ
جو خدا کے ہیں انہیں کیا اس سے کیا کرتے ہیں لوگ
جو کہا حضرت نے اور جو کچھ کیا کرتے رہیں

کچھ نہیں دامن میں میرے آنسوؤں کے ماسوا
خوف سے روزِ جزا کے بس لرز جاتا ہوں میں
بخش دے مجھ کو مرا مولا دعا کرتے رہیں

(عطا کردہ صادق نور ابن صالح نور صاحب)





اٹھائیسواں باب

ڈائری سے انتخاب

۷ جنوری ۱۹۴۵ء بمقام مدنا پلی (مدراس)[1]

اے مولیٰ کریم جو عاجزوں کا ناصِر اور غم گینوں کا حقیقی غم خوار ہے۔ اور **هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ** ہے (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو) (الحدید ۵۷:۴)۔ میری حالت پر رحم فرما۔ میرے دِل کی کیفیت کو بجز تیرے کوئی جاننے والا نہیں۔ میرے گناہ بخش دے۔ اور میری مشکلات کو آسان کر دے۔ میرے عُسر کو یُسر سے بدل دے۔ اور مجھے ان مصائب کے بدلے بہت بڑا اجر عطا فرما۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

شام کو کچھ تسکین دل پر نازل ہوئی۔ نمازِ شام میں خیال اِس طرف گیا کہ خدا کی کوئی خاص حکمت اور رحمت مجھے یہاں لائی ہے اور معاً خیال اس طرف گیا کہ یہ بطورِ سزا نہیں، بلکہ بہتری کا پیش خیمہ ہے اور خداوند کریم دونوں صورتوں پر قادر ہے کہ باعزت واپس لے جائے یا تکمیل کے لیے سب راستے آسان فرما دے۔ بہت سے آثار ایسے ضرور ہیں کہ اُس کی تائید نظر آتی ہے۔ وہ مجھ عاجز پر جو ہمیشہ مہربان رہا ہے۔ اب بھی انشاء اللہ ضائع نہ فرمائے گا۔ **لَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا**۔ (میرے رب تجھ سے دعا کر کے میں محروم نہیں رہا) (مریم ۱۹:۴)۔

۱: ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مدنا پلی سینیٹوریم میں طبی ٹریننگ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ دورانِ سفر، شدید علالت باعثِ اضطراب تھی۔ اس لیے وہاں سے واپس لوٹ آنے کا ارادہ فرمایا۔

۸ جنوری ۱۹۴۵ء

رات نیند ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں آئی۔ صرف کچھ سویا، یا نہیں غنودگی آئی۔ اُس وقت خواب میں بھائی محمد اسحاق کو بھی خوش اور جوان اور صحت مند کیفیت میں دیکھا۔ رات کو پھر کیا کیا سوچا اور کیا کچھ باتیں دل کی ہوئیں، وہ سب یاد بھی نہیں اور نہ لکھ سکتا ہوں۔ ٹھنڈے دِل سے سب پہلو سوچ کر ایک فیصلہ کیا کہ واپس جانا درست اقدام ہے اور یہاں ٹھہرنا، سوفی صد خطرناک ہے۔ اس کے لیے خدا نے رہنمائی فرمائی اور اُس کا شکر ہے، جس پر صبح سویرے سے عمل شروع کیا۔

۱۲ جنوری ۱۹۴۵ء۔ مدراس سے واپسی، دورانِ سفر

اب ایک بج کر پینتالیس منٹ ہے۔ جمعۃ المبارک شروع ہوتا ہے۔ خدا سے رحم مانگتا ہوں۔ شام کے کھانے کے بعد تک اوپر لیٹا رہا۔ وقتاً فوقتاً عرض ومناجات ہوتی رہی۔ درود، بہ طریق درودِ نماز آئندہ پڑھنے کا ارادہ کیا۔ فاتحہ ۱۱ دفعہ روزانہ پڑھنے اور معوذتین درود بوقتِ شب کا بھی ارادہ کیا۔ جمعہ کی شام کو کچھ وقت بالالتزام وقف اللہ کا ارادہ کیا ہے۔

۱۳ جنوری ۱۹۴۵ء کی صبح

مبارک صبح ہوئی۔ نبض اعتدال پر آ گئی۔ خدا کا شکر، اِس عاجز انسان سے کیا ہوگا اور پھر مجھ جیسے سے جو غفلت اور فراموش گاری کا مرقع ہے۔ اے خدا میرا ذرہ ذرہ تیرا شکر گذار ہے۔ تو میرا شکر قبول کر اور اپنی یاد کی توفیق بخش۔

۱۶ جنوری ۱۹۴۵ء

صبح لاہور سٹیشن پر پہنچے۔ عبداللہ، عبدالرحمان، احمد صادق، چوہدری فضل حق آئے ہوئے تھے۔ رات گاڑی ٹیکسلا روانہ ہوئی۔ ۱۷ جنوری ۱۹۴۵ء کو دیبگراں پہنچا۔

۱۸ جنوری ۱۹۴۵ء

گاؤں میں قیام رہا اور والد صاحب سے کافی دیر ملاقات ہوتی رہی۔ اُن کی داڑھی وغیرہ بنوائی۔ خان ٹلہا لہ نے اُس دِن ایک چھٹ مکئی بھیجی اور کچھ ماش۔ اُس کی بیماری کا ذکر آیا تو فرمایا: "وقت نہیں کہ اُسے دیکھ آؤ؟" میں نے کہا اب وقت نہیں۔ جلدی رُخصت لے کر آؤں گا اور اُسے دیکھنے جاؤں گا۔ بلکہ ۵، ۷ فروری کی تاریخ کا اندازہ بھی بتایا۔ پھر فرمانے لگے: "دھوپ اچھی ہوئی تو میں بھی جاؤں گا۔"

۱۹ جنوری ۱۹۴۵ء

ڈاڈر قبل از نمازِ جمعہ آیا۔

۲۰ جنوری ۱۹۴۵ء

راؤنڈ کیا اور دوپہر تک کام کرتا رہا۔

۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ بوجہ زکام کھانسی ہسپتال نہ جا سکا۔ ۲۱ کو زبیدہ، عائشہ دیبگراں گئیں اور ۲۳ کو واپس آ کر والد صاحب کی علالت کی خبر سنائی۔ ۲۴ کو بدست کرامت اللہ خط دیبگراں بھیجا۔ زینب کا جواب ۲۵ کو آیا کہ بیماری زیادہ ہے جلدی آؤ۔ ۲۶ (جمعہ) کو محمد دین کو خبر لانے کو بھیجا۔ عبدالرحمان بیگ بھی آیا۔ خبر آئی کہ بیمار ہیں۔ میری طبیعت ۲۶ کو کسی قدر بہتر تھی۔ ۲۷ کو رُخصت ہفتہ کی درخواست دے کر دیبگراں گیا اور ۵ بجے کے قریب گاؤں پہنچا۔ میرہ کے اوپر عبدالحیٔ پسر حافظ صاحب ملا کہ تمہیں تار دینے جا رہا تھا۔ جب گھر پہنچا تو والد صاحب کو بہت بیمار پایا۔ بات کرنے سے معذور تھے۔ السلام علیکم۔۔۔۔ اچھا۔۔۔ یارب۔۔۔ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے۔ پھر ۲۸، ۲۹ اور ۳۰ کے دِن آزمائش کے سخت ترین دِن تھے۔ ۳۰ کو بروز منگل بوقت

۴ بجے عصر اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ الحمدللہ کہ میری تحریک پر میرے گھر کے لوگوں نے صبر اور ضبط سے کام لیا۔۔۔۔

۳۱ کی صبح کو عجیب کیفیت چاندنی اور آسمان و زمین کی تھی۔ جب میں قبر کے تختوں کا کہنے باہر نکلا، کس قدر مشکل یہ کام تھا۔ کس دقت سے یہ الفاظ میری زبان سے نکلے اور میرے گلے میں کیا چیز اٹک رہی تھی۔ میں نے خدا کی نصرت اور رحم کا کچھ نظارہ اس فجر کو دیکھا تھا۔ وہی مولیٰ کریم ۳۰ کے بعد کے چند سخت غم و اندوہ و مشقت و مصروفیت کے ایام میں میری قوت کا سرچشمہ تھا۔ میں آج تک یہ مسئلہ نہیں سمجھا کہ مجھ ناتواں میں کہاں سے توانائی آئی کہ تھکان و بے خوابی اور مصیبت میں میری صحت قائم رہی۔

۳۱ جنوری بوقت دوپہر میں نے والد صاحب کو غسل دیا۔ مبارک عبداللہ، محمد دین، صفدر کلوالی اور سَید عبداللہ نے امداد کی۔ عبدالحیٔ پسر حافظ صاحب نے بھی پردہ سے باہر اور عبدالغفور نے بھی خفیف کام کیا۔ کفن پہنا کر جنازہ صحن میں رکھا۔ کس قدر پر رونق اور نورانی چہرہ، اس کی دھوم مرد و زن میں ہوئی اور چند روز بعد تک لوگ اِس کا ذکر کرتے رہے۔ مہمان کثرت سے آئے۔ نمازِ عصر کے بعد جنازہ اُٹھایا گیا۔ جنازہ میں سب لوگ شریک ہوئے اور چار بجے تک قبر میں اُتارا گیا۔ کالا ولد احمد جی (مدفون قادیان) اور گل حسن ولد امیر اللہ نے جسد خا کی قبر میں اتارا۔ میرے دِل میں خیال آیا کان ابوھما من الصالحین۔ پونے پانچ بجے فارغ ہوئے۔ اکثر مہمان رُخصت ہوئے۔

سفرِ حج ۱۹۴۷ء

یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ لاہور تک کا سفر۔ تقسیمِ برِصغیر کے بعد کا ایک منظر

لاہور میں داخل ہونے سے قبل، یہ دس میل سڑک کی دونوں اطراف مسلسل پناہ گزینوں

کے کیمپ تھے۔آدمی، مویشی، گاڑیاں، بچے، سامان سڑک پر پڑے ہیں۔ درمیان میں صرف اِس قدر رستہ ہے کہ موٹر یا لاری گذر سکتی ہے۔ کہیں کہیں روٹیاں پک رہی ہیں۔ سب پناہ گزین تھکے ماندے، چُور چُور زمین پر، آسمان کی چھت کے نیچے پڑے ہیں۔ لاریاں جو رستہ میں ملیں اندر اور چھت پر بھری ہیں۔ چھت پر بھی لوگ کھڑے ہیں اور اندر سامان کی طرح بھرے پڑے ہیں۔ ریل گاڑی جو نظر آتی ہے تو اُس کے اندر جو انبوہ ہے۔ اُس کے علاوہ چھتوں پر آدمیوں کے انبوہ بیٹھے ہیں۔ دھوپ اور گرم چھت، الامان۔ عورتیں، بچے، مریض، معذور سب اسی حالت میں ہیں۔ جسے جگہ مل جائے وہ خوش قسمت ہے۔ سٹیشن بھرے پڑے ہیں۔ جو کچھ نقشہ آنکھوں نے دیکھا، وہ کسی بیان سے ظاہر نہیں ہوسکتا۔ اور سنگ دِل سے سنگ دِل انسان کی آنکھوں میں بھی نمی آ جاتی ہے۔ مریدکے کے پاس سکھوں کا ایک کیمپ بھی دیکھا تھا۔ وہ بھی پریشان حال تھا۔

۱۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء

حضرت امیرؒ کو ملنے مسلم ٹاؤن گئے۔ دِن کا کھانا بھی وہاں ہی کھایا اور آرام بھی کیا۔ حضرت امیرؒ (مولٰینا محمد علی) کا رنگ زرد اور قوم کی مصیبت سے سخت غم زدہ ہیں۔ قوم کی مصیبت، افسروں اور لیڈروں کی بے حسی، خودغرضی اور لالچ کے قصے سُنائے اور بات بات پر رو پڑتے ہیں۔ اُن کے اِس غم کو دیکھ کر ہمارا دِل بھی نرم ہوا۔ بیگم صاحبہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ ڈلہوزی کی کوٹھی جل گئی ہے، اور بصد مشکل حضرت امیرِ قومؒ واپس یہاں اپنی جان بچا کر آئے ہیں۔

۱۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ کراچی روانگی

آٹھ بجے ممتاز ابن غلام ربانی خان صاحب جیپ (jeep) اور ٹریلر (trailer) لایا۔ اور ہم سٹیشن پہنچے۔ ریل میں خواجہ صاحب (خواجہ نذیر احمد ابن خواجہ کمال الدین) کی معیت کے سبب بڑا آرام ملا۔ کھانا کافی لائے تھے، جو ہمیں صبح و شام کافی ہوا۔ پلیٹ فارم پر گاڑی آتے ہی بھر گئی

اور چھت بھی بھرنے لگی اور چند منٹ میں ایسا نظر آنے لگا جیسے مکھیوں کا چھتہ ہوتا ہے۔ یہ نظارہ قابلِ برداشت نہ تھا۔ میں نے مصیبتِ قومی سے متاثر ہوکر ساتھ عورتوں اور بچوں کو اپنے کمرے میں داخل کرلیا۔ مردان کا رہنے والا ایک پختون ٹکٹ چیکر، کہ اُس سے زیادہ سنگ دِل انسان اور منحوس آدمی شاید دوسرا نہ ہوگا، کمرے میں داخل ہوا اور کچھ بحث اور غصے کے بعد انہیں باہر دھکیلنے لگا۔ خواجہ صاحب کو بھی جلال آ گیا اور ممتاز بھی کھڑا ہوگیا اور اُس آدمی کو باہر نکال دیا۔ کچھ جھگڑا رہا، لیکن ہماری فتح ہوئی۔ اور یہ لوگ خانیوال اور ملتان تک ہمارے ساتھ رہے۔ ہماری یہی بساط تھی۔ اللہ تعالیٰ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ہے۔ اُس کے رحم کی ہماری قوم اِس وقت سخت محتاج ہے۔

۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ کراچی

عائشہ نے بہت سلیقے سے میرا سامان باندھ بندھوا دیا ہے۔ رضیہ (رضیہ مدد علی) نے چٹیں لگائی ہیں۔ سامان تیار ہوتے ہوتے کافی دیر ہوچکی ہے۔ ساڑھے بارہ بجے گھوڑا گاڑیوں پر روانہ ہوئے۔ کل شام زبیدہ کا خط عائشہ کو اور محمد احمد کا فاررقی صاحب کو آیا تھا کہ وہ آج کراچی میل سے میرے ملنے کے لیے آ رہے ہیں۔ کیونکہ اُن کے خیال کے مطابق میں نے ۱۱ اکتوبر کو جانا ہے۔ خدا کو منظور نہ تھا کہ میری پیاری بچی کی مجھ سے یہ ملاقات ہوتی، تو نہ ہی ہوسکی۔ وہ پرانے اسلامی جہاز والے پروگرام کے خیال میں رہے۔ اِدھر پروگرام بدل گیا اور مجھ سے یہ کراچی پہنچ کر نہ ہوسکا کہ میں اُنہیں خط لکھ دیتا۔ حالانکہ اِس کے لیے وقت تھا۔ مرزا رحمان سے ٹیلی فون کی بابت بھی کہا تھا۔ وہ بھی یہ کام نہ کرسکے۔ اور کراچی میل ہی وقت پر آ جاتی، لیکن وہ بھی نہ ہوا۔ ۵ گھنٹے سے زیادہ لیٹ تھی، اور اُس نے پانچ بجے پہنچنا تھا۔

بحری جہاز کی روانگی سے قبل

جہاز چلنے کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ ایک سیڑھی اُٹھائی جا چکی ہے۔ وارف سے کسی کی آواز

میرے کان میں پڑی ہے: "ڈاکٹر سعید احمد خان کو بلائیں" ۔ دیکھا مرزا رحمان اور عائشہ کھڑے ہیں ۔ دور سے سلام ہورہا ہے ۔ لال شاہ صاحب بخاری بھی ہمارے ڈیک پر بیٹھے ہیں ۔ اُنہوں نے مرزا رحمان کو دیکھ کر بلایا ہے ۔ وہ اوپر آ گئے اور میں سیڑھی جو ابھی لگی تھی گیا اور نزدیک سے ملاقات ہوگئی ۔ کچھ دِل کو تسلی ہوئی ۔ لیکن زبیدہ کا تصور کہ ابھی وہ کراچی پہنچ رہی ہے اور جہاز جارہا ہے اُسے بھی بہت افسوس رہے گا بلکہ وہ غالباً رو ہی پڑے گی ۔ رونا تو مجھے بھی آنا چاہتا ہے ۔ بخاری صاحب سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی ، اگرچہ نام عرصہ سے سُنتے آئے ہیں ۔ وہ قاعدہ کے پابند اور بااصول انسان ہیں ۔ اللہ تعالیٰ پاکستان میں سب ذمہ دار لوگوں کو بااصول اور قاعدہ کا پابند بنائے ۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء

جہاز پر ایک مدنی صاحب ہیں جو پیر صاحب گولڑہ کے دوست ہیں اور جنہیں وداع کرنے پیر صاحب مذکور کراچی تک بھی آئے تھے ۔ یہ مدنی صاحب کل رات سے بعارضہ شدید بخار بیمار ہیں septic tonsils کی شکایت ہے اور Sulphathizol سے علاج ہورہا ہے ۔ لال حسین چکوالی نے بھی طبی مشورہ لیا ۔ جہاز کے افسروں اور مسافروں سے واقفیت وسیع ہورہی ہے ، جو بے آرامی کا موجب ہے ۔ ہمشیرہ (بیگم غلام ربانی خان) کی طبیعت ناساز ہے ۔ دردِ جگر اور بدہضمی کی شکایت ہے ۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء ۔ جمعہ

جمعہ کا خطبہ ایک سندھی نوجوان شاہ صاحب جو امیر حج کہلاتے ہیں ، لاؤڈ سپیکر کی امداد سے نشر کیا ۔ کثرت سے آیاتِ قرآنی پڑھیں ۔ لیکن خطبہ کا مضمون وہی مولویانہ وعظ تھا ۔ جو قیامت ملک میں بپا ہے اُس کا کوئی ذکر تک نہ تھا ۔ عموماً جہاز پر بھی لوگوں میں مصائبِ پیش آمدہ کے متعلق مایوس کُن بے حسی نظر آئی ہے ۔ اور بعض بڑے بڑے لوگوں کی اِس بارہ میں غفلت اور اُن کا رویہ سخت

حوصلہ شکن ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ کچھ اِس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ اجمیر کے حضرت خواجہ صاحب وہاں کے ڈپٹی کمشنر کو خواب میں آ کر ڈراتے ہیں اور ہندوؤں کو وہاں سفید کپڑوں والی افواج پہاڑی سے اُترتی نظر آتی ہیں اور وہ بھاگ رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اور بعض اس اُمید پر بھروسہ رکھتے ہیں کہ ہندوریاستیں ہندگورنمنٹ کے خلاف بغاوت کریں گی۔

۱۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء

میں دِل میں رات سے ارادہ کر رہا تھا کہ مولوی اسماعیل صاحب کے پاس جا کر مناسک کے متعلق اورادعیہ مسنونہ کے نوٹ لکھوں گا۔ علی الصبح ۷ بجے مولوی صاحب خود تشریف لائے اور اُن کے جیب میں کاغذ بھی تھا جس پر ادعیہ لکھی تھیں۔ سو یہ کام بہ احسن ایک گھنٹہ میں انجام پا گیا۔ اور حج کے ارکان اور تفصیلات کے متعلق انشراحِ صدر نصیب ہوا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

بعض لوگوں نے کل سے ہی احرام باندھ رکھا ہے۔ ہم نے بھی سر کے بال چھوٹے کرائے ہیں۔ اور ابتداء کی تیاری شروع کر دی ہے۔ کہتے ہیں کل دس بجے رات یلملم کے محاذ پر گذاریں گے۔ سو کل شام انشاء اللہ احرام باندھ کر ہم بھی کفن پوش ہو جائیں گے۔ زہے قسمت جس کو یہ نصیب ہو۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ جدہ سے روانگی

ضروری سامان موٹر میں رکھا گیا۔ شاندار نئی شیورلے کار ہے۔ ہم چار اُس کے سوار ہیں۔ جدہ سے مکہ سڑک نہایت عمدہ ہے۔ چند منٹوں میں پہلی منزل آ گئی، جو اُم سلمہ کہلاتی ہے۔ دوسری منزل بحرہ ہے۔ تیسری منزل شمیمیہ ہے۔ یہ آنحضرت صلعم کا مقام حدیبیہ ہے۔ بائیں ہاتھ ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو اُس مقام پر بنی ہوئی بیان کی جاتی ہے جہاں بیعتِ رضوان ہوئی تھی۔ اِس مقام سے ایک میل پر محاکمس ہے، جہاں سڑک کی دو اطراف پر چھوٹے چھوٹے فوارے بنے ہوئے ہیں

(رات کو ہمیں نظر نہ آئے)۔ اخویم غزنوی نے دُعا پڑھائی:

اَللّٰهمَّ هذَا حَرَمُکَ وَمَاْ مَنُکَ مُحَرَّمٌ لِحِمَی اللْبَشْرِیَّ۔حَرَّمْنِیْ عَلَی النَّارِ وَ اٰمِنِّیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ۔

(اے ہمارے رب یہ تیرا حرم اور امن کا مقام ہے، انسانی بے حرمتی کو حرام قرار دیتا ہے۔ مجھے بھی آگ پر حرام کر دے اور جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا اس دن اپنے عذاب سے بچا)۔

اس سرزمین میں داخلے کے وقت اپنے آپ سے شرم آتی ہے کہ یہ ناپاک وجود اِس قابل نہیں۔ ہاں تیری رحمت وَسِعَ کُلَّ شَیْءٍ تو نے خود فرمائی ہے۔ مجھ پر رحم فرما۔ اب مکہ قریب آ رہا ہے۔ اخی غزنوی نے خاص طور پر موٹر والوں سے فیصلہ کیا ہوا تھا کہ اُس راستے مکہ میں داخل ہوں جس راستے آنحضرت صلعم داخل ہوتے تھے۔ یہ مکی معلیٰ کہلاتی ہے۔ اِس طرف سے موٹر والے کسی کو نہیں لاتے موٹر کی سڑک نہیں اور پیدل آنے کے لیے ایک میل کے قریب چلنا پڑا۔ آنحضرتؐ کی سنت کی یہ اتباع میسر آ جانا بھی خصوصیت رہی۔ فالحمدللہ۔

۱۱۸ کتوبر ۱۹۴۷ء

فجر سے پہلے حرم میں گئے۔ حجرِ اسود کے قریب جگہ بنا لی۔ نماز میں قرأت پہلی دفعہ سنی۔ امام نے پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں الضحیٰ پڑھی۔ عجیب پڑھتا ہے۔ نماز سے پہلے ایک مصری عالم نے بڑی خوبصورت تقریر کی اور لوگوں کو حجر اسود پر دھکے مکے سے روکا۔ خطیب حرم امام صاحب کا نام ابوالشیخ عبدالظاہر ہے۔ یہ مصری ہیں۔ بعد نمازِ فجر حطیم میں کچھ بیٹھے اور گھر پر آ گئے۔

۲۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء

جب عشاء کی نماز سے فراغت میسر آئی تو کوئی نام ہیں جو لوگ ملاقات کے لیے آئے ہیں۔ اُن میں سے اکثر علاج معالجہ کے سلسلہ میں تھے۔

اخی غزنوی کے کئی ملنے والے آئے۔ مدینہ منورہ مسجدِ نبوی کے امام صاحب آئے۔ اُنہیں .... کا مرض ہے۔ بہت خوب صورت اور مقدس صورت بزرگ ہے۔ مجھے اپریشن تک کی درخواست کی۔ اخی فرماتے ہیں کہ جو قاری برلن سے ریڈیو پر قرآن پڑھتے تھے، زمانۂ جنگ کے دوران، اُن امام صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔ عبدالحمید صاحب، ایک اور دوست جو خوب عربی بولتے ہیں، پنجابی ہیں۔ شام سید حسین الدین صاحب کے مکان پر لے گئے۔ یہ دہلی کے تاجر مقیم مکہ ہیں۔ یہاں اپنا کاروبار ہے۔ سفر عرفات کے لیے اُنہوں نے اپنی نئی موٹر پیش کی۔ عصر کے بعد ولی عہد سعود نے طواف اور سعی کی۔ مطاف خالی کیا گیا۔ ملک خود نہیں آئے۔

۲۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء

بعد از طلوعِ آفتاب جب میں زبیدہ کے لیے طواف کر رہا تھا اور پانچواں شرط جاری تھا کہ پولیس نے پھر مطاف خالی کرا دیا۔ ایک گھنٹے کے بعد شہزادہ سعود ولی عہد آیا اور اُس نے خانہ کعبہ کے غسل کی رسم ادا کی۔ ہمارے مکان سے سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ البتہ کعبہ کے اندرونہ نظر نہیں آ سکتا تھا۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء

حجرِ اسود کے گرد روزانہ مار پیٹ اور دیوانہ پروانوں کا نظارہ، پولیس کی کشمکش، مار کھانا اور خوش دِلی سے چمٹے رہنے کی ناکام کوشش، ہر نماز میں خصوصاً شام، عشاء، فجر عجیب منظر ہے۔ لوگ

جاہل ہیں اور پولیس حرم بہت سخت۔ اکثر لوگ اپنے جذبات مار چکے ہیں۔کوئی نہ کوئی پولیس والوں سے بھی بڑھ کر اپنے بھائی حجاج سے درشتی کرتا ہے۔آج صبح ایک پختون نے بہت بداخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ انا للہ۔بعض لوگ بہت نرم دِل اور رقیق القلب نظر آتے ہیں۔مصری عورتیں بالکل دلیر اور مردوں کے دوش بدوش طواف کرتی ہیں۔

۲۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء

آج یومِ عُرفہ ہے۔صبح تہجد ونمازِ فجر ہوچکی۔اب عظیم الشان دن۔ مجھے بار بار حیرت ہوتی ہے کہ مجھ جیسے کمزور اور عاجز کوکون لے آیا اور کیسے لے آیا۔سینکڑوں لاریاں اور کاریں پختہ سڑک پر دوڑ رہی ہیں اور حجاج کو بھر بھر کر لارہی ہیں۔ ہزاروں پہلے سے پہنچ چکے ہیں۔ ہر طرف 'لبیک' کی صدائیں آرہی ہیں۔سب ایک ہی لباس میں ملبوس ہیں حتٰی کہ ملازمین، پولیس والے،فوجی اور دیگر سب احرام باندھے ہوئے ہیں۔ یہ منظر بیان کرنا ممکن نہیں۔

بذریعہ لاری مسجدِ نمرہ کو روانہ ہوئے۔ ڈرائیور کی کسی خلاف ورزیٔ ٹریفک کی وجہ سے پولیس والا پکڑ کر لے گیا۔ دیر ہورہی تھی، ہم پیدل روانہ ہوئے۔ایک فرلانگ چلتے رہے کہ دوسری لاری آگئی۔اور اُس میں ہم مسجد پہنچے۔جلتی ریت پر کڑکتی دھوپ میں خطبہ اور جمع وقصرِ صلوٰۃ ہوئی۔ بکرالصوت پر قاضی القضات حسن بن عبداللہ نے کچھ خطبہ سنایا، جوارکانِ حج پر مشتمل تھا۔ جولطف اُن چار رکعت نماز میں اِس پروانوں کی جماعت میں نصیب ہوا وہ اپنی مثال نہیں رکھتا۔ پھر واپس خیمہ میں لاری پر پہنچے۔

اس وقت سے غروبِ آفتاب تک قبولیتِ دُعا کا وقت ہے۔طبیعت بے چین اور تنہائی کی متلاشی تھی اور بےقراری میں خیمہ میں کبھی یہاں کبھی وہاں کھڑا ہوتا تھا۔ درود شریف، فاتحہ، اخلاص، لاحول، استغفار، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ ۔۔۔ الخ، لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَلَہُ

الْحَمْدُ يُحْيِ وَ يُمِيْتُ وَهوَ عَلٰى كُلِّ شَئْءٍ قَدِيْر ،سوسو بار لیٹے لیٹے پڑھا۔ پھر دُعائیں کرنا چاہتا تھا۔ باہر خیمہ کے سائے میں بیٹھنا چاہتا تھا۔لیکن وہ جگہ ناپاک سی تھی۔ ذرا آگے نکل گیا تو ایک خیمہ خالی پڑا دیکھا جس کے کنارے پر دو بدو مزدور بیٹھے تھے۔ اُس خیمہ میں جانماز ڈال دیا۔ اور چھتری سے جائے پناہ کرلی۔ یہاں جو جو کچھ بن سکا دُعا کی اور جو عزیز، بزرگ، دوست آشنا، زندہ یا مردہ یاد آیا اُسے یاد کیا۔ اپنے محسنین اور مشفقین کو بھی دُعاؤں میں گنا۔ اتفاقاً ایک نہایت جامع اور طویل دُعائے عرفہ کی ایک چھوٹی سی کتاب ہاتھ لگ گئی وہ بھی ساری۔ ایک گھنٹے سے کچھ کم وقت رہ گیا تھا۔ اپنے خیمہ کو واپس گیا اور اخی غزنوی سے درخواست کی جبلِ رحمت پر لے جانے کے لیے ساتھ کوئی بھیجیں۔ مولوی موسیٰ خان صاحب بھی تیار ہو گئے اور ایک بدو رہنما بھی مل گیا۔ کیا جذبہ تھا کہ منٹوں میں پہنچ گئے۔ چٹانوں پر چڑھتے چڑھاتے ذرا بلندی پر پہنچے تو وہ رحمت کا ٹیلہ انسانوں سے بھرپور تھا۔ ہر طرف دُعاؤں، مناجاتوں، گریہ زاری کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہاں سے سارا عرافات کیمپ نظر آتا تھا۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ چند قیمتی لمحے میسر آئے جو میرے نزدیک تمام عمر کی عبادت کے برابر نظر آتے تھے۔ سورج دیکھتے دیکھتے پہاڑ کے پیچھے چھپ گیا اور مجسم احتیاج اور عاجز بندے کی عرضوں، گذارشوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا۔

۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء

اخی غزنوی کی معیت میں، سید معین الدین کے ہمراہ مکہ گئے۔ پھر جبلِ نور سامنے دکھائی دیا۔ مکہ کی آبادی جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں، اور شہر سے باہر بادشاہ کا قصر ہے۔ سڑک کے اُس پار ولی عہد کا مکان ہے اور پاس ایک مسجد بھی ہے۔ طوافِ افاضہ کے لیے بابِ سلام سے پھر داخل ہوئے۔ کعبہ آج نیا غلاف پہن کر نوی نویلی دُلہن کی طرح بنا ہوا ہے۔ عجیب حسن و جمال اِس سیاہ پوشی میں ہے۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء

بڑے بڑے ذی استطاعت وثروت لوگ تکلیف میں گذارا کر رہے ہیں۔ ہم بڑے آرام میں ہیں۔ دِن بھر آرام نہ کر سکے (bronchitus) بران کائٹس کا سلسلہ جاری ہے لیکن الحمدللہ مناسک حج اور دوسرے ضروری اشغال میں سے کوئی بھی معطل نہیں ہوا۔ اور ذرا بھر احتیاج پیش نہیں آیا۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء

صبح فجر سے آدھ گھنٹہ پہلے نیند کھل گئی اور حرم میں گئے۔ بعض ناپسندیدہ باتوں میں سے حجر اسود کے بوسہ کی کشمکش اور مار پیٹ ہے۔ پھر ہر نماز میں حجرِ اسود کے قریب سپاہیوں کے لیے نماز کے لیے جگہ خالی کرانے کے لیے مار پیٹ۔ نماز کا سلام پھیرنے کے لیے 'السلام' کا کلمہ ابھی امام کے مُنہ میں ہوتا ہے کہ چند آدمی نماز کو ترک کر کے گولی کی طرح لپک کر حجرِ اسود پہ جا پڑتے ہیں اور سپاہی سلام پھیر کر جاتے اور مار پیٹ اور دھکہ مُکہ کرتے ہیں۔ طواف میں معلمین چلا چلا کر مسنون دُعائیں پڑھاتے ہیں اور لوگوں کو دھکے مارتے جاتے ہیں۔

خاص اچھی باتیں یہ ہیں۔ آمین کی آواز سے حرم گونج اُٹھتا ہے۔ کوئی مزاحمت نہیں کرتا۔ رفع یدین کرنے والے اور نہ کرنے والے، سینہ پر ہاتھ باندھنے والے اور بالکل نہ باندھنے والے یکجا کھڑے ہوتے ہیں۔ بعد از نمازِ فرض، ہاتھ اُٹھا کر دُعا، جس پر ہمارے ہاں اس قدر زور دیا جاتا ہے کہ احمدیوں کے خلاف یہ بڑا اعتراض ہے، اُس کی کوئی پابندی نہیں۔ امام جو عموماً نماز پڑھاتا ہے، حنفی معلوم ہوتا ہے۔ یہاں امامت کے لیے دس بارہ اماموں کا (panel) پینل ہے۔

حرم کے گرداگرد ہر طرف صفوف کعبہ رو ہوتی ہیں۔ حرم میں ہر وقت نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ سورج کے اوقات وغیرہ کی کچھ پابندی نہیں۔ صرف حج میں جائز ہے کہ نماز پڑھنے والوں کے آگے

سے لوگ گذرتے رہیں۔

یکم نومبر ۱۹۴۷ء

شام کو اخی غزنوی نے موٹر منگوا کر دی اور مقیم سے جا کر عمرہ کا احرام باندھا۔ مقیم میں ایک شکستہ مسجد ہے اور گداگروں کی فوج بیٹھی ہوتی ہے۔ شام کو نماز پڑھ کر احرام کی نیت کی۔ میں نے والدہ مرحومہ کی طرف سے عمرہ کیا۔

۴ نومبر ۱۹۴۷ء

طوافِ وداع کیا۔ نمازِ ظہر کے بعد فوراً نمازِ عصر جمع کی۔ کعبہ پر آخری نظر ڈالی۔ داغِ فراق دِل پر لے کر بابِ وداع سے باہر نکلے۔

۱۴ نومبر ۱۹۴۷ء

سامان وغیرہ باندھ کر تیار کر لیا۔ سویرے سویرے موٹر آ گئی۔ ظہر سے دو اڑھائی گھنٹے پہلے فارغ ہو کر مسجدِ نبوی میں چلا گیا۔ نوافل کے بعد روضۂ مبارک پر حاضر ہوا۔ کچھ عجیب وقت تھا اور جدائی کا سماں سامنے تھا۔ رقت ایسی نصیب ہوئی کہ پہلے نہ ہوئی تھی۔ جگہ میرے لیے صف میں ایک پاس والے ہندوستانی شخص نے رکھی تھی۔ واپس جا کر، قرآن شریف ختم ہونے میں جو دو پارے باقی تھے، بیٹھ کر ختم کیے۔ خطبہ اِس دفعہ سنائی نہ دیا تھا۔ وہی پرانی صورتِ حالات تھی۔ بعد از نماز جمعہ فوراً مکان پر آئے۔ مسجدِ نبوی دُنیا کی مزین ترین عمارات میں سے ہے۔ اُس کی زیبائش اور حسنِ ظاہری دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ باطنی حسن پر تو ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ مکان پر آ کر سوا گھنٹہ ڈرائیور کا انتظار کیا اور کھانا بھی کھایا۔ اور سوا آٹھ بجے (ہمارے ۴:۳۰ بجے) روانگی ہوئی اور شہر کے دروازے پر مزید انتظار کے بعد ۹ بجے مدینہ کی مبارک بستی سے رخصت ہوئے۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء

ایک پاکستانی شاعر ظہیر نیاز نے یہ نظم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی ڈائری میں اپنے دستخط کے ساتھ تحریر فرمائی:

برموقع حج، اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ مکہ مکرمہ، فی المنیٰ

۷۸۶

شہنشاہِ کونین ﷺ کے حضور میں

از

شاعرِ پاکستان ظہیر نیاز

آج اک بھاگا ہوا مجرم تیرا آیا ہوں میں
عمر کے اوقاتِ زرّیں کو گنوا آیا ہوں میں

قابلِ بخشش نہیں ہوں اس پہ بھی لیکن حضورؐ
دل میں اُمیدوں کی اک دنیا بسا لایا ہوں میں

گرچہ غفلت میں متاعِ دین و دنیا لٹ گئی
دل میں تھا اک درد تیرا وہ بچا لایا ہوں میں

حاضری دیتا تیرے در پہ کب توفیق تھی
تیری رحمت کے سہارے پر چلا آیا ہوں میں

دو جہاں میں مل نہیں سکتی اماں تیرے سوا
ہر طرف سے ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا ہوں میں

کچھ ہُوں کیسا بھی ہُوں یا رحمۃ العالمین
لاج رکھ لو بے دیار و بے نوا آیا ہوں میں

حال جب احباب پوچھیں تو ظہیرؔ اُن سے کہوں
دل پہ داغِ معصیت تھے جو دُھلا لایا ہوں میں

ظہیر نیاز۔ شرق پور کلاں۔ ضلع شیخو پورہ۔ پنجاب پاکستان

۱۲ ذوالحج۔ منیٰ

چند پرانی یادداشتیں جو سامنے آئیں

۱۔محترم یعقوب محمد ایوب صاحب پہلی بار جون ۱۹۶۹ء، سرینام سے پاکستان تشریف لائے۔ لاہور، مری اور ایبٹ آباد بھی تشریف لائے تھے۔ فاضِل رمضان جو پہلے سے لاہور میں تھے،اُن کے ہمراہ تھے۔

۲۔ دارالسعید ایبٹ آباد کی مسجد میں ایک سالانہ جلسہ ۲۲ اگست ۱۹۶۹ء جمعہ کے روز منعقد ہوا۔ اُس کی دلچسپ روئیداد اخبار پیغام صلح مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۶۹ء میں ملاحظہ کریں۔اسی پرچہ میں میری استقبالیہ تقریر اور پروفیسر خلیل الرحمان صاحب کی تقریر بھی درج ہے۔عزیز الرحمان بادشاہ کی تقریر ۱۹۶۹ء کے ستمبر،نومبر کے پرچوں میں درج ہے۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۶۹ء کے پیغام صلح میں میری تقریر جلسہ سالانہ ایبٹ آباد" دُعا کی اہمیت"۔

۳۔

چُوں منا خواہد بما یاری کند　　　میلِ مارا جانبِ زاری کند

رومی

(جب خداہماری رہنمائی کرنا چاہتا ہےتو وہ ہمارارجان عاجزانہ پکار کی طرف کردیتا ہے)

۴۔

من نَیَم جان بتواند جان دہد　　　آں چہ در ذہنت نیاید آں دہد

(میں مرگیا ہوں، وہ جان دے سکتا ہے۔ وہ کچھ جو تیرے ذہن میں بھی نہ آتا

ہو وہ دے سکتا ہے)

۵۔انفاق اور مشکلات کے مقابلہ میں ثابت قدمی، یہ دو بڑے کامیابی کے راز ہیں۔

۶۔والد صاحب نے کسی شخص کے عبرت ناک حالات لکھ کر یہ شعر خط میں لکھ کر بھیجا:

پند گیر از مصائب دیگراں　　　تا نہ گیرند دیگراں بتُو پند

(دوسروں کی مصیبت سے نصیحت حاصل کرو، ایسا نہ ہو کہ کل لوگ تمہاری حالت دیکھ کر نصیحت حاصل کرنے لگیں)

۷۔والدہ مرحومہ کے لیے دُعا:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھَا وَارْحَمْھَا وَ اَدْخِلْھَا فِیْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ۔ وَارْفَعْ دَرَجَاتِھَا وَاَتْمِمْ لَھَا نُورَھَا وَارْفَعَھَا مَعَیَّتِھَا وَ مُعِیْتَ عِبَادَکَ الصَّالِحِیْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْم۔

۸۔جس قدر قربِ الٰہی حاصِل کرے گا، اُسی قدر قبولیتِ دُعا کے ثمرات سے حصہ لے گا۔اذا سالک عبادی انی هم المیعاد من کان بعید۔ یعنی جو مجھ سے دور ہوا اُس کی دُعا کیوں کر سنوں۔جس قدر دور ہوتا ہے اُسی قدر فاصلہ اللہ میں اور انسان کی دُعا کی قبولیت میں ہو جاتا ہے۔ورنہ ھوالعلیم السر و اخفٰی۔حدیث میں ہے کہ نوافل سے انسان میرا مقرب ہو جاتا ہے۔نوافل صرف نماز کے نہیں۔ہر فعل کے ساتھ ہوتے ہیں۔

۹۔

شاید وہ مِل ہی جائیں، وہ شاید نہ مل سکیں
ہر گام کیفیت یہ بیم و رجا کی ہے
مانا کہ اُس نے ہم کو برا بھی نہیں کہا
لیکن یہ خامشی بھی تو صورت سزا کی ہے

۱۰۔

خوشا سرفرازانِ کوتاہ دست
بزرگان خورد و بلندانِ پست

ہمہ نام دارانِ گم کردہ نام
ہمہ کام کارانِ نادیدہ کام

ہمہ بختیارانِ بے تخت و تاج
چو یوسف بزنداں و لیکن عزیز

نہ در دست چیزے نہ محتاج چیز
خواجہ کرمانیؒ

(خوش نصیب ہیں وہ تمام لوگ، جن کی پہنچ تو زیادہ نہیں پھر بھی وہ عزت دار ہیں۔ جو بظاہر چھوٹے ہیں مگر درحقیقت بڑے پن کے مالک ہیں۔ وہ جو بظاہر گم نام ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ وہی نام دار ہیں۔ وہی بامراد ہیں اگرچہ بظاہر کبھی کوئی مراد پوری نہیں ہوئی۔ وہ جو بے تاج وتخت بادشاہ ہیں۔ جو یوسف کی طرح قید میں ہیں مگر عزیز جیسے بلند مرتبہ ہیں۔ اگرچہ اُن کے پاس کچھ بھی نہیں

مگر وہ کسی چیز کے محتاج بھی نہیں)۔

۱۱۔

سہل است ترکِ ہر دو جہاں گر رضائے تو آید بدست

اے پنہ و کہف و مامنم

(دونوں جہاں کو ترک کر دینا میرے لیے آسان ہے اگر تیری رضا حاصل ہو جائے۔اے میری پناہ گاہ اور کہف اور مجھے امن اور محفوظ مقام عطا کرنے والے)

۱۲۔

Do not grudge old age; many are denied that privilage.

Old age for the un-learned,is winter; but for the learned, it is harvest time.

(بڑھاپے کو برا مت جانو، یہ حق اکثر لوگوں کو نہیں دیا جاتا۔جاہل کے لیے بڑھاپا موسمِ سرما ہے، عالم کے لیے فصل کی برداشت کا موسم ہے)

۱۳۔

روزے کہ ازل آید از پیش و پست

شک نیست کہ مہلت نہ دہد یک نفست

یاری نہ رسد در آں دم از ہیچ کست

برباد شود جملہ ہوا و ہوَسَت

(جس روز موت سامنے اور پیچھے سے آتی ہے۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ پھر کسی کو ایک دم کی بھی مہلت نہیں ملتی۔ اُس لمحے کسی کو کسی سے کوئی مدد نہیں پہنچ سکتی۔ ہر قسم کی حرص اور خواہشات اُس وقت برباد ہو جاتی ہیں)۔

۱۴۔ ایک چینی ضرب المثل

The strength of a horse is known from the distance it travels and the heart of the man is known by the passage of time.

(ایک گھوڑے کی قوت کا اندازہ اُس کی مسافت طے کرنے سے ہوتا ہے اور انسان کے دِل کا اندازہ وقت کے گذرنے کے ساتھ ہوتا ہے)۔

۲۴ اگست ۱۹۷۴ء

پونے سات بجے بہ ہمراہی عبداللہ، انجم، والدہ محمد سعید و میاں ممتاز احمد فاروقی روانہ اسلام آباد ہوئے۔ خالد فاروقی کے گھر اُترے۔ میاں ممتاز احمد اسی فرزند کے ہاں رہتے ہیں۔ بیگم خالد فاروقی نے مروت کا نمونہ دکھایا۔ ہر طرح کا آرام پہنچا رہے ہیں۔ شام ظفر فاروقی اور اُن کی بیوی بچے بھی آئے۔

۲۹ اگست ۱۹۷۴ء

نو بجے صبح، پانچ دن خالد فاروقی اور اُن کی بیگم شوکت فاروقی کی نہایت آرام دہ، باعزت و مروت اور پاکیزہ مہمان نوازی اور عمدہ پاکیزہ وقت گذارنے کے بعد رُخصت ہوئے۔ اُن کے لیے دِل سے دُعا ہے۔ الھم آمین۔

۳۰ اگست ۱۹۷۴ء

بعد از نمازِ فجر میجر لطیف صاحب نے بیعت کی۔ یہ پرانا خیال اُنہوں نے پورا کیا۔ اللہ میرے لیے اور اُن کے لیے خیر و برکت اور قربِ الٰہی کا ذریعہ بنائے۔

۳۱ اگست ۱۹۷۴ء

(کاکول)۔شام چیف جسٹس سرحد، صفدر شاہ آئے۔ اسمبلی کے سامنے پیشی کا گہری دلچسپی سے سُنتے رہے۔ اُن کی انگریز بیوی بچے بھی ہمراہ تھے۔ ہمارے عقائد اور صحیح پوزیشن سے واقفیت ہونے کے بعد اُنہیں بے حد افسوس ہوا۔ اور شاکی ہیں کہ ہم لوگوں نے اپنی پوزیشن project نہیں کی۔

اسمبلی میں ہماری پوزیشن کی کماحقہٗ وضاحت کا نہ ہونا بلکہ مولوی عبدالمنان صاحب کے بعض بیانات کی وجہ سے مُشتبہ ہو جانا ایک سانحہ ہے۔ مثلاً قادیانی اور لاہوری جماعت کی split کی وجہ کو مبہم رکھنا، وغیرہ۔

۲۹ ستمبر ۱۹۷۵ء۔ لندن سے واپسی

ٹیکسی ساڑھے بارہ بجے آئی۔ ۶۰ پنس کرایہ مقرر کیا گیا تھا۔ راس محمود صبح ہی رُخصت ہو چکا تھا۔ حامد، رضیہ اور حافظ شیر محمد صاحب آئے۔ حامد نے سیدھا ایئرپورٹ سے بریڈ فورڈ (Bradford) جانا تھا۔ سامان زیادہ ہونے کی وجہ سے کافی بوجھ اُٹھانا پڑ رہا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ میں ہیتھرو ایئرپورٹ پر پہنچے۔ حامد نے آج شام بریڈ فورڈ جانا ہے۔ کل سویرے کرین فیلڈ انسٹیٹیوٹ (Cranfield Institute) جائے گا۔ حامد کا پروگرام کا میری سہولت کے ساتھ ساتھ چلنا، اللہ تعالیٰ کے خاص نشانات اور انعامات سے ہے۔ الحمدللہ۔ ایئرپورٹ پر بھی بڑی مدد دی۔

۲۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء (لاہور)

کل کے اجلاس منتظمہ میں ایک ممبر نے بہت دلآزاریاں کیں۔ دارالسلام کی عداوت اور کئی دیگر نفرتوں کی ایک بار، ایک عرصہ کے بعد، کھل کر نقشہ دِلی بغضوں کا پیش ہوا۔ میرے گھر کے لوگ دارالسلام کے قیام سے قدرے دِلبر داشتہ ہیں۔ رات کو سونے سے پہلے جب قرآن پڑھا تو یہ آیت تلاوت میں آئی: وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۖ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے)۔ (یونس ۱۰:۲۵)۔ ذوقی رنگ میں دِل نے اس تفہیم کے ساتھ اسے تسکین کا ذریعہ پایا۔ الحمدللہ، کہ اللہ دارالسلام کی طرف بلاتا ہے۔ اور کسی کو ہدایت دینا، اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ سورۃ یونس کی آیات ۶۱ تا ۶۵ خاص اطمینان بخش ہوئیں۔

۱۴ مارچ ۱۹۷۶ء۔ کراچی

میں کراچی جماعت کے لوگوں سے ملنے ملانے کی نیت سے آیا ہوا ہوں۔ پاشا مع بیوی بچہ کے اس وقت صبح ۷ بجے بذریعہ ہوائی جہاز (PIA) انگلستان کے لیے رُخصت ہوا ہے۔ کل ۱۲ بجے لاہور سے پہنچے تھے۔ ڈاکٹروں پر جو بیرون ملک جانے کی پابندی ہے، اُس کی وجہ سے فکرمندی تھی۔ جو ایک تازہ آرڈیننس کی وجہ سے زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔ اور وہ اسلام آباد افسرانِ بالا سے ملنے ملانے فروری کے آخر میں گیا تو اُسی روز وہ خصوصی آرڈیننس گورنمنٹ نے واپس لے لیا تھا۔ اُس سے سہولت تو ہوگئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کے دِل میں پاشا کے لیے شفقت کا جذبہ حد درجہ پیدا کر دیا ہوا ہے اور میرا بھی، میرے استحقاق سے بہت بڑھ کر احترام فرماتے ہیں۔ (فَجَزَآءُ اللّٰهُ)۔ اُنہوں نے خود ہی پیشکش کی تھی کہ وہ پاشا کے جانے کی راہ میں کوئی روک ہو تو اُس کے دور کرنے میں امداد کریں گے۔ آج صبح جب میں اور عائشہ، پاشا، صبیحہ اور مجاہد کو

رُخصت کرنے کرنل وحید نیازی کی طویل وعریض گاڑی میں ایئرپورٹ پہنچے تو FSF کے افسران کو موجود منتظر پایا۔ساڑھے تین بجے کا وقت،اُس وقت سے لے کر ۶:۴۵ بجہ تک جو کچھ ہمارے لیے ہوا، وہ اللہ تعالیٰ کے تصرف کا ایک نمونہ تھا۔نماز فجر FSF کے DSP صاحب کے دفتر میں، میں نے پڑھی اور اللہ کے احسانات کو یاد کر کے دِل رقت سے بھر گیا۔تفصیلات کے بیان کرنے سے بات لمبی ہوتی ہے۔ باقی اپنے دل اور اپنے مولیٰ کریم کے درمیان ہے۔ وہ نعم المولیٰ و نعم النصیر ہے۔

۷ اگست ۱۹۷۶ء

دارالسلام میں اِس مرتبہ جولائی کا مہینہ بھی بیشتر بسر ہو گیا۔اللہ نے گرمی کی برداشت کی قوت دیئے رکھی۔ایک بار بھی شکایت زبان پہ نہ لایا۔والدہ محمد سعید نے گرمی خوشی خوشی برداشت کی اور تا حال کر رہی ہیں۔ ۲۵ جولائی ۱۹۷۶ء بذریعہ ہوائی جہاز کوئٹہ پہنچا۔حسبِ معمول عبداللہ کے یہاں آرام کے سامان مہیا کیے گئے ہیں۔تاہم پہلے دو دن home sickness رہی۔وزیراعظم بھٹو زیارت وغیرہ دورہ پر ہیں۔عبداللہ نہایت مصروف ہے۔اکثر حکام موجود ہیں۔جنرل جیلانی، وزیراعظم کے ڈاکٹر محبوب وغیرہ اور عبدالحئ بھی اپنے وزیر کی وجہ سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔

۱۵ اگست ۱۹۷۶ء

شام کو عبداللہ کے ہاں میں اور شوکت گئے۔سورۃ الحج کی آیات ۴۵ تا ۴۸ نکال کر دیں، اور اس مضمون پر آج کل کے طوفانی سیلابوں کے سلسلہ میں گفتگو ہوئی۔عبداللہ نے کہا وہ یہ آیات اور ان کا مضمون ایک خط کے ذریعہ PM اور MS کو بھیجے گا۔پھر اِس وطن میں اپنی حالت اور ہجرت پر گفتگو ہوئی۔

۲ ستمبر ۱۹۷۶ء۔ لندن

پاشا اپنے ہم پیشہ ڈاکٹر پٹیل کی کار لائے تھے۔ پہلا دن لندن میں ڈرائیونگ، مانگی ہوئی گاڑی، رات کا وقت، بونداباندی اور آخر میں خاصی بارش، راستوں کی واقفیت کی کمی کی وجہ سے نئے سفر اور سفر کے مصعب ترین مسئلہ کا سامنا پیش آ گیا۔ لیکن اللہ کا بھروسہ ساتھ دے رہا تھا۔ چند غلط چکر کاٹنے کے بعد بالآخر منزل قریب آئی لیکن ڈارٹ فورڈ ٹرننگ سے منزل سے آگے غلطی سے گذر گئے اور رات کی گشتی پولیس کی ایک کار نے ہمارا تعاقب کیا اور افسر نے پوچھ گچھ کے بعد مطمئن ہو کر واپس لوٹ کر صحیح راستہ پر رہنمائی بھی کی اور بالآخر ساڑھے چار بجے ہم گھر پر پہنچے۔ اخبار میں دیکھ کر پاشا نے بتایا کہ طلوعِ فجر پونے پانچ بجے ہوتی ہے۔ صبیحہ بیچاری نے، جو ۲۷ اکتوبر کو ایک بچے کی آمد کی اُمید بھی رکھتی ہے، بڑے صبر سے میری خوشنودی کی خاطر یہ امتحان گذارا۔ گھر آ کر کچھ کھانا گرم کیا اور کھا کر پاشا کے ساتھ باجماعت نمازِ فجر ادا کی اور سو گئے۔ (نوٹ: اویس احمد سعید کی پیدائش ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو ہوئی)۔

۳ ستمبر ۱۹۷۶ء

اب رات کو یہ تین چار صفحات لکھنے کے بعد وقت دیکھا تو ۱۲:۴۵ کا وقت ہے۔ اب سونا چاہئے لیکن سونے سے پہلے اللہ تعالیٰ، بے پایاں قدرتوں کے مالک کا شکر ادا کرنے کا حق ہم ناشکروں، ضعیفوں سے کیسے ادا ہو سکتا ہے۔ جس نے اپنے خاص فضل و کرم سے مجھے سفر کی اِس منزل تک زندہ اور سلامت پہنچا دیا۔ الحمدللّٰہ ثم الحمدللّٰہ رب العالمین رب المستضعفین۔

۴ ستمبر ۱۹۷۶ء

حامد اور منیرہ اپنی نئی کار میں بطور مہمان آئے۔ ارسلان (عمر تین سال) اب کافی بڑا ہو گیا ہے اور باتیں پختہ لوگوں کی طرح کرتا ہے۔ حامد، منیرہ کی وجہ سے نمازوں میں جان پڑ گئی۔ دونوں روزہ دار ہیں۔ الحمدللہ۔

۸ ستمبر ۱۹۷۶ء

صبح، جب اُٹھا تو طلوعِ فجر میں صرف آدھ گھنٹہ کا وقت تھا۔ صرف دو رکعت نفل اور وتر پڑھ سکا۔ نمازِ فجر میں پاشا نے پہلی بار شرکت کی۔ گذشتہ دنوں درد کمر جو گرنے کی وجہ سے ہوا تھا بڑھ رہا تھا۔ اب افاقہ ہوا ہے۔ باقی نمازیں ہم مِل کر ہی پڑھتے ہیں۔ صبیحہ بھی شامل ہوتی ہے۔ مجاہد نماز کے وقت خاموشی سے اُن کی گود میں بیٹھ جاتا ہے یا قریب لیٹ جاتا ہے۔ ٹی۔ وی کا بے حد شوقین ہے۔ ہر وقت لگا لیتا ہے اُس کی عمر اب سوا دو سال کی ہے۔ لیکن عمر کے لحاظ سے اگرچہ گفتگو کے لحاظ سے پیچھے ہے، لیکن ویسے بہت ذہین ہے۔ بے حد possessive ہے اور خوش طبع ہے۔ کسی سے بھی اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔ جس سے ملتا ہے بے تحاشہ ہنس ہنس کر اپنی خاص زبان میں، جسے کم ہی کوئی سمجھ سکتا ہے، روانی سے گفتگو کرتا ہے اور کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتا۔

۱۱ ستمبر ۱۹۷۶ء

فجر کی نماز میں پاشا بھی شامل ہوا۔ قومہ میں دُعائیں پڑھیں۔ تھوڑی نفل نماز سے بھی تسکین ملی۔ اور دُعاؤں کی توفیق ملی۔ لمبی نمازِ فجر اور باجماعت اور قومہ کی دُعاؤں سے مزید تلافی ہوئی۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (البقرہ ۲:۱۲۷)۔ (اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، تُو سُننے والا جاننے والا ہے)۔ یا اللہ ہماری زندگیوں کو لغویات سے کلیتاً پاک کر دے اور ہمارے اوقاتِ محدود کو ضائع ہونے سے بچا۔

۲۰ ستمبر ۱۹۷۶ء

صبح کی نماز میں پاشا اور حامد شامل ہوئے۔ آخری قومہ میں دُعائیں بھی پڑھیں۔ متقی نوجوانوں کی معیّت میں نماز پڑھنے میں کیا کچھ دِل پر گذری۔ وہ علیم و بصیر اور جواد کریم رب العالمین اور مجھ ناکارہ کا واحد آسرا اور سہارا ہے، قبول فرمائے۔ شاید اس طرح سے بگڑی بن جائے۔

۲۲ ستمبر ۱۹۷۶ء

چار بجے آنکھ کھلی۔ ساتھ ہی یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک روزہ تو رکھ لوں۔ یہ خیال غلبہ حاصل کرتا گیا۔ چار رکعت نماز کے بعد مصمم ارادہ ہو گیا۔ نیچے کچن میں جا کر تلاشِ بسیار سے دو ٹکڑے ڈبل روٹی کے، کچھ مکھن اور جام مل گیا۔ گریپ جُوس پہلے پی چکا تھا۔ ایک گلاس دودھ بھی بوتل میں پڑا تھا۔ میری سحری ہو گئی۔ ایک گولی ڈسپرین بھی کھا لی۔ نو بجے کے قریب صبیحہ سے کہا کہ میرے روزے کا چرچا نہ کریں۔ پاشا جھگڑا کرے گا۔ کل کے خطوط میں ذکر تھا کہ پاشا کی ماں باوجود صحت کی خرابی کے اور گرمی اور کافی نامساعد حالات میں روزہ پر حسبِ عادت مصر ہیں۔ ایک دِن سخت دورہ مرض کا پڑا۔ پھر بھی روزہ نہ چھوڑا۔ اِس موقعہ پر مجھے اپنی ماں کا پشاور کا وہ یومِ بیض کا نفلی روزہ، بحالتِ بیماری یاد آیا، جو میری کوشش کرنے پر اور زور سے تڑوانے پر بھی نہ توڑا اور اُسی شام کو افطاری کے معاً بعد خون کی قے ہوئی اور جان خداوند، جان آفرین کو سونپ دی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ سید اسد اللہ شاہ صاحب نے ۱۹۴۷ء میں (میری ماں کی وفات فروری ۱۹۲۹ء کو ہوئی تھی) جب اُن کی قبر پر گئے تو کشفی حالت میں اُن کا درجہ بلند ترین صالحین والا دیکھا اور بعد میں ایک اور الہام یا خواب میں اُنہیں دکھایا یا بتایا گیا کہ میری ماں کا آسمانی نام ”مہتاب بی بی“ ہے۔
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهَا وَارْحَمْهَا وَ اَدْخِلْهَا فِیْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ۔ وَارْفَعْ دَرَجَاتِهَا وَاَتْمِمْ

لَهَا نُورَهَا وَارْفَعَهَا مَعَيَّتِهَا وَ مُعِيْتَ عِبَادَکَ الصَّالِحِيْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِيْم۔
آمین۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۷۶ء

(احمدیہ ہاؤس میں ایک میٹنگ کے بعد واپسی کا واقعہ)

رات گیارہ بج گئے۔ عزیز احمد صاحب کو ہم ہوٹل پہنچانے گئے۔ وہ اور میں راس محمود کی موٹر میں بیٹھے۔ پاشا کی موٹر میں شاہد عزیز بیٹھے۔ اُنہیں سٹیشن پہنچانا تھا۔ راس نے بغیر ذکر کیے Paddington ریلوے سٹیشن کا رُخ کیا۔ حالانکہ پہلے عزیز احمد صاحب کو ہوٹل پہنچانا تھا۔ پاشا بیچارہ کو لندن کے شہر کے اندر راستے کہاں سے آتے۔ پیچھے پیچھے چلتا گیا۔ سٹیشن تک تو صحیح گئے۔ واپسی پر عین قلب لندن کے اندر پاشا راستہ سے بھٹک گیا۔ ہمارے سامنے دیکھتے دیکھتے غلط سڑک پر نکل گیا۔ اور ہم کچھ نہ کر سکے۔ اب فکر شروع ہوئی۔ تھوڑی دیر تک ایک مایوس کن تلاش کی پھر میں نے کہا: ”بارہ بجے کا وقت، لندن کا شہر، ہزاروں موٹریں اور بیسیوں موڑ۔ اب سوائے اللہ کے دستِ قدرت کے پاشا کی مصیبت کو، کہ وہ گھر کا راستہ نہ پا سکے گا اور رات اُس پر کیا گذرے گی، کوئی نہیں کر سکتا“۔ اُس کے پاس موٹر چلانے کا لائسنس سرے سے ہے ہی نہیں۔ رات قدم قدم پر پولیس کی گاڑیاں۔ یہ ایک مایوس کن حالت تھی۔ میں نے کہا: ”عزیز احمد صاحب کو ہوٹل پہنچائیں، اُنہیں اور تنگ نہیں کرنا“۔ وہ بے چارے بھی بے حد فکرمند، راس بھی مایوس۔ میں نے ایک مضطر کی طرح اللہ کے حضور فریاد، دِل دِل میں شروع کر دی اور جتنی دُعائیں اور استغفار آتی تھی پڑھتا رہا۔ عزیز احمد صاحب کو چھوڑنے کے بعد کہا، سیدھے ڈارٹ فورڈ گھر چلیں اور راستہ میں استغفار پڑھتے جائیں۔ کوئی معجزہ ہی اس غم کو دور کر سکتا ہے۔ اللہ ارحم الراحمین ہے۔ راس کو تسلی دی۔

ایک بات یاد آئی کہ کسی بدو کا ایک ہی اونٹ ہو اور وہ صحرا میں گم ہو جائے اور بیچارا تلاش

سے مایوس ہو کر جب گھر آ جائے تو دیکھے کہ اُس کا اونٹ اُس کے گھر میں باندھا ہوا ہے تو اُس کی خوشی کا کیا عالم ہوگا۔ یا اللہ ہمارے لیے کیا یوں ہو سکتا ہے؟ غرض یہ کہ جو کچھ ہو سکا عرض کرتا گیا۔ یہ فکر کہ بے چاری صبیحہ جب سُنے گی تو اُس پر کیا گذرے گی اور مجاہد ابو، ابو کرتے سویا ہو گا یا جاگتا ہوگا۔ اِس خبر سے اُن پر کیا گذرے گی۔ ایک بجے کے قریب گھر پہنچا۔ دروازہ صبیحہ نے کھولا۔ اور پہلا فقرہ اُس کی زبان سے یہ نکلا کہ پاشا کا فون کہیں Kitchner کے ایریا سے آیا ہے کہ اُسے راستہ مل گیا ہے اور ڈیڑھ گھنٹے تک گھر آ جائے گا۔

یا اللہ میں کس زبان سے تیرا شکر ادا کروں۔ بات تو بدو اور اونٹ والی ہی ہوئی۔ نماز کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے نفل پڑھے۔ دو بجے کے قریب پاشا گھر آ گیا۔ گلے ملا، میں رو پڑا، اُس پر بھی بڑا اثر ہوا۔ لندن کے شہر کے مرکزی حصہ میں رات کے ۱۲ بجے یوں راہ گم کر کے، پھر دو گھنٹے میں گھر پہنچ جانا، جبکہ نہ راستہ آتا ہو، نہ نشانات سے متعارف، نہ ہی نقشہ پڑھنے کی مشق ہو، نہ کوئی ہمراہ ساتھی، پاس ڈرائیونگ لائسنس بھی باقاعدہ نہ ہو۔ معجزہ سے کم نہیں۔ جس قدر غور کرتا ہوں اُسی قدر اللہ کے احسانِ خاص کے لیے اُس کے آگے دِل سجدہ ریز ہوتا ہے۔ یا اللہ تیرا شکر کس زبان سے ادا ہو۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ پاشا پہنچا تو سیدھا ہسپتال چلا گیا۔ کسی مریض کے متعلق فکر مند تھا۔

۱۲ اکتوبر ۱۹۷۶ء

ڈاک میں سیکرٹری صاحب کا خط، فجی کے دین صاحب کا خط کچھ سخت ہے کہ کینیڈا کے ساتھ کیوں خط و کتابت نہیں کی۔ نیز ٹرینیڈاڈ میں اُن کا سالہ فوت ہو گیا ہے اور بیوی، پرل، گئی ہوئی ہے اور حافظ شیر محمد صاحب ذیابیطس سے بیمار رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ عبداللہ کا یہ پہلا خط سفر میں آیا۔ صفیہ نے تسلی آمیز خط بھیجا ہے کہ اُن کی بو جی تسلی لکھواتی ہیں کہ میں اطمینان سے کام کر کے واپس آؤں۔ اور اُن کا غم نہ کروں۔ پہلی بار ایسا خط آیا جس سے قلبی سکون ہوا کہ یہ لوگ بھی میری

طرح سوچنے لگے ہیں۔ یا اللہ میری اس عمر و صحت میں یہ سفر محض تیری رضا و خوشنودی کے لیے تھے۔ یا اللہ مجھے اپنی باطنی حالت سے وہ اطمینان نہیں جس کی عمر بھر تلاش میں رہا ہوں۔ یا اللہ تو میری حالت پر رحم فرما کہ میرے اعمال خبط نہ ہو جائیں۔ مجھ سے ایسی غلطی نہ ہو جائے کہ بجائے تجھے خوش کرنے کے تجھے ناراض کر دوں۔ ماسٹر عبدالرؤف کے خط میں پیر معظم شاہ کی عبرت ناک مرض الموت اور حسرت ناک موت کا ذکر تھا۔ اس شخص نے اور اُس کے داماد عبدالقیوم نے احمدیوں کو دُکھ دینے میں حد کر دی تھی۔ قیوم شاہ چند ماہ پہلے گلے کے کینسر کے مرض سے فوت ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔

۱۵ اکتوبر ۱۹۷۶ء

شام اچھی (طارق احمد شوکت) خبر لایا کہ اُسے فرانس سے نوکری کی اطلاع آ گئی ہے۔ اُسے چودہ ہزار ڈالر سالانہ تنخواہ کے ساتھ امریکہ میں فی الحال ٹریننگ کرنی ہوگی۔ پھر جہاں کمپنی کا کام ہوگا بھیجیں گے۔ اظلم حکومت سعودی عرب کی زیادتی کی اللہ نے تلافی کر دی۔ رات باقی ماندہ تیاریٔ سفر کی۔ اللہ تعالیٰ میرے آئندہ کے زیرِ تجویز سفر میرے لیے آسان فرما دے اور اُس میں برکت ڈالے۔ بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَى اللّٰہِ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّتِ اِلَّا بِاللّٰہ۔

۲۰ اکتوبر ۱۹۷۶ء۔ سرینام

عبدو صاحب کے ہاں بمشکل نصف گھنٹہ آرام کیا کہ اگلی منزل کی طرف روانگی شروع ہو گئی۔ عصر کے وقت، سڑک کے دائیں طرف ایک ہال میں جو کافی بڑا تھا تقریر کی۔ حاضری زیادہ نہ تھی۔ دعوتِ عام تھی لیکن غیر احمدی لوگ زیادہ نہیں آئے۔ بہر حال تقریر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے تسلی بخش طور پر ہوگئی۔ اور بعد میں ایک دو اشخاص کے سوالات کے جواب بھی عمدہ ہوئے۔ شام کی اذان ہوگئی اور نمازِ مغرب کے لیے سامنے مسجد میں سڑک کے پار گئے۔ نماز کھڑی ہو ہی رہی تھی اور

امام کے پیچھے نماز سب نے پڑھی۔ نمازیں سب لوگ مل کر ہی پڑھتے ہیں اور کوئی جھگڑا تنازعہ نہیں۔ نمازِ مغرب کے بعد اگلی بستی جو قریب ہی ہے پہنچے۔

جمعہ ۵ نومبر ۱۹۷۶ء۔ٹرینیڈاڈ

فاروق نامی دوست کے ہاں کھانا کھایا۔ یُس اور مسز عزیز احمد بھی ساتھ ہیں۔ موٹر (Mercedes) خود عزیز احمد صاحب نے چلائی۔ پونے ایک بجے مسجد میں پہنچے۔ٹھیک ایک بجے خطبہ شروع ہوا۔ یوسف والد زرینہ بھی موجود تھے۔ رحمان علی بھی ہمارے ساتھ آئے ہیں۔نماز کے بعد کچھ تلاوت ریکارڈ کرنے کو کہا۔ میں نے آل عمران کا آخری رکوع تلاوت کیا۔ اللہ نے خاص درد دل میں پیدا فرمایا اور اثر بخشا۔ بعد میں مسز عزیز احمد کہنے لگیں۔ مجھے کیا معلوم تھا آپ قرآن اتنا اچھا پڑھتے ہیں۔ کیدار (امام مسجد) نے کہا آج میرے پاس خزانہ جمع ہو گیا ہے۔ بہرحال اِس خوبصورت مسجد اور پاکیزہ ماحول میں لطف بہت آیا۔ اور دو رکعت نماز سے پہلے نفل پڑھے تو کئی دنوں کے بعد عمدہ نماز میسر آئی۔ فاروق کے گھر لوٹے اور پونے ایک گھنٹہ کے بعد گھر (عزیز احمد صاحب کی رہائش گاہ) لوٹے۔ فاروق کا چار پانچ سالہ بچہ مجھ سے بے حد محبت کرنے لگا ہے۔ بار بار آ کر میرے ساتھ چمٹ جاتا۔ گودی میں چڑھ بیٹھتا اور کئی طور سے محبت کا اظہار کرتا۔ میں اُس کے اِن سب احسانات کے لیے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

۵ بجے کے قریب گھر پہنچے۔خیال تھا رات کو جلدی سو جاؤں گا۔ سامان کچھ پہلے سے باندھ رکھا تھا۔تھوڑا کام باقی تھا۔آج سلیمہ (عزیز احمد صاحب کی دُختر) اُس کے میاں اور بچے بھی آئے ہوئے ہیں۔ بھاری ڈنر تیار کیا ہے کہ farewell dinner (الوداعی دعوت) ہے۔ بہرحال یہ گھرانہ محبت و مہمان نوازی کا نمونہ ہے۔ چاہتے ہیں کہ سب کچھ ہی مجھ پر نثار کر دیں۔عزیز احمد صاحب عجیب عظمت کا مالک ہے۔ میری ہر مشکل کے متعلق جو امریکہ کے سفر میں پیش آ سکتی ہے اُس کی فکر کر رہا ہے اور علاج سوچ رہا ہے۔ ایک کوٹ منگوایا کہ سردی ہوگی۔ اسماعیل علی صاحب گیانا

والے میرے ہمراہ جا رہے ہیں۔ اُن کے ہاتھ واپس کر دینا۔ ایک Parker کا ball pen دیا ہے کہ تمہارے پاس یہ نہیں اور سفر میں فارم بھرنے پڑتے ہیں۔ میں نے استعمال کے لیے قرآن مانگا تھا تو مجھے مولوی امیر علی صاحب کا استعمال شدہ قرآن دیا تھا۔ جس پر اُس کے نوٹ تھے۔ وہ میں نے واپس کیا تو کہا یہ اُس کی یادگار رہے۔ یہ تو میں نہیں دے سکتا۔ لیکن تمہیں دوسرا دیتا ہوں، تمہارے پاس ہے نہیں اور بیوی کو کہا اسے لا دیں اور نیا delux جلد والا آخری ایڈیشن مولوی محمد علیؒ صاحب کا ترجمۃ القرآن لا کر دیا۔ کہا: "تمہارے پاس ڈالر ہیں"۔ میں نے کہا: "ہیں" تو چپ ہو گیا لیکن اُس کی بیوی نے مجھے بصد اصرار سو ڈالر لا کر دے دیا۔ انجمن کا کوئی حساب ۱۱۵ پونڈ کا اِن کے ذمہ بقایا تھا۔ وہ travelers cheque کی صورت میں مجھے دیا۔ میں انجمن کے حساب میں ووکنگ اکاؤنٹ میں انشاء اللہ جمع کروں گا۔ سلیمہ کے بچے ایک البم لائے جس میں چار تصاویر لگی ہیں، اور کہا باقی آپ خود اور تصاویر لگانا اور ہم بھی بھیجیں گے۔ اِن لوگوں کی عقیدت اور محبت کے لیے میں اللہ سے ہی دُعا کر سکتا ہوں۔

لندن۔ ۱۱ نومبر ۱۹۷۶ء

اکرام کا واقعہ

اکرام کے ساتھ ایک واقعہ جو اُس کے فورٹ بیننگ (Fort Benning) جاتے وقت کراچی میں پیش آیا، اُسے ریکارڈ کرنا اِس لیے مناسب ہے کہ ایسے موقعوں پر انسان کو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان پختہ ہو جاتا ہے۔ اور اس واقعہ کے بعد اکرام کو، جب اُس سے مکالمہ (فون) کے دوران شکاگو کے قیام کے دوران ہوا ہے، اِس رنگ میں فائدہ ہوا ہے۔ اُس کے ایک سابقہ جگری دوست اور اب جانی دُشمن نے اُس کی زندگی تباہ کرنے کے لیے جو حرکت کی اور آخری لمحہ اُس کے ناپاک منصوبے کو کسی طاقت ور ہاتھ نے خاک میں ملا دیا۔

اکرام بتاریخ ۔۔۔۔ کوفورٹ بیننگ جارجیا امریکہ کے ایک آٹھ ماہ کے کورس کے لیے منتخب ہوکر لاہور سے کراچی پہنچا۔ وہاں سے دوسرے جہاز کی روانگی میں کافی توقف تھا۔ اُس کے پاس سامان زیادہ تھا۔ اُس میں سے کم ضروری سامان نکال کر عائشہ رحمان بیگ کے ہاں گیا۔ سامان جو پی۔آئی۔اے مِڈ وے ہوٹل میں تھا کھلا چھوڑ کر اور کمرہ مقفل کر کے گیا تھا۔ جب یہ عائشہ رحمان بیگ کے ہاں تھا تو وہاں ٹیلی فون آیا اور کوئی نام بتایا کہ میں ملنے آرہا ہوں۔ اکرام میرا وہیں انتظار کرے۔ اکرام کہتا ہے کہ صِرف ایک ہی اُس کا سابقہ دوست (اور اب دشمن) ہے، جس کے پاس بیگ کا ٹیلی فون نمبر تھا۔ بہرحال یہ جب پہنچا، تو ہوٹل کے پورٹر نے بتایا کہ اُس کا دوست آیا تھا، اور چابی لے کر کچھ دیر اُس کے کمرے میں انتظار کرتا رہا، پھر چلا گیا۔ اکرام نے اپنا سامان سنبھالا۔ لیکن کہتا ہے کہ جہاز کے لیے اُترنے سے پہلے، اُسے اپنی ماں کی نصیحت یاد آئی کہ قرآن کی آخری دو سورتیں روزانہ کم ازکم ایک بار پڑھ لیا کرنا۔ اس نے سوچا کہ یہ کام سفر سے پہلے شروع ہی کردے۔ اُسے چونکہ سورتیں حفظ نہیں اُس نے قرآن نکالا تو اُسے کچھ وزنی معلوم ہوا اور متعجب ہوا تو غور سے دیکھنا اور پڑتال کرنا شروع کیا، تو دیکھا کہ ایک چپٹی چیز اخباری کاغذ میں لپٹی ہوئی قرآن کے کوّر کے اندر رکھی ہے۔ وہ چرس کی ایک تختی تھی۔ اُس پر جو اُس وقت کیفیت گذری، اُسے سمجھا جا سکتا ہے۔ اُس نے سامان لیا اور نیچے آیا اور اُسی پورٹر کے حوالے وہ چرس کی تختی کی کہ پیچھے یہ کیا ہوا ہے۔ اور چونکہ وقت ہو چکا تھا اندر گیا۔ سامان وغیرہ جب تولا جا چکا اور اندر گیا تو دو افسر آئے (پولیس) کہ آپ کا سامان دیکھنا ہے۔ آپ کے پاس بیگ ہے۔ اس میں کیا کیا ہے؟ اس نے تمام چیزوں کے جن میں قرآن کریم بھی تھا، نام لیے تو کہا ذرا وہ دکھاؤ، اُس میں کچھ نہ پا کر متحیر ہوئے۔ اِکرام نے واقعہ بلاکم و کاست بتایا تو اُنھوں نے معذرت کی اور کہا ہمیں رپورٹ ملی تھی۔ اب سوچیے اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین کے حضور شکر سے سجدہ ریز ہونے کا مقام ہے۔ میں کئی بار شکر ادا کر چکا ہوں۔ اب ایک بار پھر اِس موقعہ پر دو رکعت شکرانہ ادا کرتا ہوں۔

۱۸ نومبر ۱۹۷۶ء

طبیعت بہت اچھی تو نہیں جب پونے پانچ بجے یہ الفاظ لکھ رہا ہوں۔ اندھیرا ہو چکا ہے۔ دِن بھر کھانسی نہیں ہوئی۔ گھر میں آرام کا صبیحہ، پاشا ہر طرح خیال رکھ رہے ہیں۔ اب رُخصت کا دِن قریب آ رہا ہے تو کچھ اور بھی زیادہ محبت کر رہے ہیں۔ (پہلے بھی کمی نہ تھی)۔ میں بھی ابھی سے اُن سے جدائی کے تصور سے، دِل پر اُداسی کا اثر محسوس کر رہا ہوں۔ اکثر اُن کے لیے زیادہ دُعا آ جاتی ہے۔ پھر بھی گھر اپنا ہی، ماں باپ کے سوائے اچھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں، مجھے اور بچوں کی ماؤں کو کبھی بھی اُس امتحان میں نہ ڈالے۔ وہ بیچاری مجھ سے زیادہ ہی حساس ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اَرْحَمْ عَلَیْنَا۔

۲۰ اگست ۱۹۷۷ء۔ سفرِ انگلستان

میرے لیے جہاز کے ٹکٹ اور کئی دیگر معاملاتِ سفر PIA کے ایک نوجوان افسر طارق نے، جو اکرام کا گہرا دوست ہے انتظام کیا تھا اور کئی کئی قسم کی سہولتوں کا بندوبست کیا۔ مجھے اِس سلسلہ میں ایک قدم بھی چلنا نہ پڑا۔ پنڈی میں ہوٹل کے قیام کا بندوبست اور واپسی ٹکٹ براستہ جرمنی، ہالینڈ وغیرہ وغیرہ۔ اُس نے بغیر میرے تردد کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تائید خاص کا پہلا نشان ہوا۔ لاہور ایئرپورٹ پر پہنچا تو صادق نور ابن صالح نور صاحب پہلے منتظر کھڑا تھا۔ میرا پاسپورٹ لیا، سامان خود اُٹھایا اور ساری کارروائی خود کر دی اور پھر جہاز کا ٹکٹ لے کر میرے ساتھ پنڈی ہم سفر ہو گیا۔ یہ دوسرا واقعہ ہوا۔ آگے سعید، صبیحہ اور ارجمند کھڑے تھے۔ سعید ایبٹ آباد سے تھوڑی دیر پہلے پہنچا۔ پھر دِن بھر میرے ساتھ رہے۔ شوکت اسماء بھی پنڈی آئے ہوئے ہیں۔ سعیدہ کے گھر ٹھہرے ہیں۔ ہسپتال میں میجر سعیدالدین ابن محمد دین، حادثہ موٹر کی وجہ سے CMH میں زخمی پڑا ہے۔ اُس کی عیادت کی اور شوکت اسماء سے ملنے گئے۔ ہوٹل میں پہنچے تو فخر الدین صاحب کا بڑا بیٹا جو

ہوٹل میں ہی ٹرانسپورٹ کا کام کرتا ہے، منتظر کھڑا تھا۔ فخر الدین صاحب کا پیغام ملا کہ نمازِ عشاء مسجد احمد یہ (مبارک) میں کم از کم فرض میں پڑھاؤں۔ عرصہ کے بعد راولپنڈی مسجد میں یہ نماز نصیب ہوئی۔

۲۲ اگست ۱۹۷۷ء

چار بجے نماز فجر کا وقت ہوا۔ ایک ملازم ہوٹل مسجد لے گیا۔ basement میں سخت گرمی تھی اور نہایت غلیظ ماحول تھا۔ بس ایک چھوٹا سا غلیظ، شدید طور گرم، بغیر ventilation کے، گندے فرش پر اُس سے بھی زیادہ گندی چٹائیاں پڑی تھیں۔ خستہ میلی کچیلی مزری کی چند ٹوپیاں اور سامنے محراب کا نمونہ رنگ سے بنایا ہوا تھا۔ بہت انقباض ہوا اور مسلمانوں کی (جس کا تعلق اِن ہوٹلوں سے ہے) حالت پر رونا آیا۔ بہرحال نماز پڑھی، پھر گاڑی بھی آ گئی اور ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہوئے۔ سات بجے جہاز روانہ ہوا۔ طارق بخاری نے جس عمدہ سیٹ کی اُمید دلائی تھی وہ موہوم نکلی۔ سٹاف سے تعاون نہ ملا۔ بہرحال استغفار، سورۃ یٰس، اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَ لَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَ لَا یَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ (اے اللہ تُو جو عطا کرنا چاہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تُو روکنا چاہے اُسے کوئی دے نہیں سکتا اور نہ کسی صاحبِ مرتبہ یا دولت مند کو اُس کا مرتبہ یا دولت تیرے بالمقابل کام آتی ہے)، وغیرہ دُعائیں پڑھتا رہا۔ جو تنگ سی سیٹ ملی اُس پر قانع ہو کر شکر کے ساتھ سکون سے بیٹھ گیا۔ اللہ کی اِس میں کئی حکمتیں ہوں گی۔ ھوَ اَعْلَمُ وَ نَحْنُ لَا اَعْلَمُ۔

۲۷ اگست ۱۹۷۷ء۔ انگلستان

میاں فضل احمد صاحب کا فون آیا کہ مِل کر باہم کل کی میٹنگ کے سلسلہ میں گفتگو کر لیں۔ راس سے لے جانے کا اور مقام میٹنگ کے تعین کا کہا۔ اُس نے وعدہ تو کیا لیکن بارہ بجے تک کچھ نہ کر

پایا۔ پھر میاں صاحب کا فون آیا کہ سعادت احمد کے دفتر میں جو Hyatt Market نزد پکاڈلی سرکس واقع ہے، فتح محمد عزیز صاحب بیٹھے ہیں۔ وہ وہاں جا رہے ہیں اور مجھے بھی ٹیکسی لے کر وہاں پہنچ جانا چاہئے۔ بارش برس رہی تھی۔ صبیحہ نے جلدی جلدی سُوپ وغیرہ گرم کیا۔ اور بجائے ٹیکسی منگوانے کے پاشا کو ہسپتال فون کیا کہ کچھ انتظام خود لے جانے کا کرے۔ میں نے سُن لیا۔ کہا: "ٹیکسی پر ہی جاتا ہوں"۔ معلوم ہوا کہ کافی پیسے بھی موجود نہیں۔ بینک کا وقت بھی نہیں رہا۔ بہرحال دو پونڈ میرے پاس تھے۔ تین اُس کے پاس تھے۔ خیال کیا اس میں کام ہو جائے گا۔ اتنے میں پاشا آ گیا کہ دوسرے ڈاکٹر سے ڈیوٹی کا بندوبست کر لیا ہے۔ خود جاتا ہوں۔ فون پر سعادت احمد سے راستہ پوچھا اور موٹر گیراج میں پہنچے۔ بارش خوب تر ہوگئی۔ موٹر میں بیٹھے اور سٹارٹ کی۔ (موٹر مدد علی صاحب کی ہے)۔ اتنے میں صبیحہ بھاگتی ہوئی آئی کہ سعادت صاحب کا فون آیا ہے کہ وہ لوگ خود یہاں آ رہے ہیں۔ میاں صاحب نے تو ایک رنگ میں حکم دیا تھا کہ میں پہنچوں اور ساتھ یہ الفاظ بھی کہے کہ خرچ کرنا ہی پڑتا ہے۔ تاہم اللہ کا کام سمجھ کر میں اور میرا بیٹا دونوں تیار ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے پسند فرمایا کہ ہمیں اس امتحان میں نہ ڈالے۔ اور اپنے تصرف سے اُن لوگوں کے دِل میں یہ بات ڈالی کہ اُنہیں رستے نہیں آتے۔ تلاش میں دیر لگے گی تو خود ہی آ گئے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۲ ستمبر ۱۹۷۷ء

مانچسٹر سے لندن واپسی کا سفر آرام دِہ اور خوشگوار رہا۔ پانچ گھنٹے میں وکٹوریہ کوچ سٹیشن پر پہنچ کر وہاں سے ٹیوب سٹیشن تھوڑی جستجو کے ساتھ آسانی سے مِل گیا۔ وہاں سے چیئرنگ کراس بھی بغیر غلطی کیے پہنچا اور وہاں سے ریلوے سٹیشن معمولی غلطی کے بعد مل گیا اور فوراً ہی تیز رفتار گاڑی مِل گئی اور چالیس منٹ میں تقریباً آٹھ بجے کے ذرا بعد ڈارٹ فورڈ پہنچا۔ ٹیکسی کے لیے کافی دیر انتظار کیا۔ پھر ارادہ کیا کہ پیدل ہی چلتا ہوں۔ بیگ کافی وزنی تھا۔ کندھے سے لٹکایا اور اللہ کو یاد کرتا چلا گیا۔ آتے وقت پیدل ہی آئے تھے۔ رضیہ ساتھ تھیں۔ ایک سیدھے راستے سے آ گئے تھے، وہی

اختیار کیا۔لیکن بجائے صحیح مقام پر دائیں مڑنے کے آگے نکل گیا۔اور مُڑا تو کچھ اور ہی دور نکل گیا۔ دو آدمی کھڑے تھے۔ویسٹ ہِل کا راستہ پوچھا۔ایک نے کہا:"واپس جاؤ پھر اگلے موڑ سے چڑھائی کی طرف جاؤ"۔میں نے کہا:"کتنی دور ہے"،کہا:"پون گھنٹہ لگے گا"۔دوسرا شخص بولا:"موٹر میں بیٹھو میں چھوڑ آتا ہوں"۔منٹوں میں یہ مجھے ہسپتال کے قریب چھوڑ گیا۔میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔میں جتنی دیر بھی پیدل بوجھ اُٹھائے چلتا رہا،طرح طرح کی دُعائیں پڑھتا جاتا تھا۔دِل ایک غیر معمولی پُرسرور کیفیت سے بھرا ہوا تھا۔رات کی تاریکی،اجنبی شہر میں،جہاں اکا دُکا انسان ہی اُس وقت سڑک پر ملتا تھا اور دِل میں یہ تصور کہ یہ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے ہے اور وہ نیّتوں اور ارادوں کو جانتا ہے اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ایک ایسی کیفیت پیدا کر رہا تھا کہ اُس کیفیت سے نکلنے کے لیے دِل میں کوئی خواہش نہ تھی اور تھکان کا کوئی احساس نہ تھا۔بہر حال منزل کے آخری دو چار سو قدم کا فاصلہ جو پھر موٹر سے نکل کر اُس نیک دِل انگریز کا شکریہ کرتے ہوئے نکل کر طے کیا اُس کے متعلق ارادہ کیا کہ اس کا ذکر گھر میں نہ کروں گا۔لیکن پاشا کی جرح اِس قسم کی تھی کہ میں راز نہ رکھ سکا۔وہ ذرا آزردہ ہو کر تھوڑی دیر سر لٹکا کر بیٹھ گیا۔اللہ اُسے بہت اجر دے۔میرا اُسے ہر قسم کا خیال ہے۔

ایک دلآزار طویل خط موصول ہونے پر تاثرات

ایک رنگ میں اچھا ہوا کہ اب جو عزت افزائی اور قدردانی وغیرہ کا نقاب سا ایک زمانہ سے چہرہ پر تھا،اُنہوں نے اُتار پھینکا۔یہ سب کچھ بھی اللہ کی راہ میں ہے۔میں جماعت کو اِس بحران میں چھوڑ کر بھاگ جانے کا اپنی طرف سے کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔اور ابھی مزید کوشش کروں گا کہ وفا کا دامن تھامے رکھوں۔ہاں اللہ تعالیٰ سے میری دردمندانہ اور عاجزانہ التجا ہے کہ جب تک اُس کی نظر میں میری سعی مقبول اور پسندیدہ ہے،مجھے صبر و استقامت کی توفیق نصیب کرتا رہے اور اگر اِس وقت یا آئندہ کسی وقت میرا علیحدہ ہو جانا اور کنارہ کشی اختیار کر لینا،اُس کی نظر میں پسندیدہ فعل ہے اور میرے حق میں اُس میں بھلائی ہے تو وہ خود مجھے میری بھلائی کی راہ پر ڈال دے اور باعزت طور پر

میں اِس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ تَعْلَمُ وَ لَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ تَقْدِرُ وَ لَا اَقْدِرُ۔

۲۱ ستمبر ۱۹۷۷ء

ڈاک میں نظیرالاسلام کا عید کارڈ جس پر خط بھی تھا کہ وہ تعمیل کریں گے، اور لاہور میں بھی میری موجودگی کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ محمد احمد کے خط میں تھا کہ مسعود اختر کا پاسپورٹ ابھی نہیں تیار ہوا۔ زبیدہ سے کچھ زاہد کا حال معلوم ہوا۔ اچھا ہی لکھا ہے۔ راجہ افضل کا خط لگتا تھا روتے روتے لکھا ہے۔ آخر میں حضرت صاحب کے اِن اشعار پر ختم ہوا۔

فکروں سے دل حزیں ہے جاں درد سے قریں ہے

جو صبر کی تھی طاقت وہ مجھ میں اب نہیں ہے

ہر غم سے دُور رکھنا تُو ربِ عالمیں ہے

یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

راجہ صاحب نے میری رُخصت کے وقت کے منظر کا بھی کچھ ذکر کیا ہے۔ میرا دِل بھر آیا۔ اور مولوی عبدالرؤف صاحب نے لکھا ہے، دارالسلام میں عید کی نماز میں ۳۰۰ سے ۳۵۰ تک لوگ مع مستورات حاضر ہوئے۔ ۱۵۰۰ روپے فطرانہ اور چندہ جمع ہوا۔ احمدیہ بلڈنگز میں بھی ۲۰۰ آدمی آئے اور ۵۰۰ روپیہ جمع ہوا۔

۲۲ ستمبر ۱۹۷۷ء

صبح جاگا تو طبیعت قدرے بہتر تھی۔ ساڑھے گیارہ بجے گھر سے روانہ ہوا اور بذریعہ ریل ساڑھے بارہ بجے سے دو منٹ پہلے پہنچا۔ فتح محمد عزیز پہلے پہنچ گئے تھے۔ چند منٹ بعد فیض خان بھی آ

گئے اور بتایا کہ سالسٹر (solicitor) سے ۳:۳۰ بجے کا وقت ہے۔ اُن کا اپنا بازار میں کام تھا۔ مرکزی لندن کے مشہور مقامات لندن میوزیم، پکاڈلی سرکس، ٹریفالگر سکوئر، پارلیمنٹ ہاؤس، ہاؤس آف لارڈز، ۱۰ ڈاؤننگ سٹریٹ، بگ بین وغیرہ مقامات کے پاس سے گذر ہوا۔ پھر ہارلے سٹریٹ وغیرہ سے گذرے اور آخر West Croydon پہنچے۔ عزیز صاحب کو کورٹ کسی مقدمہ کی سماعت کے دوران دیکھنے کا شوق تھا۔ ایک کورٹ میں فیض خان لے گئے۔ اُنہیں لوگ پہچانتے ہیں۔ دفتر کے لوگ اور پہرہ دار وغیرہ۔ ایسے وقت پہنچے جب جیوری اور جج واپس آنے والے تھے۔ یہ کوئی اڑھائی بجے کا وقت ہوگا۔ کورٹ میں بڑا پُر وقار ماحول تھا۔ گنتی کے لوگ تھے۔ جج داخل ہوا۔ usher نے پہلے ہی دروازہ کھول دیا تھا۔ usher نے اعلان کیا سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ پھر جیوری کوئی دس بارہ مرد عورت داخل ہوئے۔

کورٹ کی کاروائی دیکھنے اور سولسٹر سے ملاقات کے بعد ساڑھے چھ بجے فیض خان نے ہمیں واٹرلُو سٹیشن پر پہنچا دیا اور ہم نے اپنی اپنی راہ لی۔ میں نے ریل سے اور عزیز صاحب نے زیرِ زمین گاڑی سے جانا تھا۔ میں کھانا کھا کر نہیں گیا تھا۔ فیض نے گاڑی میں غالباً اپنے لیے دو سیب رکھے تھے۔ ایک مجھے اور ایک عزیز صاحب کو کھلا دیا۔ فراغت کے بعد کسی دکان سے نرگسی کوفتہ کی قسم کی شے خرید لائے اور ایک خود اور ایک ایک ہمیں پیش کی۔ فرج سے نکلی ہوئی منجمد یہ غذا چلتی موٹر میں سب نے کھائی اور پیٹ بھر گیا۔ میٹھے بسکٹ بھی لائے تھے، وہ بھی پیش کیے، اُن کی مہربانی اور مہمان نوازی اب کافی بڑھ چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا اجر ہے۔ کافی محنت ہمارے لیے اور جماعت کے لیے دونوں میاں بیوی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی کوششوں کو اور ہماری مساعی کو بارور فرمائے اور ایک دفعہ لندن مشن کو صحیح مضبوط بنیادوں پر استوار دیکھنے کی خوشیوں سے ہمیں ہم کنار فرما دے۔ وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ○ (اور یہ اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں) (ابرٰہیم ۱۴:۲۰)۔

۳۰ ستمبر ۱۹۷۷ء

فتح محمد عزیز صاحب نے ایک صاحب کی بے اعتنائی اور بے نیازی کا شکوہ اپنے (فون پر) دھیمے انداز میں کیا۔ بلکہ الزام اپنے اوپر ہی لیا، جس میں مجھے بھی شامل کیا کہ ہم چونکہ دیہاتی لوگ ہیں، اس لیے ہم دوستوں کے احساسات کا خیال رکھنے پر اپنی پیدائشی اور بنیادی تربیت کی وجہ سے لحاظ رکھتے ہیں۔ میرا دل پہلے ہی دوستوں کی سردمہری سے جس حال کو پہنچ چکا ہے وہ میرا دِل ہی جانتا ہے۔ جی چاہتا تھا کہ رو پڑوں۔ میں نے بہر حال کہا کہ یہ مجبوریاں ہیں۔ جو بھلائی بھی، جتنی بھی مصاحبت، دین کی راہ میں کوئی ہمارے ساتھ کرے، غنیمت ہے۔ بہر حال باہمی گفتگو سے دونوں طرف دِل کچھ ہلکے ہوئے ہوں گے۔ وہ جلدی واپس جانے کے لیے اب مضطرب ہیں۔ اُن کے عدالتوں میں کیس وغیرہ ہیں۔

۱۳۰ اکتوبر ۱۹۷۷ء

(انگلستان میں نئے مبلغین (ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب، مسعود اختر صاحب) اور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے خلاف غلط پروپیگنڈہ سے آزردگی کی حالت میں تحریر)

یا اللہ! یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور میں ایک کمزور بے خبر تیرا بندہ ہوں۔ اور یہ دو نئے میرے عزیز بھی بُرے انسان نہیں ہیں۔ میں بہر حال اِس موٹر میں، کالی رات کی ایک تاریک سی سڑک، خاموشی کے عالم میں بیٹھا ہوں۔ یا اللہ اگر میری یہ حالت تیری رضا کا موجب ہو تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اگر تو مجھ سے راضی نہیں اور میری کوئی حالت ایسی ہے جس میں نفس کا دھوکا ہے تو پھر بھی میں تیری پناہ ہی میں آکر بچ سکتا ہوں۔ پھر میرا کیا بنے گا؟ پھر ذرا دِل راس کی بے پرواہی سے آزردہ ہونے لگا تو اُس کے لیے استغفار کی اور اپنے دِل کو اُس کے حق میں صاف کرنے کا فیصلہ کیا۔ پھر خیال آیا کہ استغفار تو بہت پڑھتا رہا لیکن دِل پر کچھ اثر نہ تھا۔ یاد آیا کہ ٹرین میں یا کسی وقت آتے

وقت دِن کے وقت قرآن پڑھنا شروع کیا تھا۔ اور سورۃ یٰسں صرف ڈیڑھ رکوع پڑھ کر پھر دِل کسی اور طرف بٹ گیا تھا۔ چلو سورۃ یٰسں پڑھتا ہوں۔ اور توجہ سے پڑھنی شروع کی تو دِل اور رنگ میں پگھلنے لگا۔ پہلے بھی اپنی حالت پر آنسو تو بہا ہی چکا تھا۔ لیکن وہاں پڑھتے وقت دل کچھ اور رنگ میں نرم ہوا۔ جونہی سورۃ یٰسں کی آخری آیات آئیں، فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ پر پہنچا تو رضیہ کی باتوں کی آواز کانوں میں پڑی اور آخری لفظ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ زبان سے نکلے تو یہ معذرت کرتے ماں بیٹا، موٹر میں داخل ہو رہے تھے۔ میرے دِل کا بادِل پہلے ہی برس چکا تھا۔ اور میرا دل بال بھر بھی اُن کی دیری کرنے پر آزردہ نہ تھا۔ اللہ کا شکر کیا۔

• ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۷ء

صبح ۳:۳۰ بجے آنکھ کھلی۔ امریکہ سے واپسی پر پہلی بار پوری نمازِ تہجد نصیب ہوئی لیکن پوری توجہ میسر نہ آئی۔ بہر حال جو ہوا، غنیمت ہوا۔ اللہ بالآخر رحم کر دے تو میں تو اُس کی رحمت کا ایک عمر سے منتظر ہوں کہ مجھے اب نفس اور شیطان کی کشمکش سے چھٹی مل جائے اور موت سے پہلے اُس کی کامِل رضا کا یقین ہو جائے اور میری عاجزانہ کوشش کو کامل قبولیت بخش دے اور مجھے اپنے مقصد میں ناکام نہ کرے۔ مقصد یہی ہے کہ "احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور" پورے طور پر زندہ ہو جائے اور اُسے توڑنے والے اور اُس کی موت کی پیش گوئیاں کرنے والے اپنے منصوبوں میں کامیاب نہ ہوں اور اپنی خواہشات کی تکمیل کو کبھی نہ دیکھ سکیں۔ ہمیں غیب سے ایسے انسان عطا فرما جو اس بوجھ کو اُٹھالیں۔ ظاہری حالات چاروں طرف سے مایوس کرنے والے ہیں اور اکثر لوگ مایوس ہو بھی چکے ہیں۔ اور کچھ اغراض والے لوگ اس کے ساتھ محض اغراض کے لیے چمٹے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالتوں کو سنوار دے۔

۵ نومبر ۱۹۷۷ء

ڈاکٹر فیرنٹ دوپہر کے کھانے پر آرہے ہیں۔ نماز ظہر اور عصر جمع کی۔ ڈاکٹر اور اُس کی بیوی ڈیڑھ بجے (سابقہ ۲:۳۰ بجے) آئے اور ۴:۰۰ بجے تک ٹھہرے رہے۔ نہایت شریف لوگ ہیں۔ ڈاکٹر سے پچھلے سال ہی سے تعلق ہے۔ جب اُس نے میرا چیک اپ صحت کے لیے کیا تھا اور مذہبی امور پر گفتگو بھی ہوئی تھی۔ اس دفعہ پھر اُن کے ساتھ یہ موضوع زیر بحث آیا۔ اسلام کے متعلق بڑی دلچسپی سے اُنہوں نے باتیں سُنیں۔ اثناء گفتگو، میرے گھر کے جلنے کا ذکر صبیحہ نے کر دیا۔ پھر مذہب کے نام پر مظالم (persecution) پر لمبی گفتگو ہوئی۔ عیسائیوں پر قرونِ وسطیٰ میں مظالم کا ذکر بھی آیا اور اسلام میں مجددین کے ساتھ کیے گئے مظالم کا تذکرہ ہوا اور زمانۂ حاضرہ کے مجدد کا ذکر آیا۔ نیک طبیعت کے لوگ ہیں، کافی متاثر ہوئے۔ صبیحہ نے کھانا بھی بہت اچھا پکایا تھا۔ بچوں سے بھی متاثر ہوئے۔ پاشا سے تو ڈاکٹر فیرنٹ بہت خوش ہیں۔ اور اُس کی پرسوں کی ترقی کے سلسلہ میں اُس کی رائے کا بھی بڑا حصہ ہے۔ یہ اللہ کے فضل سے ہے۔

۶ نومبر ۱۹۷۷ء

آج میرے سامنے سخت مسائل پیش ہیں، جن کا تعلق یہاں مزید ٹھہرنے اور ہالینڈ کے دورہ کے متعلق ہے۔ کوئی صحیح مشورہ جس سے قلبی اطمینان میسر آجائے ابھی تک نہیں ملا۔ اب وقت تو صرف چار دِن کا ہے۔ ہالینڈ جانا ہے؟ سیدھے آگے چلے جانا ہے؟ وہاں کتنا قیام؟ یا واپس اور پھر عید کے بعد جانا ہے؟ اس طرف صحت کی حالت، سامان کا وزن، سردی، اپنے لباس کی حالت، ہالینڈ میں مخالف کے گروہ کے حامی، منصوبے کے ماتحت موجودگی۔ میری تنہائی۔ وطن میں جماعتی ضروریات۔ اپنے گھر میں بیمار لوگ، اُن کے احساسات اور مجھ سے اُن کی جائز ناراضگیاں اور شکایات۔ یہاں طبیعت پر طویل قیام کا، پاشا کے ہاں موجود اُن کے حسنِ سلوک کے بوجھ۔ یہ تمام

ایسی باتیں جو مجھے بے چین کرنے والی ہیں۔ تاہم کوئی جذبہ ہے جو آگے چل رہا ہے۔ اپنے اور اپنی کوششوں کے انجام کی فکر اِن سب باتوں سے بڑھ کر فکرمندی کا موجب ہے۔ بس اللہ کا سہارا ہے۔ اُسی سے اُٹھ کر عرض کرتا ہوں۔ یا اللہ مجھے دُعائے مستجاب کی توفیق نصیب فرما۔ دو رکعت نماز پڑھی اور دُعا کی۔

۱۰ نومبر ۱۹۷۷ء۔ ہالینڈ روانگی

۱۲:۳۰ بجے کے قریب بذریعہ ٹیکسی ریلوے سٹیشن تک پہنچے۔ پھر ٹیوب میں واٹرلُو سے ٹوٹنگ۔ ٹوٹنگ براڈوے سے 'احمدیہ ہاؤس' فون کیا۔ (فیض خان آ گئے تھے) تو وہ لے آئے اور سامان رکھا۔ ڈاکٹر نظیر الاسلام نے اپنا اوورکوٹ مجھے دیا۔ میری اس کمی کو میں خود تو محسوس کر رہا تھا۔ جیکٹ سی (anorak) موزوں نہ تھی، بلکہ عجیب لگتی تھی۔ غالباً باقی سب لوگوں کو بھی یقیناً ایسا ہی لگ رہا ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب نے اوورکوٹ پیش کیا۔ میں نے اپنا جیکٹ اُنہیں دے دیا۔ یہ سہولت اللہ نے اپنے اُس تصرف سے جو دلوں پر فرماتا ہے، میرے لیے چھوٹی چھوٹی سہولتیں بھی بہم مہیا فرما کر ذرہ نوازی فرماتا ہے۔ خود بخود ضرورتیں پوری فرماتا رہتا ہے۔ الحمدللہ۔

۲۳ نومبر ۱۹۷۷ء

نمازِ فجر کے بعد کیسٹ (cassette) پر قرآن کریم کا آخری پارہ جو پہلے سے میرے پاس اُس کی ترتیل ریکارڈ شدہ ہے، گیانا کے نوجوان وزیر محمد کے لیے تیار کی۔ پاشا نے مدد کی اور صفورہ کی معرفت اُسے بھیجی۔ ایک پرانا مطالبہ اور میرا وعدہ پورا ہوا۔ الحمدللہ۔ لاہور میں یہ کام مشکل لگتا تھا۔ یہاں بار بار پاشا کو کہتا، کچھ موقعہ نہ ہی ملا۔ آج آخر خود ہمت کرنے سے ایک بوجھ دِل سے اُترا۔ وعدہ سوچ کر ہی کرنا چاہئے۔ لیکن کرے تو ہر قیمت پر پورا کرنا مناسب ہوتا ہے۔ اللہ مجھے سمجھ اور نیکی کی توفیق بخشتا رہے۔ اب یہاں کا قیام بھی اس قدر طویل ہو چکا ہے کہ "در خدمتِ مرداں یارِ شاطر

باشم نہ کہ بارِ خاطر" کے مصلحتوں اور حکمتوں کے قول کے خلاف ہے۔(لوگوں کی صحبت میں چست یار بنوں نہ کہ طبیعت کا بوجھ)(گلستانِ سعدی)۔اللہ تعالیٰ میرے پاشا کو اتنا عظیم اجر نصیب فرمائے کہ ایسے محسوس ہونے لگے کہ اُس کی اِس قربانی کا صلہ بڑھ چڑھ کر ملا ہے۔ ماں باپ کی خدمت بھی قرآن کی رو سے اعلیٰ بات ہے۔لیکن یہ تو ایک دینی امر بھی ہے۔اللہ کی طرف سے عین اُس زمانہ میں پاشا کا ورود اور موجودگی اُن اسباب میں سے نظر آ رہی ہے جو میرے ایسے سفر کو ممکن بنا دینے میں مدد ہوئے ہیں۔ اگر اللہ کے ہاں میری یہ سعی قبول ہو جائے تو اس کی ذرہ نوازی ہے۔ ورنہ میں تو سخت خائف رہتا ہوں اور میری کوششوں کا نتیجہ حسب منشا نہ نکلے جیسا کہ ظاہری مشکلات سے ہر وقت اندیشہ ہے تو یہ کس قدر اندوہناک امر ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس سے بچائے۔ جب ظاہر اسباب بالکل بھی ختم ہو جائیں تو اللہ کی قدرت کا ہاتھ بگڑی بنا سکتا ہے۔ ایسے نامساعد حالات میں ہم عاجزوں کے لیے بجز اللہ کے حضور گریہ وزاری کے کیا چیز ہے۔ یا اللہ اپنی بارگاہ سے کبھی بھی مایوس نہ کرنا کیونکہ مایوسی کو تیری کتاب میں کفر کہا ہے۔ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ۔اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ اللہ کی رحمت سے سوائے کافر لوگوں کے اور کوئی مایوس نہیں ہوتا۔(یوسف ۱۲:۸۷)۔اَللّٰهمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْ همْ۔ آمین۔

۱۶ جولائی ۱۹۷۸ء تا ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۸ء

۱۹۷۴ء کے بعد پہلی بار ۱۶ جولائی ۱۹۷۸ء کو ایبٹ آباد دو ماہ کے قیام کے ارادہ سے پہنچے۔اپنے مکان کے باقی ماندہ کے خالی حصہ میں جو مسجد کے ملحق ہے رہائش پذیر ہوئے۔ ۲ اگست ۱۹۷۸ء کو رحمان صاحب پرنسپل ایبٹ آباد پبلک سکول کی وفات کا حادثہ لاہور میں پیش آیا۔ چھ دن کے لیے لاہور آئے اور واپس گئے (میں اور والدہ محمد سعید)۔ ۷ اگست کو پہلا روزہ تھا۔رمضان کے روزے رکھنے نصیب ہوئے۔ کمزوری جسمانی تو تھی لیکن وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ آیت قرآنی

اور حضرت صاحب کی ایک تحریر کی بنا پر روزے رکھ ہی لیے۔ الحمدللہ۔

۲۱ ستمبر کو جمعہ پشاور میں پڑھا اور ۲۲ ستمبر کو لاہور پہنچا۔ والدہ محمد سعید ۱۹ اکتوبر بعد میں آئیں۔ انجمن نے فیصلہ ستمبر کے شروع ہی میں کیا اور مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں بیرونی دورہ کروں۔ اکتوبر شروع میں مجھے فلو کی قسم کی تکلیف شروع ہوئی اور کافی طول پکڑ گئی۔ کمزوری کافی ہو گئی۔ تاہم سفر کا ارادہ قائم رکھا۔ واپسی ٹکٹ پاشا کو بھیجنے کا لکھا۔ اِس میں کچھ دیر لگ گئی۔ بالآخر آ ہی گیا۔ سٹیٹ بینک نے NOC جو ڈاکٹروں کے لیے لازمی ہے لینے کا تقاضا کیا۔ عزیزم محمد احمد کچھ بھاگ دوڑ کرتے رہے۔ بالآخر تمام مراحل طے ہوئے۔ میری طبیعت اِس دوڑ دھوپ میں مزید بگڑتی رہی۔ تاہم جو ارادہ کر چکا تھا اس پر قائم رہا۔ اور ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو لاہور سے سوا گیارہ بجے دن PIA فلائٹ 303 سے ایک بجے کراچی پہنچا۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۷۸ء۔ جوائس گرین ہسپتال ڈارٹ فورڈ (انگلستان)

رات پھر کمرہ زیادہ گرم ہو گیا اور جب آنکھ رات کو کھلی تو گرمی لگ رہی تھی۔ پونے تین بجے پوری نیند کُھل گئی۔ چار رکعت تہجد پڑھی۔ تھک گیا۔ وتر لیٹ کر پڑھے اور آدھ پون گھنٹے کے لیے آنکھ لگ گئی۔ ٦ بجے فجر کے لیے جاگا۔ پاشا شامل ہو گیا۔ مجاہد نے بھی ساتھ دیا۔ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ○۔ (میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی، میرے رب اور میری دعا کو قبول فرما) (ابراہیم ۱۴: ۴۰)۔ غسل سویرے سویرے کر لیا۔ ناشتہ کے بعد پہلی بار گھر سے باہر نکلا۔ موسم سخت ابر آلود ہے۔ تقریباً آدھ میل سڑکوں پر پھر کر واپس آیا۔ صحت اور بیماری میں کتنا بڑا فرق ہے۔ تھکان معمولی ہوئی لیکن طبیعت پر خوشگوار اثر ہوا۔ اللہ تیرا شکر ہے۔

۱۹ نومبر ۱۹۷۸ء

آج صبح کی نماز میں جس میں پاشا شامل ہوا۔ رقت پیدا ہوئی۔ اپنے بچوں میں سے پاشا اور عبداللہ کو خاص موقعے میری یا ہماری خدمت کے ملے ہیں، جو خدمت دین کی راہ میں تھی۔ اُن کی بیویوں نے بھی فراخ چشمی کا نمونہ پیش کیا ہے۔ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (اور کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا) (ال عمران ۳:۱۷۱)۔ نماز کے بعد دِل بھر آیا اور رَبَّنَا وَ اجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَ مِنۡ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبۡ عَلَيۡنَا اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ○ بے اختیار اونچی آواز سے پڑھنے لگا تو رقت میں اضافہ ہوا اور ہم دونوں نے ہاتھ اُٹھا کر خاموشی سے دُعا کی۔ (اے ہمارے رب ہم کو اپنا فرمانبردار بنا، اور ہماری نسل سے ایک گروہ اپنا فرمانبردار (بنائیو) اور ہمیں ہمارے اعمال بتائیو اور ہم پر رحمت سے توجہ فرما، تُو رحمت سے توجہ فرمانے والا، رحم کرنے والا ہے) (البقرۃ ۲:۱۲۸)۔ زیادہ تر اپنی اولاد کے لیے اور کچھ اپنی پیش آمدہ مشکلات کے لیے۔ آج نماز تہجد میں آیت اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَ يَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ بھی آئی تھی۔ (بھلا کون بیقرار کی فریاد کو پہنچتا ہے جب وہ اُسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین میں حاکم بناتا ہے) (النمل ۲۷:۶۲)۔ یا اللہ میں واقعی مضطر ہوں۔ کم از کم میں یہی محسوس کرتا ہوں۔ تو میرے ساتھ بھی یہی سلوک فرما جس کی اس آیت میں بشارت ہے۔

یکم دسمبر ۱۹۷۸ء۔ ہالینڈ، مسافرت کے امتحان اور صبر و برداشت

ہمیں رخصت کر کے پاشا اور مسعود، راس کے ہمراہ رُخصت ہوئے۔ اندر گئے تو ہماری فلائیٹ ایک گھنٹہ لیٹ تھی۔ بجائے ۵:۳۰ کے ۶:۳۰ بجے روانہ ہوئی، جو ہالینڈ کے ۷:۳۰ کا وقت تھا۔ اور ہالینڈ کے وقت کے مطابق ۸:۳۰ بجے ایمسٹرڈیم پہنچے۔ ایروڈروم پر نور سردار، جگو

صاحب، فاضل رمضان، زمرد، محمد دین اور شکور حسینی اور اُن کی بیگم، جگو صاحب کی بیوی بھی، اور دو تین اور خواتین اور کچھ نوجوان موجود تھے۔ فوٹو، ہاروں وغیرہ کی رسم کے بعد ہمیں انجمن کی مسجد کے اوپر فاضل رمضان کے فلیٹ پر اُن کے مہمان کے طور پر ٹھہرایا گیا۔ کچھ عجیب قسم کے احساسات اور خیالات دل میں پیدا ہوئے۔ کچھ سرد مہری سی محسوس ہوئی۔ نور سردار اور اُن کی بیگم، عبدالشکور اور بیگم بھی ساتھ آ گئے تھے۔ کھانا سب نے کھایا۔ وہ رخصت ہوئے۔ ہمیں کمرہ دو جڑے ہوئے پلنگوں کا دیا گیا۔ اندر گرم کرنے کا کچھ انتظام نہ تھا۔ گرم پانی کی ایک بوتل دے دی۔ ایک ایک کمبل دیکھ کر ڈرا اور کچھ دبی زبان میں سردی کے ڈر کا اظہار کیا تو ایک ایک کمبل اور لا دیا۔ غسل خانہ، بیت الخلاء سامنے ہی تھا، لیکن روشنی کا سوئچ کہاں ہے پتہ نہ بتایا۔ ہمیں شب بخیر کہہ کر رُخصت ہوئے۔ اب میں اور ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر نظیر الاسلام) کچھ حیرت زدہ تو تھے ہی، خاموشی ڈاکٹر صاحب نے توڑی اور اندیشوں کا اظہار شروع کیا۔ خود اُس سے اوپر کے گرم کمروں میں وہ سوتے ہیں۔ میں نے تمام گرم کپڑے، سوائے کوٹ کے پہنے رکھے۔ لیکن سردی لگتی ہی رہی۔ درمیان میں رمضان صاحب آئے اور کہا دروازہ کھلا رکھیں۔ دوسرے کمرے سے (drawing room) گرمی آنے کا کچھ خفیف فرق اُس سے پڑا ہوگا۔ نیند تو کہاں آنی تھی۔ اللہ کو یاد کرتا رہا اور صبر و استقامت کی دُعائیں۔ پہلے خیال آیا کہ Ativan کھاؤں لیکن اُٹھنے کی ہمت ہی نہ تھی اور دوسرا کچھ کراہت بھی آئی کہ یہ کمزوری ٹھیک نہیں۔ اللہ پر بھروسہ کرو۔ اور اندر سے دِل میں کچھ تقویت اللہ کے تصور سے ملتی رہی۔ بیمار پڑنے کا خوف آتا تو اُسے دھکا دینے کی سعی کرتا رہا۔ ذرا ایک غنودگی آنے لگی تو سامنے غسل خانہ میں کسی نے پانی کا پلگ دبایا تو بڑی کرخت آواز اور پانی کی گڑگڑاہٹ نے چونکا دیا۔ بہر حال پیشاب بوجہ سردی اور کمزوری بار بار آنے لگا۔ تین بار اندر کم از کم گیا اور واپس آیا۔ سوئچ معلوم نہ تھا۔ دروازہ کھلا چھوڑ کر گیا۔ ایک بار پھر نیند آئی تو ڈاکٹر صاحب نے، جواب گہری نیند میں جا چکے تھے، خراٹے لینے شروع کیے تو میری نیند کی بات ہی ختم ہوگئی۔ میں اُٹھا اور کمبل میں اپنے آپ کو لپیٹ کر بیٹھ کر نماز پڑھنی شروع کی۔ کمزوری اور بخار جیسی کیفیت اور ساتھ سردی کا احساس وغیرہ کے ساتھ۔

جو بن پڑا، لیکن ایسی حالت کی نماز سے دِل کو سکون نہ ملا، کیونکہ وساوس اور تدابیر دِل میں پھرتیں۔ بہرحال اس کے بعد پھر لیٹ کر کچھ نماز پڑھی۔ اب صبح دور تھی پھر ذرا نیند آنے لگی تو پھر خراٹے۔ آخر صبح کی نماز کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ڈاکٹر صاحب بھی اُٹھ گئے اور نماز شروع کی تو کسی کے آنے کی آہٹ آئی۔ میرا خیال تھا فاضِل ہیں۔ سلام پھیرا تو زمرد تھیں۔ جو دوسری رکعت میں شامل ہوئی تھیں۔ چائے کا پوچھا تو ہم نے کہا ٹھیک ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ سردی اور تکلیف کی ہرگز شکایت نہ زبانی نہ اشارتاً اور نہ کسی ظاہری عمل سے اُن سے کریں۔ شکر ہے کہا تھا کیونکہ اُنہوں نے بتایا کہ وہ تو کہنے والے تھے۔ میں نے کہا اللہ خود تجویز فرمائے گا۔ اور میں نے کچھ سوچا بھی ہے۔ میری سوچ تو چنداں اچھی نہ تھی، لیکن اللہ نے جو کچھ اگلے روز کیا اُس کا کیا لکھوں۔ یا اللہ تو اپنے عاجز بندوں پر کس قدر مہربان ہے۔ اس چھوٹے سے امتحان پر صبر پر اتنا فضل ہے۔ میرا تو دِل ہی کچھ محسوس کر سکتا ہے۔ کیسے تیرا شکر ادا کروں۔

۲ دسمبر ۱۹۷۸ء

نماز، چائے کے بعد زمرد نے کہا آپ ڈرائنگ روم میں کاؤچ پر آرام کریں۔ وہاں ہیٹر ہے۔ میں نے غنیمت جانا۔ اُس نے کمبل لا کر صوفہ پر بچھا دیا۔ اوپر اوڑھنا ہو گیا تکیہ بھی دے دیا۔ لمبا کافی نہ تھا، لیکن جو تھا غنیمت تھا۔ جب اطمینان سے لیٹا تو چھوٹے سے طوطے نے جو پنجرہ میں کمرے میں تھا، رنگا رنگ بولیاں، سیٹیاں شروع کر دیں اور زندگی منقبض کر دی۔ یا اللہ یہ ایک اور امتحان ہے۔ نیند تو نہ آئی لیکن سردی دور ہوئی۔ ساڑھے دس بجے تک گھر میں خاموشی رہی۔ اس اثناء میں غسل خانہ وغیرہ کی طرف سے فراغت کر لی، لیکن نہانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ کسی نے نام ہی نہ لیا اور سرد غسل خانے میں نہانا مناسب بھی نہ تھا۔ یہ پروگرام ترک ہی کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب سُوٹ پہن کر آئے، اس میں نسبتاً سردی کم لگتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے اور تھوڑی نیند اُن کے لیے کافی ہوتی ہے۔ الحمدللہ۔ بہرحال دن بھر جسم گرم رکھنے کی لباسی تدابیر جو سمجھ میں آئیں اختیار کیں۔ اچھا بھلا آدمی بن

گیا۔ دِل کے پروگرام مثلاً عبدالرزاق صاحب کے گھر چلے جائیں۔ پروگرام میں ایک دِن کی کمی کر دیں وغیرہ پر نظر ثانی کی۔ بات سمجھ میں آ گئی کہ ڈرائنگ روم میں آئندہ رات سوؤں گا۔ ڈاکٹر صاحب اندر خوش ہیں۔ طوطے کے لیے گھر والوں سے کہوں گا کہ کہیں اور رات بسر کرائیں اور گذارا انشاء اللہ ہوگا۔ اس کے بعد دن اطمینان سے شروع کیا۔ سر درد صبح سے شروع تھا Paracetamol دو گولیاں کھالیں۔ پھر ہونے لگا تو HPC ایک زمرد نے لا دی اور شام کو ایک Paracetamol اور کھالی۔ اچھے مہمان کی طرح رویہ اختیار کیا۔ گھر کی فضا میں کچھ حرارت پیدا ہوئی۔

حالات بدلنے سے انسان کیسے بدلتے ہیں۔ ایسے حالات میں، میری یہی دُعا ہے کہ اللہ پردہ پوشی فرمائے اور ہمیں باوجود سب باتوں کے صبر اور بزرگی عطا فرمائے۔

۱۰ اگست ۱۹۷۹ء۔ ایبٹ آباد

لاہور سے ایک باخبر ذریعہ سے اطلاع آئی کہ سعید کی ترقی ابتدائی بورڈ میں (Regional) نہیں تجویز کی گئی تھی۔ اوپر والے بورڈ کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کے تصرف سے انصاف کی توفیق ملی۔ سعید نے قبل ازیں فارموں کے سلسلہ میں جس جرأتِ ایمانی کا نمونہ پیش کیا اور کورٹ مارشل تک کے لیے بھی نوبت آنے لگی، اُس خطرہ کو بھی اللہ نے ہی روکا تھا۔ اب یہ دوسرا احسان ہوا۔ احمدیت کی راہ میں یہ امتحانات اب ہماری زندگیوں کا ایک حصہ ہیں۔ رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّ ثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا۔ (اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ) (البقرۃ ۲:۲۵۰)۔

۱۱ اگست ۱۹۷۹ء

چند روز پہلے میں نے کچھ ایسے الفاظ سنے یا عالمِ خواب میں، یا نیم بیداری میں خیال گذرا کہ میری موت کا وقت اب زیادہ دور نہیں۔ آج صبح ۲ بجے سے پہلے جو میرا جاگنے کا وقت تھا اور نیند

سے جاگ ہی رہا تھا کہ یہ کیفیت وارد تھی کہ میری موت گویا آ ہی رہی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ مجھے دیب گراں اپنے محبوب خاندانی اور جماعتی قبرستان ہی میں دفن کیا جائے گا (جو عرصہ سے میری خواہش چلی آ رہی تھی کہ مجھے اپنے دادا صاحب کے پہلو میں جانب شرق جو اُن کی اور میری دادی کی قبر کے درمیان صرف ایک قبر کی جگہ خالی پڑی ہے، وہاں دفن کیا جائے)۔ اور میں تدفین، جنازہ وغیرہ کے ہر طرح کے پہلوؤں پر سوچ رہا ہوں اور طبیعت پر ذرا، کوئی فکرمندی یا حزن یا کوئی بھی ناخوشگوار اثر نہیں۔ اور یہی خیال بدستور ساتھ شامل رہا، یہاں تک کہ اسی خیال کے ساتھ بالکل جاگ اُٹھا اور طبیعت پر خوش گوار اثر قائم رہا، بلکہ ایک گونہ دِل مطمئن سا تھا۔ پھر نماز میں دُعاؤں کا موقعہ بھی ملا۔ اور میں نے اللہ تعالیٰ سے یہی دُعا اس خواب کے سلسلہ میں کی کہ مجھے ابھی اس قدر مہلت کی ضرورت ہے کہ اپنی جماعت کو اُس کی موجوہ حالت کی نسبت بہتر اور زیادہ استوار حالت پر دیکھ پاؤں۔ اور سابقہ پرانی اپنی خواہش اور حضرت سید اسد اللہ شاہ صاحب کے کشف والہام کے مطابق ابھی چند سال میری عمر کے جو دکھائی گئی تھی باقی ہیں۔ اُن میں کمی نہ کی جائے اور اس وقت میری تمام مرادیں اپنی جماعت کے متعلق اور اپنے متعلقین کے متعلق پوری ہو جائیں اور میرے نیک ارادے پورے ہو جائیں اور دُنیا سے جاتے وقت کسی ناکامی، نامرادی کا رنج دل کے ساتھ نہ ہو اور نفسِ مطمئنہ نصیب ہو۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ۖ ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً ۚ فَادۡخُلِىۡ فِىۡ عِبٰدِىۡ ۙ وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِىۡ ۚ

(اے اطمینان پانے والی جان! اپنے رب کی طرف لوٹ آ تُو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ سو میرے بندوں میں داخل ہوجا۔ اور میری جنت میں داخل ہوجا) (الفجر ۸۹: ۲۷ تا ۳۰)۔

آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۲۴ اگست ۱۹۷۹ء۔ جمعتہ الوداع، دارالسعید ایبٹ آباد

پچیس تیس آدمی اور دس بارہ خواتین نماز کے لیے آئیں۔ عبدالغفور، عبدالرحمان، صالح محمد، ملک فیض عالم، بدرزمان دیب گراں سے۔ ماسٹر عبدالرؤف داتہ سے۔ بشیر اور میری فیملی۔ احمد صادق، پروفیسر صاحب اور اُن کی فیملیاں۔

۲۵ اگست ۱۹۷۹ء

الحمدللہ۔ عید کا دِن آیا اور اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان کہ تیس روزے، تیس راتیں متواتر گیارہ گیارہ رکعت نماز تہجد محض اپنی رحمت سے نصیب فرمائیں اور صحت برقرار رہی۔ جماعت کے ایک ایک فرد کے لیے جو بھی یاد آسکے، جو فوت ہوگئے ہیں یا زندہ ہیں موجود ہیں، پاکستان میں اور دُنیا کے ہر ملک میں، جہاں جہاں وہ آباد ہیں اور مجموعی طور پر جماعت کے لیے، اپنے اعزہ کے لیے اور جن لوگوں نے دُعاؤں کا لکھا، یا فرمایا اور اُس کی فہرست میں نے بنا رکھی تھی، دُعاؤں کا موقعہ نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

عید ملنے معدود سے چند انسان آئے۔ جس کا کوئی افسوس نہیں۔ میں خود سوائے تین چار لوگوں کے، جب سے آیا ہوں، کسی کو خود بھی ملنے نہیں گیا۔ نہ ملنے کے لیے امنگ پیدا ہوئی۔ دو تین لوگوں کو صرف اس لیے ملا کہ تعزیت کرنی تھی۔ البتہ صاحبِ غرض لوگ مقامی اور بیرونی بھی متفرق محض بیماری کے سلسلہ میں آتے رہے۔ اوسطاً دو تین روزانہ۔

۱۰ نومبر ۱۹۷۹ء۔ میکسیکو

بازار لے گئے۔ عبداللہ، انجم نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ میرے لیے ایک سفری بکس خریدنا ہے۔ انگلستان سے آتے وقت میرے اپنے دل میں خیال گذرا تھا کہ میکسیکو جا کر ہوسکا تو موزوں تر

بکس خرید لوں گا۔ تصرفِ الٰہی کا کرشمہ ہے کہ ادھر میرے پرانے بکس کو ایئرپورٹ پر ہی دیکھ کر یہاں دلوں میں یہ تحریک پیدا ہوئی۔ عبداللہ مہنگا لیکن چرمی بکس چاہتا تھا۔ میں سستے دیکھ رہا تھا۔ بالآخر عبداللہ کا خیال اور ارادہ غالب رہا۔ مختصر یہ کہ Samsonite کا ایک بکس جس کے نیچے دو پہیے لگے ہوئے تھے، چنا گیا۔ اور اُسی میٹیریل کا ۵۰۰ سے زائد پیسو (peso) کا ایک دستی بیگ بھی خریدا۔ کل رقم ۱۵۰۰ پیسو جس میں دس فیصدی discount قیمت diplomat عبداللہ کا وضع ہوا۔ peso ہمارے ۵۰ پیسوں کے برابر ہے۔ میرے دل پر کچھ بوجھ ہی رہا۔ دو روز بعد روانگی کے دن سحری کی نماز کے لیے اُٹھا تو بیگ کو نہ لینے کا عزم کر لیا اور سارا سامان بکس میں پورا ہو گیا۔ ساتھ پاشا کا ہلکا بریف بیگ تھا۔ کاغذات اُس میں رکھ لیے۔ بوجھ کچھ کم ہوا۔ یہ قیمتی بیگ سٹور کو واپس ہو سکتا ہے۔ عبداللہ، انجم جب آئے تو اُن سے معذرت کر کے بیگ کی واپسی کا معاملہ پیش کیا۔ خاموش ہو گئے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مجھے بہت کچھ ہی دے دیں۔ تینوں بچوں کا بھی یہی تقاضا ہے۔ رومالوں کا ایک ڈبہ دینے لگے۔ میں نے دو رومال لیے۔ انجم کے اصرار پر ایک اور لیا۔ ہِنا، یحییٰ، محمد علی سب نے باری باری تقاضہ کیا اور سب ہی لے لیے۔ کافی اچھے رومال ہیں جو انہیں کسی نے تحفہ دیئے تھے۔

دکانداری سے فارغ ہو کر بازاروں کی سیر موٹر میں کرائی۔ بڑی بڑی عمارتیں، کشادہ سڑکیں، سینکڑوں مجسمے، باغات اور ان میں birthday پارٹیاں، تفریح کے مقامات اور سامان۔ بہت بڑا شہر۔ ایک بڑی مستعد و محنتی اور جذبہ حب الوطنی سے معمور قوم ہے۔ پرانا میکسیکو کا یہ شہر۔

جمعہ کی شام (رات) کو بچوں کا سکول بھی دیکھا۔ عجیب حالات دیکھے۔ ہم کہاں ہیں اور دُنیا کہاں۔ ہمارے لیے یہ سب قدرت ہے۔

۲۱ فروری ۱۹۸۰ء۔ لاہور

سیکرٹری کا دفتر دارالسلام میں (کافی تر ددات اور شکوک کی فضاؤں میں) احمدیہ بلڈنگز

سے آ رہا ہے۔ کچھ سامان آنا شروع ہوا ہے۔

یکم مارچ ۱۹۸۰ء

دارالسلام میں دفتر انجمن کا پہلا دِن۔ اعظم علوی صاحب ہیڈ کلرک اور دو کلرکوں نے حاضری دی۔

۴ مارچ ۱۹۸۰ء

نمازِ مغرب کے بعد ایک شخص رب نواز، سکول ماسٹر، طالب علم، ماسٹرز ایجوکیشن، یونیورسٹی کیمپس سے ٹیکسی لے کر آیا۔ بعد از نماز تعجب سے پوچھا کہ ہم لوگ مسلمانوں کی نماز پڑھتے ہیں۔ پھر کیوں کافر کہلاتے ہیں؟ دلچسپ گفتگو ایک گھنٹہ رہی۔ باشندہ کلیم علاقہ خان پور کا رہنے والا ہے۔ اُسی وقت گل حسن علاقہ کیمبل پور کے، حافظ عبدالرؤف کو ملنے آئے۔ مری کے مضافات میں، گھی مل کی مسجد میں امام ہیں۔

۶ نومبر ۱۹۸۰ء

چودھویں صدی ہجری ختم ہو رہی ہے۔ اور پندرھویں صدی کا آغاز اس انداز میں؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

۶ جون ۱۹۸۱ء۔ نیدرلینڈ

رفیق (میزبان) میرے لیے ایک کاپی خرید لائے ہیں۔ کل ایک منگوائی تھی۔ وہ زیادہ بڑی تھی۔ اُس کے علاوہ اُن سے ذکر کیا تھا کہ mini cassette recorder کی قیمت دریافت کر آئیں۔ دو روز پہلے کی بات ہے۔ آج انہوں نے ایک Sony کا mini recorder لا کر میرے

سامنے رکھ دیا ہے جو بہترین ہے اور قیمت دوسوڈالر کے قریب ہے۔ قیمت لینے دینے کا سوال ہی پیدانہیں ہونے دیا۔ میرا خیال تھا کوئی معمولی، میں خریدوں گا۔ بہرحال عجیب تحفہ اور عجیب واقعہ ہے۔ میں نے اُن کے حق میں جزائے خیر کی دُعا کے ساتھ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ مجھ سے اگر قیمت دریافت کرانا، ایک قسم کا باریک رنگ مانگنے کا تھا تو اللہ مجھے معاف فرمائے۔ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ کی طرف میرا خیال جاتا ہے تو دِل میں خلش ہوتی ہے۔ (اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اُسے چھپاؤ، اللہ اُس کا تم سے حساب لے گا) (البقرۃ ۲: ۲۸۴)۔ عجیب cassette recorder ہے۔ اللہ مجھے اس سے دین کی خدمت کے کام میں استفادہ کا موقعہ نصیب فرمائے اور اس میں اپنی برکت اور رضا شامل فرمائے۔

۱۲ جون ۱۹۸۱ء۔ برلن

(جمعہ) خطبہ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ ------الخ، رکوع پڑھ کر دیا۔ (البقرۃ ۲: ۲۸۴ تا ۲۸۶)۔ اللہ کی رحمت کو شامل حال پایا۔ کیسے شکر ادا کروں۔

مجھے رفیق عبدالرزاق نے قیمتی Sony Mini Recorder لے کر دیا ہے۔ عجیب چھوٹا آلہ ہے۔ خطبہ ریکارڈ کیا۔ کسی کو پتہ ہی نہیں چلا کہ ریکارڈ ہو رہا ہے۔ خطبہ کا podium عمدہ اور عجیب ہے۔ اُس پر قرآن کریم اور ریکارڈر رکھ دیا۔ خطبہ ختم ہونے پر جیب میں ڈال لیا۔ کمرہ میں آ کر ذرا سا سُنا۔ بہترین ریکارڈنگ بڑے ریکارڈر سے بھی بہتر۔ اللہ رفیق کو جزا دے اور مجھے اس آلہ کو خدمتِ دین اور خوشنودیٔ مولا کے کاموں میں استعمال کرنے کی توفیق دیتا رہے۔

نماز پڑھ کر واپس آئے تو اچانک "گلو" کا ٹیلیفون آ گیا۔ کہا ہینوور (Hanover) سے بول رہا ہوں۔ خلافِ قانون مجھے ملنے برلن آ رہا تھا تو پولیس نے یہاں پکڑ لیا۔ تین گھنٹے کی تحقیق کے

بعد تنبیہہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت کی تو واپس پاکستان بھیج دیا جائے گا۔ انتہائی خلوص کا اظہار کیا۔ میں نے کہا یہاں مسجد کی ممبر شپ قبول کریں اور چندہ ماہوار انجمن کے حساب میں ہر ماہ دیا کریں۔ بہت خوشی سے قبول کیا۔ پوچھا: "کتنا چندہ ماہوار دو گے"۔ تو کہا: "ایک سو مارک کافی ہوگا؟" اُس کی فیاضی پر خوشگوار تعجب ہوا۔ میں نے کہا: "کم دو مگر باقاعدہ دو"۔ تو کہا: "مسجد کو جتنا دیا جائے کم ہے"۔ بہر حال مجھے کہا پتہ تفصیل لکھ کر بھیج دوں چنانچہ اب خط لکھوں گا۔ پھر کہا کہ کل پھر فون کروں گا۔ اور مجھے فرینکفرٹ ایئرپورٹ پر ملنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے کہا: "پھر قانون کی خلاف ورزی مت کرنا"۔ کہنے لگا: "کوشش ضرور کروں گا۔ آپ کے قدموں میں حاضر ہونے کو بہت دِل چاہتا ہے"۔ پھر خانگی باتیں کیں۔ دو ممبر تو ہو گئے تیسرا ممبر لطف المنان ابن مرزا الطیف میرے مدنظر ہے۔ فون کیا تو نمبر سے جواب نہ آیا۔

۲۴ جون ۱۹۸۱ء۔ انگلستان

پھر ڈارٹ فورڈ پہنچے۔ زبیدہ بینک سے حساب بند کر کے روپیہ لانے گئیں اور میں ویسٹ ہِل ہسپتال میں ڈاکٹر فریرینٹ کو ملنے کے لیے داخل ہوا۔ خلاف میری ہدایت کے یہ لوگ جلدی بینک چلے گئے اور مجھے کافی انتظار کرنا پڑا جو صبر آزما تھا۔ بہر حال بیماروں کے ساتھ ویٹنگ ہال میں بیٹھا رہا اور گھنٹہ بعد یہ آئے۔ ڈاکٹر فریرینٹ ابھی ابھی جوائس گرین ہسپتال چلے گئے تھے۔ ہمت بڑھائی اور وہاں جا کر اُنہیں کسی قدر تلاش کے بعد اُن سے وارڈ A10 میں ملاقات ہوئی۔ بے حد خوش ہوئے۔ چائے پلائی پاشا کا پوچھا۔ موٹر میں زبیدہ، طارق اور فیض بیٹھے تھے اُن سے ملے۔ اور مجھے اطمینان ہوا کہ ایک مہربان دوست کو جو ظاہری رابطہ پاشا والا ختم ہی ہو چکا ہے، ایک بار پھر دیکھ لیا۔ فریرینٹ ایک اچھا انسان ہے۔ ویسٹ ہل اور جوائس گرین دونوں جگہ وہ مکان دیکھے۔ وہاں دو سال متواتر مجھے آنے اور ٹھہرنے کا موقعہ ملا۔ اور وہ جگہ جن سے مانوس تھا اور محمد احمد کی یاد یہاں آ کر ستاتی رہی۔ ان مقامات پر زندگی کے آخری ایام میں اس کے قدم بھی پڑے ہیں۔ اَللّٰھمَّ اغْفِرْہُ

وَارْحَمْہُ وَادْخِلْہُ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْن۔

۳ جولائی ۱۹۸۱ء۔ واشنگٹن

رات سے میرا دل بہت ہی چاہ رہا تھا کہ کل صبح جمعہ پہلا روزہ ہے۔ میں روزہ رکھ لوں۔ لیکن ۱۸ گھنٹے کا روزہ رکھنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ زبیدہ نے زوردار طریق پر روکا۔ صحت کے بگڑنے کا ڈر اور مسافر کے لیے روزے ناغہ کرنے کا حکم (اجازت) بھی مانع ہوا۔ اور دل میں ایک بے چینی لے کر خاموش ہی ہو گیا۔ روزہ عجیب نعمت ہے اور اُس سے محرومی ایک غم ہے۔ اللہ کے احسانات کیسے شمار کریں اور اُس کا شکر کیسے ادا کریں۔ اس نے گذشتہ زندگی میں اس سلسلہ میں بڑی مہربانیاں فرمائی ہیں۔ اب میری محرومی پر رحم فرمائے اور رمضان کی برکات سے محروم نہ رکھے۔ اِنَّہٗ ذَوْالفَضْلِ الْعَظِیْم۔

نماز جمعہ کے لیے غسل کیا۔ شاہد اور طارق کہیں چلے گئے ہیں اور بتا نہ سکے تھے کہ جمعہ پڑھنا ہے۔ ڈیڑھ بجے زبیدہ کو لے کر جمعہ شروع کر دیا۔ خطبہ دے رہا تھا کہ بچے آ گئے۔ انہیں بھی شامل کر لیا اور مختصر وعظ۔ اللہ قبول فرمائے اور مؤثر کرے۔ یہی جماعت جمع ہو گئی اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ بھوک نہیں ہے اور روزہ بھی نہیں ہے۔ عجیب احساسات دِل میں پھرتے ہیں۔

۴ جولائی ۱۹۸۱

سینڈری (Sandra) میرے پاس آئی اور جذبات سے بھری آواز میں کہنے لگی: "آپ کل جا رہے ہیں" اور کچھ کلمات قلبی افسوس کے کہے۔ میرے دل میں بھی ایسے جذبات بطورِ ردعمل پیدا ہوئے۔ میں نے اسے پیار کیا اور اُس کی نیک طینتی کے متعلق کچھ کہا تو آبدیدہ ہو گئی۔ فطرتاً طبعاً اور عملاً میں نے گذرے ہفتہ میں اُسے نیک پایا ہے۔ بہت مخلص اور محبت کرنے والی اور خدمت گذار قسم کی عورت ہے۔ اپنے خاوند سے بے حد محبت کرتی ہے اور اُن کی زندگی بہت خوش گوار ہے۔ مگر مذہبی طور

پر اپنے خیالات پر راسخ لگتی ہے اور میں نے براہِ راست اُسے دعوتِ اسلام نہیں دی۔

شاہد نے جمعہ میرے ساتھ پڑھا۔ روزے پابندی سے رکھ رہا ہے۔ بہت ہی نیک شریف اور بلند کردار نوجوان ہے۔ اللہ اس کی تمام دینی ارکان کی پابندی کی طرف توجہ اپنی رحمت سے مبذول فرمائے۔ اور میں نے اِن دِنوں میں کئی بار اسی لڑکی کی قبولیت اسلام کے حق میں دردمندانہ دُعائیں کی ہیں۔ آنے سے پہلے شاہد کو، جب میرا دل اُس کے لیے پیار سے بہت بھر گیا اور اُس نے جس قدر میری خدمت کی اور خیال رکھا ہے اُس کے اثر سے میرا دِل بہت نرم تھا، براہِ راست بھی نصیحت کی اور حضرت مولٰینا محمد علی صاحب، عہدِ حاضر کی عظیم ترین شخصیت کی نسبت یاد دلائی۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔

۱۳ جولائی ۱۹۸۱ء۔ لاس اینجلس (امریکہ)

دِن بھر گھر پر رہا اور آرام بھی ہوتا رہا۔ بعد از ظہر اچھی نیند آئی۔ ابھی جی سونے کو چاہ رہا تھا کہ زاہدہ نے جگایا کہ Disneyland ضرور لے کر جانا ہے۔ اور رات کا کھانا بھی وہاں کھائیں گے۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ کے سفر کے بعد پہنچے۔ Disneyland ایک dreamland ہے۔ ہزاروں لوگ دِن رات دیکھنے آتے ہیں۔ صبح نو بجے سے رات بارہ بجے تک۔ عائشہ کا صرف روزہ ہوتا ہے، اُس نے افطاری موٹر میں کی اور نماز باجماعت شام کی موٹر میں پڑھی۔ لُطف آ گیا۔ ایک عجیب قسم کی parade روشنی کی دکھائی، جس سے ماحول، انسانوں کا fairy land نظر آنے لگا۔ انسانوں کا ہجوم، ہر عمر کے لوگ۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد خیال اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُہُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ ہُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا کی طرف چلا جاتا اور ستر بار استغفار پڑھنے کی سعی کرتا جاتا تھا۔ (وہ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ صنعت کے بہت اچھے کام بنا رہے ہیں۔ (الکہف ۱۸: ۱۰۴)۔ ہر عمر کے لوگوں کے لیے دلچسپ چیزیں ہیں اور ہر قسم کے لوگ موجود تھے۔ ضبط اور تہذیب سے دُنیا بھاگی بھاگی پھرتی ہے کہ تین گھنٹے کے عرصہ میں کسی کو کسی

کے ساتھ ٹکر لگتے بھی نہیں دیکھا۔ لوگ خوب کھاتے پیتے پھرتے ہیں لیکن ایک کاغذ کا پرزہ یا سگریٹ کا ٹکڑا ابھی کہیں پڑا ہوا نظر نہیں آتا۔ جگہ جگہ خوبصورت بکس سڑکوں پر کھڑے ہیں۔ Push ایک حصہ پر لکھا ہوا ہے۔ لوگ اِس میں ہر فالتو چیز سلیقے سے ڈال دیتے ہیں۔ امریکی قوم کی دنیوی دانش مندی، ہنرمندی اور اپنے ملک کی محبت اور اُس کی عظمت کا اظہار ہر قدم پر ایسی چیز ہے جس سے یہ قوم سرشار لگتی ہے۔ Disneyland کی ٹرین، کشتی، گونڈولا (Gondola) وغیرہ پر بہت کچھ دیکھا، جس کا تذکرہ غیر ضروری ہے۔ بہرحال رات کو ایک بجے کے کچھ بعد واپس گھر پہنچے تو عشاء کی نماز کے لیے کھڑا ہوا۔ مشکل سے دو رکعت فرض (قصر) پڑھے تو نیند کا غلبہ اس قدر تھا کہ وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی کا اطلاق ہوتا تھا۔ میں سو گیا اور صبح پانچ بجے آنکھ کھلی۔ اُس وقت وتر بھی پڑھے اور نماز فجر عائشہ سے مل کر پڑھی۔ عائشہ نے کہا: ”عرصہ کی تمنا یہاں آ کر پوری ہوئی، رمضان میں فجر کی باجماعت نمازیں میسر آئیں“۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میری استغفار اللہ نے قبول ہی فرمائی ہوگی۔ شبِ گذشتہ کی لغویات سے دِل تاریک محسوس نہ ہو رہا تھا اور عمدہ کیفیات نصیب ہو رہی تھیں۔

۱۹ جولائی ۱۹۸۱ء۔ سان فرانسسکو

(اطلاع وفات محترمہ بیگم صاحبہ غلام ربانی خان صاحب پر تاثرات)

امینہ کا فلیڈیلفیا سے ٹیلی فون آیا۔ اپنی دادی (بہوٹی جی) کی وفات کی خبر سنائی۔ ایک ہفتہ پہلے وفات ہوئی ہے۔ شوکت کے خط سے یہی اندازہ ہوا تھا کہ حالت بہت نازک ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۔ نہایت بااخلاق، بلند صلہ اور عقل مند خاتون تھیں۔ جب سے رشتہ داری ہوئی، کوئی بُری بات اور کوئی ناخوشگوار واقعہ مرحومہ کے اور ہمارے درمیان نہیں ہوا۔

۱۹۴۷ء کے اکتوبر میں ہمیں حج نصیب ہوا تو خان بہادر صاحب کے ساتھ یہ بھی میرے

ساتھ ہی تھیں۔ وہ قریباً دو ماہ کا زمانہ زندگی کا مبارک ترین اور بہت ہی خوش گوار سفر تھا۔ جس میں ہمیں رفاقت ملی۔ شوکت اور اسماء سے اور اُن کی اولاد سے وہ بہت خوش تھیں اور انہی کو یعنی اسماء اور شوکت کو مرحومہ کی مرض الموت کی طویل مدت میں شدید گرمی اور مشکلات کے زمانہ میں اُن کی بھرپور خدمت کا موقعہ ملا۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھَا وَارْحَمْھَا وَ اَدْخِلْھَا فِیْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ تار تعزیت کی دے دی اور خط لکھا۔ شوکت، ممتاز، بشیر، اسماء، محمودہ، سعیدہ کے لیے۔

۷ اگست ۱۹۸۱ء۔ میکسیکو

جمعہ۔ انجم نے ایک نئی شلوار قمیض نہایت قیمتی کپڑے کی لا کر تیار رکھ دی اور قصہ یوں بیان کیا کہ بچوں کے ایک ٹیچر نے ڈرامہ کے لیے پاکستانی لباس کا جوڑا عاریتاً مانگا تو عبداللہ کا ایک جوڑا اور واسکٹ، چپلیاں، ٹوپی بھیجی تھی۔ واپس کرتے وقت اُس نے بہت تعریف کی تو عبداللہ نے شلوار قمیض اُسی کو دے دی جو پرانی تھی۔ یہ نیا جوڑا بعد میں عبداللہ نے اُسے تحفہ دینے کے لیے ایک ڈبہ میں ڈال کر رکھا ہوا تھا اور دینے میں دیر ہوتی گئی اور نہ دے سکے تھے۔ جب عبداللہ کو خبر ملی کہ میرا بکس گم ہو گیا ہے تو اُس نے کہا کہ مجھے دیں گے۔ غسل کر کے واپس آیا تو ایک موٹی سویٹر بھی رکھی تھی۔ بعد میں بنّا اُسی رنگ کا جرابوں کا ایک جوڑا لے آئی۔ جب میں نے اپنی جراب ڈھونڈنی شروع کی تو معلوم ہوا کہ وہ دھوئی ہیں اور گیلی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تصرفات کی داستانوں سے میری زندگی بھری ہوئی ہے کہ میرا محسن رب، میرے لیے کس قدر تدبیر فرماتا رہتا ہے۔ میں غسل کے بعد یہ کپڑے پہن کر گرم بستر میں لیٹا تو میرا دِل اللہ کے احسانات کے خیالات سے بہت حالتِ رقت میں چلا گیا۔ اور اللہ کی حمد کا موقع ملا اور دُعائیں کرنے کا۔ اُس وقت خان گل کی صحت کے لیے بہت دُعا کی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل بات نہیں۔ اللہ اُسے شفا بخشے۔

۱۲ اگست ۱۹۸۱ء

آج کا پروگرام بعد از ظہر عبداللہ سے بیٹھ کر باتیں کرنے کا طے ہوا تھا۔ کرتے کرتے دیر ہوگئی۔ تاہم ایک دو گھنٹے ۵:۳۰ کے بعد مل گئے اور خانگی اور ذاتی امور پر باتیں ہوئیں۔ گاؤں، ایبٹ آباد، سندھ، لاہور کی ذاتی اور انجمن سے متعلقہ مشکلات پر اور عزیزان بچوں کے معاملات پر مختلف قسم کی گفتگو کرتے رہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اُس کی رحمتوں سے کسی منزل پر اور کسی امر میں بھی مایوسی نہیں ہوئی۔ عبداللہ کے اپنے مستقبل اور پروگراموں پر پہلے بھی گفتگو ہوتی رہی تھی۔ اِس کے عزائم ہر رنگ میں مبارک ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اُس پر اُس کا توکل نمایاں پہلو ہے۔ اس گفتگو کی غرض ایک دوسرے کے مسائل کو بیان کر کے دِل کو تسلی دینا ہی تھا۔ باقی ہر معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہی ذات ہے جس پر بھروسہ ہوسکتا ہے۔ ہم انسان ہر رنگ میں عاجز ہیں اور میں تو ہر رنگ میں ایک نہایت کمزور انسان ہوں۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کا بھی ایسی گفتگو میں موقعہ ہوتا ہے۔

۱۳ اگست ۱۹۸۱ء

عبداللہ اور یحیٰی، محمد علی، زبیدہ اور طارق کو لانے ہوائی اڈہ پر (۸) آٹھ بجے پہنچے اور دس بجے کے قریب بخیریت اُنہیں لے کر آ گئے اور ناشتہ کیا۔ صبح آرام کم ملا تھا۔ تھوڑے آرام کے بعد نیچے آ گیا اور تنہائی کی نماز ظہر وعصر نصیب ہوئی۔ زبیدہ سب کے لیے قیمتی اور عمدہ تحائف لائی ہے۔ جس رنگ میں اُن تحائف کی قبولیت ہوئی وہ بھی اس چھوٹے سے گھرانے کے اخلاقِ فاضلہ کا نمونہ تھا، جو قابلِ دید تھا۔ میری روح کو راحت ملی۔ تحفہ لانے والوں کا دِل بھی باغ باغ ہوگیا۔ مجھے اپنی اولاد میں عموماً اچھے اخلاق کے نمونے ملتے رہتے ہیں اور مجھے احساس ہوتا ہے کہ میرے لیے دنیوی چیزوں میں اس سے بڑھ کر کیا متاع زیادہ قیمتی ہوسکتی ہے۔ اولاد کے بارہ میں یہ احساس اور اس کی جھلکیاں، جو دیکھنے میں اکثر آتی رہتی ہیں، جب بھی ایسا ہوتا ہے، میرا دل اللہ کے حضور اُس کے

احسان کے اثر سے بھر آتا ہے۔ اور میرے جسم کا ذرہ ذرہ اُس اثر کو محسوس کرتا ہے۔ اے اللہ مجھے اپنے اُن بندوں میں شامل فرما جن کے متعلق اِنَّہٗ کَانَ عَبۡدًا شَکُوۡرًا اور شَاکِرًا لِّاَنۡعُمِہٖ فرمایا ہے۔ (وہ شکرگزار بندہ تھا) (بنی اسرائیل ۱۷: ۳)، (اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والا) (النحل ۱۶: ۱۲۱)۔ میری سب اولاد اور اولاد در اولاد کو اپنے نیک بندوں کی ذیل میں داخل فرما اور دُنیا کی نعمتوں کے ساتھ ساتھ اُنہیں روحانی نعمتوں سے محروم نہ فرما۔

۱۶ اگست ۱۹۸۱ء

آج دِن کی خاص بات یہ ہے کہ یحیٰی جو اللہ کے فضل سے نماز گذار ہے، میں نے کہا نماز وہ پڑھائے گا۔ ظہر اور عصر کی نماز اُس کی اقتدا میں پڑھی اور مغرب اور عشاء کی نماز جمع تاخیر اسی طرح اُس کی اقتداء میں سب نے پڑھی۔ نماز بہت اچھی پڑھائی۔ رکوع و سجود، قیام وقعود سب ہی بہترین تھا۔ دِل کو راحت ملی۔ اپنی عمر کے اس حصہ کا واقعہ یاد آیا کہ آٹھویں جماعت سے پاس ہوا اور نویں جماعت میں تھا کہ میرے بزرگوں نے مجھے امامِ صلوٰۃ بنایا اور تمام عمر یہ سعادت نصیب رہی۔ اگر اللہ قبولیت بخشے تو اُس کے فضلوں سے بعید نہیں۔ زبیدہ نے اِس نماز کا جب رکوع سے کھڑے ہو کر حالتِ قومہ میں تھے تو ایک فوٹو بھی لیا۔

۱۷ اگست ۱۹۸۱ء

میرے سامان پر ایک خط لفافہ میں پڑا تھا۔ کھولا تو بِنّا کا خط تھا۔ جس میں اپنی غیر معمولی محبت کا اظہار تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ بوجہ حیا کے وہ زبانی یہ بات نہیں کہہ سکتی، لیکن خط کے ذریعہ یہ ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ میں اُسے بہت ہی پیارا اور بقول اس کے مجھ سے بہتر اور عظیم تر دادا کسی کا نہ ہو گا اور دُعا کا لکھا۔ سادہ چند فقروں میں، میری اِس پوتی نے قلبی خیالات کا اظہار کیا، جو میرے دِل میں اُترے اور دُعا کے لیے تحریک پیدا ہوئی۔ اِن بچوں کو ورثہ میں بھی ضرور بہت کچھ ملا ہو گا لیکن

اِن کی تربیت کا بھی اِن کے خیالات، باتوں اور عمل میں بہت کچھ ہے کہ دِل کو راحت پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اور دِل سے اُن کے حق میں دُعا نکلتی ہے۔

۲۷ اگست ۱۹۸۱ء۔ انگلستان (ہیتھرو ایئرپورٹ)

عزیز احمد صاحب اور بیگم اختر عزیز ملنے آئے ہوئے تھے۔ بہت ہی محبت سے ملے اور امریکہ کے کامیاب دورے کی وجہ سے، جان نچھاور کر رہے تھے اور دونوں بہت خوش تھے۔ جس سے دلی خلوص ٹپکتا تھا۔ اوپر لاؤنج میں جا کر بیٹھے یا کھڑے رہے۔ عزیز احمد صاحب جتنی دیر رہے، مجھے دُعائیں دیتے رہے اور ایسے ایسے کلمات میرے حق میں استعمال کیے کہ میں شرم کے مارے پانی پانی ہو رہا تھا۔ یا اللہ میرے لندن کے دوست میرے حق میں جو رائے رکھتے ہیں، مجھے اُس کا اہل بنا دے۔ اور مجھ سے جماعت کے بہت لوگوں کی غیر معمولی توقعات ہیں وہ پوری کر دے۔ میں اس قابل نہیں۔ تیری قدرت اور تیری رحمت کی کوئی حد نہیں، تو یقیناً اِس بات پر قادر ہے۔ اے میرے قادر، غفار و ستار و ارحم الراحمین اور حیی و قیوم رب تو مجھے ناکام اور نامراد دُنیا سے نہ اُٹھانا۔ اِس جماعت کی احیاءِ ثانی کا نظارہ مجھے ضرور دکھا۔ آمین۔

سعادت احمد نے جو وہ بھی متاثر لگتے ہیں، میرے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ ضرور پوری کوشش کریں گے کہ اچھا مکان مِل جائے۔ میں نے کہا: "آپ ایک مکان کی جگہ غالباً اپنا ایک محل نما مکان لندن میں بنا چکے ہیں، ایک محل دارالسلام میں تیار ہونے والا ہے۔ اب خدا کے دین کے مرکز اور اُس کے گھر کے لیے لندن شہر میں ایک ایسی ہی سعی کریں"۔ میری بات کا اُس وقت اُن پر گہرا اثر نظر آتا تھا۔ میں نے کہا: "اپنے چچا جان (اباجی) کو لکھیں کہ وہ مجھ پر مہربانی فرمائیں اور دِل سے تعاون کریں۔"

بہرحال محمود حسین شاہ، انور، ارجمند بانو سب کے ساتھ یہ وقت ہیتھرو ایئرپورٹ پر ایک

روحانی تفریح تھی جو گھنٹہ بھر نصیب ہوئی۔

۲۷ اگست ۱۹۸۱ء۔ جہاز میں

میری سیٹ واقعی کافی خراب تھی۔ جاتے ہی ایک سٹیورڈ نے کہا میری سیٹ بدل دیں گے۔ بہت جگہ خالی رہے گی۔ فی الحال اپنی مقررہ سیٹ پر بیٹھیں۔ قریب ہی بائیں طرف چار چار سیٹوں والی لائین تھی۔ سامنے کی دو پر کچھ لوگ سٹیورڈ سے بات کر کے بیٹھ گئے تھے تو میرا دِل خفا سا ہوا۔ استغفار پڑھنے لگا۔ میری اُن پر نظر تھی۔ میرے ساتھ کی سیٹ خالی تھی لیکن تیسری سیٹ پر ایک نوجوان تھا جس کی خاطر ایک دوسٹیورڈ کرتے تھے۔ کچھ دیر بعد اُسے سٹیورڈ بلا کر لے گیا۔ میں سمجھا اب نہیں آئے گا۔ میں خوش ہوا کہ اب تین سیٹوں پر میرا اچھا گذارا ہو جائے گا۔ کچھ تیاری قبضہ کی کرنے لگا لیکن چند منٹ بعد وہ شخص پھر واپس آ گیا تو میں نے افسردگی محسوس کی۔ استغفار پڑھتا اور دِل میں شرمندگی محسوس کرتا جاتا تھا کہ مجھے اللہ پر بھروسہ کیوں نہیں۔ یہ یقین کی کمی بے حد افسوس ناک ہے۔ حضرت مولٰینا نورالدین کی "مرقاۃ الیقین" اکثر سامنے آتی رہتی ہے۔ مولیٰ کریم! سلوک تو تیرا اس عاجز کے ساتھ بھی عجیب وغریب ہے لیکن مجھے ڈر کیوں لگا کرتا ہے اور کامل یقین اُس ذات پر کیوں نہیں۔ پھر خود ہی جواب اللہ سے ملتا ہے۔ تیرا ایمان کمزور ہے۔ تیرا توکل بہت بودا ہے جو اپنی خطاؤں کی وجہ سے ہے۔ اب رحیم وکریم سے بہت استغفار پھر کرتا ہوں۔ یا اللہ رحم فرما۔ انہی خیالات میں تھا کہ فرینکفرٹ آ گیا۔ جہاز نے ٹھہرنا اور crew نے بدلنا تھا۔ جب جہاز کھڑا ہوا تو بائیں طرف دیکھا کہ سامنے سے تیسری رو بالکل خالی ہے۔ میں نے سٹیورڈ کے پاس جو قریب ہی تھا گیا اور کہا: "آپ نے وعدہ کیا تھا کہ سیٹ بدل دوں گا۔ میں یہاں بیٹھ جاؤں؟" اُس نے کہا: "بیٹھ جائیں"۔ میں نے جھٹ اپنا بریف کیس اُٹھایا اور کمبل جو پہلے ہی میں نے لیا ہوا تھا پکڑا اور اُدھر سے نمبر دو سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جب جہاز چل پڑا تو یقین ہو گیا کہ اب کوئی اور نہ آئے گا تو چوتھی سیٹ بھی ساتھ کر لی۔ اور بیٹھ کر بڑے اطمینان سے عشاء کی نماز پڑھی۔ پھر لیٹ گیا۔ میرے قد سے بھی یہ

چار پائی لمبی تھی۔ آیات پڑھنے لگا۔

۲۸ اگست ۱۹۸۱ء۔ کراچی

عمر فاروق مجھے عبدالحیٔ کے گھر چھوڑ گئے۔ عبدالحیٔ، عطیہ، ہمایوں، سلیمہ سے ملاقات ہوئی۔ بچے خوش ہوئے۔ عبدالحیٔ کافی بیمار رہے ہیں۔ اچانک بلڈ پریشر اونچا ہو گیا تھا۔ ذہنی stress پڑا۔ 'بابا' کے قاتل کو بالآخر پھانسی دو چار روز ہوئے ہو گئی ہے۔ اُس سے ایک دو روز پہلے اُس کے باپ نے عبدالحیٔ کو فون کیا کہ تم نے کہا تھا معاف کر دیا اور کیا نہیں۔ اور اُس کی بیوی اور بیٹوں نے رونا دھونا اور کچھ باتیں کرنا شروع کر دیں، جس کا بہت بُرا اثر عبدالحیٔ کی طبیعت پر ہوا۔ پاس ہسپتال میں اُن کا کوئی نائب یا معاون بیٹھا تھا اُس نے فون لے لیا اور خود اُن لوگوں کو مناسب جواب دے کر فون بند کر دیا۔

۳۱ اگست ۱۹۸۱ء

صبح نمازِ فجر سے پہلے آنکھ کھلی اور کچھ نماز میسر آئی۔ دورانِ سفر کچھ لوگوں کے احسانات اور حُسنِ سلوک یاد آیا۔ اُن کے لیے دُعا کا موقعہ ملا۔ اللہ قبول فرمائے۔ ظفر عبداللہ، نعمان الٰہی، عبداللہ جان، ہالینڈ کے رفیق عبدالرزاق اور اُن کا خاندان۔ رضیہ (خالہ)، مسعود اختر، عبدالستار، لندن کے خاندان۔ یٰس ساہو خان اور اُن کے بیوی بچے، انور، بانو، اپنے بچے اور اولاد جو دور دراز ممالک میں ملی۔ جمیلہ خان، زاہد، شاہد، عزیز احمد، اختر عزیز اور دیگر بے شمار نفوس جن سے محبت کے کلمات و افعال سُننے دیکھنے میں آئے ہیں۔ سب ہی کے لیے اللہ دُعا کی توفیق نصیب فرماتا رہے اور قبولیت بھی نصیب فرمائے۔

۳۰ ستمبر ۱۹۸۱ء۔ ایبٹ آباد

پروگرام ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو جانے کا اب تک تھا۔ اب اس وجہ سے نظرِ ثانی کر رہا ہوں کہ نوٹس آیا ہے کہ ۱۳ اکتوبر کو میجر درانی مکان خالی کر دیں گے۔ صبح آٹھ بجے پاشا MES سے چارج لے۔ یہ کام میری موجودگی میں ہو جائے تو شاید بہتر ہو گا۔ کل یکم اکتوبر ۱۹۸۱ء کو بھوگڑ منگ میں گورنر، جنرل فضل حق کی دعوت ہے۔ پاشا اور میرے لیے بھی دعوت نامہ ہے (ریاض خان ابن خداداد خان مرحوم کی طرف سے)۔ مؤخر الذکر سے تعزیت بھی کرنی ضروری تھی۔ وہ موجود نہ تھا۔ اُس کی والدہ سے ہی ملاقات ہوئی۔ اِس پر بھی غور ہو سکتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ فُزْنِیْ وَ اخْتُرْنِیْ۔ (الٰہی مجھے کامیاب فرما اور مجھے چن لے)۔

بیگم محمودہ سلیم اور بیگم زری سرفراز خان ملنے آئیں۔ چھوٹے سے کمرے میں، دو چارپائیاں اور ایک سیٹی، قالین پڑی تھی۔ کمرہ صاف ستھرا پڑا تھا۔ اِس میں سب بیٹھے۔ مناسب خاطر مدارت ہوئی۔ اطمینان حاصل ہوا۔

یکم اکتوبر ۱۹۸۱ء

بھوگڑ منگ کے لیے روانہ ہوئے۔ ڈاکٹر غلام نبی اور ڈاکٹر جمیل الرحمان (سرجن سکنہ سری کوٹ) ہمارے ساتھ گئے۔ گورنر سرحد جنرل فضل حق صاحب کے لیے ریاض خان ابن خداداد خان نے لنچ کی دعوت اور جلسہ کا انتظام کیا تھا۔ ہم مدعو تھے۔ میرا جانا تصرفِ الٰہی سے ہوا اور عجیب حالات پیش آئے۔ علاقہ اور ضلع کے لوگ آئے ہوئے تھے۔ تعداد آٹھ سو سے ہزار تک، بیسیوں لوگ مجھے عقیدت سے ملے۔ بہتیرے بد اندیش بھی موجود تھے۔ مجھے سٹیج پر صوفوں پر بٹھایا۔ پاشا میرے قریب دوسری صف میں۔ وزیر، راجہ جارج سکندر زمان آئے۔ معانقہ بڑے جوش سے کیا۔ اتفاق کی بات ہے میرے ساتھ ایوب خان آف الائی بیٹھا تھا۔ اُس کا ذکر میری کاپی میں واقعات

۱۱ جون ۱۹۷۴ء میں کافی نمایاں ہے۔ راجہ صاحب نے اُسے اگلی سیٹ پر کر دیا اور میرے ساتھ بیٹھنا چاہا۔ گورنر صاحب آئے۔ سب لوگوں سے ہاتھ ملائے اور میرے ساتھ بڑے تپاک سے معانقہ کیا اور گفتگو کے لیے کھڑے رہے۔ میرے سوا کسی دوسرے شخص سے معانقہ نہیں کیا۔ تقریر ہوئی جو بے باک اور صاف صاف تھی۔ لنچ کے بعد رُخصت ہوئے تو کافی چکر کاٹ کر مجھے ملنے بڑھے، یہ کہتے ہوئے کہ ڈاکٹر صاحب سے ملنا ہے۔ میرے لیے یہ چیزیں کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہیں۔ زائرین نے یہ سب کچھ دیکھا جو اِن چیزوں پر مرنے والوں کی اکثریت پر مشتمل تھا۔ ڈاڈر سینیٹوریم سب آیا ہوا تھا۔ عبداللہ سویپر (sweeper) اور گُنگا دھوبی بھی ملے۔ گُنگا کی تو آنکھیں چمک اُٹھیں۔ واپسی پر سینیٹوریم کے اندر بھی، اپنے چھپر والے مقام پر بھی گئے۔ چھپر اب ندارد، لیکن سرن ویسے ہی بہہ رہا ہے۔ ڈاکٹر جمیل پہلی بار اس علاقے میں آئے تھے۔ وہ بے حد متاثر ہوئے اور آتے وقت اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کرتے رہے۔ چھپر والی جگہ سے چلتے وقت، گلزمان اور اُس کی بیوی بھی آ گئی۔ وہ رونے لگی۔ بہت اصرار کیا کہ اُن کے گھر جائیں۔ اُنھوں نے اب بنگلہ بنایا ہے، جو میں نے دیکھا نہیں۔ اُن کے بیٹے بہت آسودہ اور صاحبِ اولاد ہیں۔ یوسف کا بیٹا سُنا ہے اس سال ڈاکٹر بن جائے گا۔ اُس نے اناٹومی میں میڈل بھی لیا ہے۔ کسی وقت یوسف پختہ احمدی تھا اور ایک شادی کو احمدیت کی خاطر ٹھکرا دیا تھا۔ پھر امتحانوں کا دور قریب آیا تو سہارنا مشکل ہو گیا۔ اِن لوگوں پر اللہ نے بہت فضل فرمائے۔ یونس سعودی عرب میں دولت کے گھر میں چلا گیا ہے۔ اللہ کی شان ہے۔

یکم اکتوبر ۱۹۸۱ء

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُهٗ وَ سَعٰی فِیْ خَرَابِھَا ؕ اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ؕ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ (اور اُس سے بڑا کون ظالم ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکتا

ہے کہ اُن میں اُس کے نام کا ذکر کیا جائے اور اُن کے ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اُن کو مناسب نہ تھا کہ اُن میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے، اُن کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور اُن کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے)۔ (البقرہ ۲:۱۱۴)

احمدیوں پر حج کی ممانعت ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ یہ ظلمِ عظیم آخر ختم ہوگا۔ مایوسی کی بات نہیں۔ اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَ حُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ۔ (میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت اللہ سے ہی کرتا ہوں)۔ (یوسف ۱۲:۸۶)۔ حج ارکانِ اسلام میں سے ہے۔ جبری ممانعت پر آزردگی قدرتی امر ہے۔ حج اور بیت اللہ کی محبت اور زیارت کی تمنا کو دلوں سے ہرگز کم نہ کرنا چاہئے۔ اِس مقدس مقام کی محبت اور حج میں دلچسپی قائم رکھنا ضروری ہے۔ جن لوگوں کو اس دفعہ حج مبارک ہوا، بیس لاکھ کی تعداد بتائی گئی ہے۔ اللہ ہمارے لیے بھی راہیں کھول دے۔

حج کے لیے جس طرح پہلے روپیہ علیحدہ کیا جاتا یا جمع کیا جاتا تھا، وہ عمل اب بھی ہمیں جاری رکھنا چاہئے۔ اگر عمر بھر کے انتظار کے بعد بھی موقعہ نہ ملے تو یہ جمع شدہ رقم اللہ کی راہ میں کسی دینی مقصد میں خرچ کر دینی چاہئے۔ حیات گل، کفش دوز، دیب گراں کا واقعہ۔ اُس شخص نے حضرت صاحب کا زمانہ پایا اور قادیان جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ (اس سفر کا ایک لطیفہ: ٹکٹ کی خرید کے موقعہ پر اُس کا والد کو کہنا کہ جو مانگے فوراً نہ دے دینا۔ دُور سے چکانا شروع کرنا کہ جائز رقم پر فیصلہ ہو جائے)۔ اِس شخص نے چھ سو روپیہ جو حج کے لیے پیسہ پیسہ کر کے جمع کیا تھا، جب دوران پہلی عالمی جنگ حج بند ہو گیا تھا، ۱۹۱۶ء میں قرآن کی تفسیر انگریزی کے سلسلہ میں بطور چندہ انجمن کو دے دیا۔ حضرت امیر مرحوم نے اپنی جلسہ سالانہ کی تقریر میں اِس کا خصوصی ذکر فرمایا تھا۔

۲۱ جولائی ۱۹۸۲ء۔ ایبٹ آباد

عصر کے وقت منصور احمد مع خدیجہ، نصیرہ، تنویر، اکرم اور ارسلان آئے۔ ہمارے ساتھ عید

کرنے کا اُن کا جذبہ قابلِ قدر ہے۔ مجھے بہت خوشی ہوئی۔تنویر کا روزہ تھا۔ باقی بالغان نے سفر کے حکم پر عمل کیا۔تنویر کافی نڈھال پہنچا۔سفر، گرمی کی شدت۔اس سے اللہ قبول فرمائے۔

افطاری سے ایک گھنٹہ پہلے دُعا کا موقعہ اور توفیق ملی۔تمام رمضان میں اس قدر رقت کے ساتھ پہلے اتنا وقت نہیں ملا تھا۔ بہرحال اللہ کا بہت شکر ہے۔ بہت کچھ دُعائیں ہوئی ہیں۔اللہ سب ہی قبول فرمائے۔آج دو پہر کو قرآنِ کریم جو یکم رمضان کو شروع کیا تھا، ختم کیا اور یہ دور حضرت اقدسؒ کے مصحف سے تلاوت کرنا نصیب ہوا، جس پر حضرت صاحب نے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنی بار تلاوت فرمائی اور اُس پر اوامر ونواھی پر سُرخ نشان لگائے ہیں۔بعض خاص خاص مقامات پر اور بھی نشان ہیں۔ میں نے اپنی حمائیل پر یہ سب نشان لگائے اور کہیں کہیں حضرت صاحب کے بزبانِ عربی نوٹ ہیں، وہ بھی نقل کیے ہیں۔مصحف کے کئی اوراق پھٹے ہوئے تھے، اُن کے ساتھ ساتھ سیلو ٹیپ لگا کر مرمت بھی کی ہے۔ جتنا وقت تلاوت کی، عجیب سرور کی کیفیت طبیعت میں پیدا ہوتی رہی۔ یہ بڑی سعادت ہے جو مجھ عاجز کو عجیب راستوں سے نصیب ہوئی۔الحمدللہ۔

۲۴ جولائی ۱۹۸۲ء

اکرام کی نئی سوزوکی میں، اُس کی معیت میں دیب گراں چند گھنٹے کے لیے گیا۔ بزرگوں کے قبرستان میں بڑی تسکین ملی۔بعض لوگوں کی تعزیت اور تیمارداری کی۔ واپسی پر مانسہرہ بابو محمد دین مرحوم کے گھر گئے۔

انجمن کے حالات کی کمزوریوں کی وجہ سے دِل پر بوجھ تو رہتا ہی ہے۔رات کو مضطر والی کیفیت دِل پر طاری ہوئی۔ واجد صاحب سے کچھ اُمیدیں وابستہ تھیں،لیکن خیال گذرتا رہا کہ شرک نہ ہو۔ بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر ہی ہونا چاہئے۔ بہرحال دُعا کا بڑا موقعہ ملا۔ واجد صاحب کی صحت کی وجہ سے اُنہیں بھی تردد ہے۔ اُن کے گھر کے لوگ بھی مخالفت کرتے ہیں۔کوئی انسان

جماعت میں نظر نہیں آتا، جو جنرل سیکرٹری کے اہم فرائض کا حق ادا کرنے کے قابل ہو۔ مرزا مسعود بیگ ریٹائر ہونا چاہتے ہیں اور صحت کا تقاضا بھی ہے۔

۲۵ جولائی ۱۹۸۲ء

کرنل لطیف مع بیگم صاحبہ آئے۔ تھوڑی دیر بعد کیپٹن واجد صاحب نوشہرہ سے آئے۔ لطیف صاحب سے کوئی بات نہ ہوسکی۔ کچھ مشترک دلچسپی کے امور پر باتیں ہم تینوں کے درمیان ہوئیں۔

واجد صاحب آنا چاہتے ہیں۔ اور صحت اور دیگر بعض وجوہ بھی شاید ہوں، قدرے متردد بھی ہیں۔ اللہ کے ہاتھوں میں سب بات ہے اور مستقبل کو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ بہر حال دُعا کے سوا چارۂ کار بھی نہیں۔ دونوں مہمان یکے بعد دیگرے رخصت ہوئے۔ واجد صاحب کا پاشا نے ECG لیا اور دیکھا۔

۲۶ اگست ۱۹۸۲ء۔ لندن

(کسی شخص کی غلط بیانی، جو جلد ہی ظاہر ہوگئی۔ اُس کے متعلق تحریر)

مجھے اُن کی غلط بیانی پر بہت افسوس ہوا اور والد صاحب مرحوم کی بات یاد آئی کہ جھوٹ کی اللہ تعالیٰ پردہ پوشی نہیں کرتا۔ باقی سب گناہوں کی کرتا ہے۔ اور کئی مثالیں سُنایا کرتے تھے۔

۱۰ ستمبر ۱۹۸۲ء۔ ہیگ، نیدرلینڈ

صبح صبح غسل گرم shower کر کے قریباً ایک گھنٹہ آرام کیا۔ میں تیار ہو چکا تو مسز رزاق اُس وقت اتفاقاً اوپر آئیں۔ فوراً نیچے گئیں اور سبز رنگ کی ہلکی سی جرابیں لے کر آئیں اور پہننے پر مجبور کیا، کیونکہ جو جراب میں نے پہن رکھی تھی اُس کا رنگ سوٹ کے رنگ سے بالکل ہی نہ ملتا تھا۔ عجیب

خاتون ہے۔سوائے ڈچ کے ایک لفظ بھی کسی زبان کا نہیں بول سکتی لیکن اشاروں میں بہت کچھ سمجھا لیتی ہے۔

پھر جمعہ پڑھنے گئے، جو مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔تیس چالیس لوگ تھے۔میرا ارادہ 'نماز' پر ہی خطبہ دینے کا تھا۔سابقہ نوٹ یادداشت کے لیے ہمراہ رکھے تھے۔یوں محسوس ہوا تھا کہ دماغ میں کوئی خیال موجود ہی نہیں۔اللہ سے ہی مدد مانگی۔پھر کیا عرض اُس محسنِ عظیم کی نوازشات کا کروں۔جو مجھ ہیچمدان کی زبان سے جو کچھ نکلوایا۔جس سے میری روح میں جان پڑ گئی اور سامعین کی توجہ ایک لمحہ کے لیے بھی کم نہیں ہوئی۔چھوٹا قرآن اور یادداشت کا پرچہ میرے ہاتھ میں تھا لیکن دورانِ تقریر اللہ نے اِس کی حاجت سے کاملتاً بے نیاز کر دیا۔

فاضل رمضان نے کل بتایا تھا کہ یہاں دُعا بعد از صلوٰۃ پر سخت بحث ہے اور ایک گروہ جو دُعا کو قطعاً ناجائز سمجھتا ہے جماعت چھوڑنے پر تیار ہے۔بتایا کہ آج اُس گروہ کی اکثریت ہے۔اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں جو بات ڈالی اُس کے ماتحت میں نے فرض پڑھنے کے بعد رُخ نمازیوں کی طرف کیا اور کہا: "میں اس وقت دُعا کروں گا۔لیکن ایک بات ضروری ہے کہ آپ اپنی طبیعتوں کو حاضر کریں اور یوں سمجھیں کہ ایک حاکم، احکم الحاکمین کے دربار میں آپ پیش ہیں۔وہ دیکھ اور سُن رہا ہے۔اور آپ اس سے وہ کچھ مانگ رہے ہیں جو اُس کی بارگاہ میں پیش کروں گا۔آپ بھی ہاتھ اُٹھائیں۔" میں نے قرآنی ادعیہ، چند جو اُس وقت مجھے حسب حال لگیں ایک ایک پڑھی اور اُردو میں اُس کا مضمون دُہرایا۔دُعا ختم ہوئی تو میں نے کہا: "آپ سنت پڑھ لیں۔میں چند منٹ میں دُعا بعد از صلوٰۃ کے بارے میں گفتگو کروں گا۔" کچھ لوگ جو شاید چار تھے ایک ایک کر کے اُٹھ گئے۔میرا خیال تھا اُن کو کام ہوگا، ڈیوٹی پر جانا ہوگا۔بعد میں بتایا گیا کہ یہ لوگ نماز کے بعد دُعا کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں اور چونکہ میں نے دُعا کی تھی، شاید اسی وجہ سے اُٹھ گئے اور میری بات کا جس کا اعلان کیا تھا سُننا پسند نہ کیا۔

میں نے مختصر تقریر میں دُعا بعد از نماز کے متعلق بتایا کہ احادیث سے یہ ثابت نہیں کہ ہر نماز کے بعد آنحضرتؐ نے دُعا کی ہے، جیسے آج ایک رسمی دُعا کی جاتی ہے۔ ایسے درخواست پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا ثابت ہے۔ جیسا بارش کے لیے کی تھی۔ اور اگر کوئی دُعا کی رعایتیں مدنظر رکھ کر توجہ سے کرے، اکیلے یا اجتماعی تو اس میں ہرگز حرج نہیں۔ ہم لاہور، دارالسلام میں اکثر کرتے رہتے ہیں۔ اور اکثر دُعائیں اللہ نے قبول بھی فرمائی ہیں۔ مکہ میں حج میں کوئی ایسی دُعا نہیں کی جاتی۔ مدینہ منورہ میں بھی میں نے نہیں دیکھا کہ کی جاتی ہو۔ نماز خود سراسر دُعا ہے۔ سجدہ میں بہترین موقعہ ہے۔ ہر زبان میں ہوسکتی ہے۔ اِن باتوں پر جھگڑنا درست نہیں۔ اکثر لوگوں کا اطمینان ہو گیا اور خوش ہوئے۔

۱۰ ستمبر ۱۹۸۲ء۔ لندن

کھانے کے بعد میں نے کہا: ”آؤ بیٹھیں اتنے دن گذر گئے، کبھی بیٹھ کر گھر کی باتیں نہیں کر سکے۔ اب تو گنتی کے دِن ہی رہ گئے ہیں“۔ بانو کو اللہ تعالیٰ بھاری اجر دے۔ بہت سی خوبیاں اللہ نے اُس میں ڈالی ہیں۔ صبر اور تحمل اور لوگوں سے محبت سے ملنے اور خدمت گذاری کی وجہ سے بہت عزت اُسے لوگوں میں بخشی ہے۔

رات کو مجلس میں کچھ نصائح بھی کیں۔ ایک قطعہ بطور تحفۂ عید، ایک بے نظیر caligraphy کا، جو مسجد کے لیے ہے۔ جو ایک انگریز لڑکی Miss Ani نے دیا۔ آیت اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝ (سورج ڈھلنے سے (شروع کر کے) رات کے اندھیرے تک نماز قائم رکھ اور صبح کے قرآن کو بھی، صبح کے قرآن میں حضور ہوتا ہے) (بنی اسرائیل ۱۷:۷۸)۔ اُس کی بے حد تعریف سب نے کی ہے، خصوصاً انور نے۔ تو میں نے کہا: ”یہ سامنے کس قدر خوبصورت قطعہ ہے۔ لیکن اِس تحریر کی طرف توجہ تعریف سے بڑھ کر ہے۔ اِس میں تہجد کا بھی حکم ہے“۔ انور نے وعدہ کیا کہ وہ پڑھیں گے۔ میں نے

کہا: "آج سے شروع کریں۔ دو رکعت ہی سہی، پھر خود عادت ہو جائے گی اور تہجد کی لذت اور اثر خود اس کی رغبت دلائے گا۔ الارم گھڑیاں ہمارے پاس ہیں۔" گیارہ بجے کے قریب رات سو گئے۔

۳۰ ستمبر ۱۹۸۲ء

صبح کان میں کچھ آواز لمبے سائرن کی (مگر خوشگوار) کسی سمت، دور سے کان میں پڑی۔ آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو چار بج کر پانچ منٹ کا وقت تھا۔ اللہ کا شکر کیا کہ ایک گھنٹہ سے زیادہ فجر میں ہے۔ میں نماز پڑھ رہا تھا تو آہٹ سے اندازہ ہوا کہ انور بھی جاگ گئے ہیں اور تہجد پڑھنے کا وعدہ ایفا ہو گیا ہے۔ پھر اُنہوں نے اذان دی اور نمازِ فجر تینوں نے پڑھی۔

۱۲ جون ۱۹۸۳ء۔ ایبٹ آباد

یکم رمضان۔ سفر لاہور تا راولپنڈی بذریعہ ریل کار

نجیب صادق سٹیشن پر آئے۔ اسلام آباد نئے کرایہ کے گھر لے گئے۔ شام ۵ بجے اپنی موٹر (ارجمند کی) سے لے کر ایبٹ آباد کے لیے روانہ ہوئے۔ ساتھ عبدالعزیز صاحب جہانگیری کے بیٹے کو لائے کہ واپسی پر رات کے سفر میں ساتھ ہو گا۔ دونوں کا روزہ تھا۔ میں بوجہ سفر روزہ سے نہ تھا۔ محمد نواز ڈرائیور لاہور سے میرے ساتھ آیا تھا۔ موٹر اُس نے چلائی۔ اُس کا بھی روزہ نہ تھا۔ روزہ کی افطاری کے وقت دارالسعید پہنچے۔ نجیب اور ساتھی افطاری کے بعد واپس اسلام آباد چلے گئے۔ دِل سے نجیب، اُس کے دیگر بھائیوں، بہنوں اور ماں کے حق میں دُعائیں نکلیں۔ جَزَاھُمُ اللہ وَ اَحْسَنُ الْجَزَاء۔ پاشا، صبیحہ، بچے سب محبت سے ملے اور خوش ہوئے۔

۱۱اگست ۱۹۸۳ء

تربیتی کورس کا آخری دِن ہے۔امتحان ساڑھے چار بجے۔الوداعی پارٹی۔صرف فاروقی صاحب،منصور احمد اور چوہدری ریاض آئے۔تقاریر ہوئیں۔آخر میں میرے معروضات بصورتِ نصائح۔علم کے ساتھ عمل۔نماز کی عادت ڈالنے۔مثالی کردار پیدا کرو۔نمونہ بنو۔خدمتِ دین کا جذبہ۔

انعامات:۔اول انعام عبدالعزیز ابن بابو محمد دین مرحوم اور جمیل الرحمان ابن مبارک احمد پنڈی۔دوئم، بنوں کے طلباء کالج۔سوئم انعام عبدالعزیز کچھی کا بچہ، پروفیسر عزیز احمد اور مولوی شفقت رسول کا لڑکا۔ شیلڈ جماعت بنوں۔

۲۳اگست ۱۹۸۳ء

بعد از نماز مغرب، افتخار احمد کی وفات کی اطلاع، لاہور سے بذریعہ ٹیلی فون آئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔والدہ پاشا نے بہت زیادہ غم کا مظاہرہ کیا۔پاشا کام سے ساڑھے آٹھ بجے واپس آئے تو باہمی مشورہ سے دو بجے رات (سحری) کو بذریعہ موٹر لاہور کے لیے روانگی کا فیصلہ کیا۔سفر میں کسی قسم کی تکلیف یا غیر معمولی تھکان نہ ہوئی۔لاہور میں شدید گرمی تھی۔لوگ جنازہ اور تعزیت کے لیے جمع ہو رہے تھے۔انوار احمد کراچی سے ۱۰:۳۰ بجے پہنچ آیا۔پھر فوراً جنازہ ہوا اور تدفین ہوئی۔اکرام، ناصر، پاشا، ارجمند، نجیب اور مقامی تمام اعزہ موجود تھے۔محمد سعید اور ثریا کوئٹہ سے تدفین کے بعد پہنچے۔شام کو دیگر اں سے بی بی صاحبہ، مبارک عبداللہ، عبدالسلام اور اُس کی والدہ اور پنڈی سے مبارک کی بیٹیاں سب ہی آ گئے تھے۔

رقیہ صبر کی تصویر، غموں سے بھری اِس سانحہ کا مقابلہ کر رہی تھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔

۲۵ اگست ۱۹۸۳ء

دن بھر ماتم داری میں لوگ مصروف رہے۔ میں دو تین گھنٹے کے لیے دفتر میں بیٹھا۔ سب احباب سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ گرمی بہت ہے مگر کمرہ میں ایئر کنڈیشنر غنیمت ہے۔ صبح صبح راولپنڈی آمدہ ایک مطبوعہ پمفلٹ ملک الٰہی بخش کے قلم سے لکھا ہوا، مجھے دفتر سے بھیج دیا۔ اِس وقت تک پہلے تین دلآزار پمفلٹ میری ذات کے خلاف شائع ہو چکے ہیں۔ یہ چوتھا انتہائی دلآزار ہے۔ أُفَوِّضُ أَمْرِیٓ إِلَی اللّٰہِ ؕ (میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں) (المؤمن ۴۰: ۴۴)۔ اللَّهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُو ضَعْفَ قُوَّتِي، وَقِلَّةَ حِيلَتِي، وَهَوَانِي عَلَى النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔ (اے اللہ میں تجھ سے اپنی کمزوری، بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے وقعتی کی شکایت کرتا ہوں۔ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے) (دعاءِ طائف)۔

پاشا کے مشورہ سے درد کے لیے Feldene کیپسول کھانی شروع کی۔ افاقہ ہوا۔ پانچوں نمازیں مسجد میں باجماعت پڑھانے کی توفیق ملی۔ میں نے ایک دو نمازوں میں اجتماعی دُعائیں۔ نمازِ فجر کے بعد اور باجماعت نمازوں میں کیفیات نصیب ہوئیں۔ مکان کی تکمیل میں احسان الحق صاحب بڑا احسان کر رہے ہیں۔ تکمیل کے قریب ہے۔

۱۳ اکتوبر ۱۹۸۳ء

صبح تفکرات کے ساتھ آنکھ کھلی۔ ایک گھنٹہ بعد گھڑی کا الارم بھی بجنے لگا۔ نمازِ فجر میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ کسل اور کمزوری کے ساتھ اُٹھا۔ تھوڑی دیر میں طبیعت میں کچھ ہمت آ گئی۔ اللہ پر بھروسہ کر کے نماز کے لیے چلا گیا۔ صلہ مل گیا۔ بعد از نماز طبیعت کو کافی بشاشت ملی۔ سلسلۂ تلاوت میں حُسنِ اتفاق سے سورۃ الانبیا کے آخری تین رکوع فجر کی دو رکعتوں میں پڑھے۔ ایک کیفیت اللہ نے نصیب فرمائی۔ مقتدیوں پر بھی اثر کے آثار تھے۔ بعد میں ماسٹر عبدالحفیظ بٹ صاحب نے 'ہیر

رانجھے' کا وارث شاہ کا ایک شعر پڑھا۔" ہیر رانجھے نال واصل ہو کے تڑی کیوں" اور نماز کی کیفیت پر تبصرہ کیا۔ میں نے " تڑی کیوں" کے معنی دریافت کیے تو کہا: " پشیمان کیوں ہوئی"۔ یعنی جب تعلق ایک بار لگا یا تو بعد کے مصائب پر پشیمان ہونے کی بات ختم ہوئی۔ دوسرا مصرع یاد نہیں رہا۔ بہر حال اپنی دِلی کیفیت کے مطابق مجھ پر بھی کچھ اثر ہوا۔

(نوٹ: یہ شعر وارث شاہ کی" ہیر رانجھا" سے نہیں۔ ممکن ہے کسی اور پنجابی شاعر کا ہو)

ظہر کی نماز میں دوستوں سے کہا کہ صحت کا تقاضا ہے کہ کچھ دِن گھر پر نماز پڑھوں۔ شاید آرام سے طبیعت سنبھل جائے۔ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔ (اور چاہیئے کہ بھروسا کرنے والے اللہ پر ہی بھروسا کریں) (ابراہیم ۱۴: ۱۲)۔

یکم نومبر ۱۹۸۳ء

شام کے قریب پھر طبیعت زیادہ خراب تھی اور ٹمپریچر بھی ۹۹ ڈگری کے قریب تھا۔ نمازیں گھر پر پڑھیں۔ رات کچھ بے چینی رہی۔ صبح پسینہ تھا۔

۵ نومبر ۱۹۸۳ء

ڈاک بیرونی کافی آ گئی ہے۔ لندن کے خطوط حوصلہ افزا ہیں۔ بلڈنگ " دارالسلام" ویمبلے کے بارہ میں تحریر، جس کا مجھے چھ ماہ سے انتظار تھا، اب جمیلہ نے بھجوائی ہے۔ غنیمت ہے۔ اس سے انجمن کے حقوق کافی محفوظ ہو جاتے ہیں۔ یہ نوید عالم کی تجویز تھی۔ بینک کی طرف سے قرضہ کی ادائیگی پر یا پہلے ہی شاید برائے راست انجمن کے نام پر اُس کی رجسٹریشن ممکن ہوگی۔ انشاءاللہ۔

۱۰ دسمبر ۱۹۸۳ء، ہفتہ۔ ایبٹ آباد

گذشتہ دو تین ماہ میں وقتاً فوقتاً خواب وغیرہ کے طور پر کچھ چیزیں دیکھی ہیں۔ جن سے

طبیعت میں واقعی فکرمندی پیدا ہوئی۔ میں نے وہ چیزیں نہ لکھیں نہ کسی سے ذکر کیا۔قریباً ڈیڑھ دو ماہ سے صحت میں خرابی پیدا ہوئی۔ پھر روبصحت ہوا۔ایک ہفتہ سے ایبٹ آباد اپنے گھر، پاشا کے پاس آیا ہوں۔ والدہ پاشا بھی ساتھ ہے۔ یہاں آ کر طبیعت اور بہتر ہوئی ہے۔اب دو تین دن میں لاہور واپسی کا ارادہ کرر ہا ہوں۔جلسہ میں صرف بارہ دن رہ گئے ہیں۔

پرسوں کے اخبار 'مسلم' میں ایک خبر پڑھی۔کل ۱۱ دسمبر ۸۳ء (یعنی کل) علماء ہر مکتبۂ خیال اور مشائخ کی کنوینشن بمقام موچی دروازہ لاہور ہو رہی ہے۔"تحفظ ختمِ نبوت" کی تحریک کو پھر زندہ کیا جائے۔مولٰینا خان محمد جو مذکورہ تحریک کے صدر تھے، اُنھوں نے یہ کنوینشن طلب کی ہے کیونکہ اُن کے خیال میں 'قادیانیت' سے موجودہ وقت میں "نئے خطرے" پیدا ہو گئے ہیں۔اُس کے انسداد کی تدابیر کی جائیں۔وغیرہ وغیرہ۔العباداً باللہ۔دو روز سے تشویش تھی۔

۲۰ دسمبر ۱۹۸۳ء، لاہور۔آغاز جلسہِ سالانہ

میرا بیٹا عبداللہ مع اہلیہ انجم اور میری پوتی فرخ سعید (پِنّا) خیریت سے شام کو پہنچے تو گھر میں رونق ہوئی اور دِل کو تسکین ملی۔الحمدللہ۔

پاشا مع فیملی پہنچا۔بیوی اور بچوں کو ۴۷ کے ماڈل ٹاؤن چھوڑا اور خود یہاں ٹھہرا۔اکرام دیبگراں میں ہے، آ نہیں سکتا۔وہاں کوئی دوسرا شخص نہیں جو حفاظِت سامان وغیرہ کی ذمہ داری لے سکے۔افسوس ہوا۔ناصر بھی کوئٹہ سے نہیں آ سکا۔اُسے چھٹی نہیں مل سکی۔البتہ محمد سعید آ گیا ہے اور صبیحہ اور بچیاں بھی آئی ہیں۔وہ اپنی والدہ کے پاس ٹھہری ہے اور محمد سعید یہاں پر ہمارے پاس۔

اللہ نے برکت بخشی۔خوش اسلوبی سے سب کی رہائش کا معقول انتظام ہے۔الحمدللہ۔

۲۹ مارچ ۱۹۸۴ء۔دیبگراں

دیبگراں محمد سعید وعیال کے ہمراہ، موٹر مانسہرہ تک۔گیارہ بجے اکرام کے ساتھ اُس کی

سوزوکی گاڑی میں۔

۳۰ مارچ ۱۹۸۴ء

جمعہ دیبگراں مبارک عبداللہ کے گھر پر، گھر کے لوگ، چھوٹے بڑے ۱۴ (چودہ) شامل ہوئے۔ جمعہ پڑھ کر محمد سعید واپس ہو گئے۔ دن پُر تکلف کھانا 'بوجی' نے کھلایا۔

۳۱ مارچ، یکم اپریل اور ۲ا اپریل اور ۳ا اپریل ظہر کے بعد تک دیبگراں قیام

ہر روز بارش، تھوڑی کبھی زیادہ جاری رہی۔ باوجود رہائش اور دیگر ذرائع آسائش کی عدم موجودگی کے دِل کو تسکین حاصِل رہی۔ تھکانے والے حالات کے باوجود آرام کا احساس رہا (نام کوڈ میں) کا اپنی طبیعت سے مجبور سلوک حسبِ دستور رہا، لیکن عمدہ اور قلبی راحت کے لمحات بھی آئے۔ نمازیں مسجد اور معقول انتظام کے فقدان اور موسم کی خرابی سے ویسی نہ ملیں، جیسا حق تھا۔ اکرام بھاری ذمہ داری، جواں مردی سے پوری کر رہا ہے۔ نمازوں میں جزوی ساتھ دیتا رہا۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد ہمیں مجوزہ مسجد کی تعمیر کی توفیق نصیب کرے اور اُس کی برکات تا ابد جاری رکھے۔

بیرون ملک سفر۔ جولائی ۱۹۸۴ء کی ابتدائی تحریر

اے خداوندم بہ خَیلِ انبیاء کش فرستادی بفضلِ اوفرے

اے میرے خدا! اُن انبیاء کے گروہ کے طفیل جن کو تُو نے بڑے بھاری فضلوں کے ساتھ بھیجا ہے

معرفت ہم دِہ چوں بخشیدی دلم مے بدِہ زاں ساں کہ دادی ساغرے

مجھے معرفت عطا فرما جیسے تُو نے دل دیا ہے۔ شراب بھی عطا کر جب کہ تُو نے جام دیا ہے

اے خدا وندم بنامِ مصطفیٰؐ کش شدی در ہر مقامے ناصرے

اے میرے خدا! مصطفیٰؐ کے نام پر جس کا تُو ہر جگہ پر مددگار رہا ہے

دستِ من گیر از رہِ لُطف و کرم　　در مُہمّم باش یار و یاورے

اپنے لطف و کرم سے میرا ہاتھ پکڑ اور میرے کاموں میں میرا دوست اور مددگار بن جا

تکیہ بر زورِ تو دارم گرچہ من　　ہم چُو خاکم بلکہ زاں ہُم کمترے

میں تیری قوت پر بھروسہ رکھتا ہوں اگرچہ میں خاک کی طرح ہوں بلکہ اُس سے بھی کم تر

(حضرت مرزا غلام احمد، دیباچہ براہینِ احمدیہ حصہ اول)

۱۶ جولائی ۱۹۸۴ء۔ انگلستان، ویمبلے

آج کچھ لوگوں کو فون کیا جن میں ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب بھی تھے، جو یہاں سے سو میل دور لیسٹر میں اپنی بیٹی آصفہ کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ خود فون پر نہ آ سکتے تھے۔ آصفہ سے بات ہوئی۔ اُس نے بتایا بہت یاد کرتے ہیں اور اتوار کو اُن کا پراسٹریٹ کا آپریشن ہوگا۔ میرا دِل درد سے بھر آیا اور ارادہ کیا کہ اُنہیں جا کر دیکھنا بہت ہی ضروری ہے، اگرچہ میرے لیے آسان نہیں۔ بار بار خیال آتا رہا اور اپنی بیماری کا ایک واقعہ یاد آیا کہ کسی دوست کی آمد کا کتنا انتظار تھا مگر وہ نہ آئے اور مجھے وہ ملال اور مایوسی اب تک یاد ہے۔ تاہم رات کچھ فیصلہ نہ کر سکا۔

۱۷ جولائی ۱۹۸۴ء

رات کو دیر سے سوئے۔ صبح وقت پر بہرحال آنکھ کھل گئی اور نماز نصیب ہوئی۔ پھر احسان کے ہمراہ سیر آدھ گھنٹہ کی۔ صبح جاگنے کے ساتھ ہی ارادہ پختہ ہو گیا کہ لیسٹر جانا ہے۔ آج شام احسان نے سپین جانا ہے۔ محمد انور سے لیسٹر کے پروگرام کا ذکر کیا۔ وہ بے چارا فوراً تیار ہو گیا۔

پٹرول موٹر میں، میں نے ڈلوایا۔ ٹینک بھر دیا (۱۲ گیلن) اور دِل کو اطمینان ہوا۔ دو گھنٹے کے سفر کے بعد، بارہ بجے لیسٹر پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب کو تکلیف تو کافی ہے۔ لیکن کمزوری اس سے بہت کم ہے جیسی لاہور سے اپریل میں آتے وقت تھی۔ بہرحال مل کر وہ خوش ہوئے۔ آپریشن بھی معمولی ہے۔ urethra کی رکاوٹ کو کچھ کم کرنے کا کوئی procedure سرجن کے مدنظر ہے۔ اللہ تعالیٰ شافی مطلق اُنہیں شفا بخشے اور تکلیف رفع کرے۔ ڈیڑھ بجے کے قریب کھانا کھایا۔ بتایا کہ کئی روز کے بعد ڈاکٹر صاحب پہلی بار سیڑھیوں سے اُترے اور ساتھ میز پر کھانا بھی کھایا۔ پھر تھک گئے اور چلے گئے۔ ہم نے نماز ظہر عصر جمع کی۔ ڈاکٹر صاحب کے داماد صلاح الدین کام سے چھٹی کر کے میری وجہ سے آ گئے تھے۔ نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب سے اجازت لی۔ اور پون گھنٹہ آرام کے بعد سفر پر روانہ ہوئے جو ٹھیک دو گھنٹے میں طے ہوا۔ تھکان قدرے ہوئی لیکن دِل کو بے حد اطمینان ہوا۔

۱۸ جولائی ۱۹۸۴ء

گذشتہ ایام کے معمول کے مطابق سیر کے لیے نکلا۔ احسان آج موجود نہ تھا۔ محمد انور نے ساتھ جانے کا کہا۔ لیکن کل اُنہیں سر درد تھا اور سفر بھی کیا تھا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ وہ آرام کریں کیونکہ وہ صبح سیر نہیں کرتے۔ بازار کی طرف نکلا۔ الائیڈ بینک میں آج کام تھا اس لیے بازار میں اُسے تلاش کیا اور دیکھ لیا۔ پھر واپس ہوا اور گھڑی پر ۷:۳۰ بجے تھے۔ بازار میں شو ونڈوز میں جوتے دیکھتا رہا اور قیمتیں پڑھتا رہا۔ خیال ایک جوڑا لینے کا تھا۔ اسی فضول کام میں مزید وقت ضائع کیا۔ ہارلے سٹریٹ سے جب اپنی سیدھی سڑک پر مڑنا چاہا تو اُس میں غلطی لگ گئی۔ غالباً اُلٹی سمت چل پڑا۔

راستہ بھول جانے سے جن مراحل اور دشواریوں سے آپ گذرے، اُس کی تفصیل تحریر فرمانے کے بعد آپ کی تحریر کا اقتباس:

محض اللہ کے رحم وکرم سے دارالسلام پہنچ گیا۔ اور صحیح سلامت پہنچ گیا۔ گھڑی دیکھی تو ٦ بج کر ٨ منٹ تھے۔ جب گھر سے نکلا ٣ بج کر ٧ ٤ منٹ کا وقت تھا۔ اڑھائی گھنٹے کا وقت گذرا تھا۔ ۔۔ارجمند کی ماں موجود تھی اور کچھ کام کر رہی تھی اور آتے ہی مجھ سے پوچھا۔ لیکن میں نے ارادہ کیا تھا کہ اپنی داستان کی تفصیلات نہ سناؤں گا۔ جیکٹ اُتاری اور کہا: "راستہ میں ایک تنگ جگہ سے گذرتے ہوئے اس پر غلیظ تیل کی قسم چیز کا چکنا اور چمٹنے والا داغ لگ گیا ہے۔ اسے صاف کر لینا"۔ اُس نے تھوڑی فکرمندی کے اظہار کے بعد زیادہ تفصیل نہ پوچھی۔ اللہ کا شکر کیا۔ پھر چائے وغیرہ لا کر مجھے کمرے میں دی۔ میرے کہنے پر کپڑے تیار کیے اور پانی گرم کیا۔ میں نے آدھ گھنٹے کے آرام کے بعد گرم غسل کیا اور کپڑے تبدیل کر کے سو گیا۔ اور نو بجے تک آرام کا ارادہ کیا۔ اللہ کا رحم ہو گیا۔ کوفت تھکان اُتر گئی اور عجیب قسم کا سکون طبیعت میں پیدا ہوا۔ میں نے محض اللہ کے فضل سے اِس تمام واقعہ کے دوران کوئی غیر معمولی گھبراہٹ محسوس نہیں کی۔ البتہ کبھی کبھی خیال آتا تھا کہ کہیں دِل جواب نہ دے جائے۔ سوائے دو چار مرتبہ چڑھائی چڑھتے ہوئے سانس تیز ہونے کے اور بعض لمحات میں تھکان محسوس ہونے کے کوئی تکلیف پیش نہیں آئی۔ ابتلا کے دوران ایسا محسوس ہوتا تو کھڑا ہو جاتا یا کوئی جگہ تلاش کر کے چند لمحے بیٹھ جاتا۔ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ؕ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ بھی وقتاً فوقتاً پڑھ لیتا۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور اُس پر بھروسہ جو اُس نے نصیب فرمایا، ساتھ رہا۔ اب میں اللہ کا شکر کیسے ادا کروں۔ یا اللہ اُس کی توفیق بھی تو ہی عطا کرتا ہے۔ میں عاجز ہوں اور کمزور اور جلدی غافِل ہو جانے والا تیرا چاکر ہوں۔ تو میری جملہ خطائیں درگذر اور معاف فرما۔ تو غفور الرحیم ہے۔ میں اب بوڑھا ہوں لیکن تیرے در سے کبھی بھی مایوس نہیں ہوا (مجھے اپنے بڑھاپے کا احساس اب تک نہ ہوا تھا)۔ دن بھر طبیعت درست رہی اور صبح کے واقعہ کے بعد اللہ کی رحمت کے تصور سے پرسرور دِن گذرا۔

۲۲ جولائی ۱۹۸۴ء۔سفر جزائر غرب الہند میں

(بمقام میامی، قیام برخانہ زاہد جلیل صاحب بمعیت میاں فضل احمد صاحب و بیگم صاحبہ)۔ زاہد جلیل صاحب ایئر پورٹ پر موجود تھے۔ اُن کی بیوی روبی بڑے خلوص سے ملیں۔ بہت خوبصورت گھر میں لائے اور خاطر کی۔ رات جب لیٹا تو ایک بج چکا تھا۔ گھر میں نماز کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ مخصوص کر رکھا ہے۔ دیندار آدمی ہے۔ فجر کی نماز کا وقت ۴ بجے کا بتایا۔ میری آنکھ ۴ بجنے میں پانچ منٹ پر کُھل گئی۔ نیند کے آخری لمحات میں جب نیم بیداری ہو چکی تھی، میں انگریزی میں کچھ گفتگو کر رہا تھا۔ آخری الفاظ عجیب تھے جو جاگتے ہی لکھ لیے تھے۔ میرے سامنے اُس وقت مخاطب اپنی ذات کے علاوہ وہ چند گنتی کے دیگر انسان ہیں، غالباً اپنے رفقائے سفر اُن میں ہیں۔ الفاظ یہ ہیں:

> These are the Ahmadies whose names will be written in golden letters and are inscribed in the hearts of pious people.

یہ الفاظ کہتے ہوئے میرا خیال موجودہ مصائب کی طرف اور اُس بات کی طرف کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ احمدی نام ترک کر دو۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے میرے دِل میں عجیب قسم کا روحانی سرور اور تسکین محسوس ہو رہی ہے۔ الحمد للہ۔

وضو کے لیے باہر نکلا تو مسجد کا کمرہ جو میرے کمرے سے ملحق ہے اور کھلا ہے اور روشنی ہے اور جلیل صاحب بیٹھے قرآن پڑھ رہے ہیں جو رحل پر سامنے رکھا ہے۔ جانماز پڑا تھا جس پر قبلہ نما (compass) لگی ہوئی تھی جو مکہ سے لوگ لاتے ہیں۔ وضو کر کے میاں صاحب کے دروازہ پر دستک دی تو دونوں میاں بیوی نماز کے لیے آ گئے۔ تھوڑا انتظار کرنا پڑا۔ پھر نماز با جماعت نصیب

ہوئی۔ پہلی رکعت میں سورۃ البقرہ کے دو رکوع، آیت الکرسی اور اُس کے بعد والا اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡ حَآجَّ اِبۡرٰھٖمَ فِیۡ رَبِّہٖۤ ۔۔ پڑے (رکوع نمبر ۳۴ اور ۳۵)۔اور دوسری رکعت میں سورۃ آلِ عمران کا آخری رکوع پڑھا۔نماز میں اللہ نے خاص توجہ نصیب فرمائی۔ اللہ قبولیت اور اثر بھی نصیب فرمائے۔

۱۴ اگست ۱۹۸۴ء۔میامی (جزائر غرب الہند سے واپسی پر)

اگلا سفر شروع ہوا۔میامی دو بجے کے قریب پہنچے۔غلط فہمی کے ماتحت،فریدہ آ کر تلاش کر کے واپس چلی گئی۔اُنہیں پریشانی ہوئی۔ہمیں بھی انتظار کی زحمت اُٹھانا پڑی۔ ٹیلی فون کرنے میں کامیابی ہوئی اور طاہر احمد (فریدہ کے میاں) ۱۵ منٹ بعد پہنچ آئے اور اُن کے مکان پر پہنچے۔شہر کے خوبصورت مصفٰی حصہ میں خلیج کے کنارے اُن کا فلیٹ (apartment) بائیسویں منزل پر ہے۔ نیچے سامنے سمندر اور گھنے درخت،عمارات دور تک منظر جنت کا نمونہ ہے۔کافی آرام دِہ اور بہترین سامان سے مزیّن ۔گھریلو زندگی بہت خوشگوار اور پاکیزہ ۔۔۔فریدہ نے کافی حق خدمت و محبت ادا کیا۔نادین اب پورے فقرے بولنے لگی ہے۔ ماشاءاللہ۔

۱۸ اگست ۱۹۸۴ء ہیوسٹن ۔زاہد کی زندگی کے تلخ حقائق سے آگاہی کے بعد دُعا

بہرحال اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہوگا کہ زاہد کو اس کیفیت سے جس کے لیے میں اور زاہد کی ماں کا دِل حزیں چلا آرہا تھا، سے دور کرے۔۔۔اللہ ہم پر اور زاہد پر رحم فرمائے اور اُسے ایک طیّب زندگی نصیب کرے۔ ہماری نسل میں دُعا رَبَّنَا وَ اجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً لَّکَ ۪ ہمارے حق میں قبول فرمائے۔آمین۔ ہماری زندگی میں یہ ایک بھاری حادثہ تازہ زمانہ میں گذرا ہے۔اِس کا تفصیلی ذکر یہاں درج کیا ہے۔ یا اللہ تو ہم سے اور ہماری اولاد اور اولاد در اولاد نسل بعد نسل کو اپنی رضا کی راہوں پر ہمیشہ چلاتا رہ اور ہمیں ہر گمراہی سے محفوظ فرما۔

۱۹ اگست ۱۹۸۴ء ۔ ہیوسٹن، بر خانہ عبداللہ سعید

نفل کا وقت نہ تھا۔ دو سنت نماز ذرا لمبی پڑھی اور دُعا کی۔ خالد کے لیے۔ اکرام کے لیے، پاشا، زاہد، یہاں کے گھر والوں اور کس کس کے لیے یاد نہیں۔ لیکن سب سے ضروری دُعا تو جماعت کے لیے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کشتی کو اِن طوفانوں میں اپنی حفاظت میں کسی عمدہ ساحِل پر لگائے۔ مجھ سا عاجز کمزور بندہ اِس کشتی کا بڑا ملاح بنایا گیا ہے۔ جب بھی تصور دِل میں آتا ہے۔ آنکھوں میں آنسو بھر جاتے ہیں۔

میں نے سب حاضرین کو بٹھا کر انجمن کی مشکلات کا ذکر کیا اور چندہ ماہوار اور بیعت فارموں پر پھر سے دستخط اور تحریری وعدہ کی تحریک کی۔ خاموشی رہی۔ عبدالرحمان بیگ نے درمیان میں کچھ سوالات کیے۔ سب تھوڑا بہت متاثر نظر آتے تھے۔ انجم اکثر وقت آبدیدہ رہیں۔ ایبٹ آباد کی مسجد کے کلمہ کی داستان سُنائی اور پاشا کی نظم یحییٰ کو دی کہ پڑھ کر سنائے۔ سب نے خاموشی سے سُنی۔ ایک آواز آئی۔ غالباً عبدالرحمان بیگ کی: "اچھی نظم لکھی ہے"۔ پھر مجلس منتشر ہوگئی۔

آج یحییٰ اور محمد علی کا داخلہ نئے سکول میں ہوا ہے۔ اللہ شاندار کامیابی دے۔ محمد علی کا عزم ہے کہ سرجن بنے گا اور Olympics (چار سال کے بعد) اور پھر آٹھ سال کے بعد diving (غوطہ زنی) کے مقابلہ میں شامل ہوگا۔ انشاءاللہ۔

زاہد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ، کھانا کھانے کے بعد میرے ساتھ کمرے میں بیٹھا اور خوش گوار باتیں ہوئیں۔ میں نے بھی خانگی کچھ اُمور اُسے بتائے۔ خصوصاً اُس کی بوجی اور اکرام اور دارالسلام کے متعلق۔ اللہ کا احسان ہوا۔ یہ ملاقات اُس کے حق میں بھی انشاءاللہ مفید ہوگی۔ اللہ اُسے صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور اُس کا حافظ و ناصر ہو۔ یہاں کے طبی طریقہ کار اور ہسپتالوں اور ڈاکٹروں کی کمائیوں کے ذرائع کے بارہ میں معلومات پیش کیے۔ اللہ تعالیٰ اُس کی مفید اور بامقصد

طبی speciality کی طرف رہنمائی فرمائے اور کامیاب ترین زندگی عطا کرے اور موجودہ خانگی زندگی کے بجائے نیک رفیقۂ حیات اُسے نصیب کرے جو اُس کی دینی زندگی کے لیے مبارک ہو۔ بیعت فارم پر دستخط زاہد نے کیے اور کہا کہ اقل رقم چندہ کی اس وقت لکھ رہا ہوں لیکن حالات بہتر ہوئے تو زیادہ دینے کی کوشش کروں گا۔

۱۱ اگست ۱۹۸۴ء

شام کو عبداللہ اور انجم سودا سود لانے گئے اور ساتھ احمد نامی ایتھوپیا کے ایک مہاجر کو جو دونوں پاؤں سے معذور ہے ہمراہ موٹر میں لائے۔ وہ ان کے گھر سے کوئی بارہ پندرہ میل کے فاصلے پر رہتا ہے۔ انجم سے کسی خاتون نے ذکر کیا تھا کہ مستحقِ امداد ہے اور اُس کو، اپنے ایک خواب کی بنا پر، احمد کو، اُس کی تعبیر سمجھ کر اُس کے ساتھ ہمدردی اور اُس کی امداد کا سبب بنایا ہے۔ وہ سات ماہ سے آیا ہوا ہے اور موچی کا کام سیکھ رہا ہے۔ انگریزی معمولی بول سکتا ہے۔ نمازیں ہمارے ساتھ پڑھیں۔ کھانا کھایا۔ دیر تک ٹی وی دیکھتا رہا۔ پھر اُسے گھر چھوڑنے رات کے بارہ بجے گئے۔ میں بھی ساتھ چلا گیا۔ واپسی پر سڑک بند تھی۔ دوسری طرف سے جانا پڑا۔ بارہ پندرہ میل کا سفر دُگنا تگنا ہو گیا۔ راستہ کا عبداللہ کو کچھ اندازہ نہ تھا۔ سوا ایک بجے رات کو گھر پہنچے۔ یہ سفر فی سبیل اللہ ہی تھا۔ اللہ عبداللہ اور انجم کی نیکیاں قبول فرمائے اور اُن کی سیئات سے درگذر فرماتے ہوئے اُن کے مالی اور معاشی حالات سنوار دے اور انہیں اپنے قرب کی راہوں کی طرف رہنمائی فرماتا اور چلاتا رہے۔ انہیں آسودگی بخشے اور خدمتِ دین اور قرآن کے متعلق اُن کے ارادے قبول فرما کر اُنہیں پورا کرے۔ اور ان کی اولاد کی ہر رنگ میں، ہر دُکھ اور ہر مصیبت سے حفاظت فرمائے اور اُنہیں دیندار نیک احمدی مسلمان اور خادمِ دین بنائے۔ یہ وقت اُن پر ایک بھاری امتحان کا ہے۔ اللہ اُنہیں استقامت عطا کرے۔ آمین۔

۱۵اگست ۱۹۸۴ء

نماز کے بعد قریباً ایک گھنٹہ انجم کے ساتھ خانگی امور کا کچھ ضروری تذکرہ ہوا۔ اللہ اِن کے لیے تسلی کا موجب کرے۔ بہت سی ایمان افروز باتیں بھی ہوئیں۔ عبداللہ کی بیماری اور شفاء اور یہاں ہیوسٹن میں آنے کی اللہ کی حکمت کا تذکرہ ہوا۔ انجم کے بھائی کی علالت اور افسوس ناک انجام کا ذکر بھی آیا۔ اللہ تعالیٰ کے تصرفات اور اُس کی ہستی کے عملی ثبوت آئے دِن انسانوں کی زندگیوں میں آتے ہیں۔ لیکن اکثر آنکھیں انہیں دیکھ نہیں سکتیں۔ مجھے اپنے بچپن کی زندگی سے ہی بعض واقعات پیش آئے اور تائیدِ ایزدی کے نمونے بھی سامنے آئے۔ پھر ایک گھنٹہ آرام کیا۔ اور اب سفر کی تیاری کے ساتھ اِس چھوٹے سے خاندان کی عاقبت کی بھلائی کے لیے کچھ باتیں اُن سے کرنا باقی ہیں۔

۲۰اگست ۱۹۸۴ء۔ سان فرانسسکو

رات چار پانچ گھنٹے نیند کی۔ صبح جس وقت پر الارم رکھا تھا، اُس سے ایک منٹ پہلے میں نے روشنی جلائی، گھڑی دیکھی، پورے چالیس سیکنڈ کے بعد الارم بجا۔ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک زمانۂ دراز سے میرے ساتھ ہے۔ ذہن اللہ نے ایسا مرتب فرما دیا ہے کہ جس وقت جاگنے کا ارادہ کیا جاتا ہے، عین اُسی لمحے کے آگے پیچھے اور بعض وقت عین اُسی منٹ پر اندر سے خیال پختہ ہو جاتا ہے کہ اب اُٹھنا چاہیئے اور گھڑی پر وہی ارادہ کردہ وقت ہوتا ہے۔ یہ حال دوسرے لوگوں کی واردات میں بھی ہوتا ہے۔ ریڈرز ڈائجسٹ میں ایک مضمون بھی اِس پر ایک عرصہ پہلے آیا تھا۔ یہ مجھ پر بھی اللہ کے احسانات میں سے ہے کہ دماغ کے اندر builtin clock کا انعام بخشا ہوا ہے۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ؟ لَیْسَ بِشَیْءٍ فِیْ انعمک ربنا تکذب و لک الحمد۔

۲ ستمبر ۱۹۸۴ء

صبح نماز میں سورۃ الانبیاء، آخری سے پہلے تین رکوع تھے، جو ہمیشہ ہی دل کو ہلانے والے ہوتے ہیں۔ آج اللہ نے تمام رحم بڑی توجہ اور تاثیر (میرے دِل پر، دوسروں کے دلوں کو اللہ جانتا ہے) نصیب کی جو کبھی کبھی اُس کی جناب سے نصیب ہوتی ہے۔ جو آج میں محسوس کرتا تھا کہ غیر معمولی تسکین ہے، اور آخری دو سجدوں میں جو کافی لمبے ہو گئے دِل موم ہو گیا اور جب اُٹھ کر قعدہ پر بیٹھا تو آنسوؤں کے قطرے داڑھی کے اندر سے جب بہتے محسوس ہوئے دِل پر وہ کیفیت سرور کی پیدا ہوئی کہ دنیا و مافیہا کی حیثیت اُن کے مقابل پر ہیچ نظر آئی۔ یا رب تیرا احسان ہے۔ جماعت میں آج سب ہی روز مرہ کے نمازی پوری اپنی تعداد میں موجود تھے۔ ڈاکٹر محمد احمد، ظفر، مسعود، ستار، ملک اعجاز الٰہی، عبداللہ کے خاندان کے لوگ حاضر تھے۔ زندگی میں ایسے دِن قسمت سے ہی آتے ہیں جو تاریخی ہوتے ہیں۔

۳ ستمبر ۱۹۸۴ء

آج ساہو خان فیملی واپس وینکوور جا رہی ہے۔ ملنے نو بجے کے قریب آئے۔ ثمینہ خان انجم کے لیے کپڑا (جوڑا) قیمتی تحفہ لے کر آئی۔ یہ خاتون محبت، خلوص و عقیدت کا مجسمہ ہے۔ بچے بہت شریف ہیں۔ اور میاں مجسم شرافت ہے۔ جب رُخصت ہوئی تو مجھے مِل کر رونا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اِن کو سعادتیں نصیب کرے۔

۳ ستمبر ۱۹۸۴ء

ہم لوگ کافی دور شاپنگ سنٹر میں گئے، جہاں انجم بچوں کے لیے کچھ خریدنا چاہتی تھی۔ کافی گھومتے رہے۔ صرف ایک جیکٹ یحییٰ کے لیے انجم نے لی۔ دراصل موجودہ مالی حالات فراخی سے شاپنگ کی راہ میں مانع ہیں۔ لیکن اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں اِن دونوں میاں بیوی کے دِل ابھی

بھی کشادہ ہیں۔ پانچ سونے کی چوڑیاں اور آٹھ سو ڈالر، ۵۰۰ ڈالر لندن مسجد کی واگذاری کا، دو سان فرانسسکو کی مہمانداری اور اخراجات کا اور سو ڈالر جنوبی افریقہ کے مقدمہ کے لیے اُن کا دینا، معمولی دل گردہ کی بات، اُن کے موجودہ حالات میں نہیں ہوسکتی۔ اللہ اُنہیں کشائش رزق نصیب فرمائے۔

۶ ستمبر ۱۹۸۴ء۔واشنگٹن

نمازیں شاہد کے ساتھ باجماعت پڑھیں۔ بہت توجہ نصیب ہوئی۔ بچے کے لیے تعجب تھا۔ پہلی بار یہ منظر اُس نے دیکھا تھا۔عجیب عجیب حرکتیں کرتا رہا۔ پہلے کچھ ڈرتا تھا۔ پھر قدرے مانوس ہو گیا اور پاس جانماز پر آیا، پھر گیا۔لیکن نماز کی توجہ اللہ کے فضل سے قائم رہی۔کبھی کبھی جو لذیذ نمازیں مِل جاتی ہیں اُن میں سے ایک تھی۔ یہ میرے محبوب مرشد و محسن محمد علی اعظم کی اولاد ہے۔ اللہ انہیں اِس عظیم ہستی کا عمدہ جانشین بنائے۔

۱۳ ستمبر ۱۹۸۴ء۔لندن

ہیتھرو لندن کے اڈہ پر معمولی تکلیف اور تاخیر کے بعد فارغ ہوا۔سامان وزنی ہونے کی وجہ سے بھی خاصی پریشانی ہوئی۔ باہر محمد انور کھڑے تھے۔ہمراہ سرینام کے بشارت احمد علی اور اُن کے بہنوئی شکور حسینی کھڑے تھے۔ یہ لوگ سیر کے لیے لندن آئے ہوئے تھے اور میرے انتظار میں ایک دِن زائد ٹھہر گئے تھے۔'دارالسلام' ویمبلے میں مع عیال ٹھہرے تھے۔ بعد میں اُسی روز شام کو چلے گئے۔

'دارالسلام' پہنچ کر آرام ملا۔ البتہ میرا قیمتی بیگ جس میں کافی سامان تھا اور یہاں سے اگلے سفر پر جاتے وقت چھوڑ گیا تھا۔اس میں سردی کے موسم کا کچھ سامان،خصوصاً کشمیری شال جو تحفہ کشمیری دوستوں نے ۱۹۸۲ء کے سالانہ جلسہ پر دی تھی قابل ذکر ہے، وہ گم ہوگیا ہے۔ غالباً

چوری ہو گیا ہے۔ دل میں تو گھر کے لوگ ضرور پریشان ہوں گے لیکن بوجہ شرم مجھ سے بات تک نہیں کی۔ الحمدللہ میرے دل نے نقصان کو محسوس نہیں کیا۔ سب کچھ اُسی کا ہے۔ اور بہت کچھ ہے۔ اُس کا رحم اور فضل ساتھ رہے تو بڑی دولت ہے۔ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ۔ تھکان تھی۔ کافی نیند نہ آئی۔ بہرحال شکر ہے طبیعت سنبھل گئی ہے۔ رات اچھی گذری۔

۱۳ اکتوبر ۱۹۸۴ء

(ایک دوست) نے تو اِس دفعہ میری دلآزاری کی انتہا کر دی ہے۔ مگر اللہ کا شکر اُس نے مجھے پھر بھی صبر عطا فرمایا ہے۔ اُنہیں اپنی ذات کے متعلق جو اندازہ ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ میں تو دُعا کرتا ہوں کہ وہ معذور ہیں۔ اللہ اُنہیں معاف فرمائے۔ اور اُن کے رویہ سے دلوں کو جو رنج اور دُکھ پہنچتا ہے، وہ اُسے نیکی جانتے ہیں۔ بہرحال اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور اُسی کے سپرد کرتا ہوں اور اپنی کمزوریوں اور گناہوں کی اُسی سے بخشش مانگتا ہوں۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔

۴ جنوری ۱۹۸۵ء

آج چالیس دِن کے لیے قنوت برائے حفاظت خارجی و داخلی مصائب کی دُعا کے لیے نمازِ فجر سے باجماعت شروع کیا۔

۶ جنوری ۱۹۸۵ء

کراچی محکمہ ڈاک کی چٹھی کہ اڑھائی سو کے قریب ہمارے پارسل، مذہبی کتب کے محکمہ کسٹم نے روک کر اسلام آباد فیصلہ کے لیے کیس بھیجا ہے۔ اگر جواب نہ آیا تو پارسل واپس کر دیئے جائیں گے۔

۳۱ جنوری ۱۹۸۵ء

رات نو بجے پاشا نے فون پر اپنے ایسوسی ایٹ پروفیسر ہونے کی خبر سنائی۔ الحمدللہ۔

۶ تا ۸ فروری ۱۹۸۵ء

رات سر میں چکر آیا۔ اگلی صبح کافی زیادہ تھا۔ اللہ کے بھروسے پر نمازِ فجر کی امامت اور ادعیہ قنوت کی کوشش کی۔ اللہ نے خصوصی رحم فرمایا۔ واپس آ کر گولی Stematil کی طرف توجہ گئی۔ تکلیف رفع ہوگئی۔ تاہم کمزوری دن بھر رہی۔ کل صبح کے خطبہ کی فکر تھی۔ ڈاکٹر اصغر حمید صاحب نے معذرت بوجہ علالت کی۔ اگلی صبح نمازِ فجر عمدہ ہوئی۔ پھر خطبے کا قاضی عبدالاحد صاحب کو کہا۔ اُنہوں نے بھی بیماری کا ذکر کیا۔ پھر بہر حال آمادہ ہو گئے۔ بہرحال میں نے خطبہ تیار رکھا اور اللہ تعالیٰ نے عجیب شانِ رحمت دکھائی۔ ۳۵ منٹ کا نہایت اطمینان بخش خطبہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ پر دینا نصیب فرمایا۔ (کہہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو کہ اللہ تم سے محبت کرے اور تمہیں تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے) (ال عمران ۳:۳۱)۔ الحمدللہ۔

۱۱ فروری ۱۹۸۵ء

اخبار جنگ میں حنیف رامے کا جراُت مندانہ مضمون کلمہ مٹانے کے خلاف جو احمدیوں کی مساجد سے کیا جا رہا ہے، چھپا ہے۔ کچھ احمدی گرفتار کیے گئے کہ کلمۂ طیبہ کے بیّج (badge) لگائے ہوئے تھے۔ سابق جج شوکت علی اور دیگر اکابرین کے مضامین بھی رامے کی تائید کرنے والے شائع ہوئے۔ کچھ مخالفین مولویوں کے تردیدی بیان ہیں جو نہایت نامعقول اور الزاموں پر مبنی ہیں۔

۱۲فروری ۱۹۸۵ء

چالیس روزقنوت نمازِ فجر کا آج فجر کی نماز کے ساتھ انجام ہوا۔

۲۵فروری ۱۹۸۵ء

نیشنل اسمبلی کے غیر پارٹی طرز کے انتخابات ہوئے۔ نتائج مکمل ہونے پر چند اہم باتیں ظہور میں آئیں۔ جماعتِ اسلامی کو بُری طرح ناکامی ہوئی۔ کراچی سے ایک لیڈر بھی (یا کوئی ممبر) منتخب نہ ہوا۔ کُل ملک سے سات ہوئے۔ دو کے خلاف سنگین مقدمات ہیں۔ راجہ ظفر الحق بدترین توہینِ مامور کا مرتکب، کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔ ایسا ہی دوسرے شدید معاند غلام دستگیر وزیر محنت کو ہوئی اور اُس کے خلاف ایک مقدمہ بھی کھڑا ہوا۔ سوائے تین کے سب وزیروں اور ممبران شوریٰ کو شکست ہوئی۔

۷مارچ ۱۹۸۵ء

عبداللہ کا خط آج مجھے آیا۔ رپورٹ مفصل ہمراہ ہے۔ باہمت اور پُرتوکل اور پُرامید اور باعزم ہے۔ اللہ رحم فرمائے۔

۲۹مارچ ۱۹۸۵ء۔ پشاور

خطبہ "اَوْفُوْا بِعَهْدِیْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ" (میرے عہد کو پورا کرو، میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا) کے موضوع پر دیا۔ الحمدللہ! اللہ نے توفیق بخشی۔ دل کو تسلی ہوئی۔ تاثیر اللہ کے پاس ہے۔ تھکان کافی ہوگئی۔ اب کچھ عرصہ سے تھکان جلدی ہوجاتی ہے جو بعد میں محسوس ہوتی ہے۔ نماز کے بعد بیٹھ کر (کرسی پر) دوستوں سے عرضِ حال کیا۔ اُنہیں موجودہ مصائب کے وقت میں زیادہ سعی اور مستعدی کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی۔ میں اندرونی پیش آمدہ پریشانی کے متعلق کلام

شروع کر چکا تھا۔تمہید بیان کر رہا تھا کہ چار قادیانی صاحبان،جن میں سرکردہ عبدالباسط وکیل مانسہرہ (جہانگیری) تھے۔ میں نے اس موضوع پر گفتگو کا ارادہ ترک کر دیا اور اس غیر متوقع دخل اندازی کو اللہ تعالیٰ کی مصلحت پر مبنی سمجھا۔اور اپنی جماعت کے پروگراموں کا موجودہ اور مجوزہ کے متعلق باتیں کیں۔بعض دوستوں نے معقول سوالات کیے،خصوصاً سردار علی خان نے،جن کے جواب فائدہ سے خالی نہ تھے اور شکستہ خاطر افسردہ احباب کے لیے حوصلہ افزائی کا موجب ہو سکتے تھے۔اور قادیانی جماعت کے چار اصحاب کے اس پروپیگنڈا کا بھی جواب تھا جو وہ اپنے کثرت و نظم اور وسائل پر حد سے زیادہ نازاں ہیں اور ہمیں بے حد حقیر اور قابلِ نفرت جماعت سمجھتے ہیں۔اللہ سب پر رحم کرے۔کیونکہ ہم سب اُس کے خاص رحم کے محتاج ہیں۔

شام کو سفید ڈھیری پہنچے۔سردار علی خان نے کھانے کا اہتمام کیا تھا۔عبدالباری خان وکیل بھی آ گئے۔اپنی جمعہ سے غیر حاضری کی معذرت کی۔پشتو میں گفتگو تھی۔سب ہی پختون تھے۔میں تھکا ہوا تھا لیکن دلچسپ مجلس تھی۔تھکان زیادہ محسوس نہ ہوئی۔موجودہ سیاسی حالات میں اپنی حالتوں اور خدشات اور مخالفینِ حق کی زیادتیوں،دروغ بافیوں اور عوام الناس پر اُس کے اثر کے موضوعات پر دیر تک بحث جاری رہی۔کئی لطیفے بھی جو،ان مخالفین کے تعصب اور بے وقوفیوں سے ظہور میں آتے رہتے ہیں دلچسپی کا موجب رہے۔

۳۱ مارچ ۱۹۸۵ء۔راولپنڈی

شام بعد نماز مغرب ربانی صاحب ملنے آئے اور دو گھنٹے بہت خوشگوار اور پاکیزہ مجلس رہی۔اُنہوں نے جماعتی امور میں زیادہ دلچسپی لینے کا وعدہ کیا ہے۔دارالسلام میں اپنے پلاٹ پر مکان بنا کر اُس میں ریٹائرمنٹ کے بعد رہنے کے عزم کا اظہار بھی کیا۔

رات دیر تک TV دیکھتے رہے۔بہت زمانہ کے بعد یہ عیاشی ہوئی اور سعید،صبیحہ کے ساتھ

دیر تک بیٹھنے میں holiday کا احساس ایک لمبے عرصہ کے بعد ہوا۔ ۱۱:۳۰ بجے رات کو سویا اور صبح ۴:۳۰ پر الارم بجنے پر جاگا۔

۱۸ اپریل ۱۹۸۵ء۔ لاہور

فاروقی صاحب نے درس دیا۔ اللہ کا شکر ہے اُن کی صحت اب اس قدر کام کرنے کی متحمل ہوسکتی ہے۔ وہ درس کے نوٹ اپنی بیاض سے پڑھ کر سناتے ہیں جو اُنہوں نے پہلے سے لکھ رکھے ہیں۔ خدا کرے اُن کے دروس کی طباعت واشاعت کا سامان ہو جائے۔

۲۳ اپریل ۱۹۸۵ء

احمدیہ بلڈنگس پہنچے اور نمازِ مغرب بڑے عرصہ کے بعد جامعہ احمدیہ میں ادا کی۔ نماز سے پہلے سابقہ مرکزی دفتر میں گئے جہاں بیان القرآن، جو اب مشکلات کے اندر چھپوایا ہے، اُس کی جلد بندی کی ابتدائی جزو بندی کا کام ہو رہا ہے۔ ناصر احمد، غفور احمد اور فضل الرحمان، چوہدری سردار علی مہتمم احمدیہ بلڈنگس موجود تھے۔ انگریزی ترجمۃ القرآن کی جلد بندی بھی قریب الاختتام ہے۔ کل ایک درجن کے قریب نمازی تھے۔ میرے وہاں جانے کا پروگرام پہلے سے معلوم تھا۔ احمدیہ بلڈنگز کی مسجد کی پرانی نمازیں اور پرانی ہستیاں یاد آئیں۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (ان دنوں کو ہم لوگوں میں نوبت بہ نوبت لاتے رہتے ہیں) (آل عمران ۳:۱۴۰)۔ برانڈرتھ روڈ پر اژدھام کی وجہ سے احمدیہ بلڈنگز میں موٹر یا کسی طرح بھی پہنچنا ایک مہم بن چکا ہے۔ واپسی پر راستے میں بارش ہوئی۔ موسم کچھ خنک ہوا۔

۲۶ مئی ۱۹۸۵ء۔ دیبگراں

نئی سوزوکی میں دیبگراں براہِ راست ۴ کلومیٹر سوا گھنٹے میں پہنچے۔

نئے مکان کو دیکھ کر اللہ کا شکر کیا۔ اکرام کی جانکاہ محنت کا کچھ نہ کچھ نقشہ سامنے آیا۔ ابھی بہت کام باقی ہے لیکن باہر کا کام کافی ہو چکا ہے۔ مسجد کا کمرہ بہت موزوں تیار ہوا ہے۔ فرش پڑ چکا ہے۔ ظہر کی نماز (پہلی نماز) اکرام کے ساتھ باجماعت ادا کی۔ بعد میں عصر کی بھی وہیں پڑھی۔ اللہ کا شکر ادا کیا اور دردمندانہ دُعائیں کیں۔ اللہ اس خانۂ خدا کو نمازیوں سے کسی وقت بھر دے اور اُس کی حفاظت ملائکہ کے ذریعہ فرمائے اور تاابد قائم رکھے۔ ہمارے غم گین قلوب پر تسکین نازل فرماتا رہے۔

شام کو افطاری کے وقت واپس ایبٹ آباد آئے۔ اکرام کی تنہائی فکرمندی کا موجب ہے۔ یونس، رحمت بی بی کا نواسا بھی جواب دے چکا ہے جو عرصہ سے معقول تنخواہ پر محض ساتھی کے طور پر لگایا گیا تھا۔ اب جا رہا ہے۔ وَاللّٰه خَيْرٌ حَافِظاً۔

اکرام سعید۔ ایک اور تحریر

اکرام کی زندگی اپنے لیے کم دوسروں کے لیے زیادہ ہے۔ دوستوں اقربا، مساکین، بچوں سب کا ہی خادم ہے۔ ماں کا جاں نثار بچہ ہے۔ مال سے ذرہ بھر بھی محبت نہیں رکھتا اور پاس کوئی روپیہ نہیں ہوتا۔ جمع کرنا الا ماشاء اللہ۔ خود سادہ زندگی گذارتا ہے۔ لاہور کی پوسٹنگ کے دوران ہماری ہر طرح کی خدمت کی۔ مالی، جانی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ ہمارے پاس ہی رہا۔ ۱۹۸۳ء کے اوائل میں دارالسلام میں میرے زیرِ تکمیل مکان کے لیے پھر کوشش کی کہ جلسہ سالانہ تک مہمانوں کی رہائش کے قابل ہو جائے تو اکرام نے اس موقع پر ۱۵۰۰۰ روپیہ دیا جو میں اپنے اوپر قرضہ سمجھتا ہوں اگرچہ وہ اُسے ایک خدمت قرار دیتا ہے۔ مکان کی تکمیل اور کرایہ پر لگ جانے پر اکتوبر ۱۹۸۳ء میں، ۱۵۰۰۰ روپے میں نے اکرام کو بذریعہ چیک ادا کر دیئے۔ (دستخط بتاریخ ۱۸ اپریل ۱۹۸۴ء)۔

۱۹۸۴ء میں دیگر اں میں ہمارے مکانات کی انتہائی ویرانی اور زرعی جائیداد پر ہر قسم کے تجاوزات کا سلسلہ نمایاں تھا۔ اکرام نے اس چیلنج کو قبول کیا۔ وہ فوج سے ریٹائر ہو چکا تھا۔ ملک سے باہر جانے کی تیاری میں تھا۔ دیہاتی تنہائی اور مجردی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ جرأت، صبر واستقامت کی مثال قائم کرر ہا ہے۔ اللہ ہی اُس کا یارو مددگار رہے۔

۲۷ مئی ۱۹۸۵ء۔ ایبٹ آباد

خوش خبری۔ بشارت

شب گذشتہ فرزندم محمد سعید کی نیک بیوی صبیحہ کو بیٹا عطا فرمایا۔ صبح نو بجے مجھے سعید نے راولپنڈی سے فون کیا اور نام تجویز کرنے کی فرمائش کی۔ میرے دل میں بشارت سعید نام بار بار آرہا ہے۔ اللہ مبارک کرے۔ دو بیٹیوں حلیمہ اور آمنہ عمر قریباً ۸ اور ۶ سال کے بعد کئی خواہش مند افرادِ خاندان کی تمناؤں اور دُعاؤں کو قبول کیا۔

۱۱ جون ۱۹۸۵ء

عجیب توارد ہے۔ ۱۹۷۴ء کی ۱۱ جون کو بھی منگل کا دن تھا۔

رات ساڑھے چار بجے آنکھ کُھل گئی۔ نماز کی توفیق نصیب ہوئی اور کافی موقعہ ملا۔ روزہ کی بھی توفیق ملی۔ فجر کی نماز میں خصوصی رحمت کے آثار محسوس ہوئے۔ جب نماز سے فارغ ہو کر واپس لوٹا تو یاد آیا آج ۱۱ جون ہے۔ ۱۹۷۴ء کا یہی دن یاد آیا۔ جب ہم پر اسی مکان میں جہاں آج ہمارا قیام ہے ہم پر قیامت صغریٰ گذری تھی۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات ایک ایک کر کے یاد آنے لگے۔ اتفاق کی بات ہے۔ کل بشیر احمد سوز سے جو ان دنوں لاہور کی گرمی سے نجات پانے یہاں آئے ہوئے ہیں، اُسی موضوع پر باتیں ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ آج کا دن ہمارے لیے مبارک کرے۔ ہم اللہ کی اُس خارقِ عادت نُصرت کا کیسے شکر ادا کریں۔

اے محسن رب! ہم آج بھی تیری نصرت اور حفاظت کے محتاج ہیں۔ ہمارے پلے وہ اعمال نہیں کہ تیری بے پایاں رحمتوں کے شکر کے قابل ہوں، لیکن ہماری اُمیدیں تیری ذات سے ویسی ہی ہیں اور ہم ویسے ہی محتاج ہیں جو ہمیشہ سے رہے ہیں۔ تو ہم پر اب بھی رحم فرما اور ہمارا انجام اچھا فرمانا۔

یَا مَنْ لَا تَرَاهُ الْعَیُوْنُ، وَلَا تُخَالِطُہٗ الظُّنُوْنُ، وَلَا یَصِفُہٗ الْوَاصِفُوْنَ، اِجْعَلْ خَیْرَ عُمْرِیْ اٰخِرَہٗ وَ خَیْرَ عَمَلِیْ خَوَاتِیْمَہٗ وَ خَیْرَ اَیَّامِیْ یَوْمَ اَلْقَاکَ فِیْہِ یَا وَلِیَّ الْاِسْلَامِ وَ اَھْلِہٖ ثَبِّتْنِیْ بِہٖ حَتّٰی اَلْقَاکَ۔ (اے وہ کہ جس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں، نہ ذہنوں میں کوئی تصور آ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی صفات بیان کر سکتا ہے! میری آخری عمر کو بہتر بنانا اور میرے آخری اعمال بہتر اعمال ہوں، اور جس دن آپ سے ملوں میرے بہترین دن ہوں۔ اے اسلام اور مسلمانوں کے والی مجھے اس (اسلام) پر ثابت قدم رکھ اس وقت تک جب آپ سے ملاقات ہو)۔

۱۳ جون ۱۹۸۵ء

اپنی کار میں راولپنڈی اکرام کی معیت میں گیارہ بجے کے قریب پہنچے۔ منصور خدیجہ اور اکرم امریکہ کے لیے روانگی کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ اکرام نے دیب گراں کے مکان کے لیے دروازوں کی fittings خریدیں۔ روزہ کی توفیق۔

نومولود ننھا بشارت احمد سعید پہلی بار دیکھا۔ پیدائش ۲۶ مئی کو ہوئی تھی۔ وزن ۶.۵۰ پونڈ، رنگ سفید، بال سیاہی مائل بھورے، ناک اونچی سعید کی طرح، آنکھیں ذرا موٹی۔ کافی خوب رُو بچہ ہے۔ ماشاء اللہ۔ اللہ اُسے میری ایک پرانی خواب کا مصداق بنائے، جس میں خلیل بھاجی کی روایت کے مطابق ایک نوزائیدہ بچہ میں نے اُٹھایا ہوا تھا اور میں کہہ رہا تھا کہ یہ ایک مصلح انسان بنے

گا۔ اور اگر ایسا ہو جائے تو ہمارے خاندان کے لیے شرف ہوگا۔ نام بہت پسند کیا گیا ہے کیونکہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم کی بیٹی حامدہ کا نواسا ہے۔ یا اللہ میری۔۔۔۔۔ (نامکمل چھوڑ دیا گیا تھا)

مسجد واقع دارالسعید کے قبلہ کی مغربی کھڑکی کی وجہ سے حالت مخدوش۔ بڑی لاگت سے خطرہ ٹل سکتا ہے۔

ان ایام میں سورۃ توبہ آیات ۱۰۸، ۱۰۹ تلاوت کے دوران پڑھی تو ایک بار پھر یہ جوش دِل میں پیدا ہوا کہ مسجد کو بچانا بہت ضروری ہے۔ دل کانپ گیا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہماری کمزوریوں سے درگذر فرمائے اور اس مشکل کے حل کی راہ ہم پر آسان فرمائے اور ہمیں راہِ صواب دکھائے۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۸۶ء

کل بریگیڈیئر عبداللطیف صاحب کا کوئٹہ کا خط میرے خط کے جواب میں آیا کہ جو دو قالین اُنہوں نے بھیجے ہیں اُن کی قیمت نہیں لیں گے۔ ایک قالین اُن کی بیگم منور کی طرف سے اور دوسری خود اُن کی طرف سے مسجد (کمرہ جو عبادت کے لیے مخصوص کیا گیا ہے) کے لیے اُن کا تحفہ ہے۔ اسی غرض کے لیے پہلے انہی کے ذریعہ ایک قالین منگوایا تھا اور قیمت تخمیناً -/۱۲۰۰ روپے تھی۔ اُس کی قیمت بھی اُسی عُذر سے اُنہوں نے نہ لی تھی۔ لیکن چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ نہ بچھائی گئی اور پیمائش اُنہیں بھیجی گئی۔ اور وہ قالین میں نے ذاتی استعمال کے لیے رکھ لی۔ آج بارہ سو روپے کا چیک اُس کی قیمت کا خط اور شکریہ کے ساتھ بھیج دیا ہے۔ (دستخط ۳۰ اپریل ۱۹۸۶ء)۔ تھوڑے سے اعتذار کے ساتھ اُنہوں نے یہ ۱۲۰۰ روپے قبول کرلیا اور مجھے سکون ملا۔

۱۷ جون ۱۹۸۶ء

دو دِن راولپنڈی میں محمد سعید کے گھر قیام کیا۔ نہایت پُرسکون یہ گھڑیاں رہیں اور صحت پر

غیر معمولی بہتری محسوس ہونے لگی۔ کوئی تھکان محسوس نہ ہوئی۔ ۱۹ جون بروز جمعہ علی الصبح محمد سعید نے اپنی کار میں دارالسعید میں پہنچا دیا۔ حویلیاں کے قریب موٹر کو معمولی حادثہ ٹرک کی ٹکر سے پیش آیا۔ ویسے خیر گذری۔ ٹرک والے نے ایک ہزار روپیہ تاوان ادا کیا۔ جو مرمت کے لیے مکتفی ہونا چاہیئے۔

ایک تحریر بعنوان 'اہم واقعات'

دسمبر ۱۹۸۷ء کا شدید نامساعد اور بعض خطرات اور اندیشوں کے باوجود غیر معمولی طور پر کامیاب جلسہ سالانہ

میری صحت کافی کمزور۔ کوئی خاص تیاری تقاریر کی نہ ہوسکی۔ محض اللہ کے خصوصی فضل سے تین ایام جلسہ میں فجر کی نماز کی امامت، ۲۵ کی افتتاحی تقریر، ۲۶ کی تقریر اور اپیل اور ۲۷ کی اختتامی تقریر تقریباً ۴۵ منٹ کی اور دُعا کرنے کے قابل رہا۔

جمعہ کا خطبہ خود اپنی خواہش سے فاروقی صاحب نے دیا۔ اُن کی طویل شدید امراض کے بعد کی معذوریوں کے ساتھ نہایت موثر اور پُر حقائق خطبہ معجزہ سے کم نہ تھا۔ حاضرین کی تعداد گذشتہ سالوں سے کم نہ تھی۔ چندہ بھی چھ لاکھ سے زیادہ ہی ہوا۔ ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ جلسہ کے بعد امریکہ سے آمدہ دوستوں سے مل کر متعدد مجالس بیرون پاکستان بڑے پیمانے پر اشاعت کے کام کی کئی تجاویز منظور کی گئیں۔ کینیڈا کی خاتون ثمینہ ساہو خان نے قابل قدر کردار ادا کیا۔ حافظ شیر محمد صاحب اور مسعود اختر نے ساؤتھ افریقہ کے مقدمہ کے دلچسپ اور ایمان افروز حالات سنائے۔ مقدمہ کی سماعت ۲۳ فروری کو دوبارہ شروع ہوگی۔

۲۵ جنوری ۱۹۸۸ء

ناصر احمد سعید کو دوبارہ شدید درد پیٹ میں، دسمبر میں ہوا۔ سی ایم ایچ پنڈی میں ۲۵

جنوری ۱۹۸۸ء کو جنرل محمود الحسن نے پیٹ کا اپریشن کیا۔ پندرہ سولہ سال پہلے شدید یرقان obstructive jaundice کا ایک اپریشن ہوا تھا۔ اُسی کے شاخسانہ کے طور پر تکلیف ہو رہی تھی۔ انتڑی کا جو اپریشن جنرل شوکت نے کیا تھا اب دوبارہ اُسی قسم کا اپریشن ضروری ہو گیا تھا۔ gall bladder ٹھیک ہے۔ نکالنا نہیں پڑا۔ bile کے اخراج کے لیے ایک by pass بنا دیا ہے۔

۲۴ مارچ ۱۹۸۸ء

رات دس بجے ہیوسٹن سے مُنو نے فون پر عبداللہ کی انتہائی کمزوری کی خبر دی۔

۲۵ مارچ ۱۹۸۸ء

صبح آٹھ بجے منو کی تشویشناک اطلاع آئی کہ سانس بے قاعدہ ہوا، پھر رُک گیا۔ دو روز کے لیے ڈاکٹر نے respirator پر ڈالا ہے کہ antifungal دوا جو مل رہی تھی اُسے جاری رکھیں گے۔ پھر؟؟؟ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ۚ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۝ (وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) (الروم ۳۰:۵۰)۔

۲۶ مارچ ۱۹۸۸ء

لڑکپن کے زمانے کا ایک فارسی قطعہ یاد آیا، جس کا آخری شعر حضرت مولیٰنا محمد علیؒ نے تفسیر بیان القرآن میں درج کیا ہے:

گِلے خوشبوئے در حمّام روزے رسید از دستِ محبوبے بدستم

(ایک دن حمام میں ایک خوشبودار مٹی میرے ہاتھ میں ایک محبوب کے ہاتھ سے آئی)

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوئے دل آویزِ تُو مستم

(میں نے اس سے کہا کہ تو مشک ہے یا عبیر ہے کیونکہ میں تیری دل کش خوشبو سے مست ہوں)

بگفتا مَن گِلے ناچیز بُودم و لیکن مدتے با گُل نشستم

(اس نے کہا میں ایک ناچیز مٹی تھی لیکن ایک زمانے تک میں پھول کے ساتھ رہی)

جمالِ ہم نشین دَر مَن اثر کرد وگرنہ مَن ہماں خاکم کہ ہستم

(ساتھی کے حسن نے مجھ میں اثر کیا ورنہ میں تو وہی مٹی کی مٹی ہوں)

(گلستانِ سعدی)

یکم اپریل ۱۹۸۸ء

عبداللہ کا جنازہ غائبانہ مسجد دارالسلام میں۔ مسجد بھر گئی۔ خطبہ جمعہ فاروقی صاحب نے، نماز جمعہ پاشا نے، نماز جنازہ میں نے پڑھائی۔ بعد میں مختصر تقریر کی۔ تعزیت کنندگان بے شمار۔ شام ساڑھے پانچ بجے جنرل ضیاء الحق اور گورنر پنجاب سجاد حسین قریشی بھی آئے۔ گئی رات تک سلسلۂ تعزیت جاری رہا اور پھر اگلے چند روز تک سلسلہ جاری رہا۔

۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء

دس بجے صبح کے وقت راولپنڈی اسلام آباد قیامت خیز حادثہ ہوا۔ اوجھڑی کیمپ میں راکٹ، بم، میزائل کے ڈپو میں آگ لگ جانے سے آٹھ دس میل کے ایریا میں ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ عمارتیں برباد ہوئیں۔ وزیر خاقان عباسی بھی مارے گئے۔

۱۱جولائی ۱۹۸۸ء

لالہ فیض عالم، میرے خالہ زاد ایک سو یا کچھ زیادہ عمر میں فوت ہوئے۔ جنازہ آج شام چار بجے ہوگا۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

۱۷اگست، بدھ ۱۹۸۸ء

شام کو خبر آئی۔ جنرل ضیاء الحق مع چیف آف آرمی سٹاف جنرل اختر عبدالرحمان دیگر جرنیلان اور بریگیڈئران، جن میں ہمارے پیارے بھائی بریگیڈئر عبداللطیف بھی اور امریکہ کے سفیر اور دیگر سٹاف، کل تعداد ۳۰ تھی۔ ہوائی جہاز کے ہوا میں پھٹ جانے سے ہلاک ہوگئے۔ جہاز بہاول پور کے ہوائی اڈے سے روانگی کے کچھ منٹوں بعد پھٹ گیا۔کوئی آدمی نہ بچا۔

بریگیڈئر عبداللطیف مرحوم کی میت اگلے روز یعنی ۱۸ اگست جمعرات کی شام پانچ بجے دارالسلام پہنچی۔ساڑھے پانچ بجے جنازہ مسجد کے سامنے لان میں پڑھا گیا۔حاضرین میں سے ہر شخص بشمول سو یا زیادہ فوجی افسران اور بعض اہالیانِ دِہ جیون ہانہ۔سب ہی جنازہ میں شریک ہوئے تعداد سات آٹھ سو ہوگی۔ بعد میں پورے فوجی اعزاز کے ساتھ دارالسلام کے قبرستان میں انہیں سپردخاک کیا گیا۔عبداللطیف شہید کی بیگم اور بچے فوجی اہتمام کے ماتحت قریباً ۳ بجے راولپنڈی سے پہنچ گئے تھے۔جنہوں نے صبر کا نمونہ دکھایا۔نوجوان اکلوتا بیٹا عثمان، جس نے اسی سال میٹرک پاس کیا ہے۔عمر کے لحاظ سے زیادہ، نہایت باشعور، صابر، پختہ مغز انسان ہے۔ بیوی اور بچیاں بھی ماشاء اللہ بہت حوصلہ مند ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

۴ ستمبر کو لطیف کا بھائی عبدالستار، اہلیہ شاہین اور ہمشیرگان صفیہ، زکیہ اور قدسیہ امریکہ سے پنڈی آئے اور لطیف کی بیٹی فائقہ بھی۔ فائقہ سے سوا سب لوگ ۸ ستمبر کو لاہور آئے پھر جمعہ کی نماز کے بعد اوکاڑہ چلے گئے اور ۱۳ ستمبر کو پنڈی واپس اور دو روز بعد امریکہ چلے جائیں گے۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۸۸ء

اچانک دِل میں خیال پیدا ہوا۔ بحالتِ نمازِ مغرب وعشاء۔ چند روز کے لیے لاہور سے جاؤں۔pace maker کے چیک کروانے کا سلسلہ بھی اہم تھا، جو پنڈی میں ڈاکٹر نوری سے کروانا تھا۔غرض پنڈی، ایبٹ آباد، دیگر ان جانے کا خیال پختہ کرلیا۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۸۸ء

ہوائی جہاز میں فرسٹ کلاس میں تین بج کر پچاس منٹ پر پہنچا۔ ناصر سعید کا تصرف الٰہی سے میری سہولت کے لیے، غیر متوقع طور پر کشمیر بارڈر سے چھٹی پر آیا ہوا ہونا عین انہی ایام میں میرے لیے سہولت کا موجب ہوا۔ سفر سے طبیعت پر ناخوشگوار اثر ہوا۔ ۱۸ اکتوبر دن بھر بھی طبیعت زیادہ اچھی نہ تھی۔ دن بھر آرام کیا۔ ۵ بجے شام ڈاکٹر نوری سے وقت تھا۔ بہت مروت سے پیش آئے۔ pace maker ٹیسٹ کرنے کے لیے CMH سے آدمی آلہ لے کر آیا تھا۔ ای سی جی ECG کے پرکھ کرنے کے آلہ میں pace maker نہ آتی تھی۔ نبض کچھ تیز تھی لیکن ڈاکٹر نوری نے کہا کہ یہ بڑی بات نہیں۔ دل خود کام کر رہا ہے pace maker کی لائف زیادہ ہوتی ہے۔ انہوں نے اس صورت کو اچھا خیال کیا ہے۔ دوائیاں جو لے رہا ہوں اُن کی تصدیق اور vitamins کھانے کا مشورہ دیا اور کچھ دیگر ہدایات۔

ڈاکٹر سے فراغت کے بعد شہید بریگیڈئر لطیف کے گھر گئے۔ دو تین گھنٹے ان کی بیوی بچوں کے ساتھ رہے۔

۱۹ اکتوبر ۱۹۸۸ء

بمقام پنڈی بر مکان ناصر سعید

گرمیاں، حالات ذاتی، بیماری والدہ عبداللہ اور انجمن کے حالات، منصور احمد کی لمبی رُخصت، امریکہ میں یکم اگست تا یکم نومبر۔ مسائل مشکلات جولا ہور میں ہوئیں۔ اب ذہنی تھکان اور بعض دیگر فرائض وطن میں۔ (سال بھر سے غیر حاضری)۔

نوٹ: ۱۹۹۰ء کی ڈائری کی بعض اہم تحریرات واقعات کی مناسبت سے تحریر میں آ چکی ہیں۔

بوجہ کمزوریٔ صحت اس کے بعد آپ نے باقاعدہ طور پر واقعات وتاثرات قلم بند نہیں فرمائے۔

تکمیلِ تالیف حیاتِ سعید

۱۵ جولائی ۲۰۱۴ء (۱۷ رمضان)

بمقام کیلگری کینیڈا

صفیہ سعید



اَوَ مَنۡ کَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰہُ وَ جَعَلۡنَا لَہٗ
نُوۡرًا یَّمۡشِیۡ بِہٖ فِی النَّاسِ

اور کیا وہ جو مُردہ تھا، پھر ہم نے اُسے زندہ کر دیا
اور اُسے روشنی دی جس کے ساتھ وہ لوگوں مین
چلے۔ (الانعام ۶:۱۲۲)

لوائے ما پنہِ ہر سعید خواہد بود
ندائے فتح نمایاں بنامِ ما باشد

ہمارا جھنڈا ہر سعید کی پناہ ہوگا
اور فتح نمایاں ہمارے نام کے تحت ہوگی